

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مَنْعَةُ الْبَطْرِ

مجلد اول

اہم ترسیلات و احادیث کے مجموعہ

مولانا شہدائت الحسن علی مدنی

پبلشرز: مولانا صاحب اسلام آباد، لاہور، کراچی



فَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

(الأنبياء ١٠٤)

فہرست عناوین

”نبی رحمت“

| | | | |
|---------|--|--------|--|
| ۹۵ | قبیلہ قریش | ۱۱ | دیباچہ طبع سوم |
| ۹۶ | قصی بن کلاب اور ان کی اولاد | ۱۲ | دیباچہ طبع دوم |
| ۹۷ | بنی ہاشم | ۱۷ | پیش لفظ |
| ۹۸ | کہیں برت پرتی اور اس کا اصل سرچشمہ اہل بیت | ۳۵-۵۸ | عہد جاہلیت |
| ۱۰۳ | اصحاب انبیا کا واقعہ | ۳۵ | غزایا و اہل مذہب پر ایک جمالی نظریہ |
| ۱۰۳ | اللہ تعالیٰ کی نظر میں بیت اللہ و حضرت قریش کا عقیدہ | ۲۲ | دنیا کے مکوں اور قوموں پر ایک عمومی نظر |
| ۱۰۷ | واقعہ قبیل اور اس کے اثرات | ۲۲ | مشرقی رومی سلطنت |
| ۱۰۹-۱۲۶ | کہیں بعثت نبوی کے وقت | ۲۶ | ایرانی شہنشاہی |
| ۱۰۹ | کہیں ایک اہم شہر | ۵۱ | ہندوستان |
| ۱۱۲ | کہیں کی تعمیر اور اس کے اصل بانی | ۵۲ | جزیرۃ العرب |
| ۱۱۲ | زندگی کی تنظیم اور عہدوں کی تقسیم | ۵۵ | یورپ |
| ۱۱۲ | تجارتی سرگرمیاں اور درآمد و برآمد | ۵۶ | گھٹاؤپ اندھیرا اور جان لیوا ایسی |
| ۱۱۶ | اقتصادی حالت اور ان اور پیمانے | ۵۸ | عالمگیر فساد |
| ۱۱۹ | قریش کا دولت مند طبقہ | | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب میں کیوں |
| ۱۲۰ | کہیں کی صنعتیں اور ادب و ثقافت | ۴۲-۵۹ | بعثت ہوئے |
| ۱۲۲ | جنگی طاقت | | عرب کا تاریک ترین دور۔ اور ایک سنبھل نبی کی |
| | جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر اور اس کا روحانی و سماجی | ۴۵-۸۰ | بعثت کی ضرورت |
| ۱۲۳ | پایہ تخت | ۷۷ | نبی کی ضرورت |
| ۱۲۴ | اخلاقی پہلو | ۸۱-۹۰ | جزیرۃ العرب |
| ۱۲۵ | مذہبی پہلو | ۸۱ | جزیرۃ العرب کے حدود |
| ۱۲۷-۱۳۲ | ولادت باسعادت سے آغاز نبوت تک | ۸۲ | جزیرۃ العرب کے طبعی حالات اور اس کے باشندے |
| ۱۲۷ | عبداللہ اور آمنہ | ۸۲ | تمدنی و ثقافتی مراکز |
| ۱۲۷ | آپ کی ولادت باسعادت اور عالی نبی | ۸۲ | اہل عرب کے طبقات اور قسب |
| ۱۲۸ | ایام رضاعت | ۸۶ | لسانی وحدت |
| ۱۳۱ | بی بی آمنہ اور دادا احمد المطلب کی وفات | ۸۷ | جزیرۃ العرب اقوام و نسل کی تاریخ میں |
| ۱۳۲ | چچا ابو طالب کے ساتھ | ۸۹ | نبوت اور آسانی مذہب سے جزیرۃ العرب کا تعلق |
| ۱۳۴ | آسانی تربیت | ۹۱-۱۰۸ | بعثت سے پہلے |
| ۱۳۶ | حضرت خدیجہ رحمہ سے رشتہ ازدواج | ۹۱ | حضرت اسماعیلؑ کے میں |

| | | | |
|-----|--|---------|--|
| ۱۴۳ | مسلمانوں کا جذبہ احسان شناسی | ۱۳۷ | کعبہ کی تعمیر کیا اور ایک بڑے فتنہ کا سرِ باب |
| ۱۴۴ | جنت میں دین کی دعوت اور اسلام کا مفاد | ۱۳۹ | حلف القتل |
| ۱۴۴ | حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ | ۱۴۱ | مہم بے چینی |
| ۱۴۹ | قریش کی طرف سے بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ | ۱۴۳-۲۲۰ | بغشت کے بعد |
| ۱۸۰ | شعب ابی طالب میں | ۱۴۳ | انسانیت کی صحیح صادق |
| ۱۸۰ | عبدالمنعمؓ کی شہادت اور مقاطعہ کا خاتمہ | ۱۴۴ | غایہ حرامیں |
| ۱۸۲ | ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات | ۱۴۴ | بغشت مبارک |
| ۱۸۲ | قرآن مجید کی انقلابی تفسیر یعنی اولیٰ السلام پر اس کی آیت | ۱۴۶ | حضرت خدیجہؓ کے گھر میں |
| ۱۸۴ | طائف کا سفر اور سخت آذیتوں کا سامنا | ۱۴۷ | ورق بن نوفل کی مجلس میں |
| ۱۸۵ | طائف کی اہمیت | ۱۴۹ | حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام اور ان کا کردار |
| ۱۸۶ | ابن طائف کا مسوک اور آپ کی دعا | ۱۴۹ | حضرت علیؓ اور زید بن حارثہؓ کا قبول اسلام |
| ۱۸۹ | واقعہ معراج | ۱۵۰ | حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور رسول اللہؐ کی حصرہ |
| ۱۹۰ | معراج کے بعد ولطیف مطالب و معانی | ۱۵۰ | خزائن قریش کا قبول اسلام |
| ۱۹۲ | نازکی فرضیت | ۱۵۱ | کوہ صفا پر پہلا اعلان حق |
| ۱۹۲ | قبائل عرب کو دعوت اسلام | ۱۵۲ | دعوت و تربیت کا حکیمانہ انداز |
| ۱۹۳ | اسلام کا راستہ | ۱۵۴ | دشمنی ماہنامہ رسائی کا آغاز اور ابوطالب کی کلمت و شفقت |
| ۱۹۶ | انصار کے قبول اسلام کا آغاز | ۱۵۵ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کا مکالمہ |
| ۱۹۷ | بیت عقبہ اولیٰ | ۱۵۵ | اگر سچا ماننے والوں میں وہ سچ کہتا اور میں انہیں جاننا چاہتا ہوں |
| ۱۹۷ | انصار کے قبول اسلام کا اصل سبب | ۱۵۶ | قریش کے انھوں نے مسلمانوں پر ظالم |
| ۲۰۱ | شہد کی خصوصیات اور اس کے اخطاب کی حکمتیں | ۱۵۶ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دشمنی اور ان کے لوگوں |
| ۲۰۵ | مدینہ میں اسلام کا فروغ | ۱۶۰ | کی مختلف کوششیں |
| ۲۰۵ | بیت عقبہ ثانیہ | ۱۶۲ | حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کفار قریش کا معاملہ |
| ۲۰۶ | مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت | ۱۶۳ | لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان |
| ۲۱۰ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی سازش اور ناکامی | ۱۶۳ | کرنے میں قریش کا تردد و پریشانی |
| ۲۱۲ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ | ۱۶۴ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اینارسانی میں |
| ۲۱۲ | عجیب تضاد | ۱۶۴ | قریش کی سگڑی و بے رحمی |
| ۲۱۳ | ہجرت سے ایک سبق | ۱۶۴ | حضرت عمرؓ کا قبول اسلام |
| ۲۱۴ | غار ثور کی طرف | ۱۶۵ | عقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت |
| ۲۱۵ | عبثت کی کرشمہ سازیاں | ۱۶۷ | مسلمانوں کی حبش کی طرف ہجرت |
| ۲۱۶ | آسمانی ننگ اور طبیی امداد | ۱۶۸ | قریش کا تقاب |
| ۲۱۶ | انسانی تاریخ کا سب سے نازک لمحہ | ۱۶۹ | جاہلیت کا تصور یعنی ایسا تمام افعال و عین بل طائف کے لوگ |
| ۲۱۷ | ”لَا تَحْزَنْ اِنَّ اِلٰهَنَا مَعَنَا“ | ۱۷۱ | حضرت صفحہؓ کی حکمت و بلاغت |
| ۲۱۸ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقابلیہ تاریخ کی روایت | ۱۷۲ | وفا قریش کی ناکامی |

| | | | |
|---------|--|---------|---|
| ۲۸۲ | ردگوں میں جہاد و شہادت کا شوق | ۲۱۹ | ایک خلافت قزاق اور ماورائے قفقاز میں لکھی |
| ۲۸۳ | مسلمانوں اور کافروں کی جنگی طاقت کا بے حد فرق | ۲۲۰ | سارک شخص |
| ۲۸۷ | شہرہ کی اہمیت | ۲۵۰-۲۲۱ | عہد بدعت کے شرب (میرینہ) پر ایک نظر |
| ۲۸۶ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیت پیرالار | ۲۲۱ | کی مدنی ماسخوں کا فرق |
| ۲۸۶ | جنگ کی تیاری | ۲۲۱ | یہود |
| ۲۸۷ | بارگاہ الہی میں آہ و زاری اور دعا و مناجات | ۲۲۵ | بہود کی مذہبی و اخلاقی حالت |
| ۲۸۸ | امت کا صحیح تقاضا اور اس کے اصل حکام و بیگانگان | ۲۲۵ | اقتصادیات |
| ۲۹۰ | آغاز جنگ | ۲۲۸ | دینی و ثقافتی حالت |
| ۲۹۰ | پہلا شہید | ۲۳۱ | اوس و خزرج |
| ۲۹۱ | شوق جہاد اور ذوق شہادت میں جہاد کا مقابلہ اور | ۲۳۲ | طبعی و جزائی کیفیت |
| ۲۹۳ | فتح مہین | ۲۳۲ | دینی حالت اور معاشرتی حیثیت |
| ۲۹۴ | جنگ بدر کے اثرات و نتائج | ۲۳۲ | اقتصادی اور تمدنی حالت |
| ۲۹۵ | ایمان کا رشتہ خون کے رشتہ سے بالاتر | ۲۳۳ | شرب کا پیچیدہ اور زہری یا فتنہ معاشرہ |
| ۲۹۵ | مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ | ۲۳۹ | |
| ۲۹۶ | بچوں کی تعلیم کے مواد میں قیدیوں کی رہائی | ۲۴۸-۲۵۱ | میرینہ میں |
| ۲۹۷ | دوسرے غزوات و سرایا | ۲۵۱ | میرینہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور کیا گیا |
| ۲۹۷ | بہی قبضہ کے ساتھ معاملہ | ۲۵۵ | مسجد قبا اور میرینہ کا پہلا جمعہ |
| ۲۹۹-۳۲۲ | غزوہ احد | ۲۵۵ | الوایب انصاری کے گھر میں |
| ۲۹۹ | جاہلی حثیت اور جہدِ شرعی انتقام | ۲۵۷ | مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر |
| ۳۰۱ | احمد کے دامن میں | ۲۵۸ | ہماجرین اور انصاری بھائی چارہ کا معاہدہ |
| ۳۰۱ | ہم عمروں میں مقابلہ اور سابقت | ۲۵۹ | مخاطبہ اور اس کی اہمیت |
| ۳۰۲ | لائی کا آغاز | ۲۵۹ | حضور کی تحریر اور یہودیوں سے امن امان کا معاہدہ |
| ۳۰۲ | حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی شہادت | ۲۶۰ | افغان کا حکم |
| ۳۰۳ | مسلمانوں کا غلبہ | ۲۶۱ | میرینہ میں نفاق اور منافقین کا ظہور |
| ۳۰۳ | مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پڑا؟ | ۲۶۵ | یہود کی دشمنی کا آغاز |
| ۳۰۶ | محبت اور جان نثاری کی نئی نظریں | ۲۷۰ | قبلہ کی تبدیلی |
| ۳۱۰ | مسلمانوں کا دوبارہ جہاد | ۲۷۲ | میرینہ کے مسلمانوں سے قریش کی پھیر چھڑا |
| ۳۱۲ | ایک مؤمن کا مصعب | ۲۷۳ | قتال کی اجازت |
| ۳۱۲ | مصعب بن عمیر اور دیگر شہداء کے ذکر و تذکرہ | ۲۷۳ | عبداللہ بن جحش کا سر سے اور غزوہ ابواء |
| ۳۱۳ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابی جان نثاری | ۲۷۷ | روزہ کی فرضیت |
| ۳۱۳ | جان نثاری اور فراتہ واری کی ایک مثال | ۲۷۸-۲۷۹ | بدر کی فیصلہ کن جنگ |
| ۳۱۶ | جان سے زیادہ عزیز | ۲۷۹ | جنگ بدر کی اہمیت |
| ۳۱۸ | بشر مومنہ | ۲۸۱ | انصاری کی پیشکش اور ان کی جان نثاری |

| | | | |
|---------|--|---------|---|
| ۳۶۶ | ذلت آمیز صلح یا کھلی ہوئی فتح؟ | ۳۱۸ | ایک نعتوں کے آخری الفاظ جو قائل نے قبول اسلام کا سبب بن گئے |
| ۳۶۶ | بصورت نامی بحقیقت کامیابی | ۳۱۹ | بنی النضیر کی جلا وطنی |
| ۳۶۷ | یہ صلح فتح و ظفر میں کیسے تبدیل ہوئی؟ | ۳۲۱ | غزوہ ذات الرقاع |
| ۳۷۰ | خالد بن ولید اور عمرو بن العاصؓ | ۳۲۱ | اس وقت آپس میں کون ہی سکتا ہے؟ |
| ۳۷۰-۳۷۱ | سلاطین و امراء کو دعوت اسلام | ۳۲۲ | کچھ غزوات جہاں قتالی کی نوبت نہیں آئی |
| ۳۷۱ | حکیمانہ طرز دعوت | ۳۲۳-۳۲۶ | غزوہ مہندق یا غزوہ اہزاب |
| ۳۷۳ | مکانب نبوی | ۳۲۴ | حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے |
| ۳۷۸ | فرزین نبویؐ میں کون سے الیم کے اہل بلاقیات حلالی رعایت | ۳۲۵ | مسلمانوں میں بہمدی و مساوی ایک ہی امر |
| ۳۸۰ | یہ سلاطین کون تھے؟ | ۳۲۷ | تنگی و محاسرتی تاریکی میں اسلامی فتوحات کا نور |
| ۳۸۱ | تیسرے روز ہزقل اول (۶۱۰-۶۱۱ء) | ۳۲۸ | غزوہ مہندق میں رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ |
| ۳۸۳ | کسریٰ پر وزیر (خضر پر وزیر دوم) ۵۹۰-۶۱۸ء | ۳۳۰ | کرمی آرائش |
| ۳۸۶ | مقوقس | ۳۳۱ | جاہلیت کی خسرو اور اسلام کے خسرو کا مقابلہ |
| ۳۸۸ | سجاشی | ۳۳۲ | ان اپنے ہلکے ٹکڑے کو بچا اور شہادت پر آمادہ کر لی |
| ۳۹۱ | ان سلاطین نے انہما کے مبارک کے ساتھ کیا معاہدہ کیا؟ | ۳۳۳ | غیبی نصرت |
| ۳۹۳ | ہزقل اور ابوسفیان کا مکالمہ | ۳۳۷-۳۵۶ | غزوہ بنی قریظہ |
| ۳۹۷ | ارسی کون تھے؟ | ۳۳۷ | بنی قریظہ کی عہد شکنی |
| ۴۰۲ | مکاتیب بنام امراء عرب | ۳۳۹ | بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی |
| ۴۰۴ | غزوہ بنی نضیر اور غزوہ ذی قرد | ۳۴۰ | الوگیاہ کی ندامت اور ذبیحہ کی قبولیت |
| ۴۰۵-۴۲۰ | غزوہ خیبر | ۳۴۲ | سعد بن معاذ کی حق پرستی اور بے لاک فیصلہ |
| ۴۰۵ | اللہ کا انعام | ۳۴۳ | اسرائیلی شریعت کے مطابق سزا |
| ۴۰۷ | لشکر اسلام نبی کی قیادت میں | ۳۴۷ | عصو و درگزر اور سخاوت و دریا دلی |
| ۴۰۹ | منظور و منصور قائم | ۳۴۹ | غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ انک |
| ۴۱۰ | شیر خدا اور ایک نامور یہودی خسرو کا مقابلہ | ۳۵۷-۳۷۷ | صلح حدیبیہ |
| ۴۱۰ | محنت کم اوجرت زیادہ | ۳۷۷ | رسول اللہ ﷺ کا حوالہ کر کے داخلہ کے لئے |
| ۴۱۲ | آپ کی رفاقت میں نے اس لئے نہیں کی تھی | ۳۵۷ | مسلمانوں کی تیاری |
| ۴۱۳ | خیبر میں قیام کی شرط | ۳۵۹ | مسلمانوں کے گم میں داخلہ سے قریش کی پریشانی |
| ۴۱۴ | مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی | ۳۶۰ | عشق و وفا کا امتحان |
| ۴۱۴ | جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد | ۳۶۰ | بعیت رضوان |
| ۴۱۵ | یہودی کی ایک نوجوان سازش | ۳۶۱ | مذاکرات ثالثی اور صلح کی کوشش |
| ۴۱۶ | غزوہ خیبر کے اثرات | ۳۶۲ | معاہدہ و صلح نامہ |
| ۴۱۷ | مال غنیمت | ۳۶۳ | حلم و حکمت کی جامعیت کی ایک مثال |
| ۴۱۸ | مہاجرین کی پاک نفسی و احتیاط | ۳۶۳ | صلح اور آرائش |
| ۴۱۹ | عمرۃ القضاہ | ۳۶۵ | مسلمانوں کا امتحان |

| | | | |
|---------|---|---------|---|
| ۲۵۰ | پینے د ششوں کے ساتھ حسن سلوک | ۲۲۰ | لوگوں کی پرورش و تربیت میں تعالیا اور حقوق میں مساوات |
| ۲۵۱ | ہندرت عقلمند اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ | ۲۲۱-۲۲۸ | غزوہ مودہ |
| ۲۵۲ | تھلے سے ہی ساتھ بیٹھے اور تھلے ہی ساتھ سنا ہے | ۲۲۱ | مسلمانوں کے سیر کا قتل اور اس کا نشانہ |
| ۲۵۳ | دشمنوں آنکھیں کھجائیں اور فاسق و فاجر خوشی و | ۲۲۲ | روی نظر میں پہلی اسلامی فوج |
| ۲۵۴ | پریم پر گارن گئے | ۲۲۳ | ہم دشمن سے تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں لڑتے |
| ۲۵۴ | جاہلیت کے آثار اور بت پرستی کے نشانات کا خاتمہ | ۲۲۳ | مجاہدین سرکھت |
| ۲۵۵ | فتح مکہ کے اثرات | ۲۲۵ | حضرت خالدہ کی ماہرانہ قیادت |
| ۲۵۶ | کسں امیر | ۲۲۶ | آنکھوں دکھا حال |
| ۲۵۷ | غزوہ یثرب | ۲۲۶ | جھڑپاڑ |
| ۲۵۷-۲۶۲ | شیخ اسلام کو پھونکوں بھانے کی ایک اور ناکام کوشش | ۲۲۷ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و دلدادگی |
| ۲۵۷ | ہوازن کا اجتماع | ۲۲۷ | حکمہ کرنے والے، نہ کہ بھاننے والے |
| ۲۵۹ | اب بت پرستی و ایسے نہیں سکتی خواہ کسی شکل میں ہو | ۲۲۸ | غزوہ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان |
| ۲۶۰ | وادی یثرب میں | ۲۲۹-۲۵۶ | فتح مکہ |
| ۲۶۱ | دشمنوں کی شہادت اور نصیحت الایمان لوگوں کی خوشی | ۲۲۹ | فتح مکہ کا پس منظر |
| ۲۶۱ | فتح اور سکنت | ۲۳۰ | بنی مکہ اور قریش کی عہد شکنی |
| ۲۶۳ | اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ | ۲۳۱ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد |
| ۲۶۴ | اوطاس میں | ۲۳۱ | آخری طور پر انعام و محبت |
| ۲۶۵-۲۶۷ | غزوہ طائف | ۲۳۲ | معادہ کی تجدید کے لئے قریش کی کوشش |
| ۲۶۵ | ثقیف کے باقی ماندہ دستے | ۲۳۲ | ماں باپ اور اولاد پر حضور کو ترجیح |
| ۲۶۵ | طائف کا محاصرہ | ۲۳۳ | ابوسفیان کی پریشانی اور ناکامی |
| ۲۶۶ | میدان جنگ میں رحم دلی | ۲۳۴ | مکہ کی تیاری اور صاحب ابن ابی بلتہ کا خط |
| ۲۶۶ | محاصرہ کا خاتمہ | ۲۳۸ | بروائے معافی |
| ۲۶۷ | حسین کے باندی، غلام اور مال غنیمت | ۲۳۹ | ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے |
| ۲۶۸ | انصار کی محبت اور ان کا ایشار | ۲۴۰ | معافی کی صدائے عام |
| ۲۷۰ | قیدیوں کی واپسی | ۲۴۱ | ابوسفیان فتح کے جلووں کا نظارہ کرتے ہوئے |
| ۲۷۲ | نرم دلی اور کریم النفسی | ۲۴۲ | نیاز مندانا، نہ کہ فاتحانہ داخلہ |
| ۲۷۲ | عمرہ حجراتہ | ۲۴۳ | معافی و رحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں |
| ۲۷۳ | اپنی رضا و رغبت سے | ۲۴۵ | معمولی بھڑپ میں |
| ۲۷۴ | بت پرستی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور عاریت نہیں | ۲۴۵ | حرم سے بتوں کی صفائی |
| ۲۷۴ | کعب بن زہیر کا قبول اسلام | ۲۴۶ | آج حسن سلوک اور پیاس و فکا کا دن ہے |
| ۲۷۷-۲۹۸ | غزوہ تبوک | ۲۴۷ | توحید حق اور وحدت انسانی کا دین |
| ۲۷۷ | غزوہ تبوک کا نفسیاتی اثر اور اس کے اسباب | ۲۴۸ | نبی رحمت |
| ۲۸۲ | غزوہ کا زمانہ اور وقت | ۲۴۹ | حدود شرعیہ کے اجراء میں کوئی اختیار واپس |

| | | | |
|---------|---|---------|--|
| ۵۲۸ | انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت | ۲۸۳ | جہاد اور دنیا کی لشکر میں جہاد کا فرق |
| ۵۲۱ | مسلمانوں کی مصدقہ جماعت پر آپ کی آخری ننگا | ۲۸۴ | نظائر اسلام کی جنم تک کی طرف رہائی |
| | قبول کی تشریح اور ان کو جماعت گاہ و مسجد بنانے کی | ۲۸۵ | رومیوں سے عربوں کا خوف |
| ۵۲۲ | ذمت و ممانعت | ۲۸۶ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل کے حاکم میں صلح |
| ۵۲۳ | آخری وصیت | ۲۸۶ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ واپسی |
| ۵۲۴ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سال پر تشریح | ۲۸۷ | ایک عرب مسلمان کے جنازہ میں |
| ۵۲۶ | صحابہ کرام نے آپ کی وفات کی خبر کس طرح سنی؟ | ۲۸۸ | کعب بن مالک کا ابتلاء اور ان کی کامیابی اور غزوات |
| ۵۲۷ | حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ کن اور اہم امتداد قدم | ۲۹۵ | غزوات پر ایک نظر |
| ۵۲۷ | حضرت ابو بکرؓ کی بیعت خلافت | ۲۹۸ | اسلام میں پہلا حج |
| ۵۲۹ | مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کو کس طرح الوداع کہا؟ | ۲۹۹-۵۰۸ | وفد کا سال |
| ۵۶۴-۵۵۱ | ازواج مطہرات و اولاد اہل جہاد | ۲۹۹ | مدینہ میں وفد کی مسلسل آمد اور بڑے زور سے پراسرار |
| ۵۵۱ | ازواج مطہرات | ۵۰۷ | ایک جاہل بیت پر اور نبیؐ ہادی کا مکالمہ |
| ۵۵۲ | تعدد ازواج پر ایک نظر | ۵۰۸ | زکوٰۃ و صدقات کی فرضیت |
| ۵۲۰ | آپ کی اولاد و احفاد | ۵۰۹-۵۲۸ | حجۃ الوداع |
| ۵۲۲ | غائبانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کا اہتمام | ۵۰۹ | حجۃ الوداع اور اس کے وقت کا انتخاب |
| ۶۰۸-۵۶۵ | اطلاق و طلاق | ۵۰۹ | حجۃ الوداع کی دعوتی تبلیغی اور تہنیتی اہمیت |
| | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور صفات | ۵۱۰ | حجۃ الوداع کا تاریخی ریکارڈ |
| ۵۲۰ | کریمہ اور صلح مبارک | ۵۱۱ | حجۃ الوداع کا اجلی جائزہ |
| ۵۷۱ | تعلق سے اللہ | ۵۱۱ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیسے کیا؟ |
| ۵۷۲ | آپ کی نگاہ میں تمام دنیا کی حیثیت اور اس کی آپ کی بڑائی | ۵۲۱ | حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ |
| ۵۷۷ | خلق خدا کے ساتھ | ۵۲۱ | خطبہ عرفہ |
| ۵۸۳ | اعتدال فطرت اور سلامت ذوق | ۵۲۹-۵۵۰ | وفات |
| ۵۸۴ | اپنے گھر میں اپنی دنیا اپنے ساتھ | | تبلیغ دعوت اور اجرائے شریعت کا قطعہ عروج |
| | خطرات اور آزمائشوں میں سب کے آگے اور انعام | ۵۲۹ | اور وصال حق کی تیاری |
| ۵۸۶ | و اکرام میں سب کے پیچھے | ۵۲۱ | قرآن مجید کا دور اور احکامات میں اضافہ |
| ۵۸۸ | لطافت شعور اور جذبات کی بلندی و پاکیزگی | ۵۳۳ | نقلے مولا کا شوق اور دنیا کو وداع |
| ۵۹۲ | کرم گستری اور تحمل و بردباری | ۵۳۴ | علاقت کا آغاز |
| ۵۹۷ | آپ کی تواضع | ۵۳۵ | آخری لشکر |
| ۶۰۰ | شجاعت و دلوری اور شرم و حیا | ۵۳۵ | جمیش اساتذہ سے آپ کی دیکھی واپتام |
| ۶۰۱ | شفقت و محبت و رحمت عاتقہ | | مسلمانوں کے لئے دعا اور ذاتی مرشدی کے شوق |
| ۶۰۵ | کامل عالمگیر اور لازوال نمونہ | ۵۳۷ | اور تکبر سے دور رہنے کی آگاہی |
| ۶۳۷-۶۰۹ | موت و آرزوئہ الراضیۃ للعلیین | ۵۳۷ | دنیا سے تعلق اور ال کے سچ جانے سے کرامت |
| ۶۳۵ | اشارہ (انٹرس) قرعہ محمدیات الیہ نبوی | ۵۳۸ | ناز کا اہتمام اور حضرت ابو بکرؓ کی امامت |
| | | ۵۳۹ | خطبۃ الوداع |

دیباچہ طبع سوم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين
وخاتم النبيين، محمد وآله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم

بإحسان إلى يوم الدين

امّا بعد! مؤلفہ "نبی رحمت" کا قلب و قلم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے
شکر میں سجدہ ریز ہیں، اور اس کے تناخاں کہ "السيرة النبوية" عربی کا سالانہ
اور "نبی رحمت" (اردو کا تیسرا) ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے
عربی میں "السيرة النبوية" ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۷ء) میں شائع ہوئی تھی، اور اس کا
ساتواں ایڈیشن ۱۴۰۷ھ (۱۹۸۷ء) میں دار الشروق (جدارہ) سے نکلا ہے۔

عام ناظرین کے علاوہ موضوع سے خصوصی و مبصرانہ واقفیت اور اشتغال
رکھنے والے افراد، تعلیم و تربیت کے ماہرین، اور علمی اداروں کی طرف سے کتاب کی
جو قدر افزائی ہوئی اس پر مؤلف اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، عربی سیرت کا اردو، ہندی
انگریزی، ترکی اور انڈونیشی زبان میں بھی ترجمہ اور ان زبانوں کے وسیع حلقے میں
اس کی اشاعت ہوئی، اور عربی سیرت نے خاص طور پر متعدد مؤثر عرب جامعات

(یونیورسٹیز) کے نصاب میں جگہ پائی، اس عرصہ میں مؤلف کو سیرت نبوی اور اس کے تاریخی و جغرافیائی، تمدنی و اجتماعی پہلوؤں سے متعلق نئی کتابوں اور عربی، اردو، انگریزی کے جدید مواد سے استفادہ کا موقع ملا اور اس نے ان کی روشنی میں کتاب میں جا بجا قیمتی اضافے کئے، کہیں کہیں واقعات کے پس منظر پر مزید روشنی ڈالی، اور تقابلی مطالعہ کے نتائج پیش کئے، نیز سیرت کے واقعات کچھ بعض و ذرا ایچ، علمی، اور دعوتی پہلوؤں جا کر کے جو پہلے ایڈیشن میں رہ گئے تھے۔

مؤلف سیرت نے ابتداء ہی سے مجرّد وقائع نگار اور ضابطہ کے ایک مؤرخ کی حیثیت سے صرف واقعات و معلومات کی بے جان و خشک فہرست مرتب کر دینے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ واقعات سیرت اور اقدامات و ارشادات نبوی سے ان دور رس و حکیمانہ نتائج اور ان بلیغ و عمیق اشارات کی طرف بھی متوجہ کرنے کی کوشش کی جو سیر الانبیاء اور خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و دعوت کے مطالعہ، نفسیات انسانی، علم الاخلاق، و علم الاجتماع میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور جن سے ہر زمانہ اور ہر مقام میں دعوت و تربیت کے کام، قوموں اور نسلوں کی رہنمائی اور زندگی کے سچے درپچے مسائل و مشکلات کی عقدہ کشائی میں بیش قیمت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ ایڈیشن سیرت کے قدیم بنیادی مواد کے ساتھ موضوع سیرت سے متعلق نئے معلومات، تاریخی تفحّص اور علمی تحقیق پر مشتمل ہے، اسی کے ساتھ اس میں ایمانی و دینی جذبات کی تسکین اور ذات نبوی سے قلبی و روحانی رابطہ و تعلق کی تقویت کا سامان بھی ہے، جو سیرت نبوی کی کتاب کی اصل سوغات اور زندگی کا

اصل قیمت و لذت ہے

درخزین کائنات کریم نگاہ

یک دانہ محبت است باقی ہمہ گاہ

یہ باتیں بغیر کسیبالغہ و رنگ آمیزی کے پیش کی گئی ہیں کہ سیرت کو ان کی ضرورت
نہیں اس کا جمال جہاں آرا قلب و دماغ کو موہنے اور متاثر کرنے کی ذاتی صلاحیت
رکھتا ہے

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی

قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

اخیر میں مؤلف ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کو
اس کی مہلت و توفیق دی اور اس کے لئے وہ اسباب فراہم کئے کہ وہ اپنی کتاب میں
کچھ اضافے کر سکا، اسی طرح وہ دار الشروق اور اس کے فاضل و محترم مالک
محب گرامی قدس سرہ محسن احمد باروم کے حسن نوجہ کا بھی ممنون ہے اور اللہ سے
ان دونوں کے لئے دائمی توفیق اور حسن قبول کی دعا کرتا ہے۔

والسلام

ابوالحسن علی ندوی

ندوة العلماء - لکھنؤ

۲۸ شعبان ۱۴۰۶ھ

۲۸ اپریل ۱۹۸۶ء

دیباچہ طبع دوم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

وخاتمة النبيين محمد وآله وصحبه اجمعين

ناچیز مصنف کی زبان و قلم اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس انعام کے شکر اور اس کی حمد سے قاصر ہیں کہ سیرت نبوی کے سلسلہ کی اس کی ایک شش (جس کو اپنی نسبت عالی کی بنا پر پختہ و ناچیز لکھنے کی کسی طرح ہمت نہیں ہوتی) علمی و دینی حلقوں میں ناقابل اعتناء نہیں ٹھہری، کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی، جو سیرت کی مفصل مہبوط، قدیم و جدید عالمانہ اور محققانہ ہر طرح کی تصنیفات سے مالا مال ہے، اس کتاب کا اختتام ۵ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ (۲۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء) کو ہوا تھا، لیکن چار برس کی مختصر مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ اس کے تین ایڈیشن قاہرہ اور بیروت سے شائع ہوئے، ہر ایڈیشن کئی کئی ہزار کا تھا، اور دیکھتے دیکھتے وہ عالم عربی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا، مصنف کے لئے سب سے بڑی سعادت اور شکر و فخر کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اس سرزمین میں مقبول ہوئی، جہاں اس حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ گزرا تھا، اور ان تعلیم گاہوں اور یہی مرکزوں میں داخل نصاب ہوئی جو مہبوط و حسی

اور مولد و مقدر رسول سے قریبی نسبت رکھتے تھے۔ ع

بریں مزیدہ گرجان فشانم رواست

عربی سے اردو میں ترجمہ کی خدمت مصنف کے نعت جگر اور قرۃ عین برادر زادہ
عزیزید محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی نے بڑے شوق اور پورے آداب کے ساتھ
انجام دی یہ ان کے ترجمہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی، اس کی طباعت کے بعد وہ
زیادہ دن اس دنیا میں نہیں رہے، اور ان پر ہندوستان میں سیرت نبوی کے
مصنف عظیم علامہ شبلی نعمانی کا یہ شعر صادق آتا ہے

گر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے، یوں خاتمہ باخیر ہونا تھا

کتاب کے ترجمہ پر مصنف نے اس وقت نظر ڈالی جب اس میں (نزول الماء
کی شکایت کی وجہ سے) نقلی مسودات کے پڑھنے اور کتابت و طباعت کی غلطیوں
کو پکڑنے کی پوری صلاحیت نہ تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں کچھ فروگزاشتیں ایسی گئیں
جن کو خود مصنف یا غور اور بہمدردی کے ساتھ ایک ایک لفظ پڑھنے والا ناقص ہی
پکڑ سکتا تھا، مصنف اپنی بڑھی ہوئی مصروفیات اور پے در پے طویل سفروں کی وجہ
سے اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے جلد وقت نہیں نکال سکا، اب الحمد للہ اس کو اس کی
توفیق اور فرصت ہوئی، اس نے اردو ترجمہ کو لفظاً لفظاً پڑھا، جہاں ضرورت پیش آئی
اصل کتاب اور عربی ماخذ سے مقابلہ کیا، اور کتاب کو طبع ثانی کے لئے پورے طور پر
تیار کر دیا، بعض مقامات پر (خصوصاً حواشی میں) چند تفسیر اور ضروری اضافے بھی
کئے، متعدد اہل علم قارئین نے بعض مقامات پر توجہ بھی دلائی جو نظر ثانی کے محتاج تھے،

مصنف ان سب دستوں کا بھی شکر گزار ہے اور وہ خدا کے یہاں اجر و ثواب کی بھی مستحق ہیں، جنہوں نے بعض اہم غلطیوں اور فروگزاشتوں کی نشاندہی کی، اس سلسلہ میں مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاد تفسیر و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں۔

اب کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن انسانی و امکانی سعی کے مطابق زیادہ صحیح اور مکمل شکل میں قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔
 اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور کتاب کو لکھنے والے ترجمہ کرنے والے پڑھنے والے اور اس کی طباعت و اشاعت میں کسی قسم کا حصہ لینے والوں کے لئے نجات اور ترقی درجات کا ذریعہ بنائے۔

ابواحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ رائے پری

۲۲ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

یکم دسمبر ۱۹۸۰ء

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ

بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

وہ پہلا مکتب اور مدرسہ جہاں سب سے پہلے مصنف کتاب کا داخلہ ہوا وہ
سیرت نبوی کا مدرسہ ہے اس مبارک مدرسہ میں اس کا داخلہ اس ابتدائی عمر میں
ہوا جس میں بچے عام طور پر مکتب اور مدرسہ میں داخل نہیں کئے جاتے، یہ اس کے گھرانے
اور خاندانی ماحول اور فضا کا نتیجہ تھا جو وہاں قائم تھی، سیرت کو اس ثقافت
اور کلچر کے ایک اہم اور بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل تھی جس سے بہرہ مند اور آراستہ
ہونا گھر کے بچوں اور لڑکوں کے لئے اس عہد میں ضروری خیال کیا جاتا تھا، اس میں
اس بچے کی چھوٹی موٹی لائبریری کو بھی بڑا دخل ہے، جو نظم و نشرو دونوں طرح کی کتابوں
پر مشتمل تھی، اور برابر گردش میں رہتی تھی، اس کے بعد اس میں سب سے بڑا حصہ اس کے
برادر اکبر ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب کی حکیمانہ تربیت اور سنہائی کا ہے
اس کا فائدہ یہ تھا کہ اس نے بہت کم سنی اور نو عمری میں اردو میں سیرت کی وہ بہترین

کتابیں پڑھ لیں جس میں عربی زبان کے بعد سیرت کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے اور مہر آخر
میں اس پر سب سے بڑا کام ہوا ہے۔

جب عربی زبان و ادب کا کچھ ذوق پیدا ہوا تو اس نے اپنی ساری توجہ سیرت
کے عربی مآخذ پر مرکوز کر دی ان میں سرفہرست دو کتابیں تھیں ایک ابن ہشام کی کتاب
"السيرة النبوية" دوسرے امام ابن القیم کی کتاب "زاد المعاد" اس نے ان
کتابوں کو صرف علمی یا روایتی طریقہ سے پڑھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ
انھیں کتابوں میں اپنی زندگی کے شب و روز بسر کئے یہی وہ وقت تھا جب اس کا دل
ایمان و یقین کی حلاوت آشنا ہوا، اور جذبہ شوق و محبت کو نئی غذائی اور اس کی
از سر نو آبیاری ہوئی، اس لئے کہ سیرت کے موثر واقعات تربیت و رہنمائی کا سب سے
طاقتور ذریعہ اور انسان کے قلب و دماغ کے لئے (قرآن مجید کے بعد) سب سے زیادہ
اثر انگیز اور حیات آفریں سرچشمہ ہیں ان دونوں کتابوں کے بعد عربی اور انگریزی میں
سیرت کی جو قدیم و جدید کتابیں اس کی دسترس میں تھیں وہ بھی برابر مطالعہ میراثی
رہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرت اس کی کتابوں اور تحریروں کی ہمیشہ سب سے بڑی بنیاد رہا
اسی کے دم قدم سے اس کا سارا سوز و ساز اور آب و رنگ تھا اور اسی کے نقش قدم
کے طفیل اس کے نقوش قلم میں تازگی تھی، اپنے مقاصد و مطالب کی وضاحت کے لئے
اس کو قومی سے قومی تر دلائل اور بلیغ سے بلیغ مثالیں سیرت کے جمال و کمال ہی سے

لے جس کی دلچسپ کہانی مصنف نے اپنی عربی کتاب "الطریق الی المدینہ" میں "الکتاب الذی
لا أنسى فضله" کے عنوان سے سنائی ہے اور اس میں خاص طور پر قاضی محمد سلیمان حسن منصور پوری
مہوم کی مقبول کتاب "رحمة للعالمین" کے مطالعہ کے گہرے اثرات کا ذکر کیا ہے۔

ملتی تھیں، اور سیرت ہی سے اس کی طبع میں روانی و جولانی پیدا ہوتی تھی اور اس کی خوابیہ صلاحیتیں بیدار ہوتی تھیں، اس کی کوئی قابل ذکر تخریر ایسی نہیں جس پر اس مجالِ محمدی کا کوئی پرتو اور سیرتِ نبوی کے گہرے مطالعہ اور فکر و تدبیر کا کوئی عکس نہ ہو۔

سیرت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں اور بختِ محمدی کی عظمت اور اس کے تحیر العقول اثرات نتائج پر اس کے یہ مقالات خطبات کا دارِ انبرینہ میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے اس طویل عرصہ میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن خاص سیرت کے موضوع پر کوئی مستقل کتاب اس کے قلم سے نہ نکل سکی، حالانکہ اس کو اس بات کا احساس تھا کہ اس موضوع پر ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے جو ایک طرف عصری اور علمی اسلوب میں لکھی گئی ہو اور اس میں قدیم و جدید دونوں قسم کے مآخذ سے پورا استفادہ کیا گیا ہو، دوسری طرف سیرت کے اولین اور اصل (ORIGINAL) مآخذ پر اس کی بنیاد ہو، اور قرآن و حدیث سے اس میں سرسراخراوت نہ کیا گیا ہو وہ موسیقی (ENCYCLOPAEDIC) طرز پر نہ لکھی گئی ہو جس میں سارے معلومات بغیر کسی نقد و تحجیس کے بھر دیئے جاتے ہیں اور ہر طرح کا ضروری و غیر ضروری مواد پیش کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ وہ طرز تصنیف اور اسلوب تحریر ہے جس کے دورِ آخر کے اکثر مصنفین اور بعض متقدمین بھی عادی رہے ہیں، طرز بہت ایسے غیر ضروری اشکالات و سوالات پیدا کرتا ہے، جن سے سیرتِ نبوی بری و بے داغ ہے اور جس میں بادیہ پیمائی اور لہ کتاب کے نین عربی ایڈیشن مدینہ منورہ، لکھنؤ اور دمشق سے اور اردو میں دو ایڈیشن لکھنؤ اور کراچی سے شائع ہو چکے ہیں، عربی میں اس کا نام "الطریق إلى المدینة" ہے۔

اشفہ سہری کی مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ تحقیق و تنقیح کا قلم (تجدید پسند رجحانات اور مشرقین کی تشکیک کا کوئی اثر قبول کئے بغیر) اپنا کام کر چکا ہے اس کے ساتھ وہ ان دینی مسلمات و مخالفات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جن کی روشنی دہسہری کے بغیر آسانی کتابوں انبیاء کی سیرت معجزات اور علمی واقعات و مخالفات کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہے اور جو اس اصول پر کاربند اور اس عقیدہ کا حامل ہو کہ یہ ایک نبی کی سیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے اور جس کو ہر دم و ہر لحظہ خدا کی نصرت تائید حاصل تھی نہ کہ کسی بڑے قومی لیڈر اور ملی رہنما کے حالات زندگی، یہ وہ سیرت ہے جو ہر مصنف مزاج تعلیم یافتہ شخص (خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم) کے سامنے کسی تحفظ (RESERVATION) استثناء اور سی تاویل کا سہارا لئے بغیر پیش کی جاسکے چنانچہ مصنف نے اس کتاب میں خود ان واقعات و حالات اور سیرت کے اصل و بنیادی مواد پر زیادہ اعتماد کیا ہے اور اس کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ خود اپنی زبان سے بولے اور پڑھنے والے کے دلغ و دل اور ذہن و نظر میں اپنا راستہ خود بنائے ان منہ سے بولتی ہوئی صداقتوں اور زندہ حقیقتوں کو فلسفہ کا رنگ دینے، واقعات کی تاویل کرنے اور اس کے لئے طویل و عریض مضمون باندھنے کی اس میں زیادہ کوشش نہیں کی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ سیرت اپنے حسن و جمال اپنی موزونیت و لطافت اور اپنی اثر انگیزی و دل آویزی کے لئے کسی بڑے آدمی کی سفارش کسی حکیم کے علم و دانش اور کسی ادیب اور صاحب قلم کے انداز نگارش یا رنگینی بیان کی محتاج نہیں اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک مصنف کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ حسن بیان حسن ترتیب اور حسن انتخاب ہے۔

پھر اس میں عقل و جذبات دونوں کی بیک وقت اور شانہ بشانہ جلوہ گری اور

کار فرمائی ہوئی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ عالمانہ بحث اور معروضی نقد و جائزہ جذبہ محبت
 اور ذوق و شوق کی کیفیت کو سرد و افسردہ کرنے جو سیرت کے حمال جہاں آرا سے
 لطف اندوز ہونے اور اپنے دیدہ و دل کو اس سے روشن اور متور کرنے کی ایک نگریر
 ضرورت اور اس سے صحیح و کامل استفادہ اور اس کے مسائل، احکام اور واقعات کو
 صحیح طور پر سمجھنے اور صحیح نتائج تک پہنچنے کی لازمی شرط ہے اگر سیرت کی کوئی کتاب
 اس جذباتی اور ایمانی عنصر سے خالی ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ چوب خشک کا مصنوعی
 ڈھانچہ ہے جس میں زندگی کی حرارت اور نمی موجود نہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ
 یہ جذباتی و ایمانی عنصر عقل سلیم کے تقاضوں پر غالب نہ آجائے جن کی اہمیت عصر حاضر
 نے خاص طور پر بڑھادی ہے، نہ وہ منطق کے صحیح معقول اور قابل فہم اصولوں کے منافی ہو
 نہ عقیدہ اور تقلید پر مبنی ایسا خراج عقیدت اور تخریج تخریب ہو جس کو صرف قوی الایمان
 پشتینی مسلمان اور وہ علماء را سخن قبول و تسلیم کر سکیں جن کی بیرونی دنیا اور وجد
 ثقافت سے کوئی رسم و راہ نہیں، یہ عقیدت و محبت بلاشبہ ایک عطیہ خداوندی اور نعمت
 خدا داد ہے لیکن یہ بات ہمیں کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ وہ بہر حال اس نبی کی سیرت ہے
 جس کو رحمتہ للعالمین بنا کر دنیا کے تمام انسانوں اور نوع انسانی کے تمام طبقوں کی
 طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے اس کو اس طبقہ کے افراد کے لئے ممنوع یا مہر بند نہیں
 کیا جاسکتا، جن کو حالات نے اس اسلامی و ایمانی ماحول میں نشوونما حاصل کرنے کا
 موقع نہیں دیا، اور تقدیر الہی کا فیصلہ ہو کہ وہ غیر اسلامی ماحول ہی میں پیدا ہو
 وہیں ان کی نشوونما ہو، پھر لطف الہی ان کی مساعتد کرے اور سیرت محمدی کا کوئی
 معطر و جاں نواز جھونکا اپنی دل آرائی و مسجائی کے ذریعہ ان کو اس جگہ سے اٹھا کر

اسلام کے سائے رحمت اور ایمان کی بارگاہ میں پہنچائے، واقعہ یہ ہے کہ ان غیر مسلموں کا حق سیرت پر ان مسلمانوں سے ہرگز کم نہیں ہو پہلے ہی سے اسلام و ایمان کے سائے رحمت میں ہیں، اس لئے کہ دوا و علاج کی تندرستی زیادہ ایک بیمار کو ضرورت ہے، دریا کے اس پار رہنے والے کو پل کی جتنی حاجت ہوگی اتنی حاجت پل کے اسی طرف رہنے والے کو کیوں کر ہو سکتی ہے؟

مصنف سیرت نگاری کے وقت اس ماحول اور اس عہد کو بھی کسی طرح نظر انداز اور فراموش نہیں کر سکتا، جس میں نبوت محمدی کا آفتاب پہلی بار طلوع ہوا، اس لئے اس عہد کی عالم گیر جاہلیت کی پوری تصویر کشی بھی ضروری ہے جو چھٹی صدی سبھی میں ہمیں ساری دنیا پر محیط نظر آتی ہے، اس میں یہ بھی دکھانا ہوگا کہ اس زمانہ میں فساد، اخلاقی بگاڑ اور انسان کی بے چینی و اضطراب کس درجہ پر پہنچ چکا تھا، اس کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور سیاسی حالت کیا تھی؟ تخریبِ فساد کے کیا کیا اسباب و عوامل اس وقت کی دنیا میں کار فرما تھے اور کیسی کیسی ظالمانہ حکومتیں، منحہ مذاہب، انتہا پسندانہ و خیالی فلسفے، تباہ کن تحریکیں اور عقوبتیں اپنا کام کر رہی تھیں، جب مصنف نے اپنی کتاب "ماذا خسرا العالم بانحطاط المسلمین" کی تہیہ اور مقدمہ کے طور پر عہد جاہلیت کی ذرا تفصیل کے ساتھ تصویر کھینچنے کی کوشش کی تو اس قدر دشواری کا سامنا کرنا پڑا جو اسے آج تک یاد ہے، اس کو اس کے لئے ان تمام مغربی ماخذ کا جائزہ لینا پڑا جن میں ظہور اسلام کے وقت کے تمدنِ ملکوں اور اقوامِ عالم کی تاریخ بیان کی گئی تھی، اس نے ان تمام ضخیم کتابوں لے جس کے اردو ترجمہ کا نام "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ہے۔

سے ان منتشر حالات کو اس طرح جمع کیا جیسے چوٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے اٹھانے جیسا ہے۔
 یہ تہیہ جو کسی تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے اور سیرت کا مطالعہ کرنے والے کے لئے
 روشنی کا کارکن ہے اور اس کے سامنے بعثتِ محمدی کی عظمت و وسعت اور منصبِ نبوت
 کی نزاکت و اہمیت اور اس کے عظیم الشان نتائج کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے،
 عہدِ حاضر کے سیرت نگار کے لئے بہت ضروری ہے اور اس کا کام اس وقت تک مکمل قرار
 نہیں دیا جائے گا جب تک اس میں بحث و تحقیق کا یہ انداز اختیار نہ کیا گیا ہو اور آغازِ اسلام
 کے وقت عہدِ جاہلیت کا نقشہ اور اس کے فساد و اضطراب، اخلاقی پستی اور خود فراموشی
 و خودکشی کی زندہ و متحرک تصویر پوری امانت داری کے ساتھ لکھ لے کم و کاست پیش نہ کی گئی ہو۔
 یہی اس ماحول اور اس شہر کا نقشہ تھا، جہاں اسلام کی پہلی کرن چمکی، جہاں
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور دعوتِ حق کے قافلہ
 نے پہلا قدم اگے بڑھایا، جہاں آپ کی عمر مبارک کے ۵۳ سال گزرے اور جہاں تیرہ سال
 دعوتِ اسلام کے سخت و جان گداز مرحلوں میں بسر ہوئے، سیرت کا مطالعہ کرنے
 والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس زمانہ میں عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی جو سطح تھی،
 اس سے باخبر ہو، نیز اس ملک کے اجتماعی اور سیاسی اور دینی و مذہبی حالات اس کے
 اقتصادی و سیاسی ڈھانچے اور حربی اور عسکری طاقت کی نوعیت سے بھی واقف
 ہونا کہ اس ملک کے باشندوں کے صحیح رجحانات، ان کے مزاج و افتادِ طبع، ان کے ذہن
 و نفسیات کو اچھی طرح سمجھ سکے، اور اس کو ان دشواریوں اور رکاوٹوں کا پورا

لہ ملاحظہ فرمائیں، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر "باب بعثت سے پہلے بتائے کر دے"

"مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ۔"

اندازہ ہو سکے جو اسلام کی ترقی و پیش قدمی کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں۔
 یہی بات بلکہ اس کچھ زیادہ ہی شیرب کے بارہ میں کہی جاسکتی ہے، جہاں اسلام
 مکہ سے منتقل ہوا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ہجرت فرمائی اور
 تقدیر الہی نے اس کو اسلام کا اولین مرکز قرار دیا، اس لئے اس کے پس منظر کو سمجھنے بغیر اسلام
 کی کامیابیوں اور کامیابیوں کا پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، ان حالات کو جاننے بغیر
 ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اسلام نے ان افراد کی کیا اور کس طرح تربیت کی، ان کو کیسے
 حیات و معیشتی مختلف مسائل کو کس طرح حل کیا، اقتصاد و تجارت عناصر کو کس طرح
 شہر و شکر کیا، اس سلسلہ میں نبوت محمدی کا کارنامہ کیا تھا؟ اس نے ٹوٹے ہوئے دلوں
 کو جوڑنے اور روٹھے ہوئے انسانوں کو ملانے، اور ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ
 و تطہیر کا فریضہ کس طرح انجام دیا، یہ بات صرف اسی وقت سمجھی جاسکتی ہے، جب
 آدمی کے سامنے اس عجیب و غریب اور پیچیدہ ماحول کی پوری تصویر ہو جس کا سامنا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کرنا پڑا، بہت سے واقعات اور فیصلے جو حدیث و سیرت
 کے مطالعہ میں آدمی کی نظر سے گزرتے ہیں، اس وقت تک سمجھے ہی نہیں جاسکتے، جب تک
 مدینہ کی اجتماعی اقتصاد اور سیاسی حالت، وہاں کی زمین کی خاصیت، اس کے
 جغرافیہ، اس کے گرد و نواح، وہاں کی انفرادی اور علاقائی طاقتوں، ان کے باہمی تعلقات
 و روابط، معاہدوں اور عہد ناموں، اور ہجرت سے قبل کے معاملات اور قومی و ملکی دستور
 اور رسم و رواج کا قاری کو علم نہ ہو، اگر کوئی شخص ان تمام باتوں سے بالکل ناواقف ہو کر
 سیرت کی کتابوں میں اپنا سفر شروع کرتا ہے تو اس کی مثال ایک شہرنگ میں چلنے
 والے کی سی ہوگی، جس کو اپنے دائیں بائیں اور آغاز و منزل کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

یہی اصول اس وقت کی معاصر و متقدم حکومتوں اور پڑوسی ریاستوں پر بھی
منطبق ہوتا ہے اس لئے کہ ناظرین کے سامنے دعوتِ اسلامی کے اس اقدام کی اہمیت اور
اس کی حوصلہ مندی اور خطر پسندی کی کوئی مثال و واضح تصویر اس وقت تک ہی نہیں سکتی
جب تک اس کو ان حکومتوں کے حجم اور قوتِ شوکت کا اندازہ نہ ہو جن کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی اور ان کے نام فرما میں جاری کئے، اور ان کی تہذیب
و ثقافت، عسکری قوت، فنانہ البالی اور مرقہ الحالی، نیز ان کے سلاطین کی مطلق العنانی
رعیتِ دیدہ اور شان و شوکت کا صحیح علم نہ ہو، جدید معلومات کے ان حکومتوں اور قوموں کی
تاریخ، اور ان کے معاشرہ پر خاصی روشنی ڈالی دی ہے اور یہ ہے ان حالات اور تھاؤں
کا پردہ چاک کر دینا ہے جو ہم تعلیم میں لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے یا زیادہ مٹا اور واضح نہ ہو
تھے اس زمانہ کے سیرت نگار کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ اپنے کام میں ان تمام معلومات کے پوری
مددے اور تاریخ و جغرافیہ اور تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDIES) کے میدان
میں جو جدید ترین UP-TO-DATE مباحث و معلومات تک سامنے آئے ہیں ان سے پورا
فائدہ اٹھائے۔

مصنف کو ان تمام باتوں کا احساس تھا اور سیرت نگاروں کی ناقابل فراموش خدمت
اور مختلف زبانوں و مختلف زبانوں میں ان کے قلم سے نکلنے والی تحریروں کی قیمت و افادہ
کا پورا اعتراف بھی! اس نے اپنی سعادت سمجھ کر یہ کوشش کی کہ وہ بھی سیرت نبوی پر
ایک نئی کتاب لکھ کر اس محبوب و جلیل القدر موضوع کے مصنفین کی نورانی فہرست
میں شامل ہو جائے۔

لیکن تنگی وقت اور ضعف بصارت کی وجہ سے مصنف کی تفصیل اطمینان

کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اس لئے کہ اس کو اس کا خوب تجربہ
 تھا کہ کسی بڑے آدمی کی سیرت (ذہنی اور سیالائین والآخرین و اشرف المرسلین کا معاملہ تو
 اس سے کہیں بڑو بالا ہے) مصنفین کے لئے سب سے مشکل اور نازک موضوع ہے، مصنف کو
 مشہور و نام شخصیات کے سوانح حیات اور تقدیر و متاخرین کے حالات زندگی اور کارنامے
 لکھنے اور بیان کرنے کا شاید اپنے بہت سے معاصرین اور رفقاء سے زیادہ اتفاق ہو اپنے
 اس نے آغاز زون جوانی بلکہ لڑپکن ہی سے جب سے قلم پکڑنا سیکھا، اہل حق مصلحین اُمت اور
 اصحابِ دعوت و عزیمت کے حالات و تراجم پر لکھنا شروع کر دیا، اور اپنے قلم سے
 سیر و تراجم کے موضوع پر کئی ہزار صفحے بیاہ اور اپنے نصیب کو روشن کیا، اور بچپن ہی سے
 ان اسلاف کرام اور ائمہ راشد و ہدایت کے ساتھ زندگی گزاری اور خدا کا شکر ہے کہ
 اس سلسلے میں بہت کچھ پڑھنے کا موقع ملا، اور بہت کچھ لکھنے کی توفیق ہوئی، ان سب
 وجوہ کی بنا پر اس کو اس موضوع کی نزاکت اور اس ذمہ داری کی اہمیت کا اندازہ
 تھا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصنف پر کوئی خاص رجحان یا ذوق ایسا غالب آتا ہے کہ
 وہ اپنے مدوح کو (کبھی شعوری اور غیر شعوری طور پر) اپنے اس ذوق و رجحان کے تابع
 کر دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف اور تحریر صرف اس رجحان اور ذوق
 کی نمایندگی کرتی ہے جو اس وقت مصنف پر حاوی تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے
 مدوح کی تصویر کشی کے ارادہ سے قلم اٹھاتا ہے، لیکن بجائے اس کے خود اپنی تصویر بنا کر
 دیتا ہے، وہ اس کے حالات و سوانح پر معروضی اور بے لاگ طریقہ سے روشنی ڈالتا
 چاہتا ہے، لیکن اس کو اپنے ذاتی میلانات و تجربات اور اپنے نقطہ نظر کی عینک سے
 دیکھنے اور ان حالات و واقعات کو اپنے مخصوص پسماؤں سے ناپنے لگتا ہے۔

جس کا علم النفس اور اخلاقیات کے کوجہ سے کبھی گذرہوا ہے، معاشرہ شخصیتوں کے مطالعہ و مشاہدہ کے کبھی موقع ملا ہے اور اس نے ایک طویل عرصہ ان کی رفاقت و صحبت میں گذرا ہے وہ باسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ نفس انسانی کی زندگی پہنچنا، اور اس کے وسیع آفاق اور فضائے محیط کا علم، پھر اس کی جامع اور نازک تصویر کشی علوم ادبیہ اور اسالیب بیانہ کی سب سے دشوار، نازک و رہبت جلد زنا ثرمونے والی صفت ہے اور اس کا تھوڑا بہت حتی وہی ادا کر سکتا ہے جو نفس انسانی کے احساسات و جذبات اس کے سوز و ساز، سرور و شوق، اس کی روح کی تپش اور دل کے گداز سے بہت کچھ واقف ہو، اور یہ محسوس کرنے کی صلاحیت رکھنا ہو کہ اس کی راتیں کیسے لگتی ہیں اور اس کے دن کس طرح گزرتے ہیں، وہ اپنے گھر میں کیا نظر آتا ہے اور اپنے رفقاء و دوستوں سے کس طرح ملتتا ہے، اس نے اس کو صلح و جنگ میں بھی دیکھا ہو، اور اشتعال اور سکون، تنگی و راحت، اور ضعف و قوت میں بھی، اس لئے کہ انسان کے اندر بہت سے ایسے جذبات و احساسات اور اس کے جمال و کمال کے بہت سے ایسے ناویدہ و ناشنیدہ پہلو بھی ہیں جن کے لئے انسانی نعمت میں ابھی تک الفاظ وضع نہیں کئے جاسکے، اور جن کی منظر کشی و ترجمانی کے لئے لغت کا بڑے سے بڑا ذخیرہ کفایت نہیں کرتا۔

بسیار شیوہا ست مبتاں را کہ نام نیست

سیرت نبوی دوسرے افراد بنی آدم میں (بشمول انبیاء و غیر انبیاء) اپنی نزاکت و لطافت و وسعت و جامعیت زندگی کی نازک سے نازک تفصیلات اور دقیق سے دقیق معانی و مطالبہ و درد دل کی دھڑکنوں اور پیشانی کی سلوٹوں اور نفس انسانی کی مختلف حالتوں کے احاطہ و استیعاب اور اس کی مکمل تشریح و ترجمانی میں سب سے

ممتاز اور بلند مقام رکھتی ہے ایسا دراصل علم حدیث کی وجہ سے ممکن ہو سکا جس کی کوئی
 نظیر دوسرے انبیاء یا تاریخ انسانی کی عظیم شخصیتوں میں کہیں نہیں ملتی سیرت و شمائل
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں، دن و رات کے مختلف حصوں میں آپ کے
 اوراد و اذکار اور خدا کے حضور آپ کی آہ سحرگاہی اور گریہ نیم شبی اور اس امت اور
 پوری انسانیت کے لئے آپ کی بیقراری و دل سوزی کے جو عجیب نمونے آپ کے اوجیہ
 مسنونہ کے وسیع ذخیرہ میں ہمیں نظر آتے ہیں، اس کو بھی اس میں بڑا دخل ہے اسی طرح
 آپ کے اقوال، ماثورہ اور جوامع الکلم اور آپ کے باکمال وصف نگاروں اور
 اہل بیت کرام نے آپ کے جو شمائل و خصائل عادات و معمولات اور روزمرہ کی زندگی
 کے واقعات بیان کئے ہیں، ادبیات عالم اور تاریخ و انساب کے وسیع لٹریچر نے اس سے
 زیادہ نازک تصویر کشی اور نظر نگاری اور انسانی خدا خصال اور اس کی اخلاقی بلندیوں
 اور لطافتوں کی اس سے عمیق اور عظیم تر جہانی اب تک ریکارڈ نہیں کیا، اس لحاظ سے
 سیرت کے موضوع پر کتاب کی تصنیف میں کسی طرح کی دشواری اور ابہام مفروضات
 قائم کرنے اور قیاس سے کام لینے کی بالکل ضرورت نہیں جو مصطلحین و قارئین کے تذکرے
 میں بہت پیش آتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ان سب سے زیادہ مکمل بھی ہے

لہ اس کی تفصیل کے لئے مصنف کا مقالہ سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں جس میں
 سیرت سے ان دعاؤں کا تعلق انسانی زندگی کے حقائق اور انسانی نفسی و اخلاقیات سے آپ کی گہری واقفیت
 اور اس کے باریک سے باریک و نازک سے نازک پہلوؤں کی کامل رعایت کا اندازہ ہوتا ہے یہ مقالہ ایک
 مستقل رسالہ کی شکل میں کسی بارشائع ہو چکا ہے۔ لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں مصنف کی
 کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" مضمون "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
 و حقیقت کی قیامت تک کے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ و اسوہ اور اس کے لٹریچر انتظامات"

اور میں بھی، اس کی بنیاد قرآن مجید کے وہ صریح نصوص، تاریخ کی ناقابل تردید شہادتیں
 آپ کا جمال صوری و معنوی، شمائل و خصائل، عادات، عبادات اور اخلاق و معاملات
 کی وہ واضح، روشن اور خلیق تفصیلات و جزئیات ہیں جن سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا،
 بایں ہمہ وہ حقیقت اور امر واقعہ سے کبھی اتنی قریب میں جس سے زیادہ تصور ناممکن ہے۔
 لیکن ان تمام باتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور مصلحین
 عالم کے سوانح و حالات زندگی بلکہ خود دوسرے انبیاء کرام کی سیرت میں اس قدر فرق
 و تفاوت اور سیرت محمدی کی اس گیرائی اور ہمہ گیری اور جہاں رائی کے باوجود جو کمال
 نبوت اور کمال آدمیت کی سدرۃ المنتہی اور معراج ہے، ہم اس کا اعتراف کرنے پر
 مجبور ہوتے ہیں کہ آپ کی زندگی اور کام اخلاق کی صحیح تصویر اور آپ کے ان معجزات کا
 استیعاب و تفصیل جن کی جلوہ ریزی آپ کی پوری سیرت و دعوت اور انفرادی و اجتماعی
 زندگی میں نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ آپ کا معاملہ،
 آپ کا حسن صورت، سیرت کمال ظاہر و باطن، آپ کی محبت و شفقت اور دل داری
 و دلنوازی، آپ کی دعائیں اور خدا سے عرض حال، بنی نوع انسان اور انسانیت کے
 مستقبل کے لئے آپ کی بے قراری و دل سوزی، آپ کی فصاحت، بلاغت، علم و حکمت
 اور کمال و جامعیت کی ان روشن و جاں نواز نشانیوں اور زندہ و لافانی معجزوں کا
 مفصل و مکمل بیان قریب قریب ناممکن ہے، سیر و شمائل کی کتابوں نے اس سلسلے میں
 جو کچھ پیش کیا ہے وہ (ان کے کمال دیدہ وری و عرق ریزی کے اعتراف کے ساتھ)
 آپ کے جمال سیرت و کمال نبوت کا صرف ایک ہلکا سا عکس ہے جو اللہ تعالیٰ نے
 آپ ہی کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا، زیادہ سے زیادہ اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ

یہ ان کی سعی محمود ہے کہ انھوں نے اس قدر ضبط و اتقان اور رعایت و درجہ اہتمام کے ساتھ ان حالات کو قلم بند کیا، اور اس کی بہترین جزا اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا، یہ ایسی مشترک عالم گیر اور غیر مختتم دولت ہے جس میں ہر فرد بشر ہر انسانی نسل اور انسانوں کا ہر گروہ اور ہر طبقہ ہدایت و روشنی اور اتباع و پیروی میں اپنا حصہ رسانی پا سکتا اور اپنے طالعِ خفینہ کو میدار کر سکتا ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
 أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
 يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ
 وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (سورۃ الاحزاب ۲۱)

تم کو پیغمبر خدا کی پیروی کرنی بہتر ہے
 یعنی اس شخص کو جس کو خدا سے ملنے
 اور روز قیامت کے آنے کی امید ہو
 اور وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

شاہد یہی اسباب و وجوہ تھے جن کی وجہ سے سیرت نبوی کے موضوع پر کسی نئی تالیف کی مجھے اب تک ہمت نہ ہو سکی اور میں اس عظیم الشان کام کو اپنی حیثیت سے بہت بلند سمجھتا رہا، میرے بعض فاضل اور محترم دوستوں نے مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش بھی کی کہ عربی زبان میں سیرت نبوی پر ایک ایسی کتاب تیار کروں جس میں نئی نسل کے ذہن اور ذوق اور اس کے فہم اور نفسیات کی موجودہ سطح کا خیال رکھا گیا ہو، نیز ان نئے تقاضوں اور ضرورتوں اور اس طرز تحقیق اور طرز کلام کی اس میں پوری رعایت ہو جو موجودہ دور میں رائج ہے، اس لئے کہ ہر زمانہ کا ایک خاص اسلوب بیان اور زبان ہوتی ہے جس کا لحاظ ضروری ہوتا ہے، دواؤں

لہٰذا بالخصوص مصنف کے فاضل و محترم دوست شیخ محمد محمود الصوان رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ و مشیر وزارت تعلیم حکومت سعودیہ۔

اور غذاؤں کی بھی خاص خوراکیں اور ایک خاص ترتیب ہوتی ہے جو حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، لیکن یہ سب کچھ (جیسا کہ اوپر اشارے کے عطا چکے ہیں) سیرت کو اپنی خواہشات و اغراض اور ان علمی نظریات کا تابع بنائے بغیر ہونا چاہئے جو صبح و شام بدلتے رہتے ہیں، اور اس کو ان شہات و اعتراضات کی ہر آمیزش اور آلودگی سے پاک و صاف ہونا چاہئے جو اکثر مذہبی تعصب، کم علمی و ناواقفیت یا سیاسی مفادات و اغراض سے پیدا ہوتے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس معاملہ میں شرح صدر نصیب فرمایا اور میں پوری کیسوی اور توجہ کے ساتھ اس کام میں مشغول ہو گیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ میرے سارے لمحات اور سانسیرا سی ماحول میں گزرنے لگیں، میں نے اس سلسلہ میں نہ صرف سیرت و حدیث کی کتابیں پڑھنا شروع کیں بلکہ قدیم اور جدید لٹریچر میں جو بھی کام کی چیز مجھے ملی میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اس کے بعد میں نے اس موضوع پر جو سب سے زیادہ مستند کتابیں لکھی گئی ہیں، اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس مبارک کام کا آغاز کیا، عہد حاضر میں اس موضوع پر جو کچھ کام ہوا ہے اور مغربی زبانوں کے اہم ماخذ سے بھی (جن سے سیرت کے بہت سے پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے) اور اس عہد پر اور ان حکومتوں اور سلطنتوں نیز اس زمانہ کے معاشرہ اور سوسائٹی پر روشنی پڑتی ہے) استفادہ کی کوشش کی گئی، اور اس کی کوشش کی کہ کتاب علمی اور تاریخی و دعوتی دونوں پہلوؤں کی جامع ہو، اور ان میں سے کوئی ایک پہلو دوسرے پہلو پر غالب نہ آجائے، نیز اس میں وہ زندہ، منہ سے بولتے ہوئے

لے عربی و دیگر زبانوں کے ماخذ کا انداز کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

اور زندگی و حرارت سے بھرے ہوئے اقبناسات زیادہ سے زیادہ پیش کئے جائیں جن سے اسوۂ نبوی کے اتباع اور پیروی کا جذبہ پڑھنے والے میں خود بخود پیدا ہوتا ہے اور جن کی نظیر کسی انسان کی سیرت کہی عظیم سے عظیم شخصیت کے سوانح کسی نسل اور قوم کی تاریخ اور سی دعوت و تحریک اور دین و مذہب کے نقشہ میں نہیں ملتی یہ سب کسی رنگ آمیزی، داستان طرازی اور تزئین و آرائش کے بغیر قاری کے سامنے رکھ دیا جائے کہ جمالِ فطرت اور حیرتِ حقیقت کو ظاہری رنگ و روغن اور مہکتے ہوئے نازہ پھولوں کو مصنوعی رنگ و بو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ع

روئے دل آرام و راحتِ مشاطہ نیت

شوال ۱۳۹۵ھ سے شوال ۱۳۹۶ھ (اکتوبر ۱۹۷۵ء تا اکتوبر ۱۹۷۶ء) تک

مجھے اس موضوع کے سوا (بعض اضطراری حالات کو چھوڑ کر) کسی اور چیز سے سروکار نہیں رہا، درمیان میں کچھ وقفے کسی بیماری کے حملہ اور شرق و مغرب کے بعض طویل دوروں کے نذر ہوئے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے غزوة شوال ۱۳۹۶ھ میں یہ کتاب تکمیل کی پہنچی اور اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس موقع پر اپنے ان دو فاضل دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن سے

مجھے اس کتاب کی تالیف میں بڑی مدد ملی، ایک مولانا برہان الدین سنہلی استادِ حدیث

و تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء جن سے احادیث کی تخریج اور تلاش و استخراج کتب سیرت

کے بعض مقامات کی تحقیق میں مجھے قیمتی مدد ملی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر

عطا فرمائے دوسرے بیحد محی الدین صاحب جنھوں نے مغربی مآخذ کے مطالعہ و تاریخ عالم

نیز مختلف دائرۃ المعارف (ENCYCLOPAEDIAS) کی چھان بین میں میری شکریت

مدد کی مصنف ان کے اس گرانقدر تعاون کا معترف اور ان کی محنت و سعی اور اخلاص کے لئے شکر گزار ہے۔

اپنی معذوری کی بنا پر عرصہ سے معمول ہے کہ مضامین اور کتابیں میں املا کرانا ہوں اس لئے اس کتاب میں بھی مجھے اپنے بعض عزیز طلبہ سے مدد لینا پڑی بالخصوص عزیزان محمد معاذ ندوی اور علی احمد گجراتی اور عزیز می مولوی نور عالم امینی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے تحریر و کتابت کے اس فرض کو انجام دیا اللہ تعالیٰ ان کو اس کا صلہ عطا فرمائے۔

سیرت کی اس کتاب کے لئے نقشتوں کا بھی حاصل ہتمام کیا گیا ہے کہ ان سے بہت سی ایسی حقیقتیں آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہیں جو بعض اوقات طویل عبارتوں سے بھی سمجھ میں نہیں آتیں یہ نقشتے تاریخی معلومات اور اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں تیار کئے گئے ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ وہ فنی و علمی حیثیت سے ہر طرح مکمل اور عہد جدید کے مطابق ہوں، اس سلسلہ میں ہمارے عزیز دوست محمد حسن صاحب نصاری (ایم اے جغرافیہ) جناب پروفیسر محمد شفیع صاحب پروائس چانسلر و صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و کارکنان شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بڑی دلچسپی لی خدا انھیں جو اے خیر دے کہ انھوں نے اس کام کو سیرت نبوی کی ایک خدمت سمجھ کر انجام دیا عزیز می مولوی محمد رابع ندوی مصنف جغرافیہ جویریۃ العرب صدر شعبہ ادب عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیمتی مشورے بھی اس کام میں شامل رہے اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں اور عزیزوں کو جو اے خیر دے اور ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔

مصنف کی دوسری اہم تصنیفات و مضامین کی طرح عربی سے اردو میں کتاب کے

ترجمہ کی خدمت مصنف کے برادرزادہ عزیز سید محمد احسنی سلمہ مدیر البعث الاسلامی نے اپنی ایک بڑی سعادت سمجھ کر انجام دی اس کام کے لئے وہ ہر طرح سے موزوں اور اس کے لئے وہ دل و جان سے حاضر تھے اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی محمود کو قبول فرمائے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب سے نفع پہنچائے اس عمل کو اپنی قبولیت سے نوانے اور اس کو آخرت کا ذخیرہ اور سیرت پاک کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا ذریعہ و وسیلہ بنائے اگر یہ کتاب کسی صاحب ایمان کے دل میں شوق و محبت کی ایک چنگاری بھی بھڑکا دیتی ہے اور کسی غیر مسلم کے دل میں اس کو پڑھ کر اس نبی رحمت کی سیرت مطہرہ کی طرف کوئی کشش آپ کی محبت کی کوئی لہر اور اسلام کے سمجھنے کا جذبہ بیدار کر دیتی ہے اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا کے یہاں قبول 'مصنف کے لئے ذریعہ مغفرت اور وسیلہ نفاعت ہونو وہ سمجھے گا کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی اور اس کو یہ کہنے کا حق ہوگا۔ ع

شادم از زندگی خویش کہ کالے کردم

ابواحسن علی حسینی ندوی

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی

روز جمعہ

۵/۱۱/۱۳۹۶ھ

۲۹/۱۰/۱۹۷۶ء

عہدِ جاہلیت

مذہب اور اہل مذاہب پر ایک اجمالی نظر چھٹی صدی عیسوی میں

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے بڑے مذاہب قدیم مذہبی صحیفے اور ان کے احکام و قوانین (جنہوں نے مذہب، اخلاق اور علم کے میدان میں مختلف موقعوں پر اپنا مخصوص کردار ادا کیا تھا) باز بچہ اطفال بن چکے تھے، اور تحریف کے علم برداروں، منافقوں اور ناخدا ترس و بے ضمیر مذہبی رہنماؤں کی ذاتی اغراض کا نشانہ اور حوادثِ زمانہ کا اس طرح شکار ہو چکے تھے کہ ان کی اصل شکل و صورت کا پہچانا مشکل بلکہ ناممکن تھا، اگر ان مذاہب کے اولین بانی و علم بردار اور ان کے انبیاء کرام دوبارہ واپس آکر اس حالت کو دیکھنے تو ان مذاہب کو خود نہ پہچان سکتے اور ان کا انتساب اپنی طرف کرنے پر ہرگز تیار نہ ہوتے بلکہ

لے ان قدیم قوموں (جو بڑے مشہور مذاہب کی مکمل بڑا رہی ہیں) کے مذہبی صحیفے جس بے دردی و بے رحمی کے ساتھ تحریف کا نشانہ ہوئے بلکہ اس طرح ان کی صورت و حقیقت مسخ کی گئی اور بعض اوقات ان کو مکمل طور پر تباہ و برباد کیا گیا، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل تاریخی شواہد و دستاویزات اور خود ان کے علماء و مذہبی رہنماؤں کے اعترافات کی روشنی میں عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کے افسار سے لے کر ایران کی مذہبی کتاب "اوستا" اور ہندوستان کے ویدوں تک مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقامِ حالیہ" کے ساتویں خطبہ (ختم نبوت) ۲۲۸-۲۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں، شائع کردہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" لکھنؤ۔

یہودی مذہب چند بے جان رسموں اور روایات کا نام تھا جن میں زندگی کی کوئی رتق باقی نہ تھی، علاوہ بریں یہودیت بجائے خود ایک نسلی مذہب ہے جس کے پاس دنیا کے لئے کوئی پیغام، اقوام عالم کے لئے کوئی دعوت اور انسانیت کے لئے چارہ سازی و سچائی کا کوئی سامان نہیں ہے۔

یہ مذہب اپنے عقیدے و توحید میں بھی (جو مختلف مذاہب اور قوموں میں اس کا امتیازی شعار رہا ہے) جس میں اس کی عزت و شرف اور زمانہ قدیم میں نبی اسرائیل کی دوسری قوموں پر فضیلت کا راز پنہاں ہے اور جس کی وصیت حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی) ثابت قدم نہ رہ سکا یہودیوں نے اپنی پڑوسی قوموں کے اثر سے یا غالب فاتح قوموں کے دباؤ سے ان کے بہت سے عقائد قبول کر لئے اور ان کی بہت سی عادتیں و مشرکانہ ربت پرستانہ اور جاہلی روایا اختیار کر لیں، اس کا اعتراض بعض منصف مزاج یہودی مورخین خود کرتے ہیں "جیویش انسائیکلو پیڈیا" کا مقالہ لکھا کہ

"بت پرستی کے خلاف نبیوں کا غیظ و غضب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دیوتاؤں کی پرستش اسرائیلی عوام کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اور بابل کی جلاوطنی سے واپس آنے کے وقت تک پوری طرح اس کا استیصال نہیں ہوا تھا، ہم پرتی اور سحر کے ذریعہ بہت سے مشرکانہ خیالات اور رسوم دوبارہ عوام نے قبول کر لئے تھے تاہم اللہ نے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ بت پرستی میں یہود کے لئے بڑی جا ذمیت اور شرم تھی؛ بابل کی تالمود (جو یہودیوں میں صدر درجہ مقدس سمجھی جاتی ہے اور بعض اوقات اوریت

لہ JEWISH ENCYCLOPEDIA, VOL. XII P. P. 568-69

لہ تالمود کے معنی ہیں یہودیوں کے مذہب اور آداب کی تعلیم کی کتاب یہ دراصل علماء یہود کی کتاب شریعت "التشا" کے مترشح و حواشی کا مجموعہ ہے جو مختلف مذاہب میں رائج رہا ہے۔

پر بھی اس کو ترجیح دی گئی ہے اور پچھٹی صدی عیسوی میں یہودیوں میں مقبول و رائج تھی، کم عقلی، بدزبانی، خدا کے حضور جرات و گستاخی، حقائق و منکلمات اور دین و عقل کے ساتھ تسخر کے ایسے عجیب و غریب نمونوں سے بھری ہوئی ہے، جن کو دیکھ کر اس صدی میں یہودی معاشرہ کی ذہنی پستی اور مذہبی ذوق کے بگاڑ کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

عیسائیت اپنے دور اول ہی میں انتہا پسندوں کی تحریف و اجالوں کی تاویل اور رومی نصرانیوں کی بت پرستی کا شکار ہو گئی تھی، حضرت مسیح کی سادہ و پاکیزہ تعلیمات اس تمام لمبے کے نیچے دفن نہیں ہو سکی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کا نور گہرے بادلوں کے اندر چھپ چکا تھا۔

چوتھی صدی کے آخر میں عیسائی سوسائٹی میں تثلیث کا عقیدہ کس طرح سرایت کر گیا تھا، اس کے متعلق ایک عیسائی فاضل لکھتا ہے:-

”یہ عقیدہ کہ خدائے واحدین اقاہیم سے مرکب ہے عیسائی دنیا کی پوری زندگی اور افکار میں چوتھی صدی کے آخر ہی میں سرایت کر چکا تھا اور طویل عرصہ تک سرکاری اور تسلیم شدہ عقیدہ کی حیثیت سے جس کو پوری سچی دنیا مانتی تھی باقی رہا، یہاں تک کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں اس عقیدہ کے تغیر اور اس شکل تک پہنچنے کا راز فاش ہوا۔“

ایک معاصر عیسائی مؤرخ نے عیسائی سوسائٹی میں بت پرستی کے آغاز اور

لے تفصیل کے لئے دیکھئے ”یہودی المود کی روشنی میں“ از ڈاکٹر ویلنگ اور اسی سے اس کا عربی ترجمہ

”الکنز الموصوفی قواعد التلمود“ از ڈاکٹر لویسٹ خا۔ لے ماخوذ از

مقالہ تثلیث مقدس، ج ۱۴، ۲۹۵، باختصار۔

اس کی نوبہ نو شکلوں اور دوسری مشرکے بت پرست قوموں کی (ان کے مذہبی و قومی شعائر، عادات و اطوار اور تہواروں اور تقریبوں میں) اندھی تقلید و عروت یا جہتا کی بنیاد پر ان کی مہو ہونے کی وجہ سے اور اس معاملہ میں عیسائیوں کی حدت طرازی اور نئے طبع کا خوب ذکر کیا ہے وہ اپنی کتاب "مسیحیت علم جدید کی روشنی میں" (THE

HISTORY OF CHRISTIANITY IN THE LIGHT OF MODERN KNOWLEDGE)

میں لکھتا ہے :-

"بت پرستی ختم تو ہوئی مگر تباہ نہیں ہوئی بلکہ جذبہ کرلی گئی تقریباً سب ہی کچھ جو بت پرستی میں تھا، عیسائیت کے نام سے چلتا رہا جن لوگوں کو اپنے دیوتاؤں اور شاہیر سے ہاتھ دھوئے پڑے تھے انھوں نے غیر شعوری طور پر بہت آسانی سے کسی شہید کو پڑنے دیوتاؤں کے اوصاف سے متصف کر کے کسی مقامی مجسمہ کو اس کا نام دے دیا، اور اس طرح کافرانہ مسلک اور دیوتاؤں ان مقامی شہداء کے نام پر منتقل ہو گئی اور خدائی اوصاف سے متصف اویاء کے عقیدے کی بنیاد پڑ گئی، ان اویاء نے ایک جانب تو آریوسین کے عقائد کی بنا پر انسان اور خدا کے درمیان شان ایزدی رکھنے والے انسانوں کی شکل اختیار کرنی اور دوسری جانب بیقرون وسطی کے تقدس اور پارسائی کے نشان بن گئے، بت پرستانہ تمہوہا قبول کر کے ان کے نام بدل دیئے گئے یہاں تک کہ سن ۱۵۱۷ء تک پہنچے پہنچے سولج دیوتا کے قدیم تمہوہا نے مسیح کے یوم پیدائش کی شکل اختیار کر لی۔"

چھٹی صدی عیسوی جس وقت شروع ہوئی اس وقت شام و عراق کے عیسائیوں اور مصر کے عیسائیوں کی جنگ پورے شباب پر تھی یہ جنگ حضرت مسیح کی حقیقت و اہمیت کے موضوع پر ہو رہی تھی اور اس کی وجہ سے ہزاروں اگلیسا اور گھر سب تباہ و برباد ہو گئے تھے جو ایک دوسرے کی تکلیف میں مشغول اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں قوموں یا دو مخالف قوموں کی جنگ ہے اس کی وجہ سے عیسائیوں کو اس کی فرصت نہ تھی کہ عالم گیر فساد کے انسداد اور اصلاح حال کی کوشش کرتے اور انسانیت کو فلاح و نجات کا پیغام دیتے۔

مجوسی (ایران کے پارسی) قدیم زمانہ سے عناصر راجعہ (جس میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا) کی عبادت کرتے تھے اور انھوں نے اس کے لئے مخصوص آتش کدے اور مخصوص عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں، آتش پرستی ملک کے طول و عرض میں عام تھی اس کے لئے بہت منظم اور دقیق قوانین و احکام مقرر تھے جن پر عمل درآمد لازمی تھا، آگ کی پرستش اور سولج کی تقدیس کے سوا ہر عقیدہ و مذہب ہاں مٹ چکا تھا، مذہب ان کے نزدیک چند سموں یا چند قدیم روایات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا، جن کو وہ مخصوص مقامات میں ادا کرتے تھے، عبادت گاہوں کے باہر وہ بالکل آزاد تھے، جہاں وہ اپنی مرضی اور خواہش نفس کے مطابق زندگی گزارتے تھے، ایک مجوسی اور ایک بے دین، بے ضمیر و بے کردار شخص میں کوئی فرق باقی نہ رہ گیا تھا۔

”ایران بے دینوں کا ملک تھا“ کے مصنف آرتھر کرٹین سین نے اس زمانہ کے

لے دیکھیے ALFRED J. BUTLER کا کتاب "ARABS' CONQUEST OF EGYPT AND

THE LAST THIRTY YEARS OF ROMAN DOMINION" (OXFORD 1902), P. P. 44-45

لے ایران بے دینوں کا ملک تھا ۱۵۵

مذہبی فراتس اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”سرکاری ملازمین کے لئے لازمی تھا کہ وہ دن میں چار بار سوچ کی پوجا کریں چاند کی آگ کی اور پانی کی پوجا اس کے علاوہ تھی سوئے جاگئے، نہانے، جھینو پہننے، کھانے پینے، پھینکنے، احیاء بنوانے اور ناخن نرسوانے، قضاء حاجت اور شمع جلانے ہر کام کے لئے دعائیں تھیں اور ان کا کرنا ان پر ضروری تھا، ان کو اس کا بھی حکم تھا کہ آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے اور آگ پانی ایک دوسرے سے نہ ملیں، دھات کو زنگ نہ لگے اس لئے کہ مدینات بھی ان کی نگاہ میں مقدس تھیں۔“

اہل ایران آگ کی طرف ریح کے عبادت کرتے تھے، ایران کے آخری بادشاہ بزرگ نے ایک مرتبہ سوچ کی قسم کھاتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا کہ میں سوچ کی قسم کھاتا ہوں جو سب سے بڑا معبود ہے، اس نے ان عیسائیوں کو جنھوں نے عیسائیت سے توبہ کر لی تھی، اس کا پابند کیا تھا کہ وہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے سوچ کی پوجا کریں، اہل ایران ہر زمانہ میں ثنویت کا انکار رہے، حتیٰ کہ یہ ان کی علامت اور پہچان بن گئی، وہ دو خداؤں کے قائل تھے، ایک روشنی یا خیر کا خدا جس کو وہ آہور مزدا یا بزرگ کہتے تھے، دوسرا ظلمت یا شر کا خدا جس کا نام انھوں نے اہرن تھوڑ کیا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ ان دونوں خداؤں میں باہمی کش اور طاقت آزمائی برابر جاری ہے۔“

۱۵ ایران بھدر ساسانیان (نرخبر اردواز فرنج) بقلم پروفیسر محمد اقبال اور ٹیل کالج لاہور ۱۹۵

۱۶ ایضاً ۱۸۶-۱۸۷ ۱۸۷ ایران بھدر ساسانیان باب (مذہب زردشت: ہرکاری مذہب) ۱۸۳-۲۳۳

ایرانی مذہب کے ان مورخین نے ان کے معبودوں کے متعلق جو کہا کیا
 لکھی ہیں اور پورا علم الاضام MYTHOLOGY نیا کر دیا ہے وہ اپنی
 بواجبی عجائز پسندی اور تفصیلات و جزئیات میں یونانی یا ہندوستانی
 دیوالا سے کسی طرح کم نہیں ہے

بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک ایسے
 بت پرستانہ مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا کہ بت اس کے جلو میں چلتے تھے جہاں اس کے
 قائلہ کا پڑا ہوتا وہاں گوتم بدھ کی مورتی نصب کی جاتی اور دیکھتے دیکھتے ایک معبد
 تیار ہو جاتا، اہل علم و اصحاب نظر کو اس مذہب اور اس کے بانی کے بارے میں بھی تک
 ریشہ ہے کہ آسمان وزمین اور خود انسان کے خالق خدا کے وجود پر بھی ان کا عقیدہ
 و ایمان تھا یا نہیں ان کو حیرت ہے کہ ایمان و عقیدے کے بغیر عظیم مذہب کیسے قائم رہ سکا
 جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے وہ دیوی دیوتاؤں کی کثرت میں دوسرے
 مذہب سے بہت آگے ہے چھٹی صدی میں بت پرستی اس میں پورے شباب پر تھی، معبودوں
 کی تعداد اس صدی میں (۳۳) کروڑ تک بتائی جاتی ہے، غرض عظیم یا بہت ناگ
 یا نفع پہنچانے والی شئی معبود تھی، بت تراشی اور مجسمہ سازی کا فن بھی نقطہ عروج
 پر تھا اور اس میں طرح طرح کی جدت طرازیوں کی جاتی تھیں ہے

۱۔ دیکھئے ایران بہدیسامانیان ۲۵۵-۲۰۹ ۲۔ دیکھئے کتاب ہندوستانی تمدن اردو
 از ایٹور ٹوپا ص ۲۰۹ پروفیسر تہذیب ہند جدید آبادی نیوٹن، نیز کتاب
 ۳۔ از پنڈت جواہر لال نہرو ص ۲۰۱-۲۰۲ ۴۔ دیکھئے بودھ مذہب پر مقالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
 ۵۔ دیکھئے آریہ دت کی کتاب ANCIENT INDIA ج ۳ ص ۲۷ اور

ایک ہندو فاضل (C. V. VAIDYA) اپنی کتاب 'ہسٹری آف میڈیول
ہندو انڈیا (HISTORY OF MEDIAEVAL HINDU INDIA) میں راجہ ہرش
(۶۰۶-۴۸۰ء) کے بارے میں لکھتے ہیں، یاد ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس کے بعد ہی
جزیرۃ العرب میں اسلام کا ظہور ہوا۔

”اس زمانہ میں ہندو مذہب اور بدھ مت دونوں ہی یکساں طور پر
بت پرست تھے، بلکہ شاید بدھ مت بت پرستی میں ہندو مذہب سے بھی آگے
بڑھ گیا تھا، یہ مذہب حقیقتاً خدا کے انکار سے شروع ہوا لیکن آخر کار اس نے
بدھ کو ہی سب سے بڑا خدا بنا لیا، بعد میں اور دوسرے خداؤں مثلاً
BODHISATVAS کا اضافہ ہوتا گیا اور خصوصاً ہمایا نا مذہب
(اسکول) میں بت پرستی نے حتی طور پر قدم جمائے، ہندوستان میں اسے اس قدر
عروج حاصل ہوا کہ بعض مشرقی زبانوں میں بدھ کا نام ہی بت کے معنی ہو گیا ہے
اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ بت پرستی اس زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی
تھی، بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک نیابت پرستی میں غرق تھی، عیسائیت، سامی
مذہب، بدھ مت، گویانہوں کی تعظیم و تکریم میں ایک دوسرے سے باڑی لے جانے کی
کوششیں میں مصروف تھے۔“

لہ VOL. I, POONA, 1924, P. 101 فارسی اور اردو ادب میں بت کا لفظ جس کثرت

سے استعمال کیا گیا ہے، اس کی تصدیق ہوتی ہے، یوں بھی بدھ اور بت صوتی حیثیت سے ایک

دوسرے کے مشابہ ہیں۔ لہ C. V. VAIDYA: HISTORY OF MEDIAEVAL HINDU INDIA

ایک اور ہندو فاضل اپنی کتاب POPULAR HINDUISM—THE RELIGION

OF THE MASSES میں لکھتے ہیں :-

”خدا سازی کا عمل ہمیں ختم نہیں ہو گیا بلکہ مختلف زمانوں پر اس
خدائی اکادمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ ہو گیا کہ اس کا شمار شکل
ہے ان میں بہت سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے معبود تھے، جن کو
ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور خداؤں کے ساتھ شامل کر لیا گیا تھا، ان کی
کل تعداد تیس ٹین ملین (۳ کروڑ) بتائی جاتی ہے؛“

جہاں تک ان عربوں کا تعلق ہے جو عہد قدیم میں دین ابراہیمی کے حامل
تھے اور جن کی سر زمین میں خدا کا سب سے پہلا گھر تعمیر ہوا وہ نبوت اور انبیاء کرام سے
بعد زانی اور جزیرہ نمائے عرب میں محصور رہنے کی وجہ سے بہت گھٹیا درجہ کی بت پرستی
میں مبتلا تھے جس کی نظیر ہندوستان کے بت پرستوں اور مشرکوں کے سوا اور کہیں نہیں
ملتی، وہ مشرک میں بھی بہت آگے تھے اور خدا کو چھوڑ کر بہت سے معبود انھوں نے
تجویز کر لئے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ خود ساختہ معبود کائنات کے نظم و انتظام
میں خدا کے ساتھ شریک ہیں اور نفع نقصان پہنچانے اور نذر رکھنے اور مارنے کی
ذاتی صلاحیت اور قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ پوری عرب قوم بتوں کی پرستش میں ڈوب
چکی تھی، یہ قبیلہ اور علاقہ کا علیحدہ معبود تھا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ ہر گھر صحن خانہ تھا۔
خود کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف

L. S. S. O'MALLEY C. I. E. I. C. S. POPULAR HINDUISM—THE RELIGION OF THE
MASSES (CAMBRIDGE, 1933) PP. 6-7

لے دیکھئے کتاب الاضام لابن النکلی ص ۳۳

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا) تین سو ساٹھ بت تھے، وہ بتوں اور بتوں کی عبادت سے آگے بڑھ کر ہر قسم کے پتھروں کو پوجنے لگے تھے، اور فرشتوں اور جنوں اور تاروں کو بھی اپنا مبدؤ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی میٹیاں ہیں جن خدا کے شریک ہیں، اس وجہ سے وہ ان کی طاقت اور اثر کے قائل تھے اور ان کی عبادت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

دنیا کے ملکوں اور قوموں پر ایک عمومی نظر

یہ ان مذاہب کا حال تھا جو اپنے اپنے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے کے لئے آئے تھے، جہاں تک ان تمدن مالک کا تعلق ہے جہاں عظیم اہل علم و فنون کا قائم تھیں، علوم و فنون کا بازار گرم تھا اور جو تہذیب تمدن، صنعت و حرفت اور علوم و فنون کا مرکز سمجھے جاتے تھے، وہاں مذاہب کی شکل بالکل سخی ہو چکی تھی اور انھوں نے اپنی اصل حقیقت اور قدر و قیمت اور قوت و افادیت کھودی تھی اور مصلحین اور مصلحین اخلاق دور دور نظر آتے تھے۔

مشرقی رومی سلطنت

مشرق کی رومن شہنشاہی میں ٹیکسوں کی اتنی بھرمار تھی کہ اہل ملک اپنی حکومت

لے صحیح بخاری (کتاب المغازی) باب فتح مکہ ۲۷ کتاب الاضنام ص ۲۲۲

۳۷ مشرقی رومی سلطنت کا ذکر تاریخ میں بازنطینی سلطنت کے نام سے آتا ہے، عرب اس کو روم کہتے ہیں جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس کی قلمرو میں حسب ذیل ممالک شامل تھے، یونان، بلقان، ایشیائے کوچک، سیریا و فلسطین، پورا بحر روم کا علاقہ اور کل شمالی افریقہ۔ اس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، اس سلطنت کا آغاز ۳۹۵ء میں ہوا، اور اختتام ۱۴۵۳ء میں جب قسطنطنیہ پر عثمانی ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔

ہر غیر ملکی حکومت کو ترجیح دینے لگے تھے بار بار انقلابات اور بغاوتیں ہوتی تھیں، صرف ۵۳۳ء کے ایک فساد میں قسطنطنیہ کے تیس ہزار آدمی قتل کئے گئے، ان کا سب سے بڑا منغل اور دچکپی کسی نہ کسی ذریعہ سے مال حاصل کرنا پھر عیش و عشرت میں اس کو خرچ کرنا تھا، تفریح و تعیش میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ اس کی سرحدیں درندگی و بربریت سے مل گئی تھیں۔

کے مصنفین نے بازنطینی سوسائٹی "CIVILIZATION PAST AND PRESENT"

کے اس عجیب تضاد اور اخلاقی فساد، تفریح و طبع اور تعیش کے عشق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”بازنطینیوں کی سماجی زندگی میں زبردست تضاد پایا جاتا تھا، مذہبی مرجحان ان کے ذہنوں میں گہرے طور پر پیوست ہو چکا تھا، ترکِ نیا اور رہبانیت سلطنت کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھی اور عمومی درجہ کا شہرہ بھی عمیق مذہبی مباحث میں گہری دلچسپی لیتا تھا، اور اسی کے ساتھ سبھی لوگوں کی روزمرہ کی زندگی پر افسردہ پنڈی اور باطنیت کی چھاپ لگی ہوئی تھی، لیکن اس کے برعکس یہی لوگ ہر قسم کے کھیل تماشوں کے غیر معمولی شائق بھی تھے، زبردست سرکس کے میدان تھے جس میں اشی ہزار تماشائیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی جہاں رنچوں کی دوڑ کے زور دار مقابلے ہوا کرتے تھے، عوام کو ”نیلا“ اور ”ہرے“ دو گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا، بازنطینیوں

۱۷ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مقالہ "JUSTINIAN"

۱۸ ملاحظہ ہو EDWARD GIBBON: DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

میں جس سے بیار بھی تھا، اور ظلم و خجائرت کا رُحمان بھی ان کے کھیل تماشے
اکثر خونریز اور اذیت رسا ہوتے تھے، ان کی اذیتیں ہولناک اور ان کے
خواص کی زندگی عیش و طرب، سازش، تکلفات اور برائیوں سے مرکب تھی۔

مصر (جو دولت مند بازنطینی سلطنت کی ایک ریاست تھی) زیر دست
نذہبی مظالم اور بدترین سیاسی استبداد کا شکار تھا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ بازنطینی
سلطنت کی خوش حالی کا بڑا ذریعہ اور سرشتیہ بھی تھا، اس کی مثال اس گائے کی سی
تھی جس کو اچھی طرح دوبا جائے اور چارہ کم سے کم دیا جائے۔

شام جو بازنطینی شہنشاہی کی دوسری ریاست تھی، اہل روم کی توسیع پسندی
اور ہوس ملگ گیری کا شکار تھا، جہاں صرف طاقت کے سہارے غیر ملکیوں کی طرح حکومت
کی جاتی تھی، اور محکوم رعیت کو کبھی شفقت و محبت سے واسطہ نہ پڑتا تھا، افلاس کا
حال یہ تھا کہ اکثر شاہی اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اپنے بچوں کو فروخت کر دیتے تھے،
مختلف نوع کے مظالم اور جنتی قلیوں، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام رواج تھا۔

ایرانی شہنشاہی

نذہب زردشت، جس نے مزدائیت کی جگہ لی، ایران کا قدیم مذہب ہے
زردشت جو اس مذہب کا بانی تھا، ساتویں صدی قبل مسیح میں ظاہر ہوا، ایرانی شہنشاہی

۱۰ T. WALTER WALL BANK AND ALASTAIR, M. TAYLOR, CIVILIZATION, PAST
AND PRESENT (1954), P. 261-62.

۱۱ THE ARAB CONQUEST OF EGYPT. ملاحظہ ہو الفروڈ بیٹلر کی کتاب
HISTORIANS, HISTORY OF THE WORLD, VOL. VII

۱۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "خطہ اشام" از کرد علی ج اصلا

مشرق کی رومن شہنشاہی سے (رومنہ الکبریٰ سے علیحدگی کے بعد) اپنے رقبہ ذرائع آمدنی اور شان و شوکت میں زیادہ بڑی تھی، اس کی بنیاد ۲۲۷ء میں اردشیر کے ہاتھوں پڑی، اپنے عروج کے زمانہ میں اسیریا، خوزستان، میڈیا، فارس، آذربائیجان، طبرستان، سرخس، مروجان، کرمان، مرو بلخ، ہندوستان، ہرات، خراسان، خوارزم، عراق اور یمن سب اس کی قلم رو میں شامل تھے، کسی زمانہ میں گزرگاہ دریائے سندھ کے درمیانی اضلاع اور اس کے دہانے کے آس پاس کے صوبے یعنی کچھ کاٹھیاواڑ ماوہ ان کے پرے کے علاقے بھی اس کے زیر نگیں تھے۔

طبیسفون (المدائن) جو اس شہنشاہی کا پایہ تخت اور شہروں کا ایک مجموعہ تھا، جیسا کہ اس کے عربی نام سے اندازہ ہوتا ہے، پانچویں صدی میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں اپنے تمدن و ترقی اور عیش و اسراف کے آخری نقطہ پر تھا (تفصیل کے لئے دیکھیے "ایران بہمد ساسانیان" از پروفیسر آرنہر کرٹن سین) مذہب زرتشتی اول روز سے نورد و ظلمت اور خیر و شر کی کش مکش اور بھلائی کے خدا اور بُرائی کے خدا کے درمیان مسلسل معرکہ آرائی کے تصور پر قائم تھا، تیسری صدی عیسوی میں "مانی" اس مذہب کے ریفارمر اور مصلح کی حیثیت سے سامنے آیا، اس کے بعد شاہ پور (اردشیر بانی دولت ساسانیان م ۲۲۷ء کے بعد کا حکمران) پہلے اس مذہب کا پیرو داعی اور پھر اس کا مخالفت ہو گیا، اس لئے کہ مانی دنیا سے شتر و فساد کا مادہ ختم کرنے کے لئے تجرد کی زندگی کا داعی تھا، اس کی دعوت یہ تھی کہ نورد و ظلمت کا امتزاج بجا لے لو۔

۱۷۔ "مانی" کی تعلیمات اور دعوت و فلسفہ کو سمجھنے کے لئے "ایران بہمد ساسانیان" کا چوتھا باب

بعنوان "سینیر مانی اور اس کا مذہب" ملاحظہ کریں ص ۲۳۳-۲۶۹

ایک ایسا نثر اور ایسی برائی ہے جس سے انسان کو چھپکارا حاصل کرنا ضروری ہے اس نے فنائیت اور عدم سے جلد ہم آغوش ہونے ظلمت پر نور کے غلبہ کے لئے نسل انسانی کے سلسلہ کو ختم کرنے اور ازدواجی تعلقات کو ختم کرنے کا راستہ اختیار کیا، اس نے کئی سال جلاوطنی میں گزارے، پھر ایران واپس آیا، اور بہرام اول کے عہد میں مارا گیا، لیکن اس کی تعلیماً اس کی موت کے بعد بھی زندہ رہی، اور ایرانی طرز فکر اور ایرانی سوسائٹی کو طویل عرصہ تک متاثر کرتی رہی۔

پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں "مزوک" ظاہر ہوا، اور اس نئے مال دولت اور عورت میں مکمل مساوات اور اشتراک کی کھلی ہوئی دعوت دی اور یہ چیزیں تمام انسانوں کے لئے بلا کسی قید و لحاظ کے جائز کر دی گئیں، اس کی دعوت نے جلد ہی قوت پکڑ لی، حالت یہ ہو گئی کہ لوگ جس کے گھر میں چاہتے بے تکلف گھس جاتے اور اس کے مال و اسباب اور عورتوں پر زبردستی قبضہ کر لیتے، ایک قدیم ایرانی دنا ویز میں جو نامہ نثر کے نام سے موسوم ہے، ان حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے جو مزوکیت کے عروج اور تسلط و اقتدار کے زمانہ میں نظر آتے ہیں:-

"ناموس ادب کا پردہ اٹھ گیا، ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل نہ ان کے پاس موروثی جاگیر تھی، اور نہ انھیں خاندان اور قوم کا غم تھا، نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت، نہ انھیں کسی قسم کی فکر و امن گیری تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا، چغلی اور شرارت میں متحد اور دروغ بیانی اور تہمت میں مشاق تھے، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، اور اسی کو وہ حاصل مال و جاہ کا وسیلہ بناتے تھے،"

آرتھر کرسٹن سین اپنی کتاب "ایران بعد ساسانیان" میں لکھتا ہے :-
 "نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف کسانوں کی بغاوتیں برپا ہو گئیں لوٹ مار کرنے والے
 امراء کے محلوں میں گھس جاتے تھے، مال و اسباب لوٹ لیتے تھے عورتوں کو کپڑے
 لے جاتے تھے اور جاگیروں پر قبضہ کر لیتے تھے، زمینیں رفتہ رفتہ غیر آباد
 ہو گئیں، اس لئے کہ یہ نئے جاگیر دار زراعت سے بالکل ناواقف تھے؛"

ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ایران میں انتہا پائندہ دعوتوں اور
 تحریکوں کو قبول کرنے کی عجیب و غریب صلاحیت تھی، اور وہ ہمیشہ شدید عدل و دردی
 کے اثر میں رہا اور فلسفہ لذت پرستی، اور آخری درجہ کی رہبانیت اور نفس کشی کے درمیان
 ہمیشہ ہچکولے کھانا رہا، کبھی وہ خاندانی و موروثی جاگیر دارانہ نظام یا مذہبی اجارہ دار
 کے دباؤ میں رہا کبھی بے قید و استزاکیت اور مطلق العنان انارکی و لاقانونیت کے ہیر پھیر
 میں، اس کی وجہ سے اس میں وہ توازن، اعتدال اور سکون و سنجیدگی کبھی پیدا
 نہ ہو سکی جو فطری و صحت مند معاشرہ کے لئے ضروری ہے۔

اس شہنشاہی میں (خاص طور پر ساسانی عہد اقتدار میں چھٹی صدی تک)
 حالت بہت بگڑ چکی تھی، پورا ملک ان سلاطین کے رحم و کرم پر تھا جو موروثی طور پر تخت و تاج
 کے مالک بنتے تھے اور اپنے کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے، بادشاہ آسمانی خداؤں
 کی نسل سے تسلیم کیا جاتا تھا، خسرو دوم پرویز اپنے نام کے ساتھ حضرت بل القاب لکھتا ہے۔
 "خداؤں میں انسان غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لائانی اس کے نام کا

لہ از نامہ فلسفہ یونانی ۱۹۷۷ء لہ یونانی فلسفی (EPICURUS) کا کلاما اور فلسفہ و تدبیر

تھا اس کا کہنا تھا کہ لذت ہی سب کچھ ہے اور دہی سب سے بڑی چیز ہے۔

بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا!

ملک کی تمام دولت اور آمدنی کے وسائل ان بادشاہوں کی ملکیت سمجھے جاتے تھے، دولت جمع کرنے تحائف و نوادرا و قیمتی اشیاء اکٹھا کرنے کے جنوں معاہدہ زندگی کی بندگی اور جدت طرازی زندگی سے لطف اندوز ہونے اور تفریح و تفریح کے شوق، دولت مند بننے اور دنیا کے مزے اڑانے کی پس مندی اگے بڑھ چکی تھی کہ اس پر خیال آرائی اور شعری کا شہ ہونے لگتا ہے اور اس کا تصور صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس نے قدیم ایران کی تاریخ اور شعروادب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو، اور شہر مدائن ایوان کسریٰ بہا کسریٰ (وہ قالین جس پر موسوم بہا میں شاہان ایران شراب نوشی کیا کرتے تھے) تاج کسریٰ اور ایرانی بادشاہوں سے وابستہ خدم حتم، بیویوں اور لونڈیوں، خدمت کاروں اور باورچیوں اور خانہ ماؤں، پرنسوں اور درندوں کے سدھانے والے اور سامان نکار اور ظروف، برتنوں کی ان افسانوی تفصیلات مجزیات سے واقف باخبر ہو اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ جب اسلامی فتوحات کے نتیجے میں ایران کا آخری تاجدار یزدگرد اپنے دارالحکومت مدائن سے فرار ہوا تو اس حالت میں بھی اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی ایک ہزار مرغی، ایک ہزار چینیوں کے منظم اور ایک ہزار شکروں کی دیکھ بھال کرنے والے اور خدمت اور مصاحبین کی ایک بڑی تعداد تھی، اتنے بڑے لاؤ لشکر کے باوجود بھی وہ اس تعداد کو کم اور خود کو ایک انتہائی معمولی اور حقیر نیاہ گزین سمجھتا تھا، وہ محسوس کرتا تھا کہ مصاحبین، ملازمین کی تعداد اور تعیش و تفریح کے سامان کی کمی کے باعث اس کی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔

۱۔ ایران بعد سامانیان ۳۳۹ء ۵۲۰ء اس کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۷۵

۲۔ دیکھئے شاہین مکاریوس کی تاریخ ایران، عربی طبع ۱۸۹۸ء، ص ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹

دوسری طرف غریب عوام سخت مفلوک الحال اور مصیبت زدہ تھے اور اپنی قسمت کو روتے تھے، ان کو جسم و جان کا رشتہ باقی رکھنے کے لئے کبھی سخت جدوجہد کرنی پڑتی تھی، مختلف قسم کے ٹیکسوں، طرح طرح کی بندشوں اور بیڑیوں نے ان کی زندگی کو عذاب، جان بنادیا تھا، اور وہ مویشیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے، اس مصیبت سے تنگ آکر اور ان ٹیکسوں اور لازمی فوجی بھرتی سے عاجز ہو کر بہت سے گناہوں نے اپنے کھیتوں کو خیر یاد کہہ دیا اور راہیوں کی خانقاہوں اور مجدوں میں پناہ لی، وہ مشرقی ساسانی سلطنت اور مغربی بازنطینی سلطنت کی طویل و خون آشام جنگوں میں (جو تاریخ کے مختلف وقفوں میں ہوتی رہی) اور جن میں نہ عوام کی کوئی مصلحت اور نہ ان کو اس سے کوئی دلچسپی تھی (حقیقاً انہیں صحت کی طرح کام آتے رہے۔

ہندوستان

ہندوستان جو عہد قدیم میں ریاضیات، فلکیات اور طب و فلسفہ میں دنیا میں بڑا نام پیدا کر چکا تھا، اس کے متعلق مورخین کی عام رائے یہ ہے کہ اس کا مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی طور پر سب سے تاریک اور بدترین دور چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے شروع ہونا ہے، بے حیائی اور رعنائی سے ان کی عبادت گاہیں بھی پاک نہ تھیں اور ان کاموں میں کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے کہ مذہب نے ان کو تھیلوں اور عبادت کا رنگ دے دیا تھا، عورت کی کوئی قیمت اور عزت و عصمت باقی نہ رہی تھی

۱۳ دیکھئے "ANCIENT INDIA" ج ۳

۱۴ مؤلف آر، سی، دت ۱۳ ملاحظہ ہو ستیا رتھ پرکاش از دیانند سرسوتی ۱۳۲۵

شوہر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا، اگر اس کا شوہر مر جاتا تھا تو وہ زندہ درگور کی مانند ہوتی تھی، نہ شادی کر سکتی تھی، نہ اس کو کوئی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا، شوہر کے انتقال پر عورت کے سنی ہو جانے کا اعلیٰ اور خوش حال خاندانوں میں رواج تھا، اور اس کا مقصد اظہار و قیاداری اور ننگ عار سے گلو خلاصی تھا، یہ بدترین رسم انگریزی اقتدار کے بعد ہی ختم کی جاسکی ہے۔

ہندوستان اپنے پڑوسیوں اور دنیا کے دوسرے ملکوں کی برادری میں طبقاتی عدم مساوات اور انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز میں بہت آگے تھا، یہ ایک سخت اور بے رحمانہ نظام تھا جس میں نرمی اور بچک کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس امتیازی سلوک کو مذہب اور عقیدہ کی سداور پشت پناہی حاصل تھی اور آریں حملہ آوروں کی مصلحت اور مذہب اور تقدس کے اجارہ دار برہمنوں کے مفاد کا بھی یہی تقاضا تھا یہ نظام ان پیشوں کی بنیاد پر قائم تھا، جو مختلف برادریوں اور ذاتوں میں نسلی طور پر چلے آئے تھے اس کے پیچھے اس ملکی، سیاسی اور مذہبی قانون کی طاقت تھی جس کو ان ہندو قانون سازوں نے وضع کیا تھا جو مذہبی حیثیت کے بھی مالک تھے، یہ قانون بلا کم و کاست پورے معاشرہ پر نافذ تھا، اور اس کو زندگی کا دستور العمل سمجھا جاتا تھا، اس نے ہندوستان کے باشندوں کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

۱۔ مذہب کے اجارہ دار اور پڑوہت جن کو برہمن کہا جاتا تھا۔

۲۔ سپاہی اور فوج میں بھرتی ہونے والے افراد یعنی چھتری۔

۳۔ زراعت پیشہ اور تجارت کرنے والے یعنی ویش۔

۱۷ دیکھئے مہابھارت کا ابتدائی حصہ ۱۷ دیکھئے فرانسیسی تیلج بریز کا سفر نامہ نیز قرون وسطی کے راجگان کا تاریخ

۴۔ نوکر چاکر اور خدمت گار یعنی "اچھوت"

یہ آخری طبقہ (جو سب سے بڑی تعداد میں تھا) پستی کی آخری منزل میں تھا، اس کے متعلق یہ تصور تھا کہ وہ خانی کائنات کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے، اس لئے اس کا کام صرف ان تینوں طبقوں کی خدمت کرنا اور ان کو آرام و راحت پہنچانا ہے۔

اس قانون نے برہمنوں کو اتنے حقوق دے دیئے تھے اور ان کو اتنا بلند مرتبہ عطا کیا تھا جس میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہ تھا، برہمن کے سامنے گناہ معاف تھے خواہ وہ تینوں دنیاؤں کو اپنے گناہوں اور بدکرداریوں سے گنہ اور تباہ و برباد کر دے، اس پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا تھا، اس کو کسی صورت میں بھی سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی، اس کے برعکس اچھوت نہ کچھ کما سکتے تھے نہ جمع کر سکتے تھے، نہ کسی برہمن کے قریب بیٹھ سکتے تھے، نہ اس کے بدن کو چھو سکتے تھے، نہ مقدس کتابوں کا پڑھنا ان کے لئے جائز تھا۔

اہلِ حرمہ اور خدمت کرنے والے طبقہ کے لوگ (جو جینڈال کہلاتے تھے) شہر سے باہر رہتے تھے، رات کو (خواہ کوئی موسم ہو) ان کا شہر میں رہنا ممکن نہ تھا، شہر کی چار دیواری میں طلوع آفتاب کے بعد وہ کام کرنے کے لئے داخل ہوتے تھے اور غروب سے پہلے ان کو باہر نکل جانا پڑتا تھا۔

لہ اس قانون کی تفصیلات اور دفعات جاننے کے لئے منو شاستر کا مطالعہ کریں۔ باب ۱-۲-۸۔۹۔

۱۱-۱۰۔ ملہ قطب الدین ایبک کے عہد میں (۶۱۲۰ھ - ۶۱۳۱ھ) یہ جابرانہ نظام ختم ہوا، اور شہر کی چار دیواری طبقاتی تقسیم کی نشانی ہونے کے بجائے "شہر بنیاد" بن کر رہ گئی اور شہروں میں امراء کے محلات، اور فقراء کے جھونپڑے ایک ساتھ نظر آنے لگے۔

پورا ملک انتشار کاشکار تھا، اور کڑے کڑے ہو رہا تھا، اس میں سینکڑوں ریاستیں اور حکومتیں تھیں جو اکثر برس بھر سیکڑی رہتی تھیں، بدامنی اور بد انتظامی اور رعیت کی طرف سے بے پرواہی اور ظلم و استبداد عام تھا۔

علاوہ بریں یہ ملک دنیا سے کٹ کر زندگی گزار رہا تھا، اس پر جمود طاری تھا وہ عادات و روایات اور رسم و رواج کے سخت شکنجے میں گرفتار، طبقاتی کش مکش اور ماہمواری کاشکار اور خون نسل اور نسب کے تعصبات سے زار و نزار ہو رہا تھا، ایک ہندو متوخی و دیادھر مہاجن سابق پروفیسر تاجپنجا، پنجاب یونیورسٹی کالج، اسلام کی آمد سے قبل ہندوستان کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ہندوستان کے عوام ساری دنیا سے کٹے ہوئے تھے، وہ اپنے آپ میں گن اور دنیا کے حالات سے بے خبر تھے اور اس بے خبری نے ان کی پوزیشن بہت کمزور کر دی تھی، ان میں جمود پیدا ہو چکا تھا اور ہزیمیت و انحطاط کے آثار نمایاں تھے، اس زمانہ کے ادب میں کوئی جان نہیں تھی، فن تعمیر مصوری اور دوسرے فنون لطیفہ میں بھی انحطاط تھا، ذات پات کی پابندیاں شدید تھیں، بیواؤں کی شادی نہیں کی جاتی تھی اور کھانے پینے کے سلسلے میں شدید پابندیاں تھیں اچھوت بیٹیوں کے باہر رہنے پر مجبور تھے“

جزیرۃ العرب

عربوں کے اخلاق بھی بہت بگڑ چکے تھے، وہ شراب اور جوئے کے ریاستھے

ان کی قساوت قلبی اور حمیتِ جاہلی کا اندازہ ان کے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے سے کیا جاسکتا ہے، قافلوں کو لوٹنا، اور بے گناہوں کو تہ تیغ کرنا ان کا محبوب شغل تھا، عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت باقی نہ تھی، امکان کے دوسرے سامان اسباب کی طرح یا موشیوں کی طرح جہاں چاہتی منتقل کی جاتی، یا ورثہ میں ملتی، کچھ کھانے مردوں کے ساتھ مخصوص تھے، عورتیں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھیں، آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا، بعض لوگ اپنی اولاد کو افلاس اور معاشی پریشانی کے خوف سے قتل کر ڈالتے تھے۔^{۱۵}

قبائلی اور نسلی، خاندانی اور خوئی عصبیت اور جذبہ داری بے حد شدید تھی، جنگ ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اور ایک دوسرے کو قتل کرنا ان کے لئے ایک کھیل اور تفریح تھا، ایک معمولی واقعہ اکثر بڑی خون ریز اور طویل جنگوں کا سبب بن جاتا، بعض جنگوں کا سلسلہ ۲۰-۲۰ سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔^{۱۶}

یورپ

یورپ میں تو میں جو شمال و مغرب کے اندر دوڑتے آباؤ تھیں، جہالت، ناخواندگی کے ٹہیب سایہ میں تھیں، اور خون ریز جنگوں میں مشغول، وہ تمدن انسانی کے کارواں سے بہت پیچھے اور علوم و فنون کی دنیا سے بہت دور تھیں، نہ بیرونی دنیا کو ان سے کوئی سروکار تھا، نہ ان کو بیرونی دنیا سے کوئی مطلب، ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام و خرافات سے بھرے ہوئے تھے، وہ نظافت کی طرف توجہ اور پانی کا استعمال کم سے کم

^{۱۵} تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو قرآن مجید کتب حدیث، اشعار عرب، حارثہ، مسیح مقلقات وغیرہ۔
^{۱۶} دیکھئے شعر جاہلی، ایام عرب اور اخبار عرب کے سلسلہ کی کتب۔

کرتے تھے ان کے پادری اور اہم جسم کو اذیت پہنچاتے اور انسانوں سے فرار میں نہایت درجہ تشدد اور انتہا پسند تھے ان کے یہاں ابھی تک یہی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ عورت انسان ہے یا حیوان؟ اس کے اندر ابدی وغیر فانی روح ہے یا نہیں؟ اس کو ملکیت اور بیع و شرا کا حق حاصل ہے یا ان میں سے کسی بات کا وہ حق نہیں رکھتی؟

ROBERT BRIFFAULT لکھتا ہے:-

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور تین تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیاں کنگ تھی جا رہی تھی اس دور کی وحشت بربریت زمانہ قدیم کی وحشت بربریت کے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی ہر لگ چکی تھی وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوک کی اور ویرانی کا دور دورہ تھا“

گھٹا ٹوپ نڈھیر اور جان لیوا یابوسی

مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تاریخ کا بدترین دور تھا، اور انسانیت کے مستقبل اور اس کی بقا و ترقی کے لحاظ سے انتہا درجہ تاریک اور مایوس کن۔

LECKY, W. E. H., HISTORY OF EUROPEAN MORALS. (NEW YORK 1855) لہ

THE MAKING OF HUMANITY. P. 1164 لہ

مشہور انگریز مصنف H. G. WELLS نے بھی ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں :-

”سائنس اور ریاضیات دونوں ان برسوں کا رازدال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سوچ گئے تھے، اینٹنکس کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک جو اس پر مسلط کر دی گئی تھی، عہد قدیم کے ادبی سراپا کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا، جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جبری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا، اور قدامت کی تحریروں کی طرح تلاش تحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا حامل ہوتا، اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی اور سماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی گنڈا اور بوجھ چکا تھا، ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھائے گئے تھے، بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملہ اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی و اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے :-

”اگر کوئی سیاسی پیشین گوئی ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجے پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا، مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا

اور نہ اتحادِ باطنی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر
تلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا؛

عالمگیر فساد

غرض بعثتِ محمدی کے زمانہ میں پوری انسانیت خود کشی کے راستہ پر تیزی کے
ساتھ گامزن تھی انسان اپنے خالق اور مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور
اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا، اس کے اندر جھلائی اور بُرائی اور زشت
و خوب میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے
دماغ و دل کسی چیز میں کھوپچکے ہیں، ان کو دین و آخرت کی طرف سراٹھا کر دیکھنے کی بھی
فرصت نہیں اور روح و قلب کی غذا، اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور
اصلاح حال کے لئے ان کے پاس ایک لمحہ خالی نہیں، بسا اوقات پورے پورے ملک
میں ایک شخص ایسا نظر نہ آتا جس کو اپنے دین کی فکر ہو، جو خدائے واحد کی پرستش کرتا ہو
اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، جس کے جگر میں انسانیت کا درد ہو اور اس کے تار یک
و ہولناک انجام پر کچھ بے حسنی ہو، یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ہو، جو تصویر تھی کہ۔

لَقَدْ هَمَّتْ الْفِئَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
لِيَذِبْنَهُمْ بَعْضُ الَّذِينَ عَمِلُوا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ روم - ۴۱)

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال
کے سبب فنا پھیل گیا ہے، ناک خدا
ان کو ان کے بعض عملوں کا زہ چکھائے
عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

محمد رسول اللہ

صلى الله عليه وآله وسلم

جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟

اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت و نجات کا یہ آفتاب جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جو جزیرۃ العرب کے اُفق سے طلوع ہو جو دنیا کا سب سے تاریک خطہ تھا اور جس کو اس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے لئے عربوں کا انتخاب اس لئے کیا اور ان کو ساری دنیا میں اس کی تبلیغ و اشاعت کا ذمہ دار بنایا کہ ان کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی، اس میں پہلے سے کچھ نقوش تحریر یا نقش و نگار موجود نہ تھے جن کو مٹانا مشکل ہوتا، برخلاف رومیوں، ایرانیوں یا ہندوستانیوں کے جن کو اپنی ترقی علوم و فنون اور اپنے تہذیب تمدن اور فلسفہ پر بڑا ناز اور غرور تھا، اور اس کی وجہ سے ان کے اندر کچھ ایسی نفسیاتی گڑبیاں اور فکری و ذہنی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں جن کا دور ہونا آسان نہ تھا، عربوں کے دل و دماغ کی سادہ تختیاں صرف ان معمولی اور ہلکی پھلکی تحریروں کے آنتا تھیں جن کو ان کی جہالت و ناخواندگی اور بد عی زندگی نے ان میں ثبت کر دیا تھا، اور جن کا دھونا اور مٹانا اور ان کا جگہ پر نئے نقش قائم کرنا بہت آسان تھا، موجودہ علمی اصطلاح میں وہ ”جہل بیضا“ یا ”جہل سادہ“ کا شمار تھے، اور یہ وہ غلطی ہے جس کا مداوا ہو سکتا ہے، دوسری نمندن اور ترقی یافتہ قومیں ”جہل مرکب“ میں مبتلا تھیں جس کا علاج اور تدارک اور اس کو

دھوکے کے نئے حروف لکھنے کا کام ہمیشہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔
 یہ عرب اپنی اصل فطرت پر تھے، مضبوط اور آہنی ارادہ کے مالک تھے، اگر حق بات
 ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اس کے خلاف شمشیر تک اٹھانے میں کوئی تکلف نہ کرتے اور
 اگر حق کھل کر سامنے آجاتا تو وہ اس سے دل و جان سے زیادہ محبت کرتے، اس کو
 گلے سے لگاتے اور اس کے لئے جان تک دینے میں پس و پیش نہ کرتے۔

یہ عربی نفیات اور ذہن اہل بن عمر کو کے ان الفاظ میں جھلکتا ہے جو
 صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تحریر کے وقت ان کی زبان سے نکلے، معاہدہ کا آغاز ان
 الفاظ سے ہوتا تھا، ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ (یہ وہ ہے جس کا فیصلہ
 محمد رسول اللہ نے کیا) انھوں نے کہا کہ واللہ لو کنا نعلم انک رسول اللہ ما
 صدناک عن البیت ولا قاتلناک (واللہ اگر ہم یہ جانتے اور مانتے کہ آپ خدا کے
 رسول ہیں تو نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ آپ سے جنگ کرتے) یہ ذہن و مزاج عکرم بن
 ابی جہل کے الفاظ ہیں بھی جھلک رہا ہے، بڑھوک کی لڑائی پورے شباب پر تھی، اور عکرم پر
 سخت دباؤ پڑ رہا تھا، جب رومی یلغار کرتے ہوئے عکرمہ کی طرف بڑھے تو انھوں نے
 ان کو لٹکار کر کہا کہ عقل کے دشمنو! (جب تک بات میری سمجھ میں نہیں آئی) میں رسول اللہ
 (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں ہر جاہ صفت آراء رہا، آج میں تم سے بھاگوں گا؟ پھر
 انھوں نے پکار کر کہا کہ ہے کوئی جو موت پر مجھ سے بیعت کرے؟ کچھ لوگ آئے اور
 بیعت کی پھر وہ آگے بڑھ کر لڑنے لگے یہاں تک کہ زخمی ہوئے اور شہادت پائی۔
 یہ عرب بڑے حقیقت پسند، سنجیدہ و سلیم الطبع، صاف گو، سخت کوشش و سخت جانا

تھے، وہ نہ دوسروں کو فریب دیتے تھے، نہ اپنے کو فریب میں رکھنا پسند کرتے تھے، سچی اور پکی بات کے عادی، بات کی لاج رکھنے والے اور پختہ ارادہ کے مالک تھے، اس کا ایک واضح نمونہ اور ثبوت بیعت عقبہ ثانیہ میں ہمیں نظر آتا ہے جس کے بعد ہی مدینہ طیبہ ہجرت کا آغاز ہوا۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ جب اوس و خزرج عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبدالمطلب نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے اہل خزرج! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں! کہنے لگے کہ تم ان سے احمد و اسود ہر قسم کے لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو (یعنی بہت بڑی تعداد اور مختلف اصناف کے لوگوں سے) اگر تم ایسا خیال کرتے ہو کہ تمہارے مال لوٹ لے جائیں گے اور تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے، تمہارے اثراوت اور سرداران قبیلہ قتل کر دیئے جائیں گے تو تم ان کو دشمنوں کے حوالہ کر کے علیحدہ ہو جاؤ گے، اگر ایسا ہے تو ابھی اس بات کو ختم کر دو، اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کی رسوائی ہے، اور اگر تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ جس چیز کے لئے تم نے ان کو دعوت دی ہے اس کو پورا کرو گے خواہ تمہارا سارا مال و اسباب تمہیں نہس ہو جائے اور تمہارے سردار و اثراوت قتل کر دیئے جائیں تو اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دو، اس وقت اس میں خدا کی قسم دنیا و آخرت دونوں جگہ کی کامیابی و بھلائی ہے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ مال و دولت کی تباہی اور سرداروں کے قتل نہر چیز پر ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، لیکن اس کا صلہ یا رسول اللہ اگر ہم نے یہ عہد پورا کیا کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت

کہنے لگے ہاتھ بڑھائیے، آپ نے اپنا دست مبارک آگے کیا اور ان سب نے آپ سے بیعت کی۔
 اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اس عہد کو جس پر آپ سے بیعت کی تھی پورا کیا حضرت
 سعد بن معاذ نے اپنے مشہور جلیے میں ان سب کی ترجمانی کی تھی کہ 'خدا کی قسم اگر آپ
 چلنے چلتے برک النماذنگ پہنچ جائیں گے تب بھی ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے اگر
 آپ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں کود جائیں گے؛
 عزم و ارادہ کی بیچنگلی اور سچائی، عمل کی سجدگی اور حق کے سامنے تسلیم کر دینے کا
 مزاج اور طبیعت اس جملہ سے بھی عیاں ہے جو اسلامی افواج کے مشہور قائد اور سپہ سالار
 عقبہ بن نافعؓ سے منسوب ہے، جب ان کی فتوحات اور پیش قدمیوں کی راہ میں بحرِ اوقیانوس
 (اطلاننگ) حائل ہوا تو اس موقع پر انھوں نے کہا کہ 'خدا یا یہ بحرِ زار حائل ہے،
 ورنہ جی چاہتا ہے کہ برابر آگے بڑھنا جاؤں اور بحر و بر میں تیرے نام کی منادی کر دوں؛'
 اس کے برخلاف یونان، روم اور ایران کے لوگ زمانہ سازی اور ہوا کے سُنج پر
 چلنے کے عادی تھے، کوئی ظلم و زیادتی ان کے اندر تخریک پیدا کرنے سے قاصر تھی، کوئی
 اصول پسندی اور حقیقت ان کے لئے کشش نہ رکھتی تھی، کوئی دعوت اور عقیدہ
 ان کے خیالات و افکار اور احساسات و جذبات پر اس طرح طاری نہ ہوتا تھا کہ

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۲ (طبع مصطفیٰ اربابی اہلبی) طبع دوم ۱۵۰۰ برک النماذ کے متعلق مختلف
 اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ یمن کا کوئی دور دراز مقام ہے، سہیلی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حبش ہے مقصد
 یہ ہے کہ اگر آپ بعد ازین مقام تک بھی لے جائیں گے تو ہم ہم کابی میں جائیں گے اور ساتھ نہ چھوڑیں گے۔
 ۲۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۱۵، بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت آئی ہے۔
 ۳۔ مسلمان، مؤرخین اور مصنفین عام طور پر اس کو بحرِ اطلانتک یا ذکر تے ہیں ۵۰۰ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۶۶

وہ اس کے لئے اپنی ہستی کو فراموش کر دیں اور اپنے عیش اور دنیاوی لذتوں کو خطرہ میں ڈال دیں۔

عرب تہذیب تمدن اور عیش و آرام طلبی کی سپید کی ہوئی ان تمام بیماریوں و خرابیوں سے محفوظ تھے، جن کا علاج بڑا دشوار ہوتا ہے، اور جو کسی ایسا عقیدہ کے لئے گرم جوشی و جہاں فروشی میں ہمیشہ حائل ہوتی ہیں، اور اکثر آدمی کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔ ان کے اندر صداقت بھی تھی، دیانت بھی، اور شجاعت بھی، منافقت اور سازش ان کے مزاج سے مناسبت نہ رکھتی، بے جگرگی سے لڑنے والے گھوڑوں کی پٹھیاں پر زیادہ وقت گزارنے والے سخت قوتِ مدافعت اور قوتِ برداشت کے مالک، سادہ زندگی کے عادی، شہ سواری اور فنونِ جنگ کے عاشق، جو ایک ایسی قوم کے لئے ضروری شرط ہے جس کو دنیا میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا ہو، خصوصاً اُس دور میں جب معرکہ آرائیوں اور ہم جوشیوں کا سلسلہ ہو اور بہادری و شجاعت کا عام چلن ہو۔

دوسری بات یہ کہ ان کی فکری و عملی قوتیں اور فطری صلاحیتیں محفوظ تھیں، اور خیالی فلسفوں، بے فائدہ منطقی بحثوں اور موثر گائیوں، علمِ کلام کے قہقہے و نازک مضامین، یا مقامی و علاقائی خانہ جنگیوں میں ضائع نہیں ہوئی تھیں، یہ ایک نوعِ نخب اور اس لحاظ سے محفوظ قوم تھی اور زندگی و حرارت، جوش و نشاط اور علم و آہنی ارادہ سے بھر پور تھی۔ آزادی و مساوات، فطرت اور مناظرِ فطرتِ حجت اور سادگی و سادہ دلی اس کی گھٹی میں پڑی تھی، اس کو کبھی کسی غیر ملکی اقتدار کے سامنے جھکانا پڑا تھا، یہ قوم غلامی اور ایک انسان کے دوسرے انسان پر حکم چلانے کے معنی سے نا آشنا تھی، اس کو ایرانی و رومی شہتہا ہیوں کے تکبر اور انسان اور انسانیت کے نگاہِ حقارت سے دیکھنے کا کبھی تجربہ نہ ہوا تھا، اس کے بھلا ایرانی

سلاطین (جو جزیرۃ العرب کے پڑوس میں تھے) مافوق البشر سمجھے جاتے تھے اگر ایرانی بادشاہ
 فصد کھلوانا یا کوئی دوا استعمال کرتا تو دارالسلطنت میں اعلان کر دیا جاتا کہ آج بادشاہ مست
 نے فصد کھلوائی ہے یا دوا استعمال کی ہے اس اعلان کے بعد شہر میں نہ کوئی پیشہ ور اپنے پیشہ میں
 مشغول ہوتا اور نہ کوئی سرکاری درباری آدمی کوئی کام کر سکتا، اگر اس کو چھینک آتی تو اس کے
 لئے کسی کو دعائیہ کلمات کہنے کا حق نہ تھا، وہ خود اگر دعا کرتا تو آمین بھی نہیں کہہ سکتا تھا، اگر
 وہ اپنے وزراء و امراء میں کسی کے گھر فرکشت ہوتا تو یہ دن بہت غیر معمولی اور اہم سمجھا جاتا اور اس
 دن اس خاندان کی نئی تقویم از نئی جہت سے شروع ہوتی اور خطوط میں نئی تاریخ ڈالی جاتی ایک
 معینہ مدت کے لئے ٹیکس منسوخ کر دیے جاتے، وہ شخص مختلف قسم کے اعزازات انعامات اور عافیوں
 و تزیینوں سے نوازا جاتا محض اس بنیاد پر کہ بادشاہ نے اپنی تشریف آوری اس کو سرفراز کیا ہے۔
 یہ ان آداب و رولازم تعظیم و بندگی کے علاوہ ہے جس کا بجا لانا ارکان سلطنت اور
 اہل دربار اور دوسرے تمام اشخاص کے لئے ضروری تھا، مثلاً ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے
 رہنا (یعنی سینہ پر ہاتھ رکھ کر ادا کیے ساتھ سر نیاز خم کر دینا) ان کے سامنے اس طرح مؤذنب کھڑا
 رہنا جس طرح نمازوں میں خدا کے سامنے کوئی کھڑا ہوتا ہے یہ اس بادشاہ کے عہد کا تذکرہ ہے
 جو نو شرواں عادل کے نام سے شہرہ آفاق ہے یعنی خسرو اول (۵۳۱ء - ۵۷۹ء) اس سے

لے ملاحظہ ہو ایران بعد رسایان ۵۳۵-۵۳۶ء ایضاً ۵۳۳-۵۳۴ء اس کے لئے عربی میں ایک مستقل
 محاورہ بن گیا تھا کہ تھے کفر فلان یعنی جھکے ہوئے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر تعظیماً سر جھکا دینا یہ ایران کا عام
 رواج تھا، اور عرب میں یہ اصطلاح نکلی اور لغت عرب میں اصل ہوئی ہے "لسان العرب" میں ہے کہ کفر کے معنی ہیں
 ایرانی کا اپنے بادشاہ کی تعظیم کرنا اور اہل کتاب کی تکفیر یہ ہے کہ تسلیم و آداب کے طور پر آدمی اپنا سر جھکا دے
 انھوں نے جویر کے اس شعر سے استناد کرتے ہوئے فضول السلاح و کفر و الکفیر لکھا ہے کہ جیسے کوئی دیہاتی
 کسان اپنے کھیا اور زردار کے سامنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ادا اپنا سر جھکا دینا ہے (لسان العرب ج ۷
 ۶۶۱ء) یاد رکھو

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایران کج ان شہنشاہوں کی حال ہوگا جو ظلم و سفاکی اور بے رحمی میں مشہور زمانہ تھے۔

آزادی خیال اور انہار رائے (زکرتنفید و کتہ چینی) وسیع ایرانی سلطنت میں تقریباً مفقود تھی، طبری نے اس سلسلہ میں "نو شیرازان عادل" کی ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی شہنشاہی میں آزادی رائے اور انہار خیال پر کتنی سخت پابندی تھی، اور دربار شاہی میں لب کُشائی کی قیمت کیا ادا کرنی پڑتی تھی، اس واقعہ کو ایران بعد ساسانیان کے مصنف نے طبری کے حوالہ سے قلم بند کیا ہے۔

"اس نے ایک کونسل منعقد کی اور دیر خراج کو حکم دیا کہ لگان کی نئی شرحیں باواز بلنہ پڑھ کر سنائے، جب وہ پڑھ چکا تو خسرو نے دود فوج حاضر کیا پوچھا کہ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ سب چُپ رہے، جب بادشاہ نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور عظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کہ آیا بادشاہ کا یہ منشا ہے کہ ناپائیدار چیزوں پر دائمی ٹیکس لگائے، جو ہر روز زمانہ نانا انصافی پر تہی ہوگا، اس پر بادشاہ لٹکا کر بولا کہ اے مرد ملعون و گستاخ! تو کن لوگوں میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں دیسروں میں سے ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو قلم دانوں سے پرٹ پرٹ کر مار ڈالو، اس پر سر ایکے بیر نے اپنے اپنے قلم دان سے اس کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بیچارہ مر گیا، اس کے بعد سب نے کہا کہ اے بادشاہ! جتنے ٹیکس تو نے ہم پر لگائے ہیں، وہ ہمارے نزدیک سب انصاف پر مبنی ہیں!"

ہندستان میں عزت و ناموس کی تذلیل و توہین اور ان پس ماندہ طبقوں کی تحقیر

لہ ایران بعد ساسانیان ص ۱۵۵ اخذ از ترجمہ پروفسر محمد اقبال۔

جن کو فاتح آریں توں اور ملکی قانون ایک کترین مخلوق قرار دیا تھا اور جو پالتو جانوروں کے
 صرف اس بات میں مختلف تھے کہ دو پیروں پر چلتے تھے اور آدھوں جسمی شکل رکھتے تھے (تصوراً اوراً
 ہے اس قانون میں یہ باقاعدہ موجود تھی کہ اگر کوئی شہر کسی برہمن کو نقصان پہنچانے کے
 لئے ہاتھ اٹھائے یا لاطھی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اگر اس کو لات مارے تو اس کا پیر کاٹ
 دیا جائے اگر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کو تعلیم دے سکتا ہے تو اس کو کھوٹا ہوا تیل پلایا جائے اس
 قانون کی رو سے کتے، بلی، مینڈک، گرگٹ، کوسے، آلو اور اس اچھوت طبقہ کے فرد کے قتل
 کا جرمانہ برابر تھا۔

رومی بھی اس معاملہ میں ایرانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے، اگرچہ بے شرمی اور
 تذلیلِ انسانیت میں یہ بلند درجہ ان کو حاصل نہ تھا، ایک مغربی مورخ
 VICTOR CHOPART اپنی کتاب THE ROMAN WORLD میں لکھتا ہے :-

”قیصر موجود سمجھے جاتے تھے، یہ بات موروثی و خاندانی طور پر تھی بلکہ جو بھی تخت
 و تاج کا مالک ہوتا وہ خدا تسلیم کر لیا جاتا تھا، اگرچہ اس میں ایسی کوئی نشانی اور علامت
 نہ ہوتی جو اس کو اس درجہ پر فائز ہونے کی طرف اشارہ کرتی (AUGUSTUS)
 کا شاہانہ لقب ایک شہنشاہ سے دوسرے شہنشاہ تک مستور قانون کے بموجب منتقل
 نہیں ہوتا تھا بلکہ رومی ایوانِ حکومت کا صرف ایشاک تھا کہ ہر اس حکم پر جو شہنشاہ
 کی دھار پر صادر ہوا کر دیا کرے، یہ شہنشاہی صرف ایک فوجی آمریت
 (ڈکٹیٹر شپ) کی ایک شکل تھی۔“

اگر اس کا موازنہ عربوں کی اس محبتِ پسندی، عزتِ نفس اور ادبِ تنظیم میں قرار

سے کیا جائے جو ظہور اسلام سے قبل ان کے اندر ملتا ہے تو دونوں قوموں کے مزاج اور عربی و عجمی معاشرہ کا فرق اچھی طرح واضح ہو جائے گا، وہ بعض اوقات اپنے بادشاہوں کو "أبیت اللعن" و "عم صباھا" جیسے الفاظ سے خطاب کرتے تھے، یہ آزادی و خود نشائی اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت پاسبانی عربوں میں اس درجہ تھی کہ وہ اپنے مالوک امراء کے بعض مطالبوں کو فرمائشوں کو پورا کرنے سے بھی بعض اوقات عذر کر دیتے تھے، اس سلسلہ میں یہ پختہ واقعہ تاریخ میں آتا ہے کہ ایک عرب بادشاہ نے بنی تمیم کے ایک شخص سے ایک گھوڑی جس کا نام "سکاب" تھا، طلب کی تو اس نے دینے سے صفا انکار کر دیا اور مشہور شعر کہ جسے اس کا مطلع یہ ہے۔

أبیت اللعن ان سکاب علق نفیس لا تنار ولا تنباع

اور مقطع یہ ہے۔

فلا نظم أبیت اللعن فیہا ومنعکھا بشی یسنتطاع

یہ آزادی و خود نگری بلندی نفس اور شرافت و حوصلہ مندی عوام کے سب طبقوں میں موجود تھی اور مردوں اور عورتوں دونوں میں پائی جاتی تھی اس کا ایک نمونہ ہمیں حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند کے قتل کے واقعوں میں نظر آتا ہے یہ واقعہ عرب مؤرخین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ عمرو بن ہند نے مشہور عرب شہسوار اور شاعر عمرو بن کلثوم کی دعوت کی اور یہ خواہش کی کہ اس کی ماں بادشاہ کی ماں کے ساتھ دعوت میں شریک ہو، چنانچہ عمرو بن کلثوم بنو تغلب کی ایک جماعت کے ساتھ حیرہ سے حیرہ کی طرف روانہ ہوا، اور اس کی ماں اپنی بنت، مہملہ بھی

لہ "أبیت اللعن" دعائیہ جملہ ہے، معنی یہ ہیں کہ آپ عیب سے محفوظ رہیں "عم صباھا" آپ اچھی طرح صحیح کریں۔ ۱۲ دیوان الحماہ باب الحماہ ص ۶۷-۶۸ شعر کا مطلب یہ ہے کہ لے بادشاہ! یہ بہت قیمتی اور نفیس گھوڑی ہے، اس کو عاریتاً دیا جاسکتا ہے، نہ اسے بیچا جاسکتا ہے، اس کو حاصل کرنے کی آپ کو شہش نہ کریں، اس کا آپ سے روکنا میرے لئے ممکن ہے۔

بنی تغلب کے کچھ ذمہ داروں کے ساتھ روانہ ہوئی عمرو بن ہند کا خیمہ حیرہ اور فرات کے درمیان نصب کیا گیا، ایک طرف عمرو بن ہند اپنے خیمہ میں داخل ہوا اور دوسری طرف یسلیٰ اور ہند خیمہ کے ایک علیحدہ کمرہ میں جمع ہوئے، عمرو بن ہند نے اپنی ماں سے کہہ دیا تھا کہ جب کھانا لگ جائے تو نوکروں کو ذرا علیحدہ کر دینا اور کوئی ضرورت ہو تو یسلیٰ سے کام لینا چنانچہ عمرو بن ہند نے دسترخوان لگانے کا حکم دیا پھر کھانا لگوا یا، اس درمیان میں ہند نے یسلیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ بہن! ذرا یہ طباق تو مجھے اٹھا دو یسلیٰ نے کہا کہ جس کو ضرورت ہو وہ خود اٹھائے، اس نے دوبارہ مانگا اور اصرار کرنے لگی اس وقت یسلیٰ نے صد لگانے کا ذمہ لیا، یہ بات ہے، اے بنی تغلب! یہ آواز عمرو بن کلثوم نے سنی تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے پیکر عمرو بن ہند کی تلوار جو سامنے لٹک ہی تھی اٹھائی اور اس کے سر پرادی اس کے ساتھ بنو تغلب نے خیمہ کو لوٹ لیا اور جزیرہ کی طرف واپس آئے، اسی واقعہ پر عمرو بن کلثوم نے وہ مشہور قصیدہ کہا جس کا شمار سب سے معلقہ میں کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جب عبید بن شیبہ نے مسلمانوں کے سفیرین کو رستم کے دربار میں گئے تو وہ اپنی پوجا نشان و شوکت اور لوازم امارت کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا تھا، عبید بن شیبہ نے عربوں کی عادت کے موافق اسی کے ساتھ اس کے تخت پر گاؤ نکبہ کے پاس بیٹھ گئے، اس کے درباری فوراً ان پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو نیچے اتار لائے، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم کو تو یہ خبریں ملی تھیں کہ تم لوگ بہت عقل مند ہو لیکن مجھے تم سے زیادہ بیوقوف کوئی نظر نہیں آتا، ہم عرب تو سب سے برابری کا معاملہ کرتے ہیں ہم میں سے کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا سوائے حالت جنگ کے، میرا لگان تھا کہ تم بھی اپنی قوم سے اسی طرح مساوات و برابری کا معاملہ کرتے ہو گے،

اس سے بہتر یہ تھا کہ تم مجھے پہلے ہی مطلع کر دیتے کہ تم نے آپس میں ایک دوسرے کو خدا بنا رکھا ہے اور یہ معاملہ تمہارے ساتھ نہ ہو سکے گا، اس صورت میں ہم تم سے یہ تباؤ نہ کرتے اور نہ تمہارے پاس آتے لیکن تم نے ہمیں خود دعوت دی ہے۔

جزیرۃ العرب میں آخری نبی کی بعثت کا دوسرا سبب جزیرۃ العرب اور مکہ میں

کعبہ کا وجود تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اس لئے تعمیر کیا تھا کہ ایک لٹری کی عبادت کی جائے اور یہ جگہ ہمیشہ کے لئے توحید کی دعوت کا مرکز بنے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ

لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى

لِّلْعَالَمِينَ

پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کرنے کے

لئے مقرر کیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے

بابرکت اور جہان کے لئے موجب ہدایت۔

بائبل (عہد عتیق) میں اس قدر تخریج کے باوجود وادی بکہ کے الفاظ آج تک موجود ہیں لیکن مترجمین نے اس کو "وادی البکاء" بنا دیا ہے اور علم کے بجائے نکرہ کر دیا ہے، "مزامیر داؤد" کے الفاظ جو عربی میں آتے ہیں وہ یہ ہیں:-

”طوبی لاناں عزہم بک، طرق بیتک فی قلوبہم عابریں فی

وادی البکاء یصیرونہ یبنوعا۔ (مزامیر ۸۴-۵-۶-۷)

”مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں وہ بکاک

وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنول بناتے (کتاب مقدس، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی)

لہ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۰ بکہ بلد حرام کا نام ہے اس کے بکر اور ککر دونوں نام آتے ہیں

اس لئے کہ عربی زبان میں میم اور بیں اکثر تبادلہ ہوتا رہتا ہے، جیسے لازم اور لائب اور طیب اور طیب

۱۸۰۳ء

۱۸۰۳ء سورہ آل عمران آیت ۹۶ ۱۸۰۳ء کتاب المقدس فی ساحة استور من مدینة نیویارک لندن

لیکن علماء یہود کو صدیوں کے بعد احساس ہوا کہ یہ ترجمہ غلط ہے چنانچہ
(JEWISH ENCYCLOPEDIA) میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ ایک مخصوص وادی ہے
جس میں پانی نہ ملتا تھا اور جس نے یہ (مذکورہ بالا) عبارت لکھی ہے اس کے ذہن میں ایک ایسی
وادئ کی تصویر کھٹی جس کے خاص قدرتی حالات تھے جن کی ترجمانی اس نے ان الفاظ سے کی ہے
ان صحیفوں کے انگریزی مترجموں نے ترجمہ میں صحت و احتیاط کا عربی مترجموں سے
زیادہ ثبوت دیا ہے انھوں نے "بکہ" کا لفظ اسی طرح باقی رکھا ہے جیسا کہ اصل صحیفہ میں
تھا انھوں نے اس کو حوت "B" نہ کہ "S" سے لکھا ہے جیسے عام طور پر آسماء و اعلام
کو لکھا جاتا ہے یہ انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے۔

(BLESS'D IS THE MAN WHOSE STRENGTH IS IN THEE ;
IN WHOSE HEART ARE THE WAYS OF THEM. WHO PASSING
THROUGH THE VALLEY OF BACA MAKE IT A WELL :)
PSALM 84 : 5-6

(مبارک باد ہے ان لوگوں کو جن کی عزت و قوت تیرے ساتھ ہے جن کے
دلوں میں تیرے راستے ہیں جو وادی بکا کو عبور کریں گے اور اس کو ایک کنواں بنائیں گے)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام
کی اس دعا کا نتیجہ تھی جو انھوں نے کعبہ کی بنیادیں رکھنے اور اس کی تعمیر کرنے وقت کی تھی یہ عاید ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ
أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُ
اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں
انھیں جسے ایک پیغمبر مبعوث کجھو جو ان
تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر نایاب کرے

۱۷۱ VOL. II, P. 415
قاضی سلیمان منصور پوری جلد اول۔
۱۷۱ از رحمۃ اللعالمین۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے

اور ان کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے

(سورہ بقرہ - ۱۲۹)

بے شک تو غالب در صاحبِ حکمت ہے

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین و صالحین اور اپنی ذاتِ عالی سے لو لگانے والوں اور دامنِ احتیاج پھیلانے والوں کی دعا ضرور قبول کرتا ہے انبیاء و مرسلین کا رتبہ تو اس سے بھی اونچا ہے، صحفِ سماویہ اور اخبارِ صادقہ ان مثالوں سے لبریز ہیں، خود تورات میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول کی، کتابِ پیدائش (۲۰) کے صاف الفاظ یہ ہیں:-

”اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھی میں اسے برکت دوں گا، او اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ ستر پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا“

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ ”انادعوة ابراہیم ویشری عیسیٰ“ (میں ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں) تورات میں (اس کی تخریج کے باوجود) اب تک اس کے شواہد ملتے ہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی، کتابِ استثناء (۱۸-۱۵) میں موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

”يَقِيْمُ لَكَ الرَّبُّ اِلَهَكَ نَبِيًّا مِنْ وَسْطِكَ مِنْ اَهْوَاكَ قَتْلًا لَمْ تَتَمَنَّ”

ترجمہ: خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو۔

لہ من امام احمد۔

”اخوتك“ (تیرے ہی بھائیوں) کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ اس سے مراد نبی اسماعیل ہیں جو نبی اسرائیل کے ابناء عم تھے، اسی صحیفہ میں دو آیتوں کے بعد یہ الفاظ درج ہیں

”قال لی الرب قد أحسنوا فیما نکلّموا أقیم لهم نبیّامن وسطا نخوّم
مثلا، واجعل کلامی فی فمہ فیکلمهم بكل ما وصیہ بہ“

(سفر التثنہ - ۱۸-۱۷-۱۸)

”اور خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سوا چھا کہا، میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا“

”أجعل کلامی فی فمہ“ (اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا) کے الفاظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعین طور پر نشان دہی کرتے ہیں، اس لئے کہ آپ ہی وہ تنہا نبی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا کلام لفظاً و معنایاً نازل ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان بھی فرمایا۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ
إِلَّا وَحیٌ یُّوحیٰ ۝
(سورہ نجم ۲۰-۲۱)

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ یَمَیْنِ یَدَیْهِ
وَلَا مِنْ شَمَالِیْهِ ۚ فَتَنْزِیْلٌ مِنْ مَلِکِیْهِ
خَبِیْدٍ ۝ (سورہ حم سجدہ - ۲۲)

اس پر چھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے، نہ پیچھے سے، وانا اور خوبیاں والے خدا کی اناری ہوئی ہے۔

اس کے برضلاف انبیاء نبی اسرائیل کے صحیفے اس کا بالکل دعویٰ نہیں کرنے کہ وہ

لفظاً و معنأً دونوں طرح اللہ کا کلام ہیں، ان کے علماء بھی ان کو انبیاء کی طرف منسوب کرنے میں تکلف سے کام نہیں لینے، حیویش انسا ئیکلو پیڈیا میں آتا ہے کہ:-

”کتاب مقدس (عہد قدیم) کی پہلی پانچ کتابیں (جیسا کہ قدیم یہودی مذہب کی روایات ہمیں بتاتی ہیں) موسیٰ نبیؑ کی تالیف ہیں، آخری آٹھ کتابت کو مستثنیٰ کر کے (جن میں موسیٰؑ کے انتقال کا واقعہ بیان کیا گیا ہے) رہی (یہودی عالم) اس تضاد اور ایک دوسرے سے مختلف روایات پر غور کرتے رہتے ہیں جو ان صحیفوں پر لکھی ہیں اور اس میں اپنی حکمت و ذہانت سے اصلاح کرتے رہتے ہیں۔“

جہاں تک نا جیل اربعہ کا تعلق ہے جن کو ”عہد جدید“ کہا جاتا ہے ان کو لفظاً و معنأً کلام الہی ہونے سے دور رکھا بھی واسطہ نہیں، اس کا اطمینان ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کی ان کتابوں پر نظر ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتابیں سوانح و وقائع کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، خدا کی نازل کردہ کتابیں جو وحی و الہام پر مبنی ہوں کم بلکہ

اس کے بعد جزیرۃ العرب کے مخصوص جغرافیائی محل وقوع کا نمبر آتا ہے جس نے اس کے سب سے موزوں مرکز دعوت کی شکل دے دی ہے، جہاں سے یہ دعوت و پیغام ساری دنیا کو پہنچایا جاسکتا ہے اور ساری قوموں کو خطاب کیا جاسکتا ہے، ایک طرف وہ بڑا عظیم ایشیا کا ایک حصہ ہے دوسری طرف بڑا عظیم افریقہ اور اس کے بعد یورپ کے بھی قریب، اور یہ سب وہ علاقے ہیں جو تہذیب تمدن، علوم و فنون اور مذاہب و افکار کا ہمیشہ مرکز رہے اور جہاں بڑی وسیع، اور طاقتور سلطنتیں قائم ہوئیں، پھر یہ علاقہ تجارتی کاروانوں کی

۱۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ہماری کتاب JEWISH ENCYCLOPEDIA. VOL. 9, P. 589

”منصب نبوت“ کا ساتواں خطبہ ”ختم نبوت“، فصل ”آسمانی صحیفہ اور قرآن علم و نایح کی روشنی میں“

گذرگاہ بھی تھا، جس کے ذریعہ مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے، یہ کئی
 براعظموں کو جوڑتا تھا اور ایک جگہ کی مخصوص اشیاء اور پیداوار دوسری جگہ جہاں اس کی
 ضرورت تھی منتقل کرتا تھا، یہ جزیرہ نئے عرب دوزیر دست بر سر پرکار طاقتوں کے
 درمیان واقع تھا، عیسائی طاقت اور مجوسی طاقت، مغرب کی طاقت اور شرق کی طاقت،
 لیکن اس کے باوجود اپنی آزادی اور اپنی شخصیت کی اس نے ہمیشہ حفاظت کی اور اپنے
 چند سرحدی مقامات اور بعض قبائل کو چھوڑ کر اس نے کبھی ان طاقتوں کی ماتحتی قبول نہیں کی
 وہ نبوت کی ایک ایسی عالمی دعوت کا بجا طور پر مرکز بن سکتا تھا جو بین الاقوامی خطوط پر
 قائم ہو، انسانیت کو بلند سطح سے خطاب کر سکے، ہر قسم کے سیاسی دباؤ اور غیر ملکی اثرات سے
 بالکلیہ آزاد ہو۔

ان سب وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب اور مکہ مکرمہ کو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت، وحی آسمانی کے نزول اور دنیا میں اسلام کی اشاعت کے
 عالم گیر مرکز اور نقطہ آغاز کے طور پر منتخب فرمایا۔

اللَّهُ أَكْبَرُ حَيْثُ يُجْعَلُ
 اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اس کا
 رِسَالَتُهُ۔ (سودہ الانعام ۱۱۳)

لہذا اگر حسین کمال الدین نے جو ریاض یونیورسٹی کے انجینیئرنگ کالج میں سول انجینیئرنگ کے شعبہ کے
 صدر بنے اپنے ایک پریس انٹرویو میں کہا کہ وہ ایک نئے جزیرائی نقطہ نظر پر پہنچ چکے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا
 ہے کہ مکہ مکرمہ روئے زمین پر (عظمت کی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے) انھوں نے اپنی تحقیق کا آغاز ایک ایسے
 نقشہ سے کیا جس میں مکہ مکرمہ سے دوسرے مقامات کی مسافتیں کھائی گئی تھیں ان کا مقصد اس سے دراصل
 ایک ایسے کم قیمت آلہ کی تیاری تھی جو صحت قبلہ کا تعین کر سکے، اسی درمیان میں ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی
 ہے کہ مکہ مکرمہ ٹھیک دنیا کے وسط میں واقع ہے اسی تحقیق سے ان پر یہ براہ کھلی منکشف ہوا کہ مکہ مکرمہ کو
 بیت اللہ کا مرکز اور ہدایت آسمانی کا نقطہ آغاز بنانے میں خدا کی مصلحت کیا تھی (روزنامہ الامام ۵ جنوری ۱۹۶۷ء)

عرب کا تاریک ترین دور

اور ایک مستقل نبی کی بعثت کی ضرورت

ان صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود جن سے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو سرفراز کیا تھا اور جن کی وجہ سے بعثتِ محمدی اور ظہورِ اسلام کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تھا جزیرۃ العرب میں بیداری اور بے چینی کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے اور حُفَّاء اور تلاشِ حق کا جذبہ رکھنے والے چند نفوس باقی رہ گئے تھے جو انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے اور جن کی حیثیت برسات کی اندھیری اور ٹھٹھری ہوئی رات میں جگنوؤں سے زیادہ نہ تھی جو نہ کسی گم گشتہ کو راہ دکھا سکتے ہیں نہ کسی کو گرمی و حرارت پہنچا سکتے ہیں۔

یہ دو جہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، جزیرۃ العرب کی تاریخ کا بھی تاریک ترین دور تھا، یہ ملک ظلمت و انحطاط کی اس آخری منزل پر تھا جب اصلاح کی امید ختم ہو جاتی ہے، یہ وہ سخت و جاں گداز اور سنگین مرحلہ تھا، جو کسی نبی کو تبلیغ کے راستہ میں پیش آیا ہوگا۔

سیرت نبوی کے ایک انگریز مصنف (SIR WILLIAM MUIR) نے جو اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میل اپنی خوردہ گیری اور عیبِ چینی میں مشہور ہے، اس دور کی خوب تصویر کھینچی ہے اور مغربی مصنفین کے اس نقطہ نظر کی تردید کی ہے کہ آپ کی لہ حُفَّاء ان کو کہتے ہیں جو بت پرستی چھوڑ چکے تھے اور اپنی سمجھ کے مطابق ابراہیمی عقیدہ پر قائم تھے

بعثت سے قبل لاوا بالکل یک چکا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کیا کہ برکت اور صحیح جگہ پہنچ کر اس کو آگ دکھا دی، چنانچہ یہ لاوا پھوٹ پڑا، وہ کہتا ہے۔

”محمد کے عقو ان بنا کے زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب بالکل ناقابل تخریب تھا، شاید اس سے زیادہ ناامیدی کی حالت کسی اور زمانہ میں نہیں تھی“

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے :-

”فروع عیسائیت کی معمولی کوششوں نے عرب کی اوپری سطح پر وقتاً فوقتاً معمولی ارتعاش تو پیدا کیا تھا، اور نسبتاً شدید تیز یہودی اثرات بھی اندر آتی سطح میں بھی نظر آجاتے تھے، لیکن مقامی بُت پرستی اور اسماعیلیوں کی توہم پرستی کا تیز دھارا ہر سمت کے کعبہ کی جانب اُٹکرا رہا تھا، اور اس کا واضح ثبوت یہ تھا کہ رہا تھا کہ مکہ کا مذہب اور طریقہ عبادت عربوں کے ذہن پر شدت کے ساتھ اور بلا شرکت غیرے قابض ہو چکا تھا“

اسی تاریخی حقیقت کا باسور تھ اسمتھ (BOSWORTH SMITH) نے اختصار

لیکن طاقت اور وضاحت کے ساتھ اظہار کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

”سب سے زیادہ فلسفیانہ رجحان رکھنے والا ایک مؤرخ کہتا ہے کہ ان تمام انقلابات میں جنہوں نے انسانیت کی عمرانی تاریخ پر لافانی نقوش چھوٹے ہیں، ان میں کسی کا ظہور عقل انسانی کے لئے اتنا غیر متوقع نہ تھا جتنا کہ عرب کے اس مذہب کا۔“

ہیں پہلی ہی نظر میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ علم تالیخ (اگر علم تالیخ نام کی کوئی چیز ہے) اس سے قاصر ہے کہ وہ اسبابِ علل کی ان کڑیوں کو تلاش کرے جن کا تلاش کرنا اس کا فرض ہے!

نبی کی ضرورت

چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں حالات کا بگاڑ اتنا بڑھ گیا تھا اور انسانیت کی پستی اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ اب وہ کسی مصلح، ریفارمر اور مُعلمِ اخلاق کے بس کی بات نہ تھی، ہلکے کسی ایک عقیدہ کی تصحیح کا، کسی مخصوص عادت کو بدلنے کا یا کسی طریقہ عبادت کی ترویج کا یا کسی معاشرہ کی سماجی اصلاح کا نہ تھا، اس کے لئے وہ مصلح و معلمینِ اخلاق کافی تھے جن سے کوئی زمانہ اور کوئی علاقہ کبھی خالی نہیں رہا، مسئلہ یہ تھا کہ جاہلیت کے مشرکانہ و بت پرستانہ اور انسانیت کے اس ہلک اور زباہ کن بلبہ کو کس طرح ہٹایا اور صاف کیا جائے جو صدیوں اور نسلوں سے تلے اوپر جمع ہو رہا تھا، اور جس کے نیچے انبیاءِ کرام کی صحیح تعلیمات اور مصلحین کی مساعی اور خدمات دفنِ بھس پھر اس کی جگہ پر وہ نئی مستحکم اور عظیم الشان، وسیع و عریض اور بلند و بالا عمارت کیسے قائم کی جائے جس کے سایہ رحمت میں ساری انسانیت کو پناہ مل سکے، مسئلہ یہ تھا کہ وہ انسان کیوں کر بنایا جائے، جو اپنے پیش رو انسان کے ہر چیز میں جُدا ہو اور ایسا نظر آئے کہ وہ ابھی ابھی وجود میں آیا ہے یا اس کو نئی زندگی ملی ہے۔

أَوْ مِنْ كَانٍ مَيِّتًا فَأَحْيَيْتَهُ
وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا مِمَّنْ شِئْنَا بِهِ

بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو
زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کر دی

فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمِ
 كَيْسٍ بِيخَارِجٍ مِّنْهَا.
 جس کے ذریعہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے
 کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھے
 میں پڑا ہوا ہوا اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔
 (سورۃ النعام - ۱۲۲)

یہ سرفساد کی جڑ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے اور بت پرستی کی بنیاد کو بیخ و بن اس طرح
 اکھاڑ پھینکنے کا تھا کہ دودھ و دوسرا اس کا کوئی اثر اور نشا باقی نہ رہ جائے اور عقیدہ تو حید نفس انسانی
 کی گہرائیوں میں عملاً اس طرح پیوست اور راسخ کر دیا جائے کہ اس سے زیادہ تصور کرنا مشکل ہے اس کے
 اندر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور عبادت کا رجحان انسانیت کی خدمت اور حق پرستی کا جذبہ اور
 ہر غلط خواہش اور شوق کو نگاہ دینے کا ملکہ اور اس کی صلاحیت قوت پیدا کی جائے جو خضر یہ کہ انسانیت
 کو (جو خود شی پرآبادہ تھی بلکہ اس کے لئے پر زول چکی تھی اور اس میں اپنی دانشت میں اس کوئی کسر
 نہ چھوڑی تھی) مگر کرپکے دنیا و آخرت کے جہنم سے بچایا جائے اور اس کو اس شاہراہ پر ڈالا جائے
 جس کا پہلا سراوہ حیاتِ طیبہ ہے جو عارفین اہل ایمان کو اس نیا ہی نصیب ہوتی ہے اور دوسرا اور
 انتہائی سراوہ ہمیشہ رہنے والی جنت ہے جس کا تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے والوں کے وعدہ کیا گیا ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغثتِ احسان کا ذکر کرنے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو
 ارشاد فرمایا ہے اس سے بڑھ کر اس صورتِ حال کی کوئی تصویر اور زرجانی نہیں ہو سکتی ہے ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْتُمْ
 أَعْدَاءٌ قَالَتْ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصِحُّمُ
 بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا
 حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمُ
 مِّنْهَا. (سورۃ آل عمران - ۱۰۳)

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے
 کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت
 ڈال دی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی
 ہو گئے تو تم آگ کے گڑھے کے کنارے مکے پہنچے
 چلے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچایا۔

بنی نوع انسان کی پوری تاریخ میں ہمیں بس زیادہ نازک ورپے چڑھ کام اور اس بڑی اور عظیم الشان ذمہ داری نظر نہیں آتی جو ایک نبی اور فرستادہ الہی کی حیثیت کے حاملے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالی گئی، نہ کوئی گھبیتی اتنی زرخیز ثابت ہوئی اور برگ بار لائی جیسی آپ کی نہ کوئی کوشش و سعی اتنی بار آور ثابت ہوئی جتنا آپ کی سعی انسانیت عامہ کے حق میں مفید و جات بخش ثابت ہوئی، یہ عجائبات تاریخ کا سب سے بڑا عجوبہ اور دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس کی شہادت مشہور فرانسسیسی ادیب اور شاعر نے بھی بڑی قوت بلاغت اور وضاحت و صراحت کے ساتھ دی ہے، یہ ادیب لیمارٹین (LAMARTINE) ہے، وہ نبوت محمدی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے :-

”کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد نہیں کیا اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا، تو ہمتا اور خوش اعتقادوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں زبرد بر کرنا، انسان کے خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا، اس زمانہ کی اصنام پتھی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عظیمی تصور کو از سر نو بحال کرنا، یہ تھا وہ عظیم مقصد کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا، اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بڑا نہیں ٹھایا، آگے لکھتا ہے :-

”اس سے بھی زیادہ آپ کا یہ کارنامہ ہے کہ آپ نے قربان گاہوں، دیوتاؤں، مذاہب، تصورات، عقائد اور فوس کے اندر ایک تہلکہ ڈال دیا، ایک ایسی کتاب کے اساس بنا کر جس کا ہر حرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے ایک ایسی روحانی ملت کی تشکیل

کی جو ہر نسل اور ہر زبان کا افراد پر مشتمل ہے اس ملتِ اسلامیہ کی امت کی خصوصیت
 جسے محمد نے ہمارے لئے ورثہ میں چھوڑا ہے یہ ہے۔ اسے چھوٹے خداؤں سے سخت نفرت ہے
 اور مادہ سے بتر خدا سے شدید لگاؤ، یہی محبت اسے خدا کے واحد کی اہانت کے خلاف
 انتقام پر مجبور کرتی ہے اور یہی محبت محمد کے پیغمبر کی خوبصورتی کی بنیاد بنتی ہے
 اپنے عقائد کو ایک تہائی دنیا سے تسلیم کر لینا بے شک ایک کامیاب معجزہ تھا لیکن زیادہ صحیح
 تو یہ ہے کہ یہ ایک فرد کا نہیں بلکہ عقل کا معجزہ ہے خدا کی توحید کے تصور کا ایسے
 دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی پرورش کے پودھے سے دبلی ہوئی تھی
 بذاتِ خود ایک ہی معجزہ تھا، محمد کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا، انہوں
 کو تمام عقائد میں خال اڑنے لگی اور ایک تہائی دنیا ایمانی حواریت کے زیرِ پرورش ہو گئی۔
 یہ عمومی اور ہمہ گیر انقلاب اور انسانیت کی حیاتِ نو یا تعمیرِ نو کا عظیم نشان کا
 نئی رسالت کا طالب تھا جو تمام رسالتوں اور نبوتوں سے بڑھ کر ہو اور ایسے نبی کا خواستگار
 تھا جو ہدایت اور دینِ حق کا پرچم آفاق عالم میں ہمیشہ کے لئے بلند کر دے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
 لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
 الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفِكِينَ
 حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ
 مِّنْ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝
 فِيهَا كُتِبَ الْقِيَمَةُ ۝ (سورہ بقرہ - ۱۲۹)

جو لوگ کافر یا یہودی یا عیسائی اہل کتاب و مشرک
 وہ کفر سے باز رہنے والے نہ تھے جب تک
 ان کے پاس کھلی دلیل نہ آتی یہی خدا کے
 پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں جن میں
 مستحکم آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

۱۵۱۶
 لہ بیمرٹائن LAMARTINE ہسٹوری ڈی لاطرکی HISTOIRE DE LA TURQUIE جلد دوم

۱۲۶۶-۱۲۷۷ پیرس (۱۸۵۳ء) ماخوذ از "اسلام ان دی ورلڈ" تصنیف ڈاکٹر زکی علی لایبور (۱۹۳۷ء)

جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب کے حدود

جزیرۃ العرب اپنے طول و عرض میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا نام عرب ہے۔ اس کا اطلاق کرتے ہیں، اس کے تین طرف پانی ہے، یہ ملک ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اس کے مشرق میں خلیج عرب ہے، جسے یونانی خلیج فارس کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کے جنوب میں بحر ہند ہے اور اس کے مغرب میں بحر احمر ہے جیسا کہ ان جدید نقشوں میں دکھایا جاتا ہے اور یونانی و لاطینی اصطلاح میں اس کو خلیج عرب

کہتے ہیں۔ اس حصہ میں تاریخین سیرت کے لئے انہی بنیادی معلومات کا انتخاب کیا ہے جنہیں جاننا ضروری ہے جیسے اس خطے کی طبعی حالت و جزائری اقوام و مذاہب کی تاریخ میں اس کا مقام، اس کے باشندوں کے رجحانات و غیرہ، اس طرح سیرت کا مطالعہ کرنے والا اس ماحول سے بالکل ناواقف نہیں رہے گا، جس میں کائنات کی عظیم مہم انجام دی گئی، یہ مضمون ان قدیم و جدید کتابوں سے ماخوذ ہے، جو جزیرۃ العرب پر لکھی گئی ہیں، ہم نے خاص طور پر ڈاکٹر جواد علی کی کتاب (مفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام) (۱-۹) سے زیادہ استفادہ کیا ہے، اس سے زیادہ تفصیل کا محل وہ کتابیں ہیں، جو جزیرۃ العرب کے جغرافیہ پر لکھی گئی ہیں یا تمدن عرب اور تاریخ ادب عربی سے متعلق ہیں ان کی تعداد بہت ہے۔

۲۔ ملک عرب کے لئے جزیرۃ العرب کا استعمال قدیم زمانہ سے عام ہے، حقیقتاً قدیم زمانہ میں جزیرہ اور جزیرہ نما کے درمیان فرق کرنے اور ان کے لئے علیحدہ لفظ بولنے کا رواج نہ تھا، بعض اہل علم نے اس کو جدید جغرافیائی اصطلاح میں جزیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ایک نمونہ علامہ خضریٰ کی کتاب 'تاریخ الامم الاسلامیہ' حصہ اول میں دیکھا جاسکتا ہے، لیکن یہ کوشش تکلف سے خالی نہیں اور اس میں جزیرۃ العرب کے حدود کو بہت دوڑنگ لے جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

جزیرہ نما کے عرب

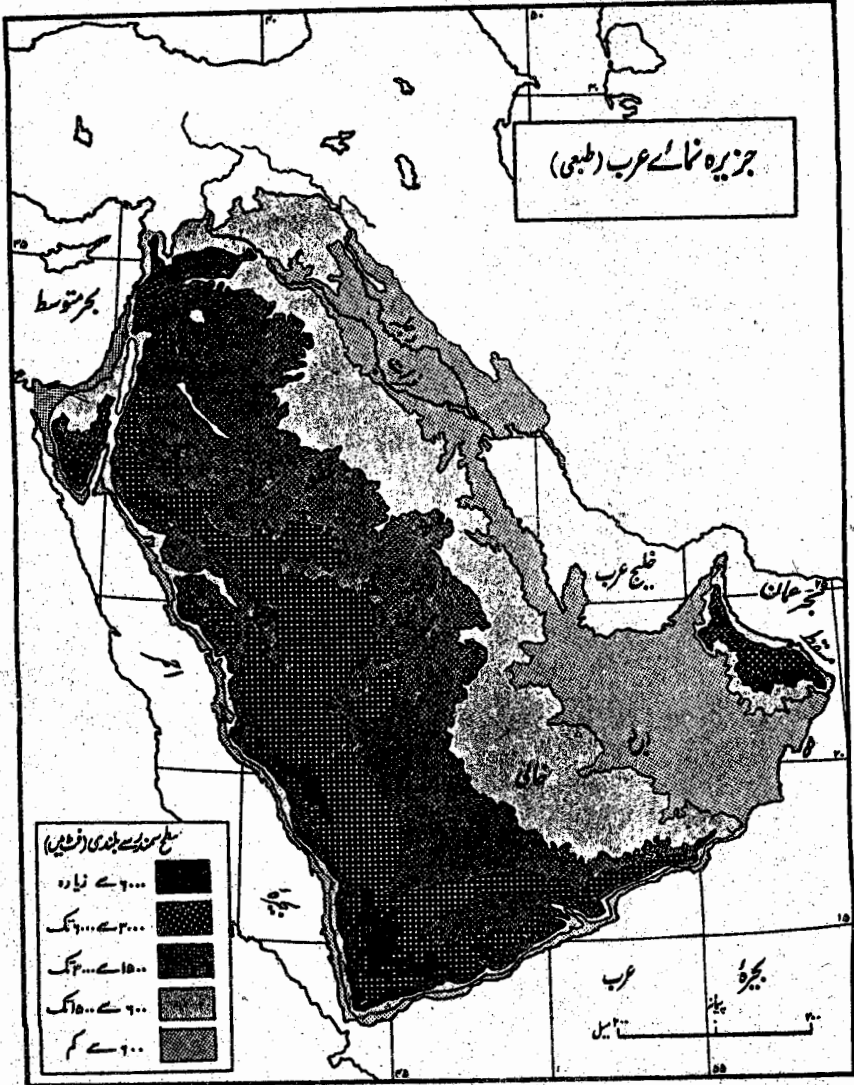


(SINUS ARABICUS) کے نام سے نمایاں کیا جاتا ہے اور قدیم عربی کتابوں میں بحر فلزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی شمالی حدود مفروضہ سرحدی خط ہے جو علمائے عرب کی اصطلاح میں) خلیج عقبہ سے خلیج عرب میں شط العرب کے دہانے تک گزرتا ہے۔ مسلمانوں نے جزیرۃ العرب کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے (۱) حجاز جو ایلہ (عقبہ) سے یمن تک ہے اور ان کی رائے میں حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے جو تہام کو (جو بحر احمر کے ساحل کی نشیبی زمین ہے) نجد سے الگ کرتا ہے (۲) تہام جس کا ابھی بیان ہوا (۳) یمن (۴) نجد۔ یہ وہ مرتفع حصہ ہے جو حجاز کے پہاڑوں کے شروع ہو کر مشرق میں صحرائے بحرین تک چلا جاتا ہے یہ وسیع و مرتفع علاقہ ہے جس میں بہت سے ریگستان اور پہاڑ واقع ہیں۔ (۵) عروص اس کے مشرق میں بحرین اور مغرب میں حجاز ہے، اسے عروص یمن اور نجد کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں اسے یا ربھی کہا جاتا ہے۔

جزیرۃ العرب کے طبعی حالات اور اس کے باشندے

اس پورے جزیرہ نما پر صحرائیت کا غلبہ ہے اور طبعی عوامل اور ارضیاتی حوادث اور اپنے جزئی جائے وقوع کے سبب اس پر خشکی غالب ہے اسی وجہ سے ماضی اور زمانہ حال میں اس کے باشندوں کی تعداد بہت کم رہی ہے اور تمدن معاشرے اور بڑی کرنزی حکومتیں وجود میں نہ آسکیں بدو بیت اور اس کے دیہاتی رنگ انفرادیت کے شدید رجحان، قبائل کے جنگ و جدال کے سبب تمدن سرسبز علاقوں اور ان جگہوں میں سمٹ کر لے راویان جزا فیہ اس تقسیم کی سبب پرانی روایت حضرت عبداللہ بن عباس تک پہنچتی ہے۔

جزیرہ نمائے عرب (طبعی)



تعداد سے بڑی (طبعی)

| | |
|-----------------|--|
| ۶۰۰۰ سے زیادہ | |
| ۳۰۰۰ سے ۶۰۰۰ تک | |
| ۱۵۰۰ سے ۳۰۰۰ تک | |
| ۶۰۰ سے ۱۵۰۰ تک | |
| ۶۰ سے ۶۰۰ تک | |

(۱۹۶۰ء کی مردم شماری کے مطابق)

رہ گیا جہاں اچھی بارش ہوتی یا سونے اور چستے بھوٹے تھے، یا جہاں پانی سطح زمین سے
 قریب ہوتا اور اس میں کنویں کھودے جاسکتے تھے اس لئے کہنا چاہئے کہ جزیرۃ العرب میں
 زندگی کی سرگرمی پانی کی بدولت باقی رہتی تھی، چنانچہ خانے اسی کاٹنے کرنے اور اسی کی
 تلاش میں رہتے اور فطرت اعراب کو ہر جگہ سے لاکر شاداب علاقوں میں جمع کر دیتی تھی،
 وہ کسانوں کی طرح زمین سے ایک جگہ چپے نہیں رہتے تھے بلکہ کسی سرزمین پر وہ اسی وقت
 تک قیام پذیر رہتے تھے جب تک ہاں جانوروں کے لئے گھاس چارہ اور ان کے لئے
 پانی رہتا تھا، اور جب یہ سہولت ختم ہو جاتی تو وہ نئی جگہوں کی تلاش میں چل پڑتے تھے۔
 اس وجہ سے ان کی زندگی جفاکشی اور سختی کا نمونہ تھی اور ان کی سوسائٹی قبیلہ
 کی شکل اختیار کر لیتی، قبیلہ ایک بدوی کے لئے حکومت و قومیت کے مراد ہوتا تھا اور
 یہ قبائلی زندگی راحت طلبی اور استقرار و استحکام سے نا آشنا ہوتی اور صرف قوت کی زبان
 سمجھتی، یہ ایسی زندگی تھی جو انسانوں کے لئے مشقت و مصیبت ہی لاتی تھی اور پروردگار
 کی تمدن آبادیوں کے لئے بھی خطرہ بنی رہتی تھی چنانچہ وہ آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے اور اس
 فرصت پاکر تمدن آبادی سے برسر پیکار ہو جاتے تھے، لیکن دوسرے لحاظ سے ایک عرب
 اپنے قبیلے کے آداب و روایات کے سلسلے میں بڑا وفادار اور مخلص ہوتا تھا، وہ موقع پر ایسا
 شریعت النفس میزبان ہوتا جو ہمائی کے تمام فرائض بخوشی انجام دیتا جنگی مساعروں کا
 پابند ہوتا، دوستی کا حق ادا کرتا اور رسم و رواج کا آخری حد تک احترام کرتا تھا، ان نام
 خصوصیات کی گواہی ان کے شعر و ادب حکم و امثال اور اقدار و اطوار سے بکثرت ملتی ہے۔
 ایک عرب مساوات کا دلدادہ، تحریت کا عاشق، حقیقت پسند فعال و عملی انسان
 ہوتا تھا، وہ رکیک اور پست حرکتوں سے برسر پیکار تھا، وہ اپنی محدود زندگی اور بدولت

پر نہ صرف راضی بلکہ نازاں اور اپنے مقدر پر خوش اور مطمئن تھا، مذہب سے ان کا علاقہ اکثر کمزور ہوتا، ان کا ایمان اپنے قبائلی رسوم اور آبائی روایات پر اس سے کہیں زیادہ پختہ ہوتا تھا، ان کا اخلاقی نصب العین ان شریفانہ و مردانہ صفات سے عبارت تھا جسے وہ لفظ "مردوت" سے تعبیر کرتے اور اپنے شعر و ادب میں جس کے گیت گاتے اور کلمہ پڑھتے ہیں۔

تمدنی و ثقافتی مراکز

ان جگہوں میں جہاں بارش، چشمے یا کنوؤں کا پانی وافر طور پر ہوتا وہاں قروں اور دیہاتوں اور موسمی بازاروں اور سیلوں کی شکل میں ایک تمدن وجود میں آجاتا تھا، ان چیزوں کا عربوں کی زندگی پر عمومی اثر پڑتا تھا، زندگی کے ان مرکزوں میں وہ معاشرے اور ماحول پیدا ہوتے جن کا خاص رنگ اور مستقل طرز ہوتا جن میں آب ہوا صنعتوں اور پیشوں اور اس معاشرے کے اقتصادی حالات کا الگ الگ رنگ نمایاں ہوتا تھا، چنانچہ مکہ میں ایک خاص معاشرہ تھا، جس کا امتیاز بالکل الگ تھا اسی طرح اہل حیرہ، اہل تہرب کے معاشرے اپنی اپنی خصوصیات رکھتے تھے، یمن کا معاشرہ عرب معاشرہ میں اپنے مخصوص حالات، قدیم تمدنی تاریخ اور نئے سیاسی وجوہ سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، اور غلہ کی پیداوار، جانوروں کی پرورش، معدنیات کے استفادہ، محلوں اور قلعوں کی تعمیر میں بہت بڑھا ہوا تھا، صنعتوں اور ضروریات زندگی کے لئے وہ باہر سے سامان اور آلات درآمد کرتا اور عراق، شام اور افریقہ سے تجارتی تعلقا بھی رکھتا تھا۔

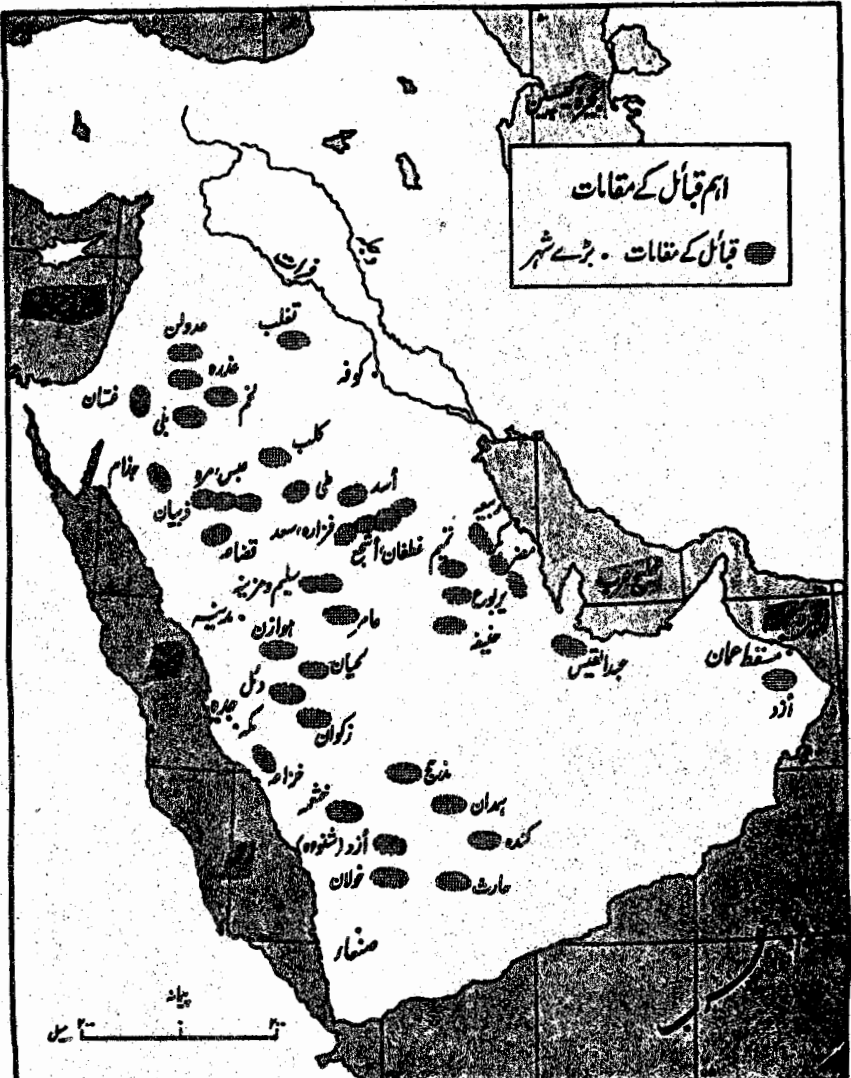
اہل عرب کے طبقات اور قسبیں

راویوں اور مورخوں کا قدیم عربوں کی اس تقسیم پر تقریباً اتفاق ہے کہ وہ یمن میں

پرتسل ہے (۱) عرب باندہ (جو اسلام سے پہلے ختم ہو چکے تھے) (۲) عرب عارہ
 (بنو قحطان جو عرب باندہ کے بعد ہوئے) (۳) عرب متعربہ (حضرت اسماعیلؑ کی
 اولاد جو حجاز میں آباد ہوئی) وہ نسب کے لحاظ سے اہل عرب کی دو قسمیں کرتے ہیں۔
 (۱) قحطانی جن کی آبادی کا ابتدائی مرکز یمن تھا، اور (۲) عدنانی جو پہلے حجاز میں
 آباد تھے، اسی طرح ماہرین انساب عدنان کی دو شاخیں بتاتے ہیں، ایک ربیعہ
 دوسری مضر، قحطانی و عدنانی قدیم زمانہ سے ایک دوسرے کے قریب و حریت
 تھے، اسی طرح ربیعہ و مضر کے درمیان بھی صدیوں سے عداوت و مقابلہ چلا آ رہا
 تھا، ماہرین انساب کے اس پر اتفاق ہے کہ قحطانی اصلی اور زیادہ قدیم ہیں اور عدنانی
 ان کی شاخ ہیں، جنھوں نے ان سے عربی سیکھی، اور پھر جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد
 نے حجاز میں ہجرت کے بعد اپنا لیا، حضرت اسماعیلؑ عرب متعرب یعنی عدنانیوں کے جد ماجد ہیں۔
 اہل عرب انساب کا خاص خیال رکھتے اور اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں جس کا
 اعتراف عجمی اہل نظر نے بھی ہمیشہ کیا ہے، چنانچہ ایرانی سپہ سالار اعظم رستم نے اپنے درباریوں کو
 (جب وہ مسلمانوں کے بغیر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پھٹے کپڑوں اور خستہ حالی کے سبب
 حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے) تنبیہ کی کہ تم عجیب حق ہو، عرب کھانے اور لباس کو
 اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اپنے حسبِ نسب کی حفاظت کرتے ہیں۔

۱۷ عصر حاضر کے بعض محققین کی رائے ہے کہ اصل عرب عدنانی ہیں اور وہی پہلے عرب عارہ ہیں
 جبکہ اکثر مورخین کا خیال اس کے برعکس ہے ان محققین کا کہنا ہے کہ تقسیم جاہلی نصوص پر مبنی نہیں بلکہ
 اسلامی دور تک بھی ہوئی کتابوں سے ماخوذ ہے اور اس کی بیشتر روایتیں ان راویوں کے اقوال پر
 مبنی ہیں جو قحطانی اور یمنی نسل سے تعلق رکھتے تھے، والٹر عالم ۱۷ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۲، ص ۱۷۲

اہم قبائل کے مقامات
 ● قبائل کے مقامات • بڑے شہر



پیمانہ
 ۰ ۱۰ ۲۰ میل

(اردو زبان کے مجموعہ نمبر ۱۶)

لسانی وحدت

اس وسیع ملک کے لئے (جو ایک بڑے صیغے کے برابر ہے) یہ بات ذرا بھی عجیب خیز نہ ہونی کہ اس میں زبانوں کی کثرت اور تنوع ہونا کیونکہ قبیلوں کے درمیان خاصے طویل فاصلے ہیں اور اس لئے بھی کہ جنوبی علاقے کے لوگ شمالی علاقے کے لوگوں سے اور مشرقی علاقے کے لوگ مغربی علاقے کے لوگوں سے مشکل سے ملتے تھے، قبائلی عصبیت اور نسلی احساس بڑی کا بھی شکار رہتے تھے اور دم و ایرانی سرحدوں کے قریب رہنے والے عرب قبائل ان کی زبانوں سے قدر تا کم و بیش متاثر بھی تھے اور یہ ناگزیر بھی تھا، چنانچہ انھیں سب کی وجہ سے وسطیورپ اور ہندوستان کے سختی بڑے عظیم میں زبانوں کی حیرت انگیز حد تک کثرت ہے دستور ہند میں تسلیم شدہ قومی زبانوں کی تعداد پندرہ^{۱۵} ہے، اس میں بعض مستقل زبانیں بھی ہیں جن کے بولنے والوں کو ترجمان کی ضرورت پڑتی ہے یا انگریزی سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن جزیرۃ العرب کا اپنی وسعت اور قبائل کی کثرت کے باوجود شروع سے طرہ اختیار رہا ہے کہ ظہور اسلام سے اس وقت تک اس کی ایک ہی مشترک زبان نربی ہے جو ہمیشہ سے اس جزیرہ کے رہنے والے بدوی اور متدن تخطانی و عدنانی لوگوں کے بول چال اور باہمی تعلقات کی زبان رہی ہے، جس میں اگرچہ لہجوں اور مقامی بولیوں کا قدرتی اختلاف موجود ہے، جو فلسفہ، زبان، جغرافیہ اور علمی رنگ پسند کے رجحانات سے پیدا ہوتا ہے، فاصلوں سے لہجوں کا فرق پیدا ہونا ناگزیر بھی ہے، تاہم اس بلاک لسانی وحدت بھی موجود رہی ہے، دعوتِ اسلامی کے لئے سہولت، اشاعتِ اسلام میں

سُرعت اور پھیلی ہوئی اکائیوں کو فصیح (قرآنی) عربی زبان میں مخاطب کرنے اور اس سے متاثر کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

جزیرۃ العرب اقوام و ملل کی تاریخ میں

آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں قدیم حجری عہد (CHELEAN) سے انسانی آبادی کا نشان ملتا ہے اور جو سب سے پہلے آثار پائے گئے ہیں اس عہد حجری کے اولین زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، عربوں کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے جس سے عبرانیوں کے عربوں سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے، تورات میں عربوں کا ذکر اس کی تاریخ ۲۰۰۰، ۱۷۵۰ ق م سے تعلق ہے، اس طرح تلمود میں بھی عربوں کی طرف اشارے ہیں، جو زنی فس فلانیوں کی کتاب میں (جو ۲ تا ۱۰۰ میں زندہ تھا) عربوں کے متعلق قیمتی معلومات اور غلطیوں کے حالات ملتے ہیں بعض غلطیوں اور غلط فہمیوں کے باوجود جو ان قدیم تحریروں میں پائی جاتی ہیں، اسلام سے پہلے لکھی جانے والی یونانی و لاطینی کتابوں میں بھی تاریخی حالات و واقعات اور اہم جغرافیائی معلومات دستیاب ہوتے ہیں ان میں بہت سے ایسے عربی قبائل کا نام بھی ملتا ہے کہ اگر یہ کتابیں نہ ہوتیں تو ہم ان سے واقف نہیں ہو سکتے تھے، اسکندریہ ان اہم مرکزوں میں شمار ہوتا تھا، جہاں عربوں کے حالات اور عادات اور ملک کی پیداوار کی کیفیت معلوم کرنے کا خاص اہتمام تھا تاکہ وہاں کی چیزوں کو بجز روم کے ساحل پر واقع ملکوں کے تاجروں تک پہنچایا جاسکے۔

عربوں کا ذکر کرنے والے سب سے قدیم یونانی انجیل (۵۲۵-۴۵۶ ق م) اور ہیرودوٹس (۲۸۰-۲۲۵ ق م) ہیں، ان کے علاوہ عہد قدیم کے کچھ اور مصنفین بھی ہیں،

جن کے بیانات میں عربوں اور بلاد عرب کی طروت اشارے موجود ہیں، ان میں بطلمیوس کا نام نمایاں ہے جو اسکندریہ میں دوسری صدی مسیحی میں ہوا ہے اور جس نے ریاضی میں "المجسطی" لکھی ہے جو عربی درسیات کی ایک معروف کتاب ہے، مسیحی مآخذ میں بھی عرب جاہلیت اور عرب اسلام سے متعلق خاصا مواد ہے اگرچہ وہ زیادہ تر مسیحیت، اس کی اشاعت اور اس کے مرکزوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

تورات میں جن عربوں کا ذکر آیا ہے وہ اعراب یعنی بدوی عرب ہیں اس لئے کہ اس میں عرب بادیہ ہی کے اوصاف کا ذکر ہے، اس طرح یونانیوں، رومیوں کی کتابوں اور اناجیل میں جہاں ایسی صفات کا ذکر ہے، ان سے مراد بدوی عرب ہی ہیں جو رومن امپائر اور یونانی سرحدوں پر پوریش کرتے رہتے، قافلوں کو لوٹتے اور تاجروں اور سازو سامان سے ٹیکس وصول کرتے رہتے تھے، سسلی کے دیدروس نے عربوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ آزادی کے عاشق کھلی فضا میں زندگی گزارنے والے آزادارائے اور آزادی مطلق کے قائل ہیں، اسی لئے ہیروڈوٹس نے ان کے بارے میں لکھا ہے، وہ ہر اس قوت کا مقابلہ کرنے میں جو انھیں غلام بنانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے آزادی عربوں کا وہ امتیاز ہے جس کے لئے وہ یونانی اور لاطینی اہل قلم کی نظروں میں ممتاز ہے۔

اس طرح عرب ہند کے تعلقات ایک دوسرے سے واقفیت اور تجارتی و ثقافتی لین دین بہت پرانا ہے اور اسلام اور اس کی فتوحات سے بہت پہلے کی چیز ہے ایشیائی ممالک میں ہندوستان عربوں سے سب سے زیادہ واقف اور جغرافی و اقتصادی لحاظ سے اس کے قریب تھا جیسا کہ ہندوستانی اور عربی مآخذ اور جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے۔

لہٰذا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "عرب ہند کے تعلقات" از مولانا سید سلیمان ندوی، جو اس موضوع پر سب سے بہتر اور مفصل کتاب ہے۔

نبوت اور آسمانی مذاہب کے جزیرہ عرب کا تعلق

جزیرہ العرب بہت سی نبوی دعوتوں اور انبیاء کا گہوارہ رہا ہے، قرآن کہتا ہے:-

وَإِذْ كُنَّا نَعَادُ إِذْ أَنْتَ دَرَفُونَاهُ
بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ النَّدَى
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ
الْأَنْبِيَاءُ وَالْإِلَٰهَةُ إِلَٰهِي الْأَقَافِ
عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝

اور قوم عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو
جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف
میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور
پچھلے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے
کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے
تمہارے بلے میں بڑے دن کے عذاب

(سورۃ الاحقاف- ۲۱)

کا ڈر لگتا ہے۔

اس آیت میں حضرت ہود مراد ہیں جو عاد کی طرف بھیجے گئے ہیں اور پورے جن کے قول کے مطابق عاد کا تعلق عرب بائدہ سے تھا، اور وہ احقاف میں رہتے تھے۔ احقاف عرب کے بلندیوں کو کہتے ہیں، عاد کی بستیاں جزیرہ کی جنوبی بلندیوں پر تھیں جو آج کل "ربع خالی" کے جنوب مغرب میں حضرت نوح کے قریب واقع ہے ان میں نہاب زندگی ہے نہ کوئی آبادی ہے جب کہ ایک زمانہ میں وہ سرسبز و شاداب علاقے اور گلزار شہر تھے جن میں عاد جیسی جاہل قوم آباد تھی، انھیں اللہ نے تیز آندھی سے ہلاک کر دیا جس نے انھیں ریتیلے طوفان میں ڈھک لیا تھا۔

آیت یہ بھی بتا رہی ہے کہ حضرت ہود اس علاقے میں آنے والے پہلے اور آخری نبی

انہ تفصیل کے لئے احقاف کی آیت ۶-۷ ملاحظہ فرمائیے۔

نہ تھے ان سے پہلے اور بعد بھی انبیاء آتے رہے تھے اس لئے قرآن کہتا ہے وَقَدْ فَتَنَّا
التُّرَاثِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ

اسی طرح قوم ثمود کے نبی حضرت صالح کی بعثت بھی جزیرہ العرب میں ہوئی ،
ثمود اٹح میں رہتے تھے بوہنوک اور حجاز کے درمیان ایک بستی ہے حضرت اسمعیل پر ایش
کے بعد ہی آگئے تھے وہ وہیں رہے اور وہیں انتقال فرمایا، اور اگر جزیرہ کو وسعت دے کر
مدین کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو حضرت شعیب بھی عرب ہی ثابت ہوتے ہیں اس لئے کہ
مدین شام کے علاقے میں ارض عرب کے حدود پر تھا اور خ الوافداء لکھتا ہے :-

”اہل مدین عرب تھے اور مدین میں رہتے تھے جو ارض عمان سے قریب
اور شام کے ان اطراف میں تھا جو حجاز سے ملے ہوئے ہیں اور بحیرہ لوط
کے نزدیک تھا، اور قوم لوط کے بعد ہی ان کا زمانہ ہے“

عرب کی سرزمین بہت سے انبیاء و مرسلین کا مرجع و ماویٰ بنی تھی جن پر اللہ کی
زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ کر دی گئی تھی، اور وہ اپنے وطن میں پریشی بن کر رہ گئے
تھے چنانچہ ان حضرات نے اس دور دراز سرزمین کا انتخاب کیا جو جاہر بادشاہوں
اور ظالم حاکموں کے اثر سے دور تھی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کہ اور حضرت موسیٰؑ
کے ساتھ مدین میں پیش آیا، اس کے علاوہ بہت مذاہب کو جب اپنے مرکزوں میں پھلنے
پھولنے کا موقع نہ ملا تو وہ اس جزیرہ میں آکر آباد ہو گئے چنانچہ یہودی کی ایک بڑی عمت
رومیوں کے ظلم سے تنگ آکر یمن و یثرب آگئی اور نصرا نیت نے قیصرۂ روم کے ظلم
و سفاکی سے بھاگ کر نجد ان میں پناہ لی ہے

لہ مضمون کے اس آخری حصہ میں ہم نے شیخ محمد ابو زہرہ کی کتاب خاتم النبیین جلد اول اور فصل
”ارض النبوة الاولى هي ارض العرب“ سے استفادہ کیا ہے۔

بعثت سے پہلے

حضرت اسماعیلؑ مکہ میں

تین دن ابراہیم علیہ السلام مکہ کی طرف آئے، جو خشک اور بے آب گیاہ پہاڑیوں میں گھرا ہوا تھا، اس میں پانی کھینتی، غلہ اور ضروریات زندگی میں سے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جو انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے ان کے ساتھ ان کی بیوی ہاجرہ اور صاحبزادے اسماعیل بھی تھے، یہ فرد اصل دنیا میں پھیلی ہوئی بت پرستی سے ہجرت اور ایک ایسے مرکز کی تاسیس کے لئے کیا جا رہا تھا، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی جائے اور یہ مرکز ہدایت کا ایک روشن مینار انسانوں کی جائے پناہ و جائے امن اور توحید حقیقت اور دین خالص کی دعوت کا نقطہ آغاز بن سکے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل خالص کو قبول فرمایا اس خشک ادی میں خوب برکت عطا فرمائی اور اس چھوٹے سے مبارک خاندان کے لئے جو صرف ماں بیٹے پر مشتمل تھا (جن کو حضرت ابراہیمؑ اس دور افتادہ اور بے آب گیاہ صحرا میں خدا کے بھروسہ چھوڑ گئے تھے) پانی کا ایک چشمہ جاری فرما دیا جو سب زمزم کہلایا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت برکت دی۔

لہ قرآن مجید (سورہ بقرہ و سورہ ابراہیم)

اساعیلؑ جب کچھ بڑے ہوئے اور چلنے پھرنے اور دوڑنے بھاگنے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی محبت پر ان کی محبت کو قربان کرنا چاہا اور ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اس لئے کہ خواب میں ان کو اس کی ہدایت کی گئی تھی، سعادت مند فرزند نے ارشاد الہی کے سامنے تسلیم خم کر دیا اور خوش دلی و اطمینان کے ساتھ اس پر تیار ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ذبحِ عظیم (بڑی قربانی) کو اس کا فدیہ بنا دیا اور ان کو محفوظ و مامون رکھا تا کہ دعوت الی اللہ میں وہ اپنے والد کا ہاتھ بٹا سکیں اور خاتم النبیین اور سید المرسلین کے جد امجد بننے نیز اس امت مسلمہ کے مورتِ اعلیٰ بننے کا شرف ان کو حاصل ہو جس پر دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داری قیامت تک کے لئے ڈالی گئی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ مکہ واپس ہوئے اور باپ بیٹے دونوں نے مل کر اللہ کے گھر کی تعمیر شروع کی ان کی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کو قبول کرے اور اس میں برکت عطا فرمائے اور وہ دونوں اسلام پر چلیں اور مرین اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کو یہ دولت اور میراث حاصل ہو، وہ اس دعوت کی صرف حفاظت اور پاسبانی ہی نہ کریں اور ہر خطرہ بلکہ ہر نگاہِ بد اور راستے کے ہر کانٹے اور پتھر سے اس کو دور رکھیں بلکہ اس دنیا میں اس کے داعی اور علم بردار بن کر رہیں، اس کو ہر چیز پر ترجیح دیں اس کی راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہ کریں، یہاں تک کہ یہ دعوت سارے عالم میں پھیل جائے اور اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ایک ایسا نبی پیدا کرے جو اپنے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو از سر نو زندہ کرے اور اس کا ان کی تکمیل کرے جس کو وہ شروع

لہ قرآن مجید، سورہ صافات۔

کر رہے ہیں:-

وَاذْبُرْهُمْ اِبْرَاهِيمَ الْقَوَاعِدَ
 مِنَ الْبَيْتِ وَاسْمِعِلْ رَبَّنَا
 تَقْبُلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ
 الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
 لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً
 لَكَ ۗ وَارِنَا مَسْكِنًا وَمَسْجِدًا
 رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
 رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ
 يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
 اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(سورہ بقرہ - ۱۲۷-۱۲۹)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ
 کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے تو دعائے
 جاتے تھے کہ ہمارے پروردگار ہم کو اپنا
 فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد
 میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے
 رکھیو اور پروردگار ہمیں ہمارے
 طاق عبادت بنا، اور ہمارے حال
 پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما بیشک تو
 توجہ فرمانے والا ہر مان ہے، اے
 ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں
 انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو
 جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا
 کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا
 کرے اور ان کے دلوں کو پاک صاف
 کیا کرے بے شک تو غالب اور
 صاحب حکمت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا فرمائی تھی کہ یہ گھر ہمیشہ ہمیشہ امن و سکون
 کا گہوارہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو جنوں کی پرستش سے محفوظ رکھے جس سے زیادہ

نفرت و کراہیت ان کو کسی چیز سے نہ تھی اور جس سے بڑا خطرہ وہ اپنی ائندہ نسل کے لئے کسی چیز کو نہ سمجھتے تھے اس لئے کہ انبیاء کرام کے بعد ان کی قوموں کا انجام ان کی نظر کے سامنے تھا اور انھوں نے دیکھا تھا کہ ان کی مسلسل کوششوں اور عظیم قربانیوں کے باوجود یہ تو میر کس طرح ان کے راستے سے ہٹ گئیں اور ان کے دنیا سے تشریف لے جانے ہی شیطانوں ہنڈوں اپنے اپنے وقت کے دجاہلوں ہتوں کے پجاریوں اور جاہلیت کے علم برداروں نے ان کو شکا کر کیا اور رقمہ تر بنایا۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اس تنہا کا بھی اظہار کیا کہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد اس دعوت اور جہاد سے برابر نشہ قائم رکھے اور ان کی بت شکنی، شکر کبت پرستی سے نفرت و بیزاری راہِ حق میں مسلسل محنت اور جدوجہد اپنے بت تراش دبت فروش والد کے مقابل میں ان کی صف آرائی، حق گوئی و دل سوزی اور ان کی ہجرت اور ترک وطن کے ہمیشہ یاد رکھے اور محسوس کرے کہ اتنے نازک و راہم کام کے لئے اس ویرانے اور بیابانی و سنگلاخ زمین (جو نہ کھیتی کے لائق تھی نہ تہذیب تمدن کی پرورش اور ترقی کا اس میں کوئی سامان تھا) کے انتخاب کارا کیا ہے اور دنیا کے بڑے بڑے آباد و گلزار شہروں اور تجارت و زراعت، صنعت و حرفت کے مرکزوں پر جہاں ہر طرح کے اسباب عیش اور سامان راحت موجود تھے اس دور افتادہ و گمنام خطہ کو کیوں ترجیح دی گئی ہے؟

انھوں نے اپنے اللہ سے یہ بھی دعا کی کہ ان کی اولاد کو محبوبیت، دل نوازی، تہنوت و شہرت اور مرجع خلافت اور مرکز آفاق بننے کا شرف حاصل ہو، لوگوں کے دل بے ساختہ ان کی طرف کھینچیں اور وہ دنیا کے کونے کونے سے آکر اپنی محبت و عقیدت کا خراج ان کو پیش کریں، رزق خود بخود ہر طرف سے ان کو پہنچتا رہے اور میوے اور پھل نیز ہر طرح کے

نترات اور کوششوں کے بہترین نتائج اور فوائد و منافع ان کو حاصل ہوں :-

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ
هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ
أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُمْ
أَضَلُّوا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ قَمَنُ
تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي
فَأَنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ رَبَّنَا إِنِّي
أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُيُوتًا غَيْرَ
ذِي زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا اقْبَلْ صَلَاتِنَا فَاجْعَلْ
أَفْعِدَّةَ مِنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْهِمْ وَارزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ

(سورہ ابراہیم ۳۵-۳۷)

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے
پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لئے)
امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری
اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش
کرنے لگیں بچائے رکھے، پروردگار
انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا،
سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے
اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے
والا مہربان ہے، اے پروردگار!
میں نے اپنی اولاد کو میدان (مکہ)
میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت
و ادب والے گھر کے پاس لا بسایا ہے
اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں تو
لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ
ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو
میسور سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں۔

قبیلہ قریش

یہ ساری دعائیں اور تمنائیں ایک ایک کر کے پوری ہوئیں اللہ تعالیٰ نے

ان دونوں کی اولاد میں برکت عطا فرمائی، یہ ابراہیمی عربی خاندان خوب برگ بار لایا اور پھیلا، اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جردیم میں رشتہ کیا جو عرب عاریہ میں شمار کیا جاتا تھا، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بہت برکت ہوئی یہاں تک کہ انھیں میں عدنان پیدا ہوئے جن کا سلسلہ نسب محفوظ و احتیاط اور نوازندہ اجماع کے لحاظ سے انساب عرب میں سب سے زیادہ روشن اور ممتاز ہے۔

عدنان کی بھی کثیر اولاد ہوئی جن میں معد بن عدنان زیادہ مشہور ہیں معد کی اولاد میں مضر نامور ہوئے اور ان کی اولاد میں نہر بن مالک نے خاندان کا نام روشن کیا نہر بن مالک بن النضر کی اولاد کا نام "قریش" پڑ گیا، اور یہ نام ان کے سائے ناموں پر اس طرح غالب آیا کہ قبیلہ قریش کہلانے لگا اہل عرب نے قریش کی عالی سی سادت و امارت فصاحت و بلاغت قوت بیانیہ اخلاق عالیہ شجاعت و حوصلہ مندی پر پورا اتفاق کر لیا، اور اب یہ ایک ایسی حقیقت بن گئی جو ضرب المثل کی طرح مشہور اور اختلاف سے بالاتر سمجھی گئی ہے اور اس میں دو رائیں نہیں ہیں۔

فصی بن کلاب اور ان کی اولاد

فہر کی اولاد میں فصی بن کلاب پیدا ہوئے اور مکہ کی سرداری قبیلہ جردیم کے ہاتھ میں رہی یہاں تک خزاعہ جو بیت اللہ کے نگراں اور محافظ تھے ان پر غالب آئے،

لے کہا جاتا ہے کہ قبیلہ جردیم وہ سب سے پہلا قبیلہ ہے جس نے مکہ میں اقامت کی اور اس کا سبب پانی کے اس زخم ہونے والے مہینہ کا وجود تھا بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے لڑکے اسماعیل کو اس وادی میں چھوڑ کر ہجرت فرمائی اس وقت یہ قبیلہ یہاں موجود تھا۔
۱۷ تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام ج ۱۔ اور سیرت انساب کی دیگر کتابیں۔

اس کے بھتیجی بن کلاب کا تارہ اقبال بلند ہوا، اور ان کی صلاحیتیں اور خدمت سائے آئیں اور بیت الشریٰ خدمت کا یہ منصب ان کے حوالہ کیا گیا قریش کے سارے افراد ان کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے قبیلہ خزاعہ کو مکہ سے بے دخل کر کے اس کا نظم و انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ قحطی بن کلاب بہت بہر دل عزیز و مقبول سردار تھے، بیت الشریٰ درباری و پاسبانی ان کے ذمہ تھی، اس کی کلید ان ہی کے قبضہ میں تھی اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکتا تھا، اسی کے ساتھ خزاعہ کا رستاقیہ اور رفاہہ یعنی حجاج کی سالانہ ضیافت، زدوہ یعنی ان کی وہ مجلس جو مختلف مشوروں اور طرائفوں میں پرچم کے علم بردار اور لشکر کے قائد کے انتخاب وغیرہ کے لئے حسب ضرورت ہوتی تھی، سب چیزیں ان کے دائرہ اختیار میں تھیں اور اس طرح مکہ کا سارا شہر ان اور قبسم کی فضیلت ان کو حاصل ہو گئی تھی۔

ان کی اولاد میں عبدمنان نے زیادہ عزت و وجاہت حاصل کی ان کے سب سے بڑے صاحبزادے ہاشم تھے اور رستاقیہ و رفاہہ کا یہ کام ان کے ذمہ رہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے والد تھے، عبدالمطلب کو رستاقیہ و رفاہہ کا یہ منصب بلند اپنے چچا المطلب بن عبدمنان سے حاصل ہوا، انھوں نے اپنی قوم میں جو عزت و نیک نامی اور وجاہت و بہر دل عزیز پائی وہ اب تک ان کے آباء و اجداد میں کسی اور کے حصہ میں نہ آئی تھی بلکہ

بنی ہاشم

بنی ہاشم قبیلہ قریش کی سنہری اور اہم کڑی تھے، تاریخ و سیر کی کتابوں کے

لے رفاہہ اس کھانے اور دعوت کو کہتے ہیں جو حجاج کے لئے اس بنیاد پر ہر سال کی جاتی تھی کہ وہ

رحمان کے بہان ہیں۔ لے السیرۃ النبویۃ لابن ہشام - ج ۱ (اولاد عدنان)

جو واقعات و حالات ہم کے لئے محفوظ کر دیئے ہیں (اور وہ اصل حقیقت کے بہت کم ہیں) اگر ہم ان کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ان میں شریفانہ انسانی احساسات کی کتنی نمود تھی اور ہر چیز میں اعتدال، عقل سلیم، بیت اللہ کی اللہ کی نگاہ میں جو وقعت و حرمت ہے اس کا پورا احساس ظلم و حق تلفی سے گریز، عالی ہمتی، کمزوروں و مظلوموں کے ساتھ شفقت و ہمدردی، سخاوت و شجاعت، مختصر یہ کہ عربوں کے نزدیک انفرادیت (شہسواران) کے جتنے اوصاف عالیہ اور صفات حمیدہ ہیں اور اس میں جتنے بلند و لطیف معانی پوشیدہ ہیں ان کا جلوہ ان کی سیرت میں ہمیں نظر آتا ہے یہ وہ سیرت و کردار ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام کے ہر طرح ثابان شان ہے اور آپ نے جن علی و بلند اخلاق کی اپنے قول و عمل سے دعوت دی اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوئے اس کے وہ انقطاع و وحی کے دوڑیں تھے اور جاہلیت کے عقائد و عبادات میں اپنی قوم کے ساتھ ہر حال شریک ہم تھے۔

مکہ میں بُت پرستی اور اس کا اصل سرچشمہ اور تاریخ

قریش کا قبیلہ ابراہیم خلیل اللہ اور اپنے جد اعلیٰ اسماعیل کے دین پر برابر قائم اور توحید اور خدائے واحد کی عبادت پر ثابت قدم رہا یہاں تک کہ عمرو بن لُحی المخزومی کا دوہا آیا، یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل کے دین میں تغیر کیا، بتوں کو نصب کیا، جانوروں کی تعظیم اور ان کو مساجد بنانے کا

لہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۷ کے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے عمرو بن عامر المخزومی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آستینیں گھسیٹتا ہوا چل رہا ہے یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو بتوں کے نام سے پڑنا شروع کرنے کی زیادہ ڈالی (بخاری و مسلم، احمد، ابن ماجہ سے دوسری جگہ مروی ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل کو بدلتا، بُت نصب کیا (باقی ص ۱۷۹ پر)

رواج ڈالا اور حلال و حرام کے نئے قاعدے وضع کئے جن کا احکام الہی سے کوئی تعلق نہ تھا، اور جو شریعت ابراہیمی سے بالکل جدا تھے، یہ قصہ یوں کھڑا ہوا کہ شخص مکہ سے شام گیا اور یہ دیکھا کہ وہاں کے لوگ بتوں کو پوجتے ہیں، یہ بات اس کو بہت پسند آئی اور اس نے کچھ بت وہاں سے حاصل کر کے مکہ میں نصب کئے اور لوگوں کو ان کی تعظیم اور پرستش کا حکم دیا۔

یہ بات بھی ممکن اور قرین قیاس ہے کہ وہ شام جاتے ہوئے "بتراء" سے گزر رہا جس کو قدیم مورخ اور جغرافیہ دان "بطراء" اور "بطره" (PATRA) کہتے آئے ہیں، تشریح اردن کے جنوب میں اتر مشہور پہاڑی قصبہ ہے جس کا ذکر رومیوں اور یونانیوں کے یہاں ملتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کو بیلوں جو اصلاً عرب تھے، ہزاروں سال پہلے تعمیر کیا تھا، یہ لوگ مصر، شام، وادی فرات اور رومہ کے سفر پر ابر کرنے رہتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ وادی فرات جاتے ہوئے وہ حجاز سے ضرور گزرتے ہوں، یہ لوگ کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا تھے، پتھروں سے بت تراشتے اور اس کی پوجا کرتے تھے، مورخین کا خیال ہے کہ شمالی حجاز کا مشہور بت "لات" جو سب سے اہم سمجھا جاتا تھا دراصل "بتراء" ہی سے برآمد کیا گیا تھا، اور اہم اور خاص بتوں میں شامل کر لیا گیا تھا۔

اس کی تصدیق فلپ ہٹی (P. K. HITTI) کی کتاب HISTORY OF SYRIA

سے بھی ہوتی ہے، جس میں ان نبطی علاقوں (موجودہ شرق اردن) پر دشمنی ڈالی

(باقی صفحہ ۹۸ کا) اور جانوروں کو سائبر کرنے کا رواج ڈالا، چھٹا یا ساندو جو استعمال میں نہ آئے اور بتوں کے لئے وقف سمجھا جائے، لہٰذا مصنف نے ۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کو رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے رکن کی حیثیت سے یہ جگہ خود دیکھی ہے، اور پہاڑوں میں تراشتے گئے بت پرستی کے معاملہ کی کثرت خاص طور پر نوٹ کی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا سفر نامہ دریا بے کابل سے دریا بے بیروت تک۔

گئی ہے، اس کا کہنا ہے کہ :-

”ان مجوسوں کا سرواڑا ذوا الشراء“ تھا، جو ایک مستطیل ستون یا سیاہ مرتبے پتھر سے مشابہ تھا، لات ”جس کی عرب پرستش کرتے تھے، دراصل ”ذی الشراء“ ہی سے متعلق تھا، دوسرے نبطی بت جن کا ذکر ان تاریخی آثار اور قدیم نبطی تحریروں اور نقوش میں ملتا ہے وہ ”مناة“ اور ”عزیٰ“ ہیں ان تحریروں میں ”ہبل“ کا ذکر بھی ملتا ہے!

یہ خیال رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بت پرستی کی مختلف قسمیں جزیرۃ العرب کے چاروں طرف اور بحرِ روک کے علاقہ میں پھیل رہی تھیں اور حضرت مسیح اور ان کے حواریوں کی دعوت ظاہر نہ ہوئی تھی جس نے بت پرستی کی یہ پیش قدمی روکی اور اس کی تیزی و سرگرمی کو کم کیا، اگر گئی یہودیت تو وہ محدود نسلی مذہب تھا، جو بنی اسرائیل کے اندر منحصر تھا اور بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو تو حید کی دعوت دینے کی اجازت اس میں نہ تھی (DE LACY O'LEARY) اپنی کتاب ”عرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے“ میں لکھتے ہیں :-

”یہ کہنا کچھ غلط نہ ہو گا کہ بتوں کی عبادت دراصل شام کی دین ہے جو جزیرۃ العرب کو شامی و یونانی مخلوط روایات سے ملا ہے جو شام میں عام تھیں اور شاید عرب کے بقیہ حصوں میں ان کا زیادہ رواج اور چلن نہ تھا!“

۱۵ P. K. HITT: HISTORY OF SYRIA, (LONDON 1951), P. 342-83

۱۶ ARABIA BEFORE MUHAMMAD, (LONDON 1927) P. 196-97

اسی طرح بت پرستی وادی فرات اور جزیرۃ العرب کے مشرق میں عام تھی اور چونکہ اس علاقہ سے جزیرۃ العرب کے تجارتی تعلقات اور دوستانہ روابط تھے، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ جزیرۃ العرب میں بت پرستی پھیلنے میں اس علاقہ کا بھی حصہ ہو۔ GEORGES ROUX نے اپنی کتاب "قدیم عراق" میں اس کی صراحت کی ہے کہ عراق کی قدیم تاریخی تحریریں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بت پرستی وہاں تیسری صدی عیسوی اور اس کے بعد تک عام تھی، یہ ملک ان بتوں اور معبودوں کا مرکز تھا، جس میں غیر ملکی بت بھی تھے اور مقامی بھی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ قریش میں بت پرستی کا آغاز تدریجی طور پر ہوا اس کی ایک توجیہ مؤرخین عرب کے بیان سے بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے وہ لوگ جب مکہ سے کہیں سفر کرتے تھے، تو حرم کے کچھ پتھر تبرک کے طور پر تعظیماً اپنے ساتھ لے لیتے تھے۔

اس کے بعد جو پتھر ان کو زیادہ پسند آتے اس کی عبادت کرنے لگتے، ان کی اولاد اور نئی نسل، اس تفصیل سے بھی ناواقف تھی، اس نے کھلی ہوئی بت پرستی اختیار کر لی اور جس طرح اور دوسری گمراہ قومیں تھیں، اسی طرح یہ بھی گمراہی میں جا پڑیں تاہم عہدِ ابراہیمی کے کچھ باقی ماندہ اعمال اور روایات کو وہ اپنے سینہ سے لگائے رہے، مثلاً بیت اللہ کی تعظیم، طواف، حج اور عمرہ، اقوام و مذاہب کی مرحلہ وار تاریخ

۱۵۔ اس کی تفصیل، ان بتوں کے نام اور ان کے مقامات نیز اس سلسلہ کے واقعات اور بت تراشی کے محرکات و اسباب کو سمجھنے کے لئے کتاب الامنام

لکھنوی اور بلوچ العرب فی معرفۃ احوال العرب از علامہ سید محمود شکر علی آلوسی ج ۲ ص ۱۰۱ (۱۰۲) دیکھو

من اخبار الامنام و سبب اتخاذ العرب لها) ملاحظہ کریں صفحہ ۲۱۵-۲۱۶

اور وسائل سے مقاصد تک اور مقدمات سے نتائج تک ان کی تہذیب و ترقی کے جاہلوں سے ان مورخین کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ عربوں میں اور خاص طور پر قریش میں بت پرستی کا آغاز کس طرح ہوا بعض دوسری قوموں اور فرقوں میں تصویروں و شبیہوں اور مزارات سے وابستگی اور تعظیم و تقدیس میں جس طرح غلو سے کام لیا گیا، اس کی تالیخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، اسی لئے اسلامی شریعت نے وہ تمام راستے اور چوڑے دروازے پہلے ہی سے بند کر دیئے ہیں جو شرک یا اشخاص اور مقامات و آثار کی تقدیس و تعظیم میں غلو کی طرف لے جاتے ہیں۔

لہ شریعت اسلامی اور احادیث صحیحہ میں اس کے دلائل اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے ان ہی میں سے ایک شہور حدیث ہے "لا تسمنوا قبری عیداً" (میری قبر کو عید و جشن کی جگہ نہ بناؤ نہ اس پر میلہ لگانا) ایک اور حدیث ہے کہ لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد (صرف تین مسجدیں ہیں جہاں باقاعدہ زیارت کی نیت کر کے سفر کرنا جائز ہے) دوسری حدیث ہے "لا تطرونی كما تطرون النصارى المسیح بن مریم" (میری اس طرح حد سے بڑھی ہوئی مدح سراہی نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے مسیح بن مریم کی کی ہے) اس طرح کی کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جہاں ہر ایک کی تصویر سازی کی حرمیت میں دراصل یہی حکمت اور روح پوشیدہ ہے، قدیم زمانہ میں بہت سی قومیں اپنے بزرگوں کی تصاویر کی محبت و تعظیم کے مجاز اور بالآخر بت تراشی اور بت پرستی تک پہنچی ہیں ان کی کثیر آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں "وَقَالُوا لَوْلَا اِنَّآ لَرٰهُمْ لَكُنْمُؤْمِنًا وَاَكُنْمُؤْمِنًا وَاَكُنْمُؤْمِنًا وَاَكُنْمُؤْمِنًا وَتَوَدَّوْنَ وَتَشْرٰوْنَ حُمْرَ بَنِي اٰدَمَ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ وَاَنْزَلْنٰهُمْ فِي دَرَجَاتٍ" جن کے تابعین اور عقیدت مندوں کی خاصی تعداد تھی، جہاں ان کا انتقال ہوتا تو ان پر بدین تعبیر نے سوچا اگر ہم ان کی کوئی شبیہ یا تصویر بناؤں تو اس سے ان کی یاد تازہ ہوگی اور عبادت میں زیادہ ذوق و سرور حاصل ہوگا، اس خیال سے انھوں نے ان کی تصاویر بنا لیں جب نیل بھی تم ہوئی اور اس کوئی تشبیہاً نے اس کو یہ سمجھا یا پڑھا یا کہ ان کے آباء و اجداد دراصل ان تصویروں اور شبیہوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی تھی، رفتہ رفتہ یہ ان کی باقاعدہ پرستش کرنے لگے اور انھوں نے بت پرستی کا آغاز کیا۔

اصحاب القبیل کا واقعہ

اسی زمانہ میں ایک اتنا بڑا واقعہ پیش آیا جس سے بڑا واقعہ عربوں کی تاریخ میں کبھی نہ ہوا تھا، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی بہت بڑی بات مستقبل قریب میں ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ عربوں کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اور کعبہ کی شان اس طرح دوبالا ہونے والی ہے کہ وہ شان اور عظمت دنیا کی کسی عبادت کا اور کسی اور گھر کو حاصل نہ ہوگی، اور اس کے ساتھ اس تاریخ مذاہب اور انسانیت کے مستقبل کا وہ ابدی پیغام اور لافانی کردار وابستہ ہے جس کو اسے انجام دینا اور تکمیل تک پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں بیت اللہ کی عزت و حرمت پر قریش کا عقیدہ

قریش کے لوگ یہ عقیدہ اور ایمان رکھتے تھے کہ اس گھر کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک خاص قدر و منزلت ہے اور وہی اس کا حامی و ناصر اور نگہبان و پاسبان ہے، ان کا یہ عقیدہ اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور قریش کے سردار عبدالمطلب اور حبشہ کے بادشاہ ابرہہ کی گفتگو سے پوری طرح عیاں ہے، اس کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دوست سوادنٹ ابرہہ نے لے لئے تھے، وہ اس کے لئے ابرہہ سے ملنے گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی ابرہہ نے ان کی بہت عزت کی اپنے تخت سے اتر آیا، پہلو میں بٹھایا، اور ضرورت دریافت کی، انھوں نے کہا کہ میرے دوست سوادنٹ جو بادشاہ نے لے لئے ہیں وہ واپس لینا چاہتا ہوں، بادشاہ نے عبدالمطلب کے اس

حقیقہ ذاتی مطالبہ پر اپنی حیرت و استعجاب ظاہر کرتے ہوئے کہا تم دو سو اونٹوں کی بات کرتے ہو جو میں نے لے لئے ہیں، اور اس گھر کی فکر نہیں کرتے جس پر تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین قائم ہے اور جس کو ڈھانے کے لئے میں یہاں آیا ہوں، اس کے لئے تم کوئی گفتگو نہیں کرتے؟

عبدالطلب نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا کہ میں تو اونٹوں کا مالک ہوں (اس لئے اس کی فکر کرتا ہوں) جو گھر کا مالک ہے وہ آپ اس کی حفاظت کرے گا۔

اس نے کہا کہ وہ مجھ سے کہاں بچ سکتا ہے!

انہوں نے جواب دیا "أَنْتَ وَذَاكَ" یہ تم جاناو اور وہ (گھر کا مالک اور رب) جانے۔

اس کے بعد جو کچھ پیش آیا اس کی تفصیل آگے آئے گی اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اب کسی حملہ آور کی مجال نہیں ہے کہ اس کو بری نظر سے دیکھے اور اس پر دست درازی کرے بے شک اپنے گھر اور اپنے دین کی حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ تھی، اور اس کام کی تکمیل اسی کو کرنی تھی۔

اس اہم واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ نے الا شرم جو نجاشی (شاہ حبشہ) کا صنعا میں عامل (گورنر اور حاکم) تھا، اس نے صنعا میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام (القَلْبِیْسِ) رکھا، مقصد یہ تھا کہ عربوں کے حج کا رخ اس طرف پھیر دیا جائے اس کے لئے یہ بات بہت تکلیف دہ تھی کہ کعبہ بندگانِ خدا کی پناہ گاہ اور کوزہِ حجاج

کی حیثیت سے باقی ہے اور لوگ دوردراز مقامات سے کارواں درکارواں وہاں
 حاضر ہوں، وہ چاہتا تھا کہ بید تیز بلند اور مرکزیت گرجا کو حاصل ہو۔
 یہ بات عربوں کے لئے بہت شاق تھی اس لئے کہ کعبہ کی محبت ان کی گھٹی میں
 پڑی تھی اور وہ کسی گھر، مسجد اور مذہبی مرکز کو اس کے برابر نہ سمجھتے تھے، اور اس کو
 چھوڑ کر کوئی بڑی سے بڑی دولت لینے پر تیار نہ تھے اس مسئلہ نے ان کے دل و دماغ کو
 جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ ہر جگہ موضوع سخن بن گیا، اسی درمیان میں کسنانی
 اس کام کے لئے نکل کھڑا ہوا، اور اس گرجا میں جا کر قضائے حاجت کی اور اس کے
 نجس کر دیا، اس سے ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو گیا، ابرہہ کو اس بات پر بے حد غصہ آیا
 اور اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ وہ خود کعبہ پر حملہ آور ہو گا اور اس کو گرائے بغیر
 اطمینان کی سانس نہ لے گا۔

لے ہو سکتا ہے کہ ابرہہ کے حملہ اور فوج کشی کا سبب محض ایک عبادت گاہ کی بے عزتی و اہانت سے
 زیادہ ویسے واہم ہوا اور وہ مکہ کو فتح کرنے کی نیت رکھتا ہوا تاکہ شام سے بین کار بطاقم ہو جائے اور
 عیسائی حکومت کے قدم جزیرۃ العرب میں مضبوطی سے جم جائیں یہ اقدام روم اور حبش کے عین مفاد
 میں تھا اس لئے کہ وہ دونوں عیسائیت سے تعلق رکھتے تھے، یہ منصوبہ خواہ اس کے اسباب جو بھی
 ہوں، اس گھر اور مرکز کو راستہ سے ہٹانے اور مکہ کو اس روحانی پیشوائی سے بے دخل کرنے بغیر ممکن
 نہ تھا جس کے لئے تقدیر کا فیصلہ یہ تھا کہ اسے تمام انسانوں کے لئے سرحدیہ ہرابت چلے پناہ اور آخری
 نبوت کا مرکز بننا ہے، لیکن شہیت الہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، اس کا بھی احتمال ہے کہ رومیوں نے
 ابرہہ کو فتح کر کے اسے لایا ہوا اور اس کے پیچھے بعض سیاسی مقاصد کے حصول کا جذبہ پوشلا ایرانی
 اثرات کو مرکز و مرکز بنا اس لئے کہ جزیرۃ العرب میں رومیوں کے اثر و نفوذ کا مقابلہ تہذیب ایرانی ہی کرے

ابریہہ لشکر لے کر چلا اور ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ لے لی، عربوں نے ہاتھیوں کے باہرے میں پہلے سے بہت کچھ سن رکھا تھا، یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور وہ اس حملہ سے بے حد خائف ہوئے اور کوشش کی کہ کسی طرح اس لشکر کو آگے بڑھنے سے روکا جائے لیکن ان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ابریہہ اور اس کے لشکر جرار کا مقابلہ ان کی طاقت سے باہر ہے، چنانچہ یہ معاملہ انھوں نے اشتر کے سپرد کیا، ان کو پورا یقین تھا کہ اس گھر کا جو مالک اور رب ہے وہ اس کی خود پاسبانی کرے گا۔

قریش نے لشکر کی دست درازیوں اور مظالم سے بچنے کے لئے پہاڑیوں اور وادیوں میں پناہ لی اور منتظر رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حرمت و ناموس کے لئے کیا کرتا ہے، بعد المطلب اور ان کے ساتھ قریش کے کچھ لوگ باہر کعبہ کا حلقہ پکڑ کر خدا کے حضور آہ و زاری میں مشغول ہو گئے اور ابریہہ اور اس کے لشکر کی ہزیمت کے لئے نصرتِ خداوندی کی دعا کی، ادھر ابریہہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کعبہ کی طرف بڑھا، اپنے ہاتھی کو جس کا نام "محمود" تھا اس نے حملہ کے لئے تیار کیا، لیکن مکہ کے راستہ ہی میں ہاتھی ایک جگہ ٹھیک گیا اور مانے کے باوجود اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا، جب انھوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ فوراً اٹھا اور بہت تیزی سے دوڑنے لگا اس وقت اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف چڑیوں کے جھنڈ بھیجے، ہر چڑیا اپنے پنجوں میں پتھر لئے ہوئے تھی، یہ پتھر جس کو لگتے اس کو ہلاک کر دیتے، یہ دیکھ کر اہل حجاز جس رات سے آئے تھے اس پر تیزی سے واپس بھاگے اور چڑیوں کے پتھروں سے گرتے گئے اور ہلاک ہوتے گئے، ابریہہ کا جسم بھی پھیلنی ہو گیا، وہ اس کو اٹھا کر

اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے تو اس کا ایک ایک پور گرنے لگا یہاں تک کہ صنفاً پہنچ کر اس نے بہت بُری طرح جان دی۔

یہ واقعہ قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے:-

| | |
|-----------------------------------|--|
| کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے | الْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ |
| پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ | بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ الْمَ يَجْعَلُ |
| کیا کیا کیا ان کا داؤں غلط نہیں | كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَ أَرْسَلَ |
| کیا، اور ان پچھلے کے جھلے جانے | عَلَيْهِمْ طَيْرًا آيَاتًا تَرْمِيهِمْ |
| بھیجے جو ان پر گھنکر کی پتھر یاں | بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ |
| پھینکتے تھے، تو ان کو ایسا کر دیا | كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝ |
| جیسے کھایا ہوا بھس۔ | (سورۃ فیل - ۱-۵) |

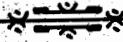
واقعہ فیل اور اس کے اثرات

جب اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کو مکہ سے ناکام و نامراد واپس کیا اور ان پر یہ عذاب نازل ہوا جس کا ذکر ابھی گزرا ہے تو عربوں کے دلوں میں قدرتی طور پر قریش کی بڑی عظمت پیدا ہو گئی، وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ اللہ و اسے ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی اور ان کو لڑنا بھی نہ پڑا، ان کے دل میں کعبہ کی عظمت پہلے سے دو چند ہو گئی اور اس کی عند اللہ حرمت و عزت پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک کھلی ہوئی نشانی اور معجزہ تھا اور اس بات کا پیش خیمہ کہ مکہ

لہ دیکھئے واقعہ فیل سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۴-۵۵ تہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۶

میں ایک ایسے نبی کا ظہور ہونے والا ہے جو کعبہ کو بتوں کی بنیاد سے پاک کرے گا، اس کے ہاتھوں اس کی شان دو بالا ہوگی، اس کے دین کا اس گھر سے بہت گہرا اور ابدی ولا زوال تعلق ہے گا، اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نبی کی بعثت اور ظہور کا مبارک دن کچھ دور نہیں ہے۔

عربوں میں اس واقعہ کو بجا طور پر بہت اہمیت حاصل ہوئی اور اس سے انہوں نے نئی نئی تاریخ شروع کی چنانچہ ان کی تحریروں میں اس کا رواج ملتا ہے کہ یہ بات عام الفیل (یعنی واقعہ فیل والے سال میں) پیش آئی فلاں شخص عام الفیل میں پیدا ہوا یہ واقعہ عام الفیل کے اتنے سال کے بعد کا ہے، عام الفیل ۶۱۰ء کے مطابق ہے۔



مکہ

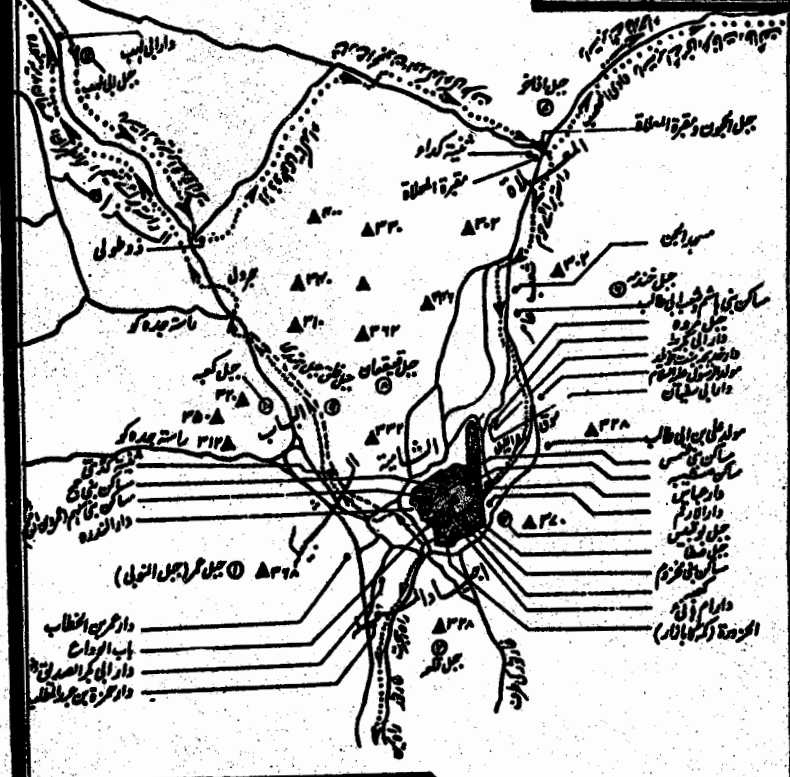
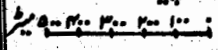
بعثتِ نبوی کے وقت

مکہ، ایک اہم شہر

بہت سے وہ لوگ جو زمانہٴ بعثت کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور عربوں کی تاریخ سماجی زندگی، ان کے ادب اور شاعری اور قبائلی روایات پر ان کی زیادہ گہری نظر نہیں ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ مکہ بعثتِ نبوی کے وقت ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جہاں زندگی عقلی، اجتماعی اور تمدنی ہر لحاظ سے دورِ طفولیت میں تھی، وہ قبائل کی چند آبادیوں کا نام تھا، جہاں بالوں کے بنے ہوئے خیموں اور ڈبیروں میں (جن کے چاروں طرف اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کے باندھنے کی جگہیں تھیں) ان کی گزر بسر تھی، وہ زیادہ تر وادیوں کے کنارے اور پہاڑوں کے دامن میں پھیلے ہوئے تھے، ان کا کھانا سوکھی روٹی یا اونٹ کا گوشت تھا جو وہ ٹھیک سے پکانا بھی نہیں جانتے تھے، اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، ان کے کھانے پینے میں کوئی تنوع تھا نہ لباس میں کوئی خوش نمائی، نہ زندگی میں گرمی اور حرارت، نہ احساس میں نزاکت و لطافت، نہ خیال میں بلند پروازی، مکہ کی یہ تاریک اور حقیر تصویر جو سیرت و تاریخ کی عام کتابوں میں پیش کی گئی ہے، اور وہ زیادہ تر عجمی زبانوں میں لکھی گئی ہیں، اس تاریخی حقیقت کے خلاف ہے،

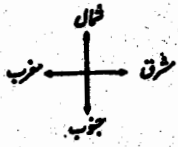
نقشه که مکرمه (حرم و اطراف حرم)

پیمانہ مسافت



اسم

| | |
|--------------------------|---|
| مذہب سولگیس | □ |
| مذہب سنی | □ |
| مذہب شیعہ | □ |
| خانقاہ تاریخی | □ |
| پہاڑی بنڈیوں کی خانقاہیں | □ |
| سنگ مندر کی بنڈیاں | □ |
| مذہب سنی | □ |
| مذہب شیعہ | □ |
| خانقاہ تاریخی | □ |
| پہاڑی بنڈیوں کی خانقاہیں | □ |
| سنگ مندر کی بنڈیاں | □ |



جو تاریخ کی کتابوں اور ادب اور جاہلی اشعار میں ملتی ہے اور جس میں مکہ اور باشندگان
مکہ کی عادات و روایات اور دستور و قوانین کا (جو ابتدائی بددیوانہ زندگی سے ابتدائی
شہری اور تمدنی زندگی کے دور میں داخل ہو چکے تھے) خاکہ پیش کیا گیا ہے۔
یہ تصویر قرآن مجید کے ان اوصاف و اسماء سے بھی کوئی مطابقت نہیں رکھتی
جس میں مکہ کو "أمّ القرى" کے نام سے یاد کیا گیا ہے:-

| | |
|--|--|
| وَكذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قَوْلَنَا | اور اس طرح تمھارے پاس قرآن عربی |
| عَرَبِيًّا تَنْذِرًا لِّاُمِّ الْقُرَىٰ وَمَنْ | بھیجا تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے |
| حَوْلَهَا وَنُنذِرَ يَوْمَ الْمَجْمَعِ | رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے ارد گرد |
| لَا رَيْبَ فِيْهِ طَفَرِيْنِ فِي الْجَنَّةِ | رہتے ہیں ان کو راستہ دکھاؤ اور انھیں |
| وَ قَرِيْنِ فِي السَّعِيْرِ | قیامت کے دن کا بھی جس میں کچھ شک |
| (سورہ شوریٰ - ۷) | نہیں بخوف دلاؤ اس روز ایک فریق |
| | بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔ |

دوسری جگہ اس کے متعلق یہ ارشاد ہے:-

| | |
|---|-----------------------------------|
| وَالْتِيْنِ وَالزَّيْتُوْنَ وَطُوًى يُّسْتَبْرَقُ | انجیر کی قسم اور زیتون کی اور طور |
| وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (سورہ تین: ۱۳) | یسین کی اور اس امن والے شہر کی۔ |

ایک جگہ آیا ہے:-

| | |
|---|--------------------------------|
| لَا اَقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلُّ | اس شہر (مکہ) کی قسم اور تم اسی |
| بِهٰذَا الْبَلَدِ (سورہ بلدہ - ۱-۲) | شہر میں تو رہتے ہو۔ |

واقعہ یہ ہے کہ مکہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط ہی میں دورِ بہارت کے دورِ زریں

میں داخل ہو چکا تھا، اگرچہ یہ تہذیب اپنے محدود دائرہ میں تھی یہ شہر ایک ایسے نظام کے ماتحت تھا جو باہمی تعاون و اتحاد، اجتماعی و عمومی مفاہمت اور تقسیم کاری کی بنیاد پر قائم تھا، اور یہ نظام قضی بن کلاب کے ہاتھوں قائم ہوا تھا جن کی پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ابتداء میں مکہ کی آبادی قدرتی طور پر بہت محدود تھی، یہ مقام دو پہاڑیوں "جبل ابوقیس" (جو صفا پہاڑی کے اوپر واقع تھا) اور "جبل احمر" کے درمیان واقع تھا، جس کو جاہلیت میں "اعرف" کہتے تھے اور جو وادی "قیقعا" کے بالکل سامنے تھا، لیکن بیت اللہ کی بدولت اور اس کے خادموں اور پاسبانوں اور مکہ کے باشندوں کو عام طور پر جو عزت ووجاہت حاصل تھی نیز وہاں جو غیر معمولی امن و سکون تھا، اس کی وجہ سے ان قبائل کے لئے مکہ میں بڑی کشش تھی، چنانچہ اس کی آبادی زمانہ کے ساتھ خود بخود بڑھتی گئی، خیموں اور چھول داروں کی جگہ پتھر یا کارے کے بنے ہوئے مکانات تعمیر ہو گئے اور آبادی و آباد کاری کی یہ امر مسجد حرام سے مکہ کی بالائی و نشیبی وادیوں تک پھیل گئی، ابتداء میں یہ لوگ اپنے مکانات کی چھتیں بھی بیت اللہ کی طرح مربع شکل کی نہ بتاتے تھے، اور محسوس کرتے تھے کہ یہ ایک طرح کی بے ادبی ہے، آہستہ آہستہ اس کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا اور اس میں بڑی گنجائش پیدا کر لی گئی، تاہم مکانات بیت اللہ سے اس وقت بھی احتراماً بلند نہ کئے جاتے تھے۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ اہل مکہ کعبہ کے احترام و تعظیم میں اپنے مکانات گول بناتے تھے، پہلا شخص جس نے مربع مکان بنوایا وہ حمید بن زہیر ہے، اس کے عمل کو اہل قریش نے ناپسند کیا۔ مکہ کے مال داروں اور سرداروں کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہوتے تھے،

اور ان میں کئی کمرے ہوتے تھے اور آمنے سامنے دو دروازے ہوتے تھے تاکہ گھر کے ایک حصے میں ہمانوں کی موجودگی کے وقت عورتیں دوسرے دروازے سے نکل سکیں۔

مکہ کی تعمیر نو اور اس کے اصل بانی

مکہ کی اس توسیع و ترقی اور تعمیر نو میں سب سے بڑا ہاتھ قُصّی بن کلاب کا تھا، اس لئے کہ انھوں نے سب سے پہلے قریش کو اس مقصد سے متحد کیا، اور رہائش کے لئے جگہوں کی باقاعدہ حد بندی کی جس کو عربی اصطلاح میں رِبَاع کہتے ہیں، قریش کی مختلف برادریوں اور خاندانوں کو ان مکانات میں آباد کیا، ان کی اولاد نے مکہ کی آراضی کی تقسیم اور حد بندی کا کام جاری رکھا، خود بھی آباد ہوئے اور زمینیں دوسروں کے ہاتھ فروخت کیں، اور خرید و فروخت اور تعمیرات کا یہ سلسلہ بغیر کسی اختلاف و تنازع کے قریش اور دوسری برادریوں کے درمیان چلتا رہا۔

زندگی کی تنظیم اور عہدوں کی تقسیم

قُصّی اپنی قوم اور اہل مکہ دونوں پر حاوی تھے حِجَابَة (بیت اللہ کی درباری) رِبَاعِیَہ (سیل اور پانی وغیرہ کا انتظام) رِفَادَة (مُحَاج بے اللہ کی سالانہ دعوت عام) ندوۃ (مجلس مشورہ) اور رِوَاہِی بھگی امور سب ان ہی کے ہاتھ میں تھے۔

لہ ابو الولید لا ذرقی (م ۲۲۳ھ) نے اپنی کتاب "اجازہ مکہ" میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے،

رباع مکانات اور اس کے گرد پیش کے حصوں کو کہتے ہیں واحد رِبْع ہے فتح کے ساتھ لہ محاج کے لئے پانی کے کچھ حوض تیار کئے جاتے تھے جس کو کھجور اور کشمش وغیرہ سے شیریں بنایا جاتا اور یہ لوگ جب مکہ آتے تو یہی پانی پیتے۔

انہوں نے دارالندوۃ کو مسجد حرام سے بالکل متصل تعمیر کیا، اور اس کا دروازہ کعبہ کی طرف نکالا، قیصی بن کلاب کا گھر بھی تھا، اور قریش کے مشوروں اور فیصلوں اور مکہ کی سوسائٹی کا مرکز بھی، قریش کا کوئی فرد مرد یا عورت شادی کرنا چاہتا، کسی اہم اور فوری معاملہ میں مشورہ کی ضرورت ہوتی، کسی قبیلہ کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہوتا یا اس کا تیاری کا مرحلہ آتا حتیٰ کہ کوئی بچی جب بڑی ہوتی تو اس کو اور صحنی اور ڈھانے کی بھی رسم یہیں انجام دی جاتی، قصی کی شخصیت کو ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی دین و مذہب جیسی عظمت حاصل رہی جس کی سند کے بغیر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا، قانون یہ تھا کہ دارالندوہ میں بنی قصی کے علاوہ دوسرے قبیلوں کے وہی اشخاص آسکتے ہیں، جن کی عمر چالیس سے کم نہ ہو، البتہ بنی قصی اور ان کے حلیف قبائل کے سب افراد بڑے ہوں یا چھوٹے اس میں شریک ہونے کا حق رکھتے تھے، دارالندوہ میں جن برادران اور خاندانوں کو شرکت کی اجازت تھی وہ تھے ہاشم، اُمیہ، مخزوم، حجاج، بہم، تیم، عدی، اسد، نوفل، زہرہ یہ دس مختلف خاندان کے لوگ تھے۔

ان کے انتقال کے بعد عہدوں کی نئی تقسیم ہوئی، بنی ہاشم کو سقایہ، بنی اُمیہ کو قریش کا پرچم، عقاب، بنی نوفل کو رفاہ، بنی عبدالدار کو لواء، سدانۃ اور جابتہ اور بنی اسد کو شاورت کا قلم دان دیا گیا۔

قریش کے مختلف اشخاص میں جو صاحب اثر آئے اور اصحابِ جاہت تھے ان میں بڑے داریاں تقسیم تھیں (حضرت ابو بکر (صدیقؓ) جو بنی تمیم سے تھے) کے پاس دیرت،

لہ رفاہہ اس کھانے کو کہتے ہیں جو حجاج کے لئے بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا تھا، اس کی شکل یہ تھی کہ قریش ہر سال کچھ مقرر کردہ رقم اس کے اخراجات کے لئے قصی کو پیش کرتے تھے (مختصری ص ۳۱)

تاوان اور جرمانہ وغیرہ تھا، خالد بن الولیدؓ کے پاس جو سنی مخروم میں تھے قبۃ اور اعمۃ کا قلم دان تھا، قبۃ اس خیمہ کو کہتے ہیں جس میں فوجی ضروریات کا سامان رکھا جاتا تھا، اعمۃ وہ سامان تھا جو جنگ کے دوران قریش کے گھوڑوں پر لہتا تھا، عمر بن الخطابؓ کے پاس سفارت تھی، جب کسی قبیلہ سے جنگ مقصود ہوتی تو ان کو سفیر بنا کر فریق مخالف کے پاس بھیجا جاتا، اگر کوئی برادری ان پر فخر کرتی تو اس کے مقابلہ کے لئے ان کا انتخاب ہوتا، اور سب اس پر راضی رہتے، صفوان بن امیہ (بنی حنیج) کے ذمہ آسار و ازلام کا کام تھا، کوئی بڑا اقدام اس عمل کے بغیر نہ کیا جاتا، حارث بن قیس کے سپرد نظم و انتظام اور بتوں کے نام پر حج کیا ہوا مال تھا، یہ ذمہ داریاں اور اعلیٰ مناصب ان کو آباء و اجداد سے نسلی طور پر حاصل ہوئے تھے۔

تجارتی سرگرمیاں اور درآمد و برآمد

قریش تجارتی اغراض سے دو سفر کرتے تھے، ایک شام کی طرف موسم گرما میں دوسرا یمن کی طرف موسم سرما میں، اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) ان کے نزدیک عزت و حرمت کے مہینے سمجھے جاتے تھے، اور ان میں جنگ سے احتراز کیا جاتا، ان میں ان کے بازار بیت اللہ کے پہلو میں حرم شریف کے اندر لگتے تھے، اور جزیرۃ العرب کے دور دراز مقامات سے لوگ اس میں ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے، اور اس میں ان کو ضروریات زندگی کا پورا سامان لے لیا اور ازلام جوئے کے دو پائے جو کسی معاملہ میں کسی پہلو کو ترجیح دینے کے لئے پھینکے جاتے ان پر مختلف علامتیں ہاں، انہیں لکھی رہتیں۔

ملتا تھا، مکہ کی تاریخ میں ہمیں جن بازاروں کا ذکر ملتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندے تمدن و ترقی کی کس سطح پر تھے، ان بازاروں میں ایک بازار عطر و توشیح کے لئے مخصوص تھا، ایک مختلف پھلوں کے لئے، ایک رطب کے لئے، ایک بازار صرف حجاموں کے لئے تھا، یہ سب بازار بہت کشادہ اور وسیع ہوتے تھے، جس میں گھوڑوں، گھئی، شہد اور مختلف اجناس جو تجارتی قافلے باہر سے لاتے تھے، بڑی مقدار میں موجود رہتی تھیں، یا ماہ اہل مکہ کے لئے غلہ کی منڈی تھی، ان بازاروں کے علاوہ خاص ایک گلی جو توتوں کی دکانوں کے لئے اور ایک کپڑوں کے لئے مخصوص تھی۔

اہل مکہ کی کچھ تفریح گاہیں بھی تھیں جہاں گرمی کے دنوں میں سرشام مکہ کے خوش باش و خوش طبع نوجوان جمع ہوتے تھے جو زیادہ دولت مند اور ناز و نعم کے عادی تھے وہ سڑیاں مکہ میں گزارتے تھے اور گرمیاں طائف میں، مکہ کے کچھ نوجوان بھی خوش پوشاکی و جامہ زیبی اور تجل و آرائش میں مشہور تھے، ان میں سے بعض کی پوتیاں کئی کئی سو دہم میں تیار ہوتیں۔

تجارتی سرگرمیاں اور نقل و حرکت مکہ میں پورے عروج پر تھی، وہاں کے تاجر افریقہ و ایشیاء کے مختلف ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے اور ہر ملک کے نوادرات، تحفے اور مشہور و مخصوص اشیاء یا وہ چیزیں جن کی ان کے ملک کو ضرورت تھی اپنے ہمراہ لاتے تھے افریقہ سے جو چیزیں وہ درآمد کرتے تھے ان میں گوند، ہاتھی دانت، سونا،

لہ چنانچہ جب ثامر بن اثال نے (جو بنی حنیفہ کے ایک سردار تھے) اسلام لانے کے بعد مکہ گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عرضداشت لکھی کہ آپ کو غلہ لانے کے لئے جانے پر پابندی ہٹالینے کا حکم دیں آپ نے ایسا ہی کیا (زاد المعاد ص ۲۴۴)

آبنوس کی لکڑی، امین سے کھالیں، اگر بنٹی و لوبان، اور کپڑے، عراق سے گرم سائے ہندوستان سے سونا، مین، جواہرات، ہاتھی دانت، صندل کی لکڑی گرم سائے اور زعفران، مصر و شام سے مختلف قسم کے تیل، غلہ و اجناس، اسلحہ اور شیم اور لڑائی میں ہیں۔ وہ بعض سلاطین و امراء کو مکہ کی خاص مصنوعات، سوغات کے طور پر بھی بھیجا کرتے تھے، ان میں سب سے زیادہ خاص چیز چمڑا ہوتا تھا چنانچہ جب قریش نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنے دو نایبندے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل کو بھیجا اور جو مسلمان وہاں ہجرت کر گئے تھے، ان کو واپس لینے کی کوشش کی تو انھوں نے مکہ کے خاص تحفہ کے طور پر اس کو چمڑا بھی دیا تھا۔

عورتیں بھی تجارتی کاروبار کرتی تھیں اور شام اور دوسرے مالک بیوان کے تجارتی قافلے جایا کرتے تھے، حضرت خدیجہ بنت خویلد اور حنظلیمہ ام ابی جہل اس میں زیادہ مشہور تھیں، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:-

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا
مَرَدُونَ لِكُلِّ مَا كَانُوا

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا
اَوْ عَمَلُوْنَ لِكُلِّ مَا كَانُوا

(سورۃ النساء - ۳۲) سے۔

اقتصادی حالت، اوزان اور پیمانے

ان وجوہ کی بنا پر کہ تجارت میں آگے تھا، اہل مکہ میں سے متعدد افراد بہت خوش حال اور فاسخ ابدال تھے، اور ان کے پاس خاصا سرمایہ اکٹھا ہو گیا تھا، اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ قریش کا تجارتی کارواں جو غزوہ بدر کے موقع پر شاہ سے واپس آیا

وہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، اور اس پر پچاس ہزار دینار کا مال و اسباب لدا ہوا تھا۔ اہل مکہ رومانی اور بازنطینی اور ایرانی و ساسانی سکے استعمال کرتے تھے، مگر اور جزیرۃ العرب میں اس وقت رائج سکے دو قسم کے تھے ایک درہم دوسرے دینار، درہم کی دو سوئیں تھیں ایک قسم وہ تھی جس پر فارس کا نقش اور مہر تھی اس کو "بغلیتہ" اور "سوداء دامیہ" کہتے تھے دوسری قسم وہ تھی جس پر روم کا نقش تھا، اور اس کو زیادہ تر "طبرتیہ" اور "بزنطیہ" کہتے تھے، وہ سب چاندی کے سکے تھے، ان کے مختلف اوزان تھے، اسی لئے اہل مکہ ان کے شمار پر نہیں بلکہ وزن پر معاملہ کرتے تھے، علماء کے اقوال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ درہم جس کا شریعت میں اعتبار ہے جو کے پچیس^{۵۵} دانوں کے ہم وزن ہے اور اس درہم ساٹھ^{۵۶} دنقال سونے کے مساوی ہے اور خالص سونے کا ایک مثقال بہتر دانوں کے ہم وزن ہے، اور اسی پر (جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے) سب کا اجراء ہے۔ عہد نبوت میں جو سکے رائج تھے اور جن کا زیادہ استعمال تھا، وہ اکثر چاندی کے ہوتے تھے، علماء کا قول ہے کہ اس زمانہ میں چاندی کا رواج تھا، سونے کا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۷)

جہاں تک دینار کا تعلق ہے وہ سونے کا ہوتا تھا، اور جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں شام اور حجاز میں اس کا رواج تھا، یہ سب سکے رومی تھے، جو روم ہی میں ڈھالے جاتے تھے، اور ان پر بادشاہ روم کی تصویر ہوتی تھی، اور اس کا نام رومی زبان میں کندہ ہوتا تھا، جیسا کہ ابن عبد البر نے "المہید" میں لکھا ہے، لفظ دینار دراصل ایک قدیم رومی سکہ (DENARIUS) سے عربی زبان میں آیا ہے، اور جس اختری ممالک میں یہ لفظ اب تک رائج ہے اور انجیل میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے، دینار کا وزن

ایک مثقال کے برابر مانا جاتا تھا، اور خالص سونے کا ایک مثقال جیسا کہ اوپر
 گزر چکا ہے، متوسط جو کے بہتر (۷۲) دانوں کے ہم وزن مانا گیا تھا، اور یہ شہو ہے کہ
 جاہلیت اور اسلام کسی عہد میں اس میں تغیر نہیں ہوا، دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں
 ہے کہ باز لطینی دینار ۲۵۴ گرام کے برابر ہوتا ہے، مستشرق زبیاور کی تحقیق یہ ہے کہ
 لکہ کا مثقال ۲۵۴ گرام کے برابر ہوتا ہے (دیکھئے مادہ دینار ج ۹ ص ۲۷) درہم اور
 دینار کے امین تناسب بچے تھا۔

جہاں تک اس کے تبادلہ کا تعلق ہے، حدیث، فقہ، تاریخ سے یہ ثابت ہوتا
 ہے کہ اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے مساوی تھا، ابو داؤد میں عمرو بن شعیب
 سے مروی ہے کہ دیت کی قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ۸۰۰ دینار
 یا آٹھ ہزار (۸۰۰۰) درہم تھی، اس کے بعد صحابہ کا اسی پر عمل رہا، یہاں تک کہ اسی پر
 امت کا اجماع ہو گیا، مشہور احادیث میں درہم کے نصاب اور اس کی واجب مقدار کے
 بارہ میں جو صراحت آئی ہے، اور جو فقہاء کی بھی یہی رائے ہے، اس کا پورا ثبوت ملتا
 ہے کہ سونے کا نصاب دس دینار ہے اور اس سے ہیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عہد جاہلیت
 اور آغاز اسلام میں ایک دینار کی قیمت دس درہم یا اس کے مساوی سکوں کے برابر تھی۔
 امام مالک نے موطایں لکھا ہے کہ وہ صحیح مسلک جس میں ہمارے نزدیک کوئی
 اختلاف نہیں ہے، یہ ہے کہ زکوٰۃ بیس دینار پر یا دو سو درہم پر واجب ہے۔^۱

۱۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دور میں دینار کا معیاری وزن وہی تھا جو وزن نطنی صولدیوں کا
 تھا، یعنی تقریباً ۵۵۴ گرام خلیفہ عبدالملک کی اصلاحات کے بعد اس کا وزن گھٹا کر ۴۱۵ کر دیا گیا۔

۲۔ متفاد از بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، لوی، السرائر، لادریز، محمد علی اکتائی، "فقہ الزکوٰۃ"
 ۱۔ لوست القرضاوی، فقہ احمدی

ناپ تول کے جو پیمانے اس زمانہ میں رائج تھے ان میں صاع، میڈ، رطل، اوقیہ اور مثقال تھے اور انھیں ہی سے کچھ نئی تقسیم انھوں نے اور نکالی تھیں، علم احساب سے بھی ان کو واقفیت تھی، جھوں اور میراث کی تقسیم میں قرآن نے ان کے اسی حساب پر اعتماد کیا ہے۔

قریش کا دولت مند طبقہ

جن گھرانوں میں خوش حالی اور مالی فراوانی تھی، ان میں بنو امیہ اور بنو مخزوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اشخاص میں ولید بن المغیرہ، عبدالمعزی (ابولہب) ابوہجر بن سعید بن العاص بن امیہ (جس کا الوسفیان کے قافلہ میں تیس ہزار دینار کے بقدر حصہ تھا) عبد اللہ بن ربیعہ المخزومی جیسے امیر و رئیس لوگ تھے، ان میں عبد اللہ بن جدعان القیمی زیادہ نامور اور مشہور تھے، جن کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ سونے کے پیالہ میں پانی پیتے تھے اور ان کا پورا منگرن خانہ تھا، جس میں غریبوں اور بھوکے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا، عباس بن عبدالمطلب کا شمار بھی قریش کے دولت مند لوگوں میں تھا، وہ اپنی دولت لوگوں پر خوب خرچ کرتے تھے، اور سودی لین دین بھی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہوا، سود کی حرمت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر سودی رقوم کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، او اس کا آغاز اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کیا اور ارشاد ہوا کہ پہلا سود جس کو میں ساقط کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔“

ان میں ایسے تعیش پسند دولت مند بھی تھے، جن کے گھروں میں شبلیہ مخفیس

گرم رہتی تھیں، مگرے فرش فروش سے آراستہ دسترخوان سجے ہوئے اور بادہ و جام کا دور چلتا ہوا۔

سرداران قوم کی محفلیں زیادہ تربیت الشرکے سامنے جمتی تھیں، جہاں شعرو شاعری ہوتی، جاہلیت کے ممتاز شعراء جیسے بلید بن ربیعہ وغیرہ اس میں شریک ہوتے، یہ بھی ذکر آتا ہے کہ بعد المطلب کا فرش کعبہ کے سایہ میں بچھتا تھا، ان کے لڑکے ان کے ادب و احترام میں فرش کے باہر چاروں طرف بیٹھتے اور جب تک وہ نہ آجاتے کوئی فرش پر نہ بیٹھتا۔

مکہ کی صنعتیں اور ادب و ثقافت

اہل مکہ کی نظر میں صنعت و حرفت کی زیادہ اہمیت نہ تھی، بلکہ وہ اس کو حقارت سے دیکھتے تھے، اور اپنے لئے باعث تنگداری سمجھتے تھے، عام طور پر صنعت و حرفت غلاموں یا عجمیوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی، تاہم بعض صنعتیں جن کی انھیں سخت ضرورت تھی، وہاں موجود تھیں، اور مکہ کے بعض لوگ ان سے متعلق تھے، روایت میں آتا ہے کہ حضرت جناب بن اللات تلواریں تیار کرتے، تعمیر آ وغیرہ میں جس کی ضرورت ہر شخص کو پیش آتی ہے رومی اور ایرانی مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔

ناخواندگی وہاں عام تھی، لیکن کچھ لکھنے پڑھنے والے لوگ موجود تھے،

قرآن مجید نے اسی لئے ان کو "امی" یعنی ناخواندہ سے تعبیر کیا ہے "هُوَ الَّذِي

بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ" (المجمہ ۲) (وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں

انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔

مکہ والے پورے جزیرۃ العرب میں حین ذوق الطافت طبع اور آرائش و تجمل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، جیسا کہ تقریباً ہر قدیم تہذیب رکھنے والے دارالسلطنت اور پایۂ تخت کا حال ہوتا ہے۔

جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے اس کو سند اور میزان کا درجہ حاصل تھا اور جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف میں اسی پر اعتماد کیا جاتا تھا، مکہ کے باشندے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ، اور قادر الکلام تھے اور ابتذال و سوقیانہ پن نیز عجمی اثرات سے بہت دور اور محفوظ رہتے، تناسب اعضاء جسمانی ساخت حسن و جمال نیز اعتدال و توازن میں بھی دوسرے علاقوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ممتاز تھے، اور جو اندری و عالی ظرفی کے ان اعلیٰ صفات کے حامل تھے، جس کو عربی میں "الفتوة" اور "المروءة" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جن کا ذکر عرب شعراء اور خطباء نے بار بار کیا ہے اس لئے وہ خیر و شہ دونوں میدانوں میں سب کے استاد تھے۔

ان کی دلچسپی کے موضوعات میں بالترتیب انساب، اخبار، عسب، شعر و شاعری، علم نجوم، پنجہتر، پرندوں سے شگون لینے اور کسی قدر طب و علاج جو ان کے مجربات اور بزرگوں کی روایات پر مبنی تھا، اور بہت کچھ شہسواری گھوڑوں کی پہچان، اس کے اعضاء و صفات سے گہری واقفیت اور قیافہ شناسی جیسے علوم شامل ہیں، علاج و معالجہ کے جو طریقے ان میں رائج تھے، ان میں دلغنے، فاسد عضو کو کاٹنے، فصہ کھلوانے، پچھنا لگوانے اور استعمال ادویہ کا ذکر آتا ہے

جنگی طاقت

جہاں تک جنگی طاقت کا تعلق ہے، قریش طبعاً امن پسند اور عافیت کوش تھے، دوسری معاصر قوموں کی طرح ان کی معیشت کا زیادہ تر انحصار تجارت کے فروغ، قافلوں کی مستقل آمدورفت، بازاروں، اور منڈیوں کی تنظیم اور ناجروں اور سیاحوں کی آمد پر تھا، جس سے ان کی مذہبی عظمت و اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا تھا، اور اقتصادی منفعت بھی حاصل ہوتی تھی، اور ہر طرح کا رزق مختلف جہتوں سے وہاں پہنچتا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ۖ
الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّنْ جُوعٍ
وَأَمَّنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝

تو چاہئے بندگی کریں اس گھر
کے رب کی جس نے ان کو کھانا
دیا بھوک میں، اور امن دیا

(سورہ لایلات ۱۲۳) ڈریں۔

عرب کی طویل اور خون ریز جنگوں کی وجہ سے بھی جن کا سلسلہ تیس تیس چالیس برس تک جاری رہا اور جن کے نتیجے میں (جیسا کہ جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ نے اپنے معلقے میں اس کا تذکرہ کیا ہے) ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بے بہاگ اور بیوہ ہو گئیں، وہ جنگ کے خوفناک نتائج اور اس کے دُور رس اثرات سے ناواقف نہ تھے، وہ مکہ کی "حرب البھار" اور مدینہ کی جنگ "بُعات" کا حشر دیکھ چکے تھے کہ ان کا ان دنوں شہروں کی تہذیبی، اقتصادی اور اخلاقی زندگی پر کیا اثر پڑا تھا اس لئے ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے وہ عرب کے دوسرے جنگ جو قبائل کی طرح

(جن کا پیشہ ہی جنگ تھا) بلا ضرورت جنگ کو دعوت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قریش (جب تک ان کی قبائلی و مذہبی غیرت کو لٹکارا نہ جائے) "بقائے باہم" کے اصول پر کار بند تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ قابلِ لحاظ فوجی طاقت کے بھی مالک تھے، شجاعت و بہادری میں ضربِ المثل اور شہ سواروں میں فرد، چنانچہ "الغضنة المضرية" (مضری غصہ) پورے جزیرۃ العرب میں معروف تھا، اور زبان و ادب اور محاورات و امثال میں شامل ہو گیا تھا۔

قریش نے اپنی اس ذاتی طاقت پر یس نہیں کیا، بلکہ وہ "احابیش" کی قابلِ لحاظ قوت سے بھی فائدہ اٹھاتے رہے جو کہ مکہ کے اطراف میں رہنے والے بعض عرب قبائل اکنانہ اور خزیمہ بن مدرکہ کے بطن سے تھے، خزاعہ قریش کے حلیف تھے، اس کے علاوہ قریش کے پاس غلاموں کی بھی بڑی تعداد تھی جو تمام لڑائیوں میں ان کے چیم کے نیچے رہتے تھے، وہ بیک وقت کئی ہزار جنگ جو میدان میں جھونک دیتے تھے، عروہؓ احزاب میں یہ تعداد دس ہزار تک جا پہنچی تھی اور یہ عہدِ جاہلیت کی تاریخ میں جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی جنگی نفری تھی۔

مکہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر اور اس کا روحانی و سماجی پایۃ تخت

اس مذہبی حیثیت و مرکزیت، معاشرتی فائز البالی، تجارتی سرگرمیوں و تمدن و معیشت میں ترقی کی وجہ سے مکہ جزیرۃ العرب کا ایک بڑا شہر بن گیا تھا، اور یمن کے مشہور شہر صنعاء سے آنکھیں مل رہا تھا، اور جب چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں صنعاء پر یکے بعد دیگرے حملے اور ایران کا تسلط ہو گیا اور حیرہ اور

عُثْمَان کی ریاستوں کی بھی وہ سابقہ شان و شوکت جاتی رہی تو اس وقت
مکہ نے جزیرۃ العرب کے ایک ایسے مذہبی اور سماجی پایۂ تخت کی حیثیت اختیار
کر لی جس میں اس کا کوئی شریک و ہمسر نہ تھا۔

اخلاقی پہلو

مکہ کا اخلاقی پہلو بہت کمزور تھا سوائے ان چند جاہلی روایات و اقدار کے
جن کو وہ اپنے سینے سے چمٹائے ہوئے تھا، جو عے کا کاروبار ان میں عام تھا، اور وہ
اس پر فخر کرتے تھے، شراب نوشی عام طور پر رائج تھی، عیش و طرب اور قرض و نغمہ کی
محفلیں بکثرت آراستہ ہوتی تھیں اور دو در جام چلتا تھا، بہت سے فواحش ظلم و سفاکی
حق تلفی و نا انصافی اور ناجائز کمائی ان کے معاشرہ میں بری نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔
اس اخلاقی پستی کی (جو عام طور پر جزیرۃ العرب اور خاص طور پر جاہلی مکہ میں
ہمیں نظر آتی ہے) سب سے سچی اور نازک تصویر وہ ہے جو قریش ہی کے ایک فرزند اور مکہ
کے اصلی و قدیم ساکن جعفر بن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پیش کی تھی اور اس وقت
کی عربی معاشرت اور جاہلی کردار کا نقشہ کھینچا تھا، ان کا بیان یہ تھا کہ:-

”اے بادشاہ! ہم جاہلیت الی قوم تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے
تھے، ہر طرح کی بے حیائی کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسی
کے ساتھ بڑا سلوک کرتے تھے، اور طاقت و مرکز و رکھنا تھا!“

ندہی ہیلو

ندہی ہیلو (اخلاقی و تمدنی زاویہ نگاہ سے) اور زیادہ کمزور تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ عہد نبوت سے ان کا فاصلہ بہت بڑھ چکا تھا، جہالت عام تھی بت پرستی جو انھوں نے اپنے پڑوس کی قوموں سے سیکھ لی تھی، دلوں میں گھر کر چکی تھی، بتوں سے ان کو ایک قسم کا عشق ہو گیا تھا، چنانچہ صرف کعبہ کے اندر اور صحن میں تین سو ساٹھ بت تھے، جن میں سب سے بڑا، ہبل تھا، جس کو مخاطب کرتے ہوئے ابو سفیان نے جنگِ احد میں کہا تھا، اُعلیٰ ہبل (ہبل کی بڑائی ہو) یہ جو کعبہ کے اندر ایک گڑھے کے اوپر تھا، جس میں نذرانے وغیرہ جمع ہوتے تھے، یہ بت سُرخ عقیق کا بنا ہوا تھا، انسان کی شکل میں تھا، جس کا دایاں ہاتھ لٹا ہوا تھا، قریش نے اس کو اسی طرح سے پایا تھا، اس میں انھوں نے سونے کا ہاتھ لگا دیا تھا، کعبہ کے سامنے دو بت رہتے تھے جن میں ایک کا نام "اسان" تھا دوسرے کا "نائلہ" ایک کعبہ سے بالکل ملا ہوا تھا، دوسرا زمزم کے پاس تھا، قریش نے کعبہ کے قریب والے بت کو بھی دوسرے بت کے پاس منتقل کر دیا، یہ وہ جگہ ہے جہاں عرب قربانی وغیرہ کرتے تھے، صفا پر بھی ایک صنم تھا، جس کا نام تھا "نہیک مجاود التیم" مروہ پر جو بت نصب تھا، اس کا نام "مطحہ الطیر" تھا۔ مکہ کے ہر گھر میں ایک بت تھا، جس کی یہ گھر والے عبادت کرتے تھے، عورتی عرفات سے قریب تھا، اور اس پر ایک مجید بنا دیا گیا تھا، قریش کے نزدیک تمام بتوں سے زیادہ معزز اور بڑا تھا، وہ ان بتوں کے سامنے تیروں سے فال نکالا کرتے تھے، "الخصلة" مکہ کے نشیب میں نصب تھا اس بت کو ہار پہنائے جاتے تھے، مجاور گیہوں کا نذرانہ

اس کو پیش کیا جاتا تھا، اس کو دودھ سے نہلایا جاتا تھا، اس کے لئے قربانی کی جاتی تھی اور اس پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے، بُت مگر میں گلی گلی آواز دے کر بیچے جاتے تھے، دیہات کے لوگ پسند کرتے، خریدتے اور اپنے گھر کی زینت بناتے۔

اس طرح یہ قوم (اپنی ساری جواں مردی، وفاداری و جاں نثاری اور اپنے کریمانہ عربی اوصاف کے باوجود) بُت پرستی، بتوں سے عشق و شغفنگی، اوہام و خرافات سے وابستگی، صحیح دینی مفہوم سے ناواقفیت اور پاکیزہ، نظیف و لطیف دینِ صلیف اور ملتِ ابراہیمی سے دوری و بے تعلقی کے اس پست درجہ پر پھی، جہاں دنیا کی بہت کم قومیں ہوں گی۔

یہ چھٹی صدی کے وسط کا مکہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس کے سرد و تاریک اُفتی سے آفتابِ اسلام کے طلوع سے پہلے ہیں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:-

لَتُنذِرَنَّهُمْ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ

فَهُمْ غَافِلُونَ ۝

(سورہ یسین - ۶)

یہ خدائے غالب مہربان نے نازل کیا ہے) تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو منبہ نہیں کیا گیا تھا، منبہ کرو و وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

لے اس فصل میں تفسیر و حدیث میں آنے والے اشارات کی رہنمائی سے نیز متفرق معلومات میں حسبِ بی کتابی مدنی گئی ہے کتاب الاضنام للکلبی (۱۲۶ھ) میرت ابن ہشام (۲۱۳ھ) اخبار مکہ از امام ابی الولید محمد الازرقی (۲۲۳ھ) بلوغ الأرب فی معرفة احوال العرب، یہ محمود فکری الکوسی (۱۳۲۲ھ) نیز تاریخ مکہ از اسحاق احمد سامعی اور کتاب مکہ والمدینۃ فی احوالہ و عہد الرسول از اسحاق ابراہیم الشریف۔

وَلَادَتْ بِأَسْعَادَتْ سَے آغازِ نبوت تک

عبداللہ اور آمنہ

قریش کے سردار عبدالطلب کے دس صاحبزادے تھے جو سب ممتاز اور نامور تھے، عبداللہ اپنے سب بھائیوں میں بہت ستودہ صفات اور مرکزی حیثیت کے مالک تھے، ان کے والد نے ان کی شادی بنی زہرہ کے سردار وہب کی صاحبزادی آمنہ سے کی جو اس وقت اپنی عالی نسبی اور عزت و وجاہت میں قریش کی سب سے ممتاز خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا، حضرت آمنہ کو آپ کی ولادت سے پہلے ایسی بہت سی نشانیاں اور آثار نظر آئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے فرزند کی مستقبل میں بڑی شان ہونی ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت اور عالی نسبی

آپ کی ولادت شریفہ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ء عام الفیل (مطابق ۵۷۰ء عیسوی)

لہ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱ ۱۲ ایضاً ص ۱۱۱ ۱۳ ایضاً ص ۱۵۸ ۱۴ مشہور روایت یہی ہے

لیکن فلکیات کے مشہور مصری عالم اور محقق محمود باشا کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت شریفہ ۱۲ ربیع الاول کو واقعہ فیل کے پہلے سال ہوئی جو ۲۰ اپریل ۵۷۰ء عیسوی کے مطابق ہے۔

دوشنبہ کے دن ہوئی، یہ تاریخ انسانیت کا سب سے روشن اور مبارک دن تھا۔
 آپ کا نسب مبارک اس طرح ہے، محمد بن عبداللہ بن عبدالطلب بن ہاشم بن
 عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرثد بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن
 النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔
 عدنان کا نسب میدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام تک پہنچتا ہے جب
 آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے دادا کو یہ اطلاع بھجوائی، وہ آئے محبت
 سے آپ کو دیکھا اور گود میں لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور
 دعا کی، اور آپ کا نام "محمد" رکھا یہ نام بالکل نیا تھا چنانچہ عربوں کو اس پر بہت تعجب ہوا۔

ایام رضاعت

چند دن آپ کو آپ کے چچا ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا پھر عبدالطلب
 نے اپنے نسیم پوتے کے لئے (جن سے زیادہ اپنی اولاد میں ان کو کوئی محبوب نہ تھا) دیہتا
 لے بیٹ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰ نیز سیرت تاریخ اور انساب کی دیگر کتب میں ہے کہ عدنان تک آپ کا
 نسب یہاں درج کیا ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے، لے سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۵۹-۱۶۰
 لے ابن کثیر ج ۱ ص ۲۱ و ابن ہشام ص ۱۵۹ سہلی کی کتاب "الروضی الافق" اور ابن فورک کی "الفصول"
 سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پوری تاریخ میں صرف تین اشخاص ایسے ملتے ہیں جنہوں نے
 اہل کتاب کے یسین کر کہ جزیرۃ العرب میں ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہوگا، ان کو بھی بتایا جاتا
 تھا کہ اس کا وقت قریب ہے، ان کی بیویاں حمل سے تھیں، اس وقت اس لالچ میں انھوں نے بندرمانی کہ
 روکا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیں گے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، بعض لوگوں نے اس سے زیادہ بھی تعداد
 بیان کی ہے، لیکن راقم سطور کا خیال ہے کہ مثلاً ابھی بہت تحقیق طلب ہے اس لئے کہ قریش کے ہر فرد نے
 اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تھا، نیز اس روایت کی قتی جانچ پڑتال کی بھی ضرورت ہے۔

کی کسی دودھ پلانے والی کی تلاش شروع کی عرب اس زمانہ میں اپنے بچوں کی رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے، اس لئے کہ وہاں کی آب ہوا زیادہ صاف و پاکیزہ اور وہاں کے رہنے والوں کے اخلاق میں اعتدال اور سلامتی طبع زیادہ نمایاں تھی، شہر کے مفاسد سے بھی حفاظت تھی اور وہاں کی زبان بھی صحیح اور فصیح مانی جاتی تھی۔

قبیلہ بنی سعد کی عورتیں اس کام میں اور فصاحت و بلاغت میں خاص شہرت رکھتی تھیں، ان میں حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، جن کو یہ دولتِ عظمیٰ ہاتھ آئی، بچوں کی تلاش میں اپنے گاؤں سے آئی تھیں، خشک سالی کا زمانہ تھا اور لوگ سخت پریشانی میں مبتلا تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب عورتوں کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن اکثر نے یہ سوچ کر کہ یہ تمیم بچہ ہے اس کے والد ہونے تو کچھ نفع کی امید تھی، ماں اور دادا سے کیا مل پائے گا؟ آپ کی طرف زیادہ التفات نہ کیا، پہلے پہل حلیمہ نے بھی آپ کی طرف کچھ خاص توجہ نہ کی اور ان کا رخ بھی دوسری طرف ہونے لگا، لیکن اچانک ان کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو گئی، کوئی دوسرا بچہ بھی سامنے نہیں تھا، چنانچہ وہ واپس آئیں اور آپ کو لے کر اپنے قافلہ میں واپس گئیں، اور اسی وقت آپ کی برکت کھلی آنکھوں انھوں نے دیکھی، ان کی ہر چیز میں ایک دوسرا رنگ نظر آنے لگا، ان کو دودھ میں جانوروں میں، رزق میں ہر چیز میں صاف برکت محسوس ہوئی، ان کے ساتھ کی جتنی دودھ پلانے والیاں تھیں انہوں نے کہنا شروع کیا کہ حلیمہ تم کو بہت مبارک بچہ ملا ہے، بہت مبارک جان ہے، ان کو بی بی حلیمہ سے حد بھی ہونے لگا۔ دوسری طرف خیر و برکت کا سلسلہ براہِ قائم رہا، یہاں تک کہ بنی سعد کے

اس قبیلہ میں آپ کی عمر مبارک کے دو سال پورے ہو گئے اور بی بی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا، آپ کا نشوونما عام بچوں سے مختلف طور پر ہو رہا تھا، اس موقع پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آپ کی والدہ کے پاس حاضر ہوئیں اور ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ مدت کے لئے ان کو اور رہنے دیا جائے چنانچہ بی بی آمنہ نے آپ کو ان کے پاس واپس لوٹا دیا۔

واپسی کے بعد جب آپ بنی سعد میں تھے اور فرشتے آئے آپ کا سینہ مبارک شق کیا، آپ کے قلب مبارک سے گوشت کے ٹکڑے یا لوتھڑے کی مانند ایک سیاہ چیز نکال کر پھینک دی، پھر آپ کے قلب کو خوب چھنی طرح دھو کر اور صاف کر کے اپنی جگہ واپس کر دیا، اور وہ اسی طرح ہو گیا جیسے پہلے تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں بھی چرایا کرتے تھے، اور سادگی و جفاکشی، انصاف و سچہ اور گاؤں کی صاف تھری زندگی، شہر کی آلائشوں سے محفوظ آپ ہوا، اور فصاحت و بلاغت کے ماحول میں آپ کی پرورش ہو رہی تھی جس میں بنی سعد کا بڑا نام تھا، آپ صحابہ کرام سے

۱۶۶-۱۶۷ء میں رضاعت کی یہ طویل و دلنوا کہانی سیرت ابن ہشام میں بہت بیخ انداز میں بیان کی گئی ہے دیکھئے
 ۱۶۶-۱۶۷ء میں اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں امام مسلم نے انس بن مالک کی روایت سے کتاب الایمان باب الاسراء بولوا لصلی اللہ علیہ وسلم کے تحت اس واقعہ کو بیان کیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجتہ الشرا بلفظ میں لکھا ہے کہ فرشتے ظاہر ہوئے آپ کے سینہ مبارک کو شق کر کے دل کو اس میں سے نکالا اور اس کو ایمان و حکمت سے بھر دیا، یہ عالم شمال اور عالم شہادت کی درمیانی حالت کا واقعہ ہے، شیخ صدر اس طرح کی چیز تھی جس سے ضرر پہنچتا ہے، اس کو دوبارہ سینے کا اثر آپ کے سینہ مبارک پر باقی نہ رہا، عالم شمال اور عالم شہادت جہاں ملتے ہیں وہاں اس طرح کے واقعے پیش آتے ہیں (حجۃ اللہ بانوارہ ص ۱۶۷)

کبھی کبھی فرمایا بھی کرتے تھے "میں تم سب سے زیادہ عرب ہوں، قریشی ہوں اور بنی سعد سے
بکر کے قبیلہ میں میں نے دودھ پیا ہے!"

بی بی آمنہ اور دادا عبد المطلب کی وفات

جب آپ کا سن چھ سال کا ہوا تو آپ کی والدہ آپ کو آپ کے دادا کا
نانھیال دکھانے کے لئے یشرب لے گئیں، وہ اپنے محبوب شوہر عبد اللہ بن عبد المطلب
کی قبر پر بھی جانا چاہتی تھیں، مکہ واپس ہوتے ہوئے ایک مقام پر جس کو "الابواء" ^۱
کہتے ہیں بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا، اب ایک طرف محبوب اور چاہنے والی ماں
کی جدائی کا غم تھا، دوسری طرف مسافت کی تنہائی، آپ کی ولادت سے برابر
آپ کے ساتھ کچھ اسی قسم کا معاملہ پیش آتا رہا، یہ تربیت الہی کے وہ اسرار ہیں،
جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک باندی ام ایمن برکتہ حبشیہ آپ کو لے کر
مکہ آئیں اور یہ خدائی امانت آپ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کی، اس کے
بعد آپ دادا کے سایہ شفقت میں رہے، جو آپ کو دل و جان سے زیادہ چاہتے
تھے اور کسی وقت آپ سے غافل نہ ہوتے تھے، کعبہ کے سایہ میں اپنے فرزند پر آپ کو
اپنے ساتھ بٹھاتے اور طرح طرح سے محبت و شفقت کا اظہار کرتے۔

۱۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۵ ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر کے کچھ واقعات بیان فرماتے تھے
ہجرت کے بعد آپ نے بنی النجار کے مکان کو دیکھ کر فرمایا کہ میری ماں یہیں اتری تھیں اور بنی عدی بن
النجار کی باغی میں میں خوب پیرا تھا، (شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۶۵-۱۶۸) ۳۔ یہ مقام ستور
کے قریب ہے جو اس وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان کی شہور منزل اور نصف راستہ پر ہے۔

جب آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبد المطلب کا بھی انتقال ہو گیا، اور آپ کو غمی کا ڈالقم پھر کھینا پڑا جو پہلے سے زیادہ تلخ اور سخت تھا، اپنے والد کو تو آپ نے دیکھا بھی نہیں تھا، اور ان کی شفقت و محبت کے مزے سے بھی آپ ناواقف تھے، اس لئے ان کے انتقال کا صدرِ عقلی اور روایتی سے زیادہ تنہا لیکن دادا کے لطف و محبت کے محرومی کا احساس حسرتی اور توجرتاتی تھا، اور ان دونوں کا کھلا ہوا فرق ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

چچا ابوطالب کے ساتھ

دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہنے لگے، جو آپ کے والد کے حقیقی بھائی تھے، عبد المطلب ان کو آپ کی خبر گیری اور حسن سلوک کی وصیت برابر کرتے رہتے تھے، اس لئے وہ کیسے ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے صاحبزادوں علی، جعفر اور عقبیل (رضی اللہ عنہم) سے زیادہ نرمی و شفقت اور نگہداشت و پرورش کا معاملہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت ابوطالب تجارت کے لئے ایک قافلہ میں شامل ہو کر شام جانے لگے اس وقت آپ کی عمر نو (۹) سال تھی، آپ یہ دیکھ کر اپنے چچا سے لپٹ گئے، ابوطالب پر اس کا بہت اثر پڑا، اور انھوں نے اس سفر میں آپ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ جب یہ تجارتی قافلہ "بصری" کے مقام پر پہنچی جو شامی علاقہ میں واقع ہے تو یہاں اس نے پڑاؤ کیا، یہاں ان کی ملاقات بھینری راہب سے ہوئی جو اپنے معبد یا خانقاہ

لہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۵-۱۶۹ م ۱۶۹ ایضاً م ۱۴۹ کلمہ زیادہ صحیح روایت کے مطابق۔

میں رہتے تھے! بحیر بنی راہب نے معمول کے خلاف قافلہ کی میزبانی کی اور بہت اچھی طرح اس کا استقبال کیا، اس لئے کہ ان کو اس قافلہ کے ساتھ خدا کا خاص معاملہ اور غیر معمولی واقعات نظر آ رہے تھے، جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی اور زیادہ پذیرائی کی، اور اس کا اطمینان کیا کہ نبوت کی نشانیاں آپ کے اندر موجود ہیں، انھوں نے ابوطالب کو آپ کے شان اور مرتبہ کی بلندی کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن واپس جائیں اور یہود سے آپ کی خاص طور پر چھٹا کریں اس لئے کہ تمھارے بھتیجے کی آگے چل کر بڑی شان ہونے والی ہے، چنانچہ ابوطالب آپ کو بچاؤت مکہ واپس لے آئے۔

یہ واقعہ سیرت ابن ہشام اور سیرت کی دوسری کتابوں میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس کی صحت میں محدثین ناقدین کو روایت اور اثبات دونوں محاذ سے کلام ہے، علامہ شبلی نعمانی "سیرت النبی" میں لکھتے ہیں کہ "امام ترمذی اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں "حدیث حسن غریب لانعرفه الا من هذا الوجه" اس کے راویوں میں عبدالرحمن بن عزنوان کا بھی نام آتا ہے جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ منکر احادیث روایت کرتے ہیں اور ان سب سے زیادہ منکر حدیث وہ ہے جس میں بحیر بنی کا قصہ آیا ہے (ج ۱ صفحہ ۱۸۷)

ایک اور بات قابل گرفت یہ ہے کہ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلال کے ساتھ روانہ کیا، علامہ ابن القیم نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ ترمذی اور دوسری کتابوں میں یہ آتا ہے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ بلال کو روانہ کیا، جو بالکل غلط ہے، اس لئے کہ بلال شایر اس وقت موجود ہی نہ تھے، اور اگر کچھ بھی تو آپ کے چچا یا حضرت ابوبکر کے ساتھ ہرگز نہ تھے (زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۱۸۷) مستشرقین اور نبت مورخین ایسے مواقع ہمیشہ ڈھونڈتے رہتے ہیں چنانچہ (باقی صفحہ ۱۳۴ پر)

آسانی تزیینت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما خاص محفوظ و معصوم طریقہ پر ہوئی،

(باقی ملاحظہ) بحیرہ خلی راہب سے آپ کی اس سیرہ ملاقات کو (جس کے عقیدہ اور علمی مرتبہ کا کچھ نام و نشان ہمیں نہیں ملتا) انھوں نے رائی کا پرست بنا دیا اور اس پر پورا ہوائی قلعہ تعمیر کر لیا اور یہ ثابت کرنے کا کوشش کی کہ عقیدہ توحید کی یہ ضابطہ لاگ تعلیمات آپ نے دراصل ایک عیسائی عالم سے حاصل کی ہیں اس سے زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ ایک فرانسیسی مشرق CARRA DE VEAUX نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور اس کا نام 'مصنف قرآن' رکھا، اور اس میں یہ دعویٰ کیا کہ اس مختصر ملاقات میں 'بحیرہ خلی' نے پورا قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو املا کرایا۔

اگر بحیرہ خلی راہب سے ملاقات کا واقعہ صحیح بھی تسلیم کیا جائے تب بھی کوئی سمجھ دار و عاقل شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہیں اور اس میں انصاف کا کوئی ذرہ موجود ہے اس بات پر غور کرنے کا بھی روادار نہ ہوگا، یہ بات کس کی عقل میں آسکتی ہے کہ ایک کم سن بچہ کل عمر سے صحیح روایت کے مطابق قرآن اور زیادہ سے زیادہ بارہ سال بتائی گئی ہے ایک ایسے سن رسیدہ شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ آفتاب نہیں اور جس کو صرف ایک وقت کے کھانے پر اتنے ٹیٹھے کا موقع ملا ہے ایسے دقیق و اہم سائلوں نازک تفصیلات پر تبادلہ خیالات کرے گا، اور چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیت کے فوسخ شدہ مشرکانہ عقائد و خیالات کی ان باریکیوں سے آگاہ ہو جائیگا، جہاں تک پروٹسٹنٹ مذہب کے بڑے بڑے پادریوں اور عالموں کی رسائی نہ ہو سکی، پھر تیس چالیس سال کے بعد جب بحیرہ خلی راہب کی ہڈیاں بھی خاک میں مل چکی ہوں گی (قرآن کی شکل میں ان سب کو مرتب کر کے پیش کرے گا؟ یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو تعصب نے اندھا کر دیا ہو، یا خیال آرائی اور فرضی و وہمی باتیں تصنیف کرنے میں اس کو کمال ہو، اگر یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں نہ ہوتا تو اس کے ذکر کا بھی یہاں ضرورت نہ تھی۔

اور جاہلیت کی نجاستوں اور بُری عادتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیشہ دورا اور پاک رکھا، آپ اپنی قوم میں شروع ہی سے سب سے زیادہ حمیدہ صفات و عالی ہمت جہنِ اخلاق سے آراستہ، جوادار، راست گفتار، امانت دار اور بدکلامی اور فحش بیانی سے بہت دور سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ کو امینؑ کے نام سے یاد کرنے لگے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تمام باتوں اور جاہلیت کی عادتوں سے محفوظ رکھا تھا جو آپ کے شان و مرتبہ کے مطابق نہ تھیں اگرچہ اس معاشرہ میں ان کے اندر کوئی حرج نہ سمجھا جاتا تھا، نہ ان باتوں پر کسی کی نگاہ پڑتی تھی، آپ رشتوں کا خیال کرنے، لوگوں کا بوجھ ہلکا کرنے اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے، مہمان کا اکرام کرنے اور خیر و تقویٰ کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے، محنت کر کے روزی حاصل کرتے اور معمولی اور ضرورت بھر غذا پر اکتفا فرماتے تھے۔

آپ کی عمر چودہ، پندرہ سال کی تھی کہ قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان حرب الفجار شروع ہو گئی اور آپ نے اس کو قریب دیکھا بلکہ آپ دشمن کے استعمال کئے ہوئے تیروں کو قریش تک پہنچاتے تھے، جو جنگ کا خاص طریقہ ہے اس وقت پر آپ کو جنگ کا عملی تجربہ ہوا، اور شہسواری و سپہ گری سے شناسائی ہوئی۔

جب عمر مبارک کچھ اور زیادہ ہوئی تو آپ نے ذریعہ معاش کی طرف توجہ کرنا ضروری سمجھا، اور یکریاں چرانے کا پیشہ اختیار کیا جو اس زمانہ کا ایک شریفانہ

لہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۳ ۵۷ ملاحظہ ہو حضرت خدیجہ کی خہادت جو انھوں نے آپ کے

غار حرا سے واپسی پر آپ کے اخلاق کے بارے میں دی۔ ۵۷ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۶

ذریعہ معاش ہونے کے علاوہ نفسیاتی تربیت اور کرداروں و محتاجوں پر شفقت و محبت کے جذبات پیدا کرنے نیز صاف و نازہ ہوا کا لطف لینے اور جسم کی تقویت و ورزش کا سامان بھی اپنے اندر رکھتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ انبیاء کی سنت ہے، چنانچہ نبوت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، پوچھا گیا کہ آپ نے بھی اے اللہ کے رسولؐ؟ فرمایا ہاں میں نے بھی۔ آپ نے پہلے بھی بنی سعد میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائی تھیں اس لئے آپ اس کام سے کچھ ناواقف و بے خبر نہ تھے، صحاح سے ثابت ہے کہ آپ مکہ میں چند قیراط کے عوض (جو آپ بکریوں کے مالکوں سے لیتے تھے) بکریاں چراتے تھے۔

حضرت خدیجہ سے رشتہ ازدواج

جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ آپ نے نکاح کیا، حضرت خدیجہ قریش کی بہت بااثر و بارسوخ خاتون تھیں اور ہم درآ

لہ علامہ شبلی سیرت النبیؐ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ قراریہ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے،

ابن ماجہ کے شیخ سعید بن سعید کی رائے یہ ہے کہ یہ قیراط کی جیس ہے، جو درہم یا دینار کا ایک جز تھا، اس لحاظ سے ان کے نزدیک حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر بکریاں

چراتے تھے اور اسی وجہ سے بخاری نے باب الاجارۃ میں اس کا ذکر کیا ہے، ابراہیم احرلی کی تحقیق

یہ ہے کہ یہ اجیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، ابن جوزی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور

علامہ عینی نے بہت قوی اور قابل ترجیح دلائل کے ساتھ اسی رائے کی توثیق کی ہے، نور الزہرا کے

مصنف نے بھی طویل بحث کے بعد اسی کو اختیار کیا ہے۔ لہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۸۷

اخلاق کریمانہ نیز مال و دولت کے لحاظ سے بھی نامور تھیں، یہ سب تو تھیں اور ان کے شوہر ابوالہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس شادی کے وقت آپ کی عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی۔

حضرت خدیجہؓ تجارتی کاروبار بھی کرتی تھیں، روپیہ ان کا ہوتا تھا اور دوسرے لوگ محنت کرتے تھے، اور اپنی محنت کا معاوضہ پاتے تھے، قریش بڑی ناچار قوم تھی، حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گفتاری حسن اخلاق اور جذبہ خیر خواہی کا علم بھی آپ کے سفر شام سے بخوبی ہو چکا تھا، جب آپ ان کا مال لے کر بغرض تجارت شام گئے تھے اور اس سفر میں جو انوکھے واقعات پیش آئے تھے، اس کا بھی ان کو علم تھا چنانچہ انھوں نے آپ سے رشتہ کی خواہش کی حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست کو نامنظور کر چکی تھیں، آپ کے چچا سیدنا حمزہ نے یہ پیغام آپ تک پہنچایا، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا، اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو چھوڑ کر (جن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا) آپ کی ساری اولاد ان ہی سے ہوئی۔

کعبہ کی تعمیر تو اور ایک بڑے فتنہ کا سدباب

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو

۱۷ھ سیرت ابن ہشام ج ۱۸۷-۱۹۰ سیرت ابن کثیر ص ۲۶۲-۲۶۵ سیرت ابن ہشام

ج ۱۸۹-۱۹۰ ۳ سیرت ابن ہشام ج ۱۷-۱۹ دیکر کتب سیرت۔

قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا اور اس پر پھبت ڈالنے کی تجویز کی، اس سے پہلے اس کی نوعیت یہ تھی کہ مٹی اور گالے سے جوڑے بغیر بھاری پتھر تلے اوپر رکھ دیئے گئے تھے، جن کی بلندی قد آدم سے زیادہ تھی، اب اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیا جانا تھا، جب دیواریں بلند ہو کر حجرِ اسود کی بلندی تک پہنچیں تو حجرِ اسود کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا، ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ اس کو بیشرف حاصل ہو اور وہ اس کو اٹھا کر اس کی صحیح جگہ نصب کرے، یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے جنگ لے جہاں تک پہنچا، دور جاہلیت میں اس سے معمولی معمولی باتوں میں جنگیں ہوتی رہی ہیں، یہ تو ایک بڑی بات تھی۔

غرض کہ جنگ کی پوری تیاری کر لی گئی، بنو عبد الدار نے خون سے بھری ہوئی ایک بڑی لگن تیار کی اور انھوں نے اور بنو عدی نے مرتے دم تک لڑنے کا آپس میں معاہدہ کیا، اور لگن کی لگن میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ اور عہد و پیمانہ پختہ کیا، یہ ایک بڑی تباہی اور عظیم فتنہ و فساد کا پیش خیمہ تھا قریش کئی روز تک اسی الجھن میں رہے، پھر اس پر ان سب کا اتفاق ہو گیا کہ جو شخص مسجدِ حرام میں سب سے پہلے داخل ہوگا، وہ اس بات کا فیصلہ کرے گا، چنانچہ سب سے پہلے مسجدِ حرام کے دروازہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اور آپ کو دیکھتے ہی سب نے بے ساختہ کہا کہ یہ محمد الامین ہیں، ہم ان پر راضی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوائی، حجرِ اسود اٹھا کر اپنے دستِ مبارک سے اس میں رکھا پھر فرمایا کہ ہر قبیلہ چادر کا ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، سب نے ایسا ہی کیا، جب وہ جگہ قریب ہو گئی جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آپ نے

اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اس کو اس جگہ رکھ دیا، اس کے بعد باقی عمارت کی تعمیر ہوئی۔
 اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بڑے کشت و خون سے
 بچایا، آپ نے اس معاملہ میں جس حکمت اور تدبیر سے کام لیا اس سے بڑھ کر کوئی
 حکمت اور تدبیر نہیں ہو سکتی تھی، نبوت کے بعد آپ نے تمام انسانوں اور دنیا کی
 قوموں کو جس طرح جنگوں کی بھٹی سے نجات دی، یہ واقعہ دراصل اسی کا پیش خیمہ
 اور مبارک آغاز تھا، اور آپ کے فہم و تدبیر، بہترین تعلیمات، نرمی و ملامت
 اور رفع نزاع و صلح جوئی کا ترجمان و آئینہ دار، یہ وہ بات تھی جس نے آپ کو
 رحمۃ اللعالمین کا منصب عالی عطا کیا اور آپ اس سادہ اور ان پڑھ قوم
 کے ان جنگ جوا اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے قبائل کے لئے نبی رحمت
 ثابت ہوئے۔

حَلْفُ الْفُضُولِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلف الفضول میں بھی شریک رہے جو عربوں کا
 سب سے شریفانہ اور کریمانہ معاہدہ تھا، اس کا قصہ یہ تھا کہ زبیر کا ایک شخص مکہ
 میں کچھ سامان تجارت لے کر آیا اور قریش کے ایک سردار عاص بن وائل نے یہ سب
 سامان خرید لیا، لیکن اس کا حق اس کو نہیں دیا، زبیری نے سردار ان قریش کی
 حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت و وجاہت کی وجہ
 سے انھوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس کو سخت مسرت کہہ کر

واپس کر دیا، اب زبیدی نے اہل مکہ سے فریاد کی اور ہر باحوصلہ، صاحب ہمت اور حق و انصاف کے حامی شخص سے جو اسے مل سکا شریکیت کی آغوش کاران لوگوں میں غیرت نے جوش کیا اور یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، انہوں نے ان سب کی دعوت و ضیافت کی، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلہ اور مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ کی طرح رہیں گے اور کام کریں گے جب تک ظالم مظلوم کا حق نہ دے دے، قریش نے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" یعنی فضول کا معاہدہ رکھا، اور کہنے لگے کہ انہوں نے ایک فالتو کالم میں، جو ان کے فرائض میں نہیں آتا داخل اندازی کی ہے پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان و اسباب ان سے زبردستی لے کر زبیدی کو واپس کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ سے بہت خوش تھے اور نعمت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف و تحسین کی اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا، جس میں اگر اس کے ناکار اسلام کے بعد بھی مجھے بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کے لئے تیار ہوں، انہوں نے اس پر یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق و حق دار تک پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غلبہ نہ حاصل کر سکے گا۔

۱۔ سیرت ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۹، اس کا ایک جزئیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش سے پہلے قبیلہ خزیم نے بھی ایک ایسا معاہدہ کیا تھا، اس میں جو لوگ شریک تھے، ان میں سے بنی نضیر کا نام فضل تھا، اس مخالفت کی وجہ سے قریش کے اس معاہدہ کا نام بھی پڑ گیا (اروض الألف شرح سیرۃ ابن ہشام) اس کے علاوہ اس کی اور زوجہات بھی ہیں۔ ۲۔ سیرت ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۸

جزیرۃ العرب کے حالات اور جزیرہ کے دینی، تہذیبی و سیاسی مرکز دیکھ کر وہ
 کے احوال پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اس حلف پر باضمیر لوگوں کی تیارگی سبب
 محض کسی فرد واحد یا چند لوگوں کی حق تلفی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کا قوی محرک تشار
 بدامنی، بے اصولی اور لاقانونیت کی وہ حالت تھی جو کہہ اور اس کے ماحول پر طاری
 تھی، نیز اس کا ایک اور محرک امن و استحکام کی خصوصاً حرب فجار کے بعد
 ضرورت اور حقوق کے احترام، اور رکھ آنے والے ناجروں اور کارگیروں کی
 حفاظت و حمایت کی اہمیت کا احساس بھی تھا۔

مہم بے حسینی

آپ اپنے اندر ایک مہم بے حسینی محسوس کرتے تھے جس کا سبب اور حرتیہ اور اس
 کا مستقبل اور مال کا آپ کو معلوم نہ تھا، آپ کے دل میں کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا
 تھا کہ اللہ تعالیٰ وحی و رسالت سے آپ کو سرفراز فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا
 اور اس طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری

مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ
 طرف روح القدس کے ذریعہ قرآن

وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا
 بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور

نَهْدِي بِهِمْ مَنِ تَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا
 نہایا ان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا

وَإِنَّكَ لَفِي الصِّرَاطِ
 ہے کہ اس سبب ہم اپنے بندوں میں سے جس کو

مُسْتَقِيمٍ (سورہ شوریٰ - ۵۲)
 چاہتے ہیں ہدایت کرنے پر تیار رہے تنگ

اے محمد تم یہ عمارت دکھاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ
الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ
فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ۝
(سورہ قصص - ۸۶)

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و تربیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما
بجسٹیت اُمّی کے ہوئی، آپ نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے اس طرح آپ شہسازِ اسلام
کی نہمت طرازیوں اور افترا پردازیوں سے بہت دور اور محفوظ رہے، قرآن مجید نے
اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ
كِتَابٍ وَلَا تَخْطُءُ بِمِيمِنِكَ
إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝
(سورہ عنکبوت - ۴۸)

قرآن مجید میں اسی لئے آپ کو امّی کا لقب دیا گیا اور ارشاد ہوا:-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ
النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ
مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ
وَإِلَّا يُعْجِلِ.

تورات اور انجیل میں لکھا ہوا

(سورہ اعراف - ۱۵۷) پاتے ہیں۔

بعثت کے بعد

انسانیت کی صبح صادق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اپنی عمر کے چالیس سال پورے کئے، اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لپ بام کھڑی تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم و بد نصیب دنیا کی قسمت جاگی اور بعثتِ محمدی کا مبارک وقت قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ جب تاریکی بہت بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت اور مردہ ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جاں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہا آ جاتی ہے۔

دنیا میں اس وقت جس جہالت اور جاہلیت کی حکمرانی تھی، خرافا و اہام اور شرک و بت پرستی کی و باعام تھی، اس کو دیکھ کر آپ کی بے چینی خالق کائنات اور خالق ارض و سموات کی ہدایات اور اس کے احکام کا انتظار انتہا تک پہنچ چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت اور غیبی آواز آپ کو چلا رہی ہے اور آپ کی رہنمائی کر رہی ہے اور اس بڑے منصب کے لئے آپ کو تیار کر رہی ہے۔

اس زمانہ میں تنہائی اور خلوت پسندی آپ کا شیوہ اور معمول بن گئی تھی، اور آپ کو سب سے علیحدہ ہو کر تنہا بیٹھنے سے بڑا سکون ملتا تھا، آپ مکہ سے بہت دور نکل جاتے، یہاں تک کہ شہر کے مکانات بھی آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے، آپ مکہ کی گھاٹیوں اور اندر کی وادیوں سے گزرتے تو شجر و حجر سے آواز آتی کہ "السلام علیک یا رسول اللہ" آپ اپنے داہنے بائیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے تو درختوں یا پتھروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔

غارِ حراء میں

آپ زیادہ تر غارِ حراء میں قیام فرماتے اور مختار کئی کئی راتیں وہاں گذرتیں، اس کا انتظام پہلے سے آپ کر لیتے تھے، یہاں آپ ابراہیمی طریقہ پر اور فطرتِ سلیم کی رہنمائی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔

بعثتِ مبارک

اسی طرح آپ ایک بار غارِ حراء میں تشریف فرما تھے کہ منصبِ نبوت سے آپ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آپہونچی۔

یہ ۱۲ رمضان ۱۱ سال کی ولادت کے اکتالیسویں سال کا واقعہ ہے۔

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۳۵-۲۳۵ صحیح مسلم میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ میں مکہ کے ایک پتھر سے اب بھی واقف ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا (کتاب الفضائل باب فضل رسالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ۲۔ دیکھئے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا۔ صحیح بخاری (باب کیف کان بَدْءُ الوی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ۳۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹ روایت ابو جعفر محمد الباقر۔

(مطابق ۶ اگست ۱۹۲۷ء) جو حالتِ بیداری اور شعور کی حالت میں پیش آیا، آپ کے سامنے غائر اجزاء میں فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نے مجھے پکڑ کر دبا یا یہاں تک کہ میں نے اس کی تکلیف محسوس کی، پھر مجھے چھوڑ دیا، اور کہا پڑھئے! میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑا اور اتنی زور سے لپٹایا کہ مجھ پر اس کا سخت دباؤ پڑا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھئے، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوبارہ اسی طرح دبا یا اور چھوڑ دیا اور کہا:-

اِقْرَأْ يَا سَمِيرَتِكَ الَّذِي خَلَقَ
خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُ ۝
(سورہ علن - ۱-۵) لہ

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر
پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا جس نے
انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا،
پڑھو اور تنہا پروردگار بڑا کریم ہے
جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا
اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا
اس کو علم نہ تھا۔

یہ نبوت کا پہلا دن تھا، اور پہلی وحی اور قرآن کا حصہ ۱۰

لہ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲ روایت ابو جعفر محمد الباقر۔ لہ ایک عجیب بات جو دنیا کے فلاسفہ و مفکرین اور مذہب و ثقافت کے مؤرخین کی توجہ چاہتی ہے وہ اس پہلی وحی میں "قلم" کا تذکرہ ہے، جو ایک اُمتی پر ایک اُمتی قوم میں، اور ایک ایسے ملک میں نازل ہوئی جہاں قلم کا وجود بھی کم یاب تھا، اور جہاں پڑھے لکھے افراد انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اس نے اس مذہب (باقی صفحہ ۱۲۶ پر)

حضرت خدیجہؓ کے گھر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عجیبہ اقعہ سے خوف زدہ ہو گئے اس لئے کہ ایسا نہ بھی آپ کے ساتھ پیش آیا تھا، اور نہ آپ نے اس طرح کی بات کبھی سنی تھی، نبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عہد پر ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا چنانچہ آپ کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا اور آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، شدتِ خوف سے آپ کے شانہ مبارک پر کبھی طاری تھی، آپ نے پہنچتے ہی حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے جلد اڑھا دو، مجھے جلد اڑھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے سارا ماجرا بیان کیا وہ ایک عقل مند اور ذی شعور خاتون تھیں، نبوت انبیاء اور فرشتوں کے بارے میں انھوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا وہ اپنے چچا زاد بھائی و قرین و قریب کے پاس (جنھوں نے عیساؑ اہمیت قبول کر لی تھی، صحف سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور اہل توریت اور اہل انجیل سے ان کی نشست و برخاست تھی) کبھی کبھی جایا کرتی تھیں اور اہل کہ

(باقی صفحہ ۱۲۷ کا) اور اس کی حامل امت کی قرأت و کتابت اور قلم سے کام لینے کی صلاحیت اور اس کے دائمی اور مضبوط ربط و تعلق کی (دوسرے سابقہ مذاہب کے برخلاف) نشان دہی کر دیا اور جو اس کی عالمی علی و ینفی تحریک کا ایک رمز تھا جس کی اقوام و ملل کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ وہ رمز آیت "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" کا اس وحی میں شامل ہونا تھا جو طلب علم، ذوق جستجو اور نئی معلومات کی تلاش اور پچھلے زمانوں میں دریافت نہ ہو سکتے والے گزشتہ قدرتی علمی حقائق کے عدم انکار کا محکم ثابت ہوا۔

کی نامناسب باتوں اور عادتوں کو پسند نہ کرتی تھیں جن کو فطرتِ سلیم اور ذہنِ مستقیم رکھنے والا کوئی شخص طبعاً پسند نہ کرے گا۔

وہ آپ کے رشتہ، زوجیت، شب و روز کی رفاقت اور آپ کی ہر ظاہر و پوشیدہ چیز سے واقفیت نیز اس خصوصی اعتماد و تعلق کی وجہ سے جو ان کو مجال تھا، رسولِ شہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ سے سب سے زیادہ واقف تھیں، آپ کے شاملِ فضائل کو دیکھ کر ان کو اس کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نائید و توفیق ہر لمحہ آپ کے شاملِ حال ہے، آپ اللہ تعالیٰ کے منتخب و مقبول بندے ہیں اور آپ کی سیرت بھی محبوب و پسندیدہ سیرت ہے، اور جو شخص ایسے اخلاق اور ایسی سیرت اور ایسے اعلیٰ و پاکیزہ خصائل کا حامل ہوگا اس پر کسی شیطان یا جن اور آسیب کا اثر ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و شفقت سے بیدار اور اس کی سنتِ جاریہ کے منافی ہے، انھوں نے بڑے یقین و اعتماد کے لہجے میں اور پوری قوت کے ساتھ کہا:

”ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و مروانہ کرے گا، آپ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس و کاٹا کرنے ہیں، دوسروں کا بوجھ بھٹکا کرتے ہیں، محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی صیانت و خاطر مدارات کرتے ہیں، راہِ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں؛“

ورقہ بن نوفل کی مجلس میں

حضرت خدیجہؓ نے یہ بات عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ نیز اپنی زندگی کے تجزیوں

لے صحیح بخاری (باب کیفیت کان بعزل الوجی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اور لوگوں سے واقفیت کی بنیاد پر کبھی تھی، لیکن یہ معاملہ بہت بڑا تھا، اور اس میں کسی ایسے شخص کے مشورہ کی ضرورت تھی، جو مذاہب اور ان کی تالیخ، نبوت اور اس کے مزاج نیز اہل کتاب کے اچھی طرح واقف ہو، جن کے پاس انبیاء کے واقعات اور ان کے علم کا کچھ اندر وختہ موجود ہے۔

انھوں نے سوچا کہ اپنے عالم و فاضل چچا زاد بھائی ورق بن نوفل سے مدد لینی چاہئے، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ کو پورا واقعہ سنایا، ورقہ نے سنتے ہی کہا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی مامور ہے کہ آیا تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا، اور ایک زمانہ آئینکا کہ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی اور ایذا پہنچائے گی، آپ کو نکالے گی، اور آپ سے جنگ کرے گی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ سنا کہ قوم آپ کو نکال دے گی تو آپ کو کچھ تعجب ہوا، اس لئے کہ آپ قریش میں اپنی حیثیت و مرتبہ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ صادق و امین کہتے ان کی زبان نہ نکھلتی تھی، آپ نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ اور ورقہ نے جواب دیا کہ ہاں! جب بھی کوئی وہ پیغام لے کر آیا جو آپ لئے ہیں تو لوگوں نے اس کی دشمنی پر کمر باندھ لی اور اس سے جنگ کی، یہ برابر ہوتا آیا ہے، اگر مجھے وہ دن نصیب ہوگا، اور میری زندگی و فاکرے گی تو میں آپ کی پوری قوت کے ساتھ مدد کروں گا۔

لہ ما نعدا ز صریح عائشہ صحیح بخاری باب (کیف کان یذاوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ویرت ابن ہشام ۲۳۸

اس کے بعد ایک عرصہ تک وحی کا سلسلہ بند رہا، پھر جاری ہوا اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام اور ان کا کردار

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا، رشتہ زوجیت کی وجہ سے ان کو آپ کی خدمت و رفاقت اور نصرت و اعانت کا خوب موقع تھا، اور انھوں نے ہر موقع پر آپ کی نشت پناہی اور حمایت کی، لوگوں سے آپ کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں، وہ ان کو ہمیشہ ہلکا کرنے کی کوشش کرتیں اور آپ کی ہمت بندھاتیں۔

حضرت علیؓ اور زید بن حارثہ کا قبول اسلام

اس کے بعد حضرت علیؓ ابن ابی طالب اسلام لائے، اس وقت ان کی عمر ۱۰ سال تھی، اسلام سے پہلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلے تھے، آپ نے پریشانی و قحط سالی کے زمانہ میں ان کو ابوطالب سے مانگ لیا تھا، اور اپنے گھرانہ میں شامل کر لیا تھا، اس کے بعد زید بن حارثہ (جو آپ کے غلام تھے) اور آپ نے ان کو متبنیٰ کیا تھا، اسلام لائے۔

ان حضرات کا قبول اسلام دراصل ایسے لوگوں کی شہادت اور گواہی تھی جو آپ سے سب سے زیادہ قریب تھے، اور آپ کے صدق و اخلاص اور جن کردار سے سب سے زیادہ واقف اور گھروالوں کی طرح ہر چھپی ڈھکی چیز سے باخبر تھے۔

حضرت ابوبکر کا قبولِ اسلام اور دعوتِ الی التدریج کا حصہ

حضرت ابوبکر بن ابی قحاذہ کا قبولِ اسلام بھی کچھ کم اہم نہ تھا، اس لئے کہ ان کی دانش مندی، فہم و فراست، عالی ہمتی اور اعتدال و میانہ روی کی وجہ سے قریش میں ان کو ایک خاص درجہ حاصل تھا، انھوں نے اسلام کا اعلان و اظہار بھی کیا، وہ بڑی محبوب و دلکش شخصیت اور سادہ طبیعت کے مالک تھے، قریش کے انسابِ بلیغ سے واقف تھے اور ایک بااخلاق و کامیاب تاجر بھی، چنانچہ اپنے اعتماد کے لوگوں، جاننے پہچاننے والوں اور اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں انھوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کی، سن رسیدہ و بالغ مردوں میں وہ پہلے مسلمان تھے۔

شرفائے قریش کا قبولِ اسلام

ان کی تبلیغ و دعوت سے قریش کے بہت سے نامی گرامی سردار اسلام لائے، جن میں عثمان بن عفان، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، قابل ذکر ہیں، حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کو رسولِ شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔

ان کے بعد ہی قریش کے اور بہت سے لوگ جن میں سے متعدد بڑی عزت و مرتبے کے مالک تھے، اسلام لائے، ان میں چند کے نام یہ ہیں، ابوجلیدہ بن ابی جراح، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، عبیدہ بن احارث، ابن عبدالمطلب،

سید بن زید، جناب بن الارت، عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، شہیدؓ وغیرہ
رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس کے بعد لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا پوری پوری
جماعتیں اور فوج اسلام لاتے اور ان میں عورت و مرد دونوں ہوتے یہاں تک کہ
اسلام کا آوازہ مکہ کی فضا سے آسانی میں بلند ہوا اور جگہ جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔

کوہ صفا پر پہلا اعلانِ حق

ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے اس کام کو چھپا کر
کرتے رہے اور تین سال اس حال میں گذر گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو
اس کے برلا اظہار و اعلان کا حکم ہوا، اور ارشاد ہوا۔

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ

عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝

(سورۃ حج - ۹۳)

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

وَاقْضِ بَيْنَهُمْ لِحَوْنِ اللَّهِ ۚ وَأَطِيعْ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (سورۃ شعراء - ۱۱۲)

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ

(سورۃ حج - ۸۹)

والا ہوں۔

اس حکم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں یہ صدا لگائی "یا صلباحا" یہ نعرہ عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا، اور اس وقت لگایا جاتا تھا، جب کسی دشمن یا غنیم کے حملہ کا فوری خطرہ ہوتا یا صلباحا، کا نعرہ سنتا تھا کہ قریش کا سارا قبیلہ وہاں جمع ہو گیا جو کسی وجہ سے نہیں آسکا اس نے اپنا تازہ بھینجا، اس وقت آپ ان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:-

"اے نبی عبدالمطلب! اے نبی فہر! اے نبی کعب! اگر میں تم کو یہ اطلاع

دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا

ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟"

عرب حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے، انہوں نے ایک شخص میں سچائی، امانت و نیت

اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ کیا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص (جس کے متعلق اب تک

ان کی یادیں رہی ہے) پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے اور پہاڑ کی دوسری طرف بھی اس کی

نظر ہے، وہ صرف اپنے سامنے کی چیز دیکھ لے ہے، تو ان کی ذہانت انصاف پسندی اور

اس امین و صادق مخبر کی اطلاع و خبر نے ان کی رہنمائی کی اور ان سب نے کہا کہ ہاں

ہم یقین کریں گے۔

دعوت و تربیت کا حکیمانہ انداز

جب یہ فطری اور ابتدائی مرحلہ طے ہوا اور سننے والوں کے اعتماد و یقین کا علم

ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **فَاتِي تَذَانُوهُ لَكُمْ مَبِينٌ يَدْعُو**

عَذَابٍ شَدِيدٍ "تو یہ سمجھو کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈرانے اور آگاہ کرنے

آیا ہوں جو بالکل تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے۔

یہ دراصل منصب نبوت کی صحیح تعریف اور نشان دہی تھی اور علیٰ حقائق اور وہی علوم میں نبوت کو جو خصوصیت و انفرادیت حاصل ہے اس کی بڑی حکمت و بلاغت کے ساتھ ترجمانی، جس کی نظیر ہم کو مذاہب اور نبوت کی تاریخ میں نہیں ملتی، واقعہ یہ ہے کہ اس سے مختصر و آسان راستہ SHORT CUT اور اس سے زیادہ قابل فہم اور واضح پیرائے بیان کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سنتے ہی مجھ پر ایک خاموشی چھا گئی، لیکن ابوہریرےؓ نے کہا اسے دن تھکائے لے خرابی ہو، کیا صرف یہی کہنے کے لئے تم نے نہیں بلایا تھا؟

اس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بے نظیر پیغامِ حکمت کے ساتھ ان کو اس حقیقت پر متنبہ کیا کہ سب سے خطرناک دشمن خود ان کے اندر چھپا ہوا اور ان کے گھروں میں بیٹھا ہوا ہے، حقیقتاً اس سے ڈرنے اور اس کے گزند سے بچنے کی ضرورت ہے، کسی پہاڑ کی کمین گاہ یا کسی دیوار کی اوٹ میں بیٹھنے والے اور مناسب وقت پر چھاپے مارنے والے دشمن کی جانی و مالی تاخت اور جو نقصان وہ پہنچا سکتا ہے اس کی اس تباہ کن و خونخوار دشمن کے سامنے کیا حقیقت ہے جو ان کے اندرون میں موجود ہے؟ اس کائنات کے خالق و حاکم اور اپنے محسن و منعم کی ذات و صفات، حقوق و فرائض اور اس کے اسمائے حسنیٰ سے غفلت، کھلی

لے یہ واقعہ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۵-۲۵۶ میں امام احمد بن حنبل کی روایت سے نقل کیا گیا ہے جنھوں نے

ابن عباس سے اس کی روایت کی ہے ابن کثیر کہتے ہیں کہ شیخین (امام بخاری، امام مسلم) نے بھی اسی مفہوم کی روایت اعمش سے کی ہے۔

شکر و بہت پرستی، اندھا دھند نفس اور خواہشات کی غلامی، اوہام و خرافات کی پیروی، حدود الہیہ سے تجاوز اور ممنوعات و محرمات، ظلم و سفاکی، قطع رحمی و نا انصافی میں سرسے پاؤں تک ڈوبے رہنا، کسی گھات لگانے والے لشکر اور چھاپہ مار دستہ سے زیادہ نقصان رساں اور خطرناک ہے، جس کے اندیشہ سے ان کی نیند اڑ جاتی ہے، اور اس کی اطلاع کی ایک آواز پر وہ دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں۔

دشمنی و ایذا رسانی کا آغاز اور ابوطالب کی مدافعت و شفقت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا بر ملا اور بلا خوف و خطر اعلان کرنا شروع کیا تو اس وقت تک آپ کی قوم نے اس کی زیادہ پروا نہیں کی اور ان کی زیادہ خطرہ محسوس نہیں ہوا، اور انھوں نے اس کے رد اور جواب کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن جب آپ نے ان کے معبودوں کی مذمت کرنی شروع کی تو یہ بات ان کو بہت بُری لگی اور وہ سب آپ کی مخالفت پر کمر بستہ اور متحد ہو گئے۔

اس موقع پر آپ کے چچا ابوطالب آپ کی مدافعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپ کے ساتھ بہت شفقت و نرمی کا معاملہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس اعلانِ حق اور تبلیغ و دعوت میں جان و دل سے مشغول ہو گئے، اور آپ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے، دوسری طرف ابوطالب آپ کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور آپ کی ہر طرح حفاظت کرتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کا مکالمہ

اب قریش میں ہر طرف اور ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ ایک دوسرے کو آپ کی مخالفت اور دشمنی پر آمادہ کرتے اور اس کے لئے فضائیاں کرتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ سب لوگ ایک پورا وفد بنا کر ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ:-

”اے ابوطالب آپ سن ریوہ بزرگ ہیں اور ہماری نگاہ میں آپ کی خاص قدر و منزلت ہے ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو منح کر دیں لیکن آپ نے اس سلسلہ میں کچھ نہ کیا، اب خدا کی قسم ہم اس سے زیادہ صبر نہ کریں گے جتنا صبر کا ثبوت ہم نے اب تک دیا ہے، اب ہم اپنے آباء و اجداد کی مذمت اور ہمیں نا سمجھ و بے وقوف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو عیب لگانے کی کوشش زیادہ برداشت نہیں کر سکتے، یا تو آپ ان کو اس حرکت سے باز رکھیں یا پھر ہم ان سے اور آپ سے سمجھ لیں گے یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایک فریق ختم ہو جائے۔“

ابوطالب پر اپنی قوم کی جدائی اور دشمنی بھی شاق تھی، اور وہ اس پر بھی راضی نہ تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ہاتھ اٹھالیں اور ان کو قوم کے حوالہ کر دیں، انھوں نے آپ کو بلا بھیجا اور کہا کہ:-

”میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے، اور ایسا ایسا

کہہ رہے تھے، ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر
انتسابو جھنڈا اوجس کو میں اٹھانہ سکوں۔“

اگر میرے دلہنے ہاتھ میں وہ سورج رکھ دیں اور بایں ہاتھ میں چاند
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر خیال ہو کہ شاید ابوطالب اب ان کے
معاملہ میں متردد ہیں اور اب آپ کی زیادہ حمایت و پشت پناہی نہ کر سکیں گے،
آپ نے فرمایا کہ :-

”چچا! خدا کی قسم اگر وہ میرے دلہنے ہاتھ میں سورج اور بایں ہاتھ میں
چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوٹ دوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں، تب بھی میں اس
بازنہ آؤں گا۔“

یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو گئے اور آپ رو دیئے،
اس کے بعد آپ اٹھے اور تشریف لے جانے لگے، آپ کو اس طرح جانا دیکھ کر ابوطالب نے
آپ کو آواز دی اور کہا کہ میرے بھتیجے! آؤ، آپ سامنے تشریف لائے، انھوں نے کہا
جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے ہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو، خدا کی قسم میں تم کو کبھی کسی
کے حوالہ نہ کروں گا۔^۱

قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کا کام پورے زور شور سے

شروع کر دیا، جب قریش آپ سے اور آپ کے چچا ابوطالب سے مایوس ہو گئے تو ان کا سارا غصہ ان کے قبیلہ کے ان افراد پر اترنے لگا جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور ان کا کوئی حمایتی نہ تھا۔

ہر قبیلہ اپنے قبیلہ کے ان اشخاص پر ٹوٹ پڑا جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کو قید و زد و کوب، بھوک، پیاس اور مکہ کی سخت گرمی اور ٹھنڈا پینے والی تیش کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اسلام لایا، چکے تھے ان کے آقا امیہؓ ٹھیک پتی ہوئی دوپہر میں باہر لاتے پیٹھ کے بل لٹاتے پھر حکم دیتے کہ ایک بہت بڑا پتھر لا کر ان کے سینہ پر رکھا جائے، پھر کہتے کہ نہیں! خدا کی قسم نہیں، تم کو اس وقت تک اسی حال میں رکھا جائے گا جب تک تمہارا دم نہ نکل جائے یا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکا کر دو اور لات و عنبر کی پرستش کرنے لگو، لیکن وہ اس سخت ابتلاء و آزمائش میں بھی اعلان توحید سے باز نہ آتے اور کہتے "احد احد" وہ ایک ہے، وہ ایک ہے۔

اس حالت میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس گزریے اور امیہؓ کو ایک زیادہ مضبوط ٹولنا اور سیاہ فام غلام دے کر حضرت بلالؓ کو آزاد کرادیا۔ بنی مخزوم عثمان بن یاسر اور ان کے والد اور والدہ (اس لئے کہ یہ اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو چکے تھے) کو باہر لاتے اور ان کو مکہ کی سخت گرمی اور تیش میں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچاتے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درہر گزر ہوتا تو فرماتے، آل یاسر ذرا صبر! تمہاری منزل جنت ہے، ان کی والدہ کو مشرکین نے اس وقت

شہید بھی کر دیا، اس حالت میں کہ وہ اسلام کے سوا ہر چیز کا انکار کر رہی تھیں۔
 مصعب بن عمیر مکہ کے بہت خوش پوشاک نوجوان تھے، اور ناز و نعم میں پلے
 تھے، وہ اپنے والدین کے بڑے لاڈلے تھے، ان کی والدہ صاحبہ ثروت تھیں اور ان کو
 لچھے سے اچھا لباس پہناتی تھیں، خوشبوؤں کے استعمال میں بھی اہل مکہ میں ان سے
 بڑھ کر کوئی نہ تھا، حضرمی ہونے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کے استعمال میں بہتے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے، میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے
 زیادہ خوش وضع و خوب رو، جامہ زیب اور ان سے زیادہ ناز پروردہ کسی اور کو نہیں دیکھا
 مصعب بن عمیر کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں دعوت
 اسلام دیتے ہیں تو وہ بھی وہاں پہنچے، اسلام قبول کیا، اور آپ کی تصدیق کی، وہاں
 سے نکل کر یہ بات اپنی والدہ اور اپنی قوم کے ڈر سے ظاہر نہیں کی اور چھپ چھپ کر
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے رہے، عثمان بن طلحہ نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے
 دیکھ لیا، اور ان کی والدہ اور ان کے قبیلہ والوں کو خبر کر دی، وہ ان کو پکڑ لے گئے اور
 قید کر دیا، اور جب تک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نہ ہوئی وہ جیل ہی میں رہے، اس پہلے
 قافلہ کے ساتھ انھوں نے ہجرت کی، پھر مسلمانوں کے ساتھ اس شان سے واپس آئے کہ
 ان کی حالت کیسے تبدیل ہو چکی تھی، اور نرمی اور مرقہ الحالی کی جگہ کھردرا پن پیدا ہو گیا تھا
 ان کی والدہ بھی اس تغیر حال کو دیکھ کر ان کو لعنت و ملامت کرنے سے باز رہیں۔

بعض مسلمانوں نے مشرکین کی پناہ بھی لی تھی، یہ مشرکین قریش کے بااثر و ذی وجہت
 سردار تھے، اور ان کی پوری حفاظت کرتے تھے، عثمان بن مظعون نے ولید بن المغیرہ کی

پناہ ملی تھی لیکن ان کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور انھوں نے ان کی حمایت کی ذمہ داری ان کو واپس کر دی، انھوں نے کہا کہ مجھے اس کی خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں غیر اللہ کی پناہ نہ لوں، ان سے اور کسی مشرک سے کچھ بات ہوئی اس پر اس مشرک کو غصہ آگیا اور اس نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ جاتی رہی، ولید بن المغیرہ قریب ہی بیٹھ کر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم میرے بھتیجے تمھاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، اور تم ایک مضبوط پناہ میں تھے (تم نے خواہ مخواہ اس مصیبت کو دعوت دی) حضرت عثمان بن مظعون نے جواب دیا کہ واللہ میری اچھی آنکھ بھی یہ تنہا کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ وہی حادثہ پیش آئے، اور اے عبد شمس! میں تو اس کے جو ار اور اس کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت اور با اقتدار ہے۔

جب حضرت عثمان بن عفان اسلام لائے تو ان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے خوب مضبوطی سے باندھ دیا، اور اس کے بعد کہا کہ کیا تم اپنے آباؤ و اجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کر رہے ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک تم اپنے اس دین کو نہ چھوڑ دو گے، حضرت عثمان نے کہا کہ واللہ میں اس کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا جب حکم نے اپنے دین پر ان کی یہ مضبوطی اور یقین دیکھا تو ان کو رہا کر دیا۔ جناب بن اللات نے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش کے لوگ مجھے پکڑ کر لے گئے، آگ جلائی، اور اس میں مجھے کھسیٹ کر ڈال دیا، پھر ایک شخص نے میرے سینہ پر اپنا پیرا اس طرح رکھ دیا کہ میری پٹھیز میں سے بالکل لگ گئی۔

پھر انھوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی تو معلوم ہوا کہ ساری پیٹھ پر بوس کے داغ پڑ گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی دشمنی اور ایذا رسانی کی مختلف کوششیں

جب ان نوجوانوں اور فرزندوں نے اسلام کو اسلام سے پھیرنے کی یہ کوششیں جو قریش کی طرف سے ہو رہی تھیں، ناکام ہوتی نظر آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کوئی نرمی پیدا نہ ہوئی، تو یہ بات اسلام کے دشمنوں پر بہت گراں گزری، انھوں نے کچھ بے وقوفوں اور اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں، آپ پر جادو گری اور شاعری، کہانت اور جنون کے الزامات لگائے اور آپ کی ایذا رسانی کے لئے نئے نئے طریقے استعمال کئے اور ہر قسم کے حربے آزمائے۔

ایک دن سرداران مکہ بھڑے میں جمع تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور طواف کرتے ہوئے ان کے قریبے گزے انھوں نے کچھ فقہہ بازی کی اور آپ پر طنز کیا، تین مرتبہ جب آپ ان کے قریبے گزے انھوں نے اسی طرح آپ کا مذاق اڑایا، آخر میں آپ رک گئے اور فرمایا کہ قریش کے لوگو! کیا تم سننے ہو، قسم اس کی

۱۔ طعنات ابن سعد ج ۳ ص ۱۱۷۷ حجۃ عظیمہ اور دیوار کعبہ کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں اس کا نام حجۃ اسماعیل بھی ہے حجۃ عظیمہ اس حصہ کا نام ہے جو کمان نما دیوار اور کعبۃ اللہ کے درمیان ہے اس کے دونوں کنارے بیت اللہ کی شمالی و مغربی جہت سے ملتے ہیں، حجۃ عظیمہ کعبہ میں شامل تھا جب نبوت سے قبل ایک ایلاب میں کعبہ کی دیواریں منہدم ہو گئیں اور قریش نے نئے سرے سے اس کی تعمیر کی تو مای و خساریوں کی وجہ سے انھوں نے اس کو اتنا ہی رہنے دیا اور بقیہ حصہ کو ایک منڈیر یا محقر دیوار سے گھیر دیا جو کمان کی شکل کی ہے۔

جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمھارے لئے ہلاکت لے کر آیا ہوں؟ آپ کے ان الفاظ سے سب اس طرح خاموش ہوئے کہ معلوم ہو رہا تھا کہ کسی میں جان ہی نہیں ہے اس کے بعد انھوں نے آپ سے ملاحظت اور تعلق کی باتیں کرنی شروع کر دیں۔

دوسرے روز بھی یہی قصہ پیش آیا، وہ لوگ اس جگہ جمع تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ سب ایک ساتھ آپ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو گھیر لیا، ان میں سے ایک شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر اس طرح گھسیٹنی شروع کی کہ گلوئے مبارک کو اذیت پہنچا یہ دیکھتے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ کے اور اس شخص کے پیچ میں گئے، اور رُوڑو کر یہ کہنے لگے "اتقتلون رجلاً ان يقول ربی اللہ" کیا تم ایک شخص کو محض اتنی بات پر جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اس پر انھوں نے آپ کو تو بھوڑ دیا لیکن حضرت ابو بکرؓ اس حالت میں گھر واپس ہوئے کہ ان کا سر کھل گیا تھا ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچتے ہوئے اُن کو باہر لے جایا گیا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو آپ کو دن بھر سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، کوئی ایسا شخص (آزاد یا غلام) نہ ملا جس نے آپ کی تکذیب نہ کی ہو اور آپ کو کسی نہ کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی ہو، جب آپ اپنے گھر پر تشریف لائے تو تکلیف کے اثر سے آپ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے، اس وقت سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اور آپ کو "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" کہہ کر خطاب کیا گیا۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۸۹-۲۹۱ امام بخاری نے بھی یہ واقعہ

مختصر بیان کیا ہے۔ باب ما لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من

المشركين بمكة۔

حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کفار قریش کا معاملہ

ایک دن حضرت ابوبکرؓ ایک مجمع میں تبلیغ کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت دینی شریع کی، تو مشرکین غیظ و غضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ زد و کوب کیا، عقبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مازنارہا کہ بعد میں ان کے چہرہ کے خدو خال پہچانے نہ جاتے تھے۔

بنو تمیم حضرت ابوبکرؓ کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کا ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ انھوں نے اس پر ان کو بُرا بھلا کہا کہ اس حال میں بھی ان کو اپنے سے زیادہ اُن کی فکر ہے جن کی وجہ سے یہ ساری پریشانی اٹھانی پڑی، اسی وقت ام جمیل جو اسلام لاپچکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انھوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں دریافت کیا، انھوں نے کہا آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں بن لیس گی، انھوں نے کہا کہ اُن کے سامنے کوئی حرج نہیں، ام جمیل نے بتایا کہ آپ بخیر اور صحیح سالم ہیں، انھوں نے کہا میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں لیکن وہ دونوں رگ گئیں، جب لوگوں کی آمد و رفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو سہارا دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضورؐ پر یہ بہت اثر پڑا، آپ نے اُن کی والدہ کے لئے بہت دعا کی، اور ان کو اسلام لانے پر

آمادہ کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنے میں قریش کا تردد و پریشانی

قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں بہت پریشان تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آپ کی کیا ایسی بات بیان کریں جس سے لوگ آپ سے بدگمان ہو جائیں اور آپ کے پاس آنے سے باز آئیں وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ان قافلوں کو جو دور و قریب آتے تھے اور آپ کا پیغام سنتے تھے آپ سے دور رکھا جائے، وہ سب مل کر ولید بن المغیرہ کے پاس (جو ان سب میں زیادہ متمدن تھا، اور حج کا موسم بھی اچکا تھا) پہنچے اور ان سے مشورہ چاہا انھوں نے کہا کہ اے جماعت قریش! حج کا زمانہ آچکا ہے، اس موسم میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے، اور ان سب کے کان میں یہ بات پڑ چکی ہے، اس لئے ان صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں کوئی ایسی متفقہ بات اور کوئی ایسا صیغہ طے کرو جس سے ایک دوسرے کی تکذیب نہ ہو، اور سب ایک ہی بات کہیں بہت دیر تک اس مسئلہ میں غور و خوض ہوتا رہا، اور مختلف تجویزیں سامنے آئیں لیکن ولید کو کسی بات پر اطمینان نہ ہوا، اور اس نے ان کی ساری تجویزوں کو ناقص ٹھہرایا، اب انھوں نے خود اس کی رائے پوچھی، اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں تو سب سے زیادہ دل لگنے والی بات یہ ہوگی کہ سب مل کر یہ کہو، وہ جادو گر ہے، جادو کرنے آیا ہے، وہ اپنے جادو سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، میاں بیوی اور خاندان والوں میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔

یہ پیغام لے کر وہ وہاں سے واپس ہوئے، جب موسم حج کا آغاز ہوا، اور قافلوں کی

آدم شروع ہوئی تو یہ سب مختلف گزر گاہوں اور عام شاہراہوں پر بیٹھ گئے جو بوجی گدڑیاں
وہ اسے آپ کے پاس جانے سے روکتے اور یہ سب باتیں جو طے کی گئی تھیں دہرانے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں قریش کی سنگدلی بڑی رحمی
قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں سنگدلی بڑی رحمی کی انتہا کر دی
مختلف طریقوں سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں نہ قرابت اور رشتہ کا پاس کیا،
نہ انسانیت کا لحاظ۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سرسجود تھے اور آپ کے قریب
قریش کے لوگ بیٹھ ہوئے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط کہیں سے لونٹ کی لیک زنی اور جھڑی
لایا اور آپ کی پیٹھ پر پھینک یا آپ اسی طرح سجدہ میں پڑے رہے یہاں تک کہ صاحبزادے
فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور اس کو آپ کی پیٹھ سے ہٹایا اور جس نے یہ حرکت
کی تھی اس کے لئے بددعا کی آپ نے بھی ان لوگوں کے لئے بددعا کی۔

حضرت حمزہ کا قبول اسلام

ایک دن ابوہل صفا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گزرا اور
آپ کو بہت برا بھلا کہا اور ذہنیت پہنچائی آپ نے اس کوئی جواب نہیں دیا تو وہ چلا گیا اٹھو ہی ہو
میں حضرت حمزہ تیر کرمان لگائے ہوئے ایک شکار سے واپس آئے یہ قریش کے سب بہاؤ
اور حوصلہ مند جوان سمجھے جاتے تھے ان کو عبدالشرین جدعان کی باندی نے سب ماجرا

لہ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۷۰ باختصار لکھ بخاری باب ذکر ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
واصحابہ من المشرکین بمکة

بتایا، وہ غصّہ میں سی وقت مسجد حرام میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ابوہریر اپنے آدمیوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے، وہ اس کے قریب گئے اور بالکل سر کے اوپر کھڑے ہو کر یہی کمان اس کے سر کے اوپر باری اور اس کو سخت زخمی کر دیا، اور کہا کہ تمہاری بیہجرات کہ تم ان کو بُرا بھلا کہو اور گالی دو حالانکہ میں ان ہی کے دین پر ہوں اور جو وہ کہتے ہیں وہی میں کہتا ہوں، ابوہریر خاموش رہا حضرت حمزہ اسلام لے آئے اور قریش کو ان کی شجاعت، رسوخ اور وجاہت کی وجہ سے اس بات سے سخت ضرب پہنچی۔

عقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامیوں اور ایمان لانے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے تو عقبہ بن ربیعہ نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے ذریعہ مفاہمت کی کوئی شکل پیدا کی جائے، اس نے قریش سے اجازت چاہی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر کچھ پیش کش اور تجویزیں ان کے سامنے رکھنا چاہتا ہے، ممکن ہے وہ اس کو قبول کر کے اپنی دعوت تبلیغ سے باز آجائیں، قریش نے اس کو اجازت دیدی اور اپنا نامینہ بھی قرار دیا۔

عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ میرے بھتیجے ہمارے دربار میں جس حیثیت کے مالک ہو اس کا تمہیں علم ہے، تم نے ایک بڑے جھگڑے کی بات اپنی قوم میں کھڑی کر دی ہے، تم نے ان کے شیرازہ کو

منتشر کیا، ان کو بے وقوف و جاہل ٹھہرایا، ان کے مجودوں اور ان کے مذہب کو عیب لگایا، ان کے اسلاف اور آباء و اجداد کے طریقہ کا انکار کیا، اب میں کچھ باتیں تمھارے سامنے رکھتا ہوں، ممکن ہے اس میں سے کوئی بات تمھارے لئے قابل قبول ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوالولید" کہو، میں سن رہا ہوں!

اس نے کہا کہ میرے بھتیجے جو طریقہ و دین تم لائے ہو اگر اس سے تمھارا مطلب

و مقصود مال و دولت ہے تو ہم یہ مال و دولت تمھارے لئے اتنا اکٹھا کر دیں گے کہ تم ہم میں

سب سے زیادہ مال دار ہو جاؤ گے اگر عزت اور ناموری چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار

تسلیم کر لیں گے اور کوئی فیصلہ تمھاری مرضی کے بغیر نہیں کریں گے اگر بادشاہت چاہتے

ہو تو ہم تم کو بادشاہ بنا لیں گے، اگر آسیب اور جن وغیرہ کے اثر سے یہ بات ہے

جس کا دقتیہ تمھارے پاس نہیں ہے تو اس کے لئے ہم معالجین فراہم کر سکتے ہیں اور

اس پر پوری فیاضی سے اپنا مال خرچ کر سکتے ہیں یہاں تک کہ تم کو اس سے شفاء

کامل حاصل ہو جائے۔

جب غنہ سب کہہ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا جو کچھ کہنا

تمھانم کہہ چکے؟ اس نے کہا۔ ہاں!

آپ نے فرمایا، اب مجھ سے سنو!!

اس کے بعد آپ نے سورہ فضلت کی کچھ آیتیں سجدہ تک اس کے سامنے تلاوت

کیں غنہ کے کان میں جب یہ کلام پڑا تو اس نے خاموشی کے ساتھ اس کو سننا شروع

کیا، اس نے دونوں ہاتھ پشت کی طرف ٹیک لئے تھے اور کان کلامِ ربّانی سننے میں محو

تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ تک پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا

اور ارشاد ہوا، ابوالولید تمہیں جو کچھ سننا تھا سن لیا، اب جیسا تم سمجھو!
 غتبہ جب لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں آگیا تو لوگوں کی صورت دیکھ کر کہنے لگے،
 ہم تم کو کھا کے کہنے ہیں کہ ابوالولید جس پہرے کے ساتھ گئے تھے، یہ چہرہ اس سے بدلا ہوا ہے
 جب وہ بیٹھا تو لوگوں نے فوراً پوچھا، ابوالولید کیا خبر لائے؟ کہنے لگا، خبر یہ ہے کہ میں نے
 ایک ایسا کلام سنا ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا، خدا کی قسم، اے قریشیو!
 نہ وہ شعر ہے، نہ وہ سحر ہے، نہ کہانت اور علم نجوم ہے، میری بات مانو اور اس شخص کو
 اس کے حال پر چھوڑ دو اس پر انھوں نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا، انھوں نے کہا کہ
 واللہ اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا۔

اس نے کہا، میری رائے یہی ہے، اب جو تمہارا جی چاہے کرو۔

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب بے رزقہ کو
 سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور آپ ان کی حفاظت و مدافعت پر
 قادر نہیں ہیں، تو آپ نے ان سے فرمایا، اگر تم لوگ حبشہ کی طرف نکل جاؤ تو اچھا ہے،
 وہاں کا جو بادشاہ ہے اس کی وجہ سے کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، وہ ایک اچھا ملک ہے
 یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نجات و کشادگی کا کوئی سامان پیدا کر دے۔

اس موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ اسلام
 میں پہلی ہجرت تھی، یہ دس آدمی تھے اور انھوں نے اپنا امیر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

کو مفر کیا تھا، اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ نے ہجرت کی، پھر بہت مسلمان یکے بعد دیگرے وہاں پہنچے، ان میں سے کچھ لوگ تنہا تھے، اور کچھ اہل دیوان کے ساتھ تھے، ان لوگوں کی جنھوں نے حبشہ کی ہجرت کی کل تعداد تراسی بتائی گئی ہے۔

ہجرت حبشہ کا واحد محرک قریش کی ایذا رسانی سے نجات ہی نہ تھی، بلکہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر کو کم کرنا بھی تھا۔

مہاجرین کی فہرست کے جائزہ سے اس کے دائرہ کی وسعت و تنوع کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معاشرہ کے تمام طبقات کی نمائندگی ہے، امیر و فقیر بھی نظر آتے ہیں، بوڑھے اور جوان بھی، مرد بھی اور عورتیں بھی، اور ان کی اکثریت کا تعلق مکہ کے قدیم خاندانوں سے تھا، جس سے دعوت اسلامی کی زبردست تاثیر اور اس کی قوت و وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

قریش کا تعاقب

قریش نے یہ دیکھا کہ مسلمان وہاں پہنچ گئے ہیں، اور آرام و سکون سے ہیں تو انھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمر بن العاص بن وائل کو وہاں بھیجا، اور ان کے ساتھ نجاشی اور اس کے جنگ جو سرداروں اور پے سالاروں کے لئے بہت سے تحائف اور ہدایا بھیجے، جو مکہ کی خاص سوغات سمجھے جاتے تھے، یہ دونوں نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، اس کے پے سالاروں اور سرداروں کو طرح طرح کے تحفے دے کر وہ پہلے ہی ہموار کر چکے تھے، بادشاہ کے دربار میں دونوں نمایندوں نے اپنی گفتگو

اس طرح شروع کی :-

”بادشاہ معظم کے ملک میں بہا لے یہاں کے کچھ بے وقوف لڑکوں نے آکر پناہ لی ہے، جنھوں نے اپنا دین بھی چھوڑا ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس کو نہ ہم جانتے پہچانتے ہیں نہ آپ ہمیں آپکے پاس ان کی قوم کے کچھ سربراہ اور وہ و ذمہ دار لوگوں نے (جو ان کے باپ، چچا اور قریبی عزیز ہوتے ہیں) بھیجا ہے تاکہ آپ ان لڑکوں کو واپس کر دیں اس لئے کہ یہ ان کے معاملات سے زیادہ واقف اور ان سے زیادہ قریب ہیں۔“

جو سردار بادشاہ کے گرد و پیش تھے یک زبان ہو کر بولے ”یہ دونوں بالکل صحیح کہہ رہے ہیں آپ ان کو ان کے سپرد کر دیں“ نجاشی کو اس بات پر بہت غصہ آیا، اور اس نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور یہ پسند نہیں کیا کہ جو اس کی پناہ لینے آئے اس کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے اس نے اس پر قسم کھائی، اور مسلمانوں کو بلایا اور اپنے پادریوں کو جمع کیا، اور مسلمانوں کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا، وہ دین کیا ہے جس کے لئے تم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے، اور اس کو ترک کرنے کے بعد نہ میرے دین کو قبول کیا، اور نہ کسی اور معروف دین و مذہب کو اختیار کیا ہے؟

جاہلیت کی تصویر کشی اور اسلام کا تعارف جعفر بن ابی طالبؓ کی زبان سے

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالبؓ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حسب ذیل تقریر کی :-

اے بادشاہ، ہم ایک جاہلیت والی قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، ہزار
 کھاتے تھے، فہریم کی بے حیائیوں اور گناہوں میں آلودہ تھے، ہم میں جو طاقتور
 ہونا وہ کمزور کو پھاڑ کھاتا، ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک
 ایک رسول بھیجا، جس کے خاندان و نسب حسب اور جس کی سچائی،
 امانت داری، اور عفت و پاک بازی سے ہم پہلے سے واقف تھے،
 انھوں نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ پر ایمان لائیں اور
 اسی کی عبادت کریں، اور ہم اور ہمارے باپ دادا جن بتوں اور پتھروں
 کو پوجتے تھے، اس کو بالکل چھوڑ دیں اور ان سے قطع تعلق کر لیں،
 انھوں نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داری کا خیال کرنے،
 پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، ناجائز و حرام باتوں اور ناجائز خون سے
 پرہیز کرنے کا حکم دیا، بے حیائی کے کاموں، بھوٹ فریب، نسیم کا مال کھانے،
 پاک امن و پاک باز عورتوں پر الزام لگانے سے منع فرمایا، انھوں نے ہم کو
 حکم دیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی
 شے کو شریک نہ ٹھہرائیں، انھوں نے ہمیں نماز، زکوٰۃ، روزہ کا حکم
 دیا (اس موقع پر انھوں نے اس طرح کے اور ارکان اسلام بیان کئے)
 ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، اور جو طریقہ اور تعلیم وہ اللہ
 کی طرف سے لائے ہیں اس کی پیروی کی، صرف ایک اللہ کی عبادت
 اختیار کی اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کیا، جو انھوں نے حرام کیا
 اس کو حرام مانا، جو انھوں نے حلال کیا، اس کو حلال تسلیم کیا، اس پر

ہماری قوم ہماری دشمنی پر کمر بستہ ہو گئی، انھوں نے ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ہم کو اس دین سے پھرنے کے لئے مختلف آزمائشوں میں ڈالا اور اس کی کوشش کی کہ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر ہم پھرتوں کی عبادت کو اختیار کر لیں، اور جن گناہوں اور جن جرائم کو پہلے جائز سمجھتے تھے پھر جائز اور حلال سمجھنے لگیں۔

جب انھوں نے ہمارے ساتھ بہت زور بردستی کی، ہم پر ظلم کیا، ہمارا جینا دو بچھ کر دیا اور ہمارے دین کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم آپ کے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے، اور اس کے لئے آپ ہی کا انتخاب کیا، آپ کے حمار اور پناہ کی خواہش کی، اے بادشاہ! ہم یہاں یہ امید لے کر آئے ہیں کہ ہم پر کوئی ظلم نہ کیا جاسکے گا۔

نجاشی نے یہ پوری تقریر سون و وقار سے سنی اور کہا کہ تمہارے نبی، اللہ کے پاس

جو کچھ لائے ہیں، اس کی کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟

حضرت جعفر نے کہا کہ ہے۔

نجاشی نے کہا کہ مجھے وہ پڑھ کر سناؤ۔

حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی رو پڑا، اور

اس کے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی، اس کے دربار کے پادریوں پر بھی گرے یہ

طاری ہو گیا، یہاں تک کہ ان کے (مذہبی) صحیفے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

حضرت جعفر کی حکمت و بلاغت

شاہ جہت کے سامنے حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر اور اسلام کی دعوت

اُن کی حکمت، موقعہ و محل کی رعایت اور نفسیاتِ انسانی کی واقفیت کا دل آویز نمونہ ہے، اس سے لفظی بلاغت سے کہیں زیادہ عقلی بلاغت کا اظہار ہوتا ہے جس کی ہدایتِ ربانی اور تائیدِ غیبی کے سوا کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، اسی کے ساتھ اس سے حضرت جعفر کی سلامتی طبع اور دورانِ پیشی کا بھی پتہ چلتا ہے جس میں جو ہاشم قریش پر اور قریش تمام عرب پر فائق تھے اس موقعہ پر حضرت جعفر نے اپنی تقریر کو عرب جاہلیت کی صورتِ حال پیش کرنے اور یہ بتانے تک محدود رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا، آپ نے اللہ کی طرف بلایا اور دینِ حق کی دعوت، مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی، جو لوگ اس پر ایمان لائے ان کی زندگیوں میں انقلابِ عظیم رونما ہوا، یہ صورتِ حال کی ایسی وضاحت و مصوری ہے جو ایک "آپ بیتی" کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کے بیان کرنے والے کی صداقت میں شبہ کی گنجائش نہیں، حکیمانہ دعوت و بیانِ حقیقت کا ایک ایسا اسلوب ہے جو پیش کرنے والے کے لئے نہ تو مشکلات و شبہات پیدا کرنے والا ہے نہ مخالفین و معترضین کو جرح کرنے اور سامعین کو مخالفت پر آمادہ کرنے کا موقعہ دینے والا ہے ایک امر واقعہ اور ایک معاشرہ کی سچی سرگزشت ہے جس میں ایک نبی کی دعوت و تعلیم نے قبول کرنے والوں کو انسانیت کی بہت ترین سطح سے اٹھا کر بلند ترین سطح پر پہنچا دیا جس کا جی چاہے اس کو جانچ لے اور اس انقلابِ حال کو آنکھوں سے دیکھ لے۔

وفد قریش کی ناکامی

نجاشی نے کہا کہ بلاشبہ یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ ؑ لائے تھے ایک ہی نور کی

کرنے میں، پھر وہ قریش کے دونوں قاصدوں کی طرف متوجہ ہوا، اور کہا، تم یہاں سے چلے جاؤ، خدا کی قسم میں ان کو تمہارے حوالہ کرنے والا نہیں۔

اس موقع پر عمرو بن العاص نے اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا، یہ ایک زہر میں بچھا ہوا تیر تھا۔ انھوں نے کہا کہ۔

بادشاہ سلامت! یہ لوگ حضرت مسیح کے باپے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو جن زبان سے نکالنا بھی مشکل ہے۔

نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ حضرت مسیح کے باپے میں کیا کہتے ہو؟

جعفر بن ابی طالب نے جواب دیا، ہم ان کے باپے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے، وہ اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں اور اس کی روح اور کلمہ میں جو اس نے کنواری پاکباز مریم پر انفک کیا، یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ تم نے بیان کیا، حضرت عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔

اس نے مسلمانوں کو بہت اعزاز و اکرام سے رخصت کیا، ان کو امان دی، قریش کے وہ دونوں قاصد ذیل و خوار ہو کر وہاں سے نکلے اور مسلمانوں نے بہت اچھے گھر اور اچھے پڑوس میں عزت کی جگہ پائی۔

مسلمانوں کا جذبہ احسان شناسی

اسی زمانہ میں نجاشی کے کسی دشمن نے اس پر حملہ کیا، جہاں جو مسلمانوں نے

لے سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۸ باختصار۔

اپنے باپے میں نجاشی کے قابل تعریف موقف اور اس کے احسان کے جواب میں اس کا ساتھ دیا جو اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے مطابق اور مسلمانوں کے اخلاق کے شایان شان تھا۔

حبشہ میں دین کی دعوت اور اسلام کا تعارف

حبشہ کی ہجرت ۶۱۰ء میں ہوئی تھی جہاں جعفر بن ابی طالب اپنے مہاجرین کے ساتھ ۱۰۰ تک لے گئے اور وہ غزوہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اس طرح وہ تقریباً پندرہ سال حبشہ میں رہے جو ایک طویل مدت ہوتی ہے جس سے حضرت جعفر نے دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں ضرور فائدہ اٹھایا ہوگا کہ وہ دوسرے نصرانی ممالک کے مقابل میں رواداری اور مظلوموں کے پناہ دینے میں خاص امتیاز رکھتا تھا، اور اس کا حاکم اپنے انصاف اور انسانیت کے لئے معروف تھا، مگر وہ زمانہ تفصیلی و تحریری وقائع نگاری کا نہیں تھا، اس لئے اس کے ثبوت میں اگرچہ ہمارے سامنے تاریخی و دستاویزی حقائق تو نہیں ہیں لیکن یہ بات ہر طرح قرین قیاس ہے کہ انھوں نے اس طویل قیام سے (جس سے کوئی اور فائدہ اٹھانا مقصود نہ تھا) دین کی دعوت اور اسلام کے تعارف میں پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

پھر اللہ تعالیٰ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے ذریعہ اسلام

اور مسلمانوں کی نصرت و حمایت کا غیبی سامان کیا، حضرت عمرؓ قبیلہ قریش کے ایک معزز شخص تھے، وہ بہت با مہربان اور جلال اور طاقت و شخصیت کے مالک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں، آپ اس کے لئے دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔

ان کے اسام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ان کی بہن فاطمہ بنت الخطابؓ اسلام لایا چکی تھیں اور ان کے بعد ان کے شوہر سعید بن زید بھی مشرق بہ اسلام ہو چکے تھے، لیکن دونوں نے اپنے قبول اسلام کو حضرت عمرؓ کے رعب و دیدہ نیز اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی سخت گیری کی وجہ سے اب تک ظاہر نہیں کیا تھا، جناب بن اللاتؓ فاطمہ کو قرآن پڑھاتے تھے۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ تلوار لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی تلاش میں نکلے، ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ یہ سب حضرات اس وقت صفا کے قریب کسی گھر میں جمع ہیں، راستہ میں ان کو نعیم بن عبد اللہؓ نے جو ان ہی کے قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، اور اسلام لایا چکے تھے، انھوں نے پوچھا، عمر کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، جس نے بے دینی اختیار کی، قریش کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، ان کو جاہل و بے وقوف قرار دیا، ان کے دین کو عیب لگا یا، عبودوں کو گالیاں دیں، آج ان کا قصہ ہی تمام کر دینا ہے۔

نعیم نے کہا، عمر انم کس دھوکہ میں پڑے ہو، اپنے گھروالوں کی خبر لو، اور پہلان کٹھنیکو، حضرت عمرؓ نے پوچھا، میرے گھر میں کون؟

انہوں نے جواب دیا، تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی سعید بن زید تمہاری بہن فاطمہؑ یہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر چکے ہیں، پہلے ان کو دیکھ لو۔

حضرت عمرؓ لٹے پاؤں اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف چل دیئے، اس وقت ان کے پاس جناب بن الارثؓ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ایک صحیفہ تھا جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی، اور وہ ان کو یہ سورہ پڑھا رہے تھے، جب ان کو حضرت عمرؓ کی آہٹ محسوس ہوئی تو جناب گھر کے ایک اندرونی کمرہ میں چھپ گئے، فاطمہ نے یہ صحیفہ جلدی سے ران کے نیچے دبایا، لیکن حضرت عمرؓ نے جناب بن الارثؓ کی تلاوت و قراءت سن لی تھی، جب اندر داخل ہوئے تو پوچھا کہ یہ کیا کھسر بھسر ہو رہی تھی؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے کچھ سن لیا؟ انہوں نے کہا، ہاں سنا ہے، اور مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے، پھر وہ اپنے بہنوئی سعید بن زید کو مارنے دوڑے ان کی بہن فاطمہؑ ان کو بچانے کے لئے لپکیں تو انہوں نے ان کی بھی خبر لی اور زخمی کر دیا۔

جب یہ سب کچھ کر چکے تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا کہ ہاں بے شک ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایچکے ہیں، اب تم ہمارا جو چاہے کرو۔

جب عمرؓ نے اپنی بہن کے جسم پر خون کے دھبے دیکھے تو ان کا جوش ٹھنڈا ہوا اور ان کو اپنے اس فعل پر ندامت سی ہوئی، وہ رک گئے، اور کہنے لگے، مجھے وہ صحیفہ دو جو ابھی میں نے پڑھتے ہوئے تم دونوں کو سنا تھا، میں کیوں کہ محمدؐ کی

تعلیم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ پڑھے لکھے تھے، جب انھوں نے یہ کہا تو ان کی بہن بولیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ معلوم نہیں تم اس کے ساتھ کیا کرو، انھوں نے کہا تم ڈرو نہیں اطمینان رکھو، انھوں نے اپنے مجبوروں کی قسم کھا کر ان کو اس کا یقین دلایا، جب انھوں نے ایسی باتیں کہیں تو ان کی بہن کو یہ لالچ ہوئی کہ شاید عمرؓ اسلام لے آئیں، انھوں نے نرمی سے کہا، بھائی جان آپ شرک کی وجہ سے نجس و ناپاک ہیں، اور اس صحیفہ کو صرف پاک آدمی چھو سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، جا کر غسل کیا تب ان کی بہن نے یہ صحیفہ ان کے ہاتھ میں دیا، اس میں سورہ طہ درج تھی، تھوڑا ہی سا پڑھا تھا کہ حضرت عمر بول اٹھے کیا پاکیزہ اور لائق احترام کلام ہے؟

جب جنابؓ نے یہ سنا تو اپنے حجرہ سے نکل کر سامنے آگئے، اور کہنے لگے، اے عمرؓ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کی دعوت سے آپ کو ضرور سرفراز کرے گا، اس لئے کہ میں نے کل ہی حضورؐ کو یہ دعا کرتے سنا تھا، اے اللہ اسلام کی ابو احکم بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ مدد فرما، اے عمرؓ اب تو تم کو کچھ اللہ کا خوف اور شرم و حیا ظاہر آنا چاہئے۔

اس وقت عمرؓ نے کہا، جناب! مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو، میں ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں، جنابؓ نے کہا کہ وہ صفا کے پاس ایک گھر میں ہیں، آپ کے ساتھ اور کئی ہمراہی ہیں، حضرت عمرؓ نے تلوار حائل کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، اور دروازہ پر دستک دی، جب انھوں نے ان کی آواز سنی تو ایک صحابیؓ نے کھڑے ہو کر اور پہلے دروازہ کی دراز سے جھانک کر اطمینان

کرنا چاہا، دیکھا کہ وہ تلوار لگا کر آئے ہیں وہ گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! عمر بن الخطاب ہیں اور تلوار لگا کر آئے ہیں حضرت حمزہؓ بولے آئے دو اگر وہ نیک ارادے سے آرہے ہیں تو بسم اللہ اور نہیں تو ہم ان ہی کی تلوار سے ان کا کام تمام کر دیں گے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت دے دو، چنانچہ انی صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر آئے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر حجرہ میں ان سے ملے اور ان کا دامن یا گریبان مضبوطی سے پکڑ کر کھینچا اور فرمایا ابن خطاب! یہاں کس ارادہ سے آئے ہو، خدا کی قسم مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ خاتمہ سے پہلے تمہیں کوئی سخت آفت یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضرت عمر نے کہا، یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور تعلیم ان کے ذریعہ بھیجی ہے اس کو قبول کرنے حاضر ہوا ہوں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کیا، اس تکبیر سے اس گھر میں جتنے صحابہ کرام تشریف رکھتے تھے سب سمجھ گئے، کہ عمر مسلمان ہو گئے!

حضرت عمر کے اسلام لانے سے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی اور عزت نفس کا احساس پیدا ہوا، حضرت حمزہؓ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے وہ جانتے تھے کہ کفار قریش پر اس واقعہ کا کتنا سخت رد عمل ہوگا، اور مکہ کی زندگی میں اس کا

کیا اثر محسوس کیا جائے گا، اور ان کا یہ خیال کچھ خوش فہمی پر مبنی نہ تھا، اس لئے کہ مشرکین پر کسی شخص کا اسلام لانا انشا شاق نہیں گذرتا تھا، اور اس کو وہ اہمیت نہیں دی گئی تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کو دی گئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا کھل کر اعلان کیا، یہ بات قریش میں فورا پھیل گئی، وہ حضرت عمرؓ سے بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے، اور حضرت عمرؓ بھی پوری طرح مقابلہ پر آگئے، اور آخر کار مخالفین اور دشمنان اسلام شکستہ و نامراد ہو کر اور ہمت ہار کر بٹھیر رہے۔

قریش کی طرف سے بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ

اسلام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا تو قریش کو بڑی فکر ہوئی، انھوں نے ایک مشاورتی اجتماع کیا اور اس میں یہ بات طے کی گئی کہ ایسا معاہدہ تحریر کیا جائے جس کے ذریعہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو اس کا پابند کر دیا جائے کہ وہ کسی اور جگہ شادی نہیں کر سکتے، نہ دوسرے ان سے شادی کرنے کے مجاز ہوں گے، نہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت کریں گے نہ ان سے خریدیں گے، اجتماع کے بعد انھوں نے ان دفعات کو ایک تحریر کی شکل میں قلم بند کیا پھر سب نے ایک عہد نامہ اور میثاق کی حیثیت سے اس کو باضابطہ طور پر منظور اور واجب العمل قرار دیا، اور مزید توثیق کے لئے یہ معاہدہ کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔

شعب ابی طالب میں

جب قریش نے ایسا معاملہ کیا تو بنو ہاشم اور بنو المطلب ابوطالب کے ساتھ ہو گئے اور اس گھاٹی یا وادی میں ان کے ساتھ محصور ہو گئے، یہ سب بعد رجعت کا واقعہ ہے، بنو ہاشم میں سے ابولہب بن عبد المطلب اس میں شامل نہ تھا وہ قریش کا ہم نوا تھا، بنو ہاشم ایک عرصہ تک اسی طرح محصور رہے اس محاصرہ نے اتنا طول کھینچا کہ ببول کے پتے کھا کر گزارا کرنے کی نوبت آئی ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے تھے اور ان کے رونے کی آواز دو تک جاتی تھی، قریش تاجروں کو بھی ان کے خلاف بھڑکاتے تھے، چنانچہ ان تاجروں نے چیزوں کی قیمت اتنی زیادہ کر دی کہ وہ یہ سامان خرید ہی نہ سکیں۔

تین سال اس سخت حال میں گزرے، اس زمانہ میں خفیہ طریقہ سے کچھ ضرورتاً زندگی ان کے پاس پہنچ پاتی تھیں، قریش کے وہ لوگ جو ان کے ساتھ سلوک و صلہ رحمی کا معاملہ کرنا پسند کرتے تھے، وہ ان کی اس طرح درپردہ مدد کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں بھی اپنی قوم میں تبلیغ و دعوت کا فریضہ دن رات، خفیہ و علانیہ، ہر طریقہ سے انجام دیتے اور بنو ہاشم صبر اور امید اجر کے ساتھ ان تمام تکلیفات کو برداشت کرتے۔

عہد نامہ کی منسوخ اور مقاطعہ کا خاتمہ

اسی دوران میں قریش کے کچھ باصمیمہ و عالی حوصلہ اشخاص کے دل

ہشام بن عمرو بن ربیعہ پیشانی پیش تھے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف ناپسندیدگی کا

جذبہ پیدا ہوا، اور اس کو انھوں نے ایک خلاف انسانیت فعل قرار دیا، ہشام حسن لوگ
 اور صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے اپنی قوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا انھوں نے
 اس سلسلے میں قریش کے ان اشخاص سے جن کے اندر کچھ نرم خوئی، حوصلہ مندائی اور عالی ظرفی
 محسوس ہوئی، رابطہ قائم کیا اور ان کی شرافت و انسانیت کو غیرت دلائی، اور اس پر
 آمادہ کیا کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو ختم کیا جائے یہ پانچ اشخاص تھے اور ان میں سے اس کو
 کالعدم قرار دینے پر اتفاق کر لیا، دوسرے دن جب قریش کی محفلیں آراستہ تھیں، عین
 اس محفل میں زبیر بن ابی اسبہ جن کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں، لوگوں کے
 سامنے آئے اور کہنے لگے۔

”اے مکہ والو! ہم مزے سے کھائیں پیئیں اور بنو ہاشم دانہ دانہ کو ترسیں اور
 جاں بلب ہوں ان کے ساتھ خرید و فروخت تک بند ہو، خدا کی قسم میرا اس وقت تک چین سے
 نہیں بیٹھوں گا، جب تک کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو پڑھ پڑھ کر دیا جائے“
 اس موقع پر ابو جہل نے مداخلت کرنا چاہی لیکن اس کی کچھ چل نہ سکی،
 مطعم بن عدی اس معاہدہ کو پھاڑنے کی غرض سے اس کی طرف بڑھے تو دیکھا کہ
 دیمک پورے کاغذ کو چاٹ کر ختم کر چکی ہے، صرف باسمک اللهم کے
 الفاظ باقی ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی ابوطالب کو اطلاع
 پہلے سے فراچکے تھے)۔

بہر حال اس معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا گیا، اور جو کچھ اس میں تحریر تھا وہ
 سب کالعدم ہو گیا۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات

نبوت کے دسویں سال، ایک ہی سال کے اندر ابوطالب اور حضرت خدیجہ دونوں کا انتقال ہو گیا، ان دونوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسن صحبت، حسن سلوک، وفاداری اور نصرت و حمایت کا جو معاملہ تھا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا، اس حادثہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پے درپے کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن مجید کی انقلاب آفرینی و مسیحاؑی اور قلبِ سلیم پر اس کے اثرات

طفیل بن عمرو دوسری جو عرب کے ایک سربراہ اور مدبر و معزز شخص اور ممتاز شاعر تھے، مکہ آئے تو قریش نے حسب معمول ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکنا چاہا، اور ان کو آپ سے قریب ہونے اور آپ کی بات سننے سے بہت ڈرایا اور کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں تمہارے ساتھ اور تمہاری قوم کے ساتھ وہی پیش نہ آئے جو یہاں ہم کو پیش آ رہا ہے اس لئے تم ان سے کچھ بات کرنا ان کی سننا۔ طفیل کہتے ہیں کہ "واللہ وہ میرے پیچھے پڑے ہے، یہاں تک کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی سنوں گا، ان سے بات کروں گا، اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور حرم کی طرف گیا، اچانک میری نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے ہیں، میں آپ کے پاس کھڑا ہو گیا، اور اللہ نے آپ کا کچھ کلام مجھے زبردستی سنوا ہی دیا،

کہتے ہیں کہ میں نے بہت اچھا کلام سنا، میں نے اپنے دل میں کہا، میری ماں مجھے روئے،
خدا کی قسم میں سخن ور بھی ہوں اور سخن شناس بھی، کلام کی اچھائی برائی مجھ سے پوشیدہ
نہیں رہ سکتی، آخر یہ کلام سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو رہی ہے، اگر وہ واقعی اچھی
بات ہے تو میں اسے قبول کروں گا، بری بات ہے تو چھوڑ دوں گا۔

اس کے بعد طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے گھر میں ملے اور ماجرا
بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی، اور ان کے
سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، اور اسلام کے داعی و مبلغ
بن کر اپنی قوم و برادری میں واپس ہوئے، انھوں نے اپنے گھروالوں کے ساتھ رہنے
سے بھی انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہوں گے میں ان سے کوئی واسطہ
نہ رکھوں گا، اس بات پر وہ سب لوگ بھی دائرۃ اسلام میں داخل ہو گئے، انھوں نے
اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی اور اس قبیلہ میں اسلام کی خوب شاعت ہوئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شروع میں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھتے تھے، پھر ان کی
طبیعت اس پر راضی نہ ہوئی اور انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں نماز کی ایک جگہ بنالی
اور اس میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے، جب وہ تلاوت کرتے تو
مشرکین کی عورتیں اور بچے ان پر ٹوٹے پڑتے ان کو دیکھتے رہتے اور تعجب کرتے،
حضرت ابو بکر بہت رقیق القلب تھے، تلاوت کرتے وقت ان کی آنکھیں بہت
اشکبار ہو جاتی تھیں، اس بات نے مشرکین کے سرداروں کو بہت خوفزدہ کر دیا، انھوں
نے ابن اللہ عنہ کو جنھوں نے حضرت ابو بکر کو پناہ دی تھی، بلوا بھیجا، جب وہ ان کے

سامنے آئے تو ان سب نے ان سے کہا کہ تم نے ابو بکر کو جو پناہ دی تھی، ہم نے اس کو اس شرط پر تسلیم کیا تھا کہ وہ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کریں لیکن انھوں نے اپنی ناز اور قزاقیت سب کچھ علی الاعلان کرنا شروع کر دیا ہے، ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے لڑکوں اور عورتوں کو متاثر و مسحور نہ کریں، اب اگر وہ اس پر راضی ہوں کہ اپنے گھر کے اندر اللہ کی عبادت کریں تو ٹھیک ہے، اگر اس سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہاری پناہ اور حفاظت واپس کر دیں اس لئے کہ نہ ہم تمہارے عہد کو توڑنا چاہتے ہیں نہ ابو بکر کو علانیہ عبادت و تلاوت کی اجازت دینے پر راضی ہیں۔

جب ابن الدغنة نے حضرت ابو بکر کو قریش کے اس مطالبہ سے آگاہ کیا، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تمہاری پناہ اور ضمانت کو واپس کرنا ہوں، اور اللہ کی ضمانت و حفاظت پر راضی ہوں۔

طائف کا سفر اور سخت اذیتوں کا سامنا

ابوطالب کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت سی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں جن کی ہمت ابوطالب کی زندگی میں قریش والے نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے سر پر مٹی بھی پھینکی گئی، جب ان اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا، اور مشرکین و کفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت اور بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا قصد فرمایا، آپ کی نیت یہ تھی کہ

لے بخاری شریف بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ تخلص کے ساتھ لے راجح قول یہ ہے کہ طائف کا یہ سفر سو بیس سال خوال کی آخری تاریخوں میں ہوا (خاتم النبیین۔

قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں اور ان سے نصرت کے خواستگار ہوں آپ کو
اہل طائف سے کچھ خیر کی امید تھی اور اس میں تعجب کی بھی کوئی بات نہیں اس لئے کہ
آپ کے ایام رضاعت قبیلہ بنی سعد میں گزرے تھے جو طائف کے قریب آباد تھا۔

طائف کی اہمیت

طائف کا شہر اپنی اہمیت آبادی کے پھیلاؤ اور خوش حالی و فارغ البالی
میں مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، قرآن مجید میں قریش کی زبان سے اسی بات کی
طرت اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ
عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَوَائِمِ
عَظِيمَةٍ (سورہ زخرف ۳۱)

اور یہ بھی کہنے لگے کہ یہ قرآن ولوں
بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں
کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔

یہ شہر مشہور بُت "لات" کی عبادت کا بھی مرکز تھا، جہاں باقاعدہ لوگ
تیرتھ کے لئے آتے تھے، اس بات میں وہ مکہ کا ہمسر وہم ردیف تھا جو قریش کے
سب سے بڑے بُت "ہبیل" کی عبادت کا مرکز تھا، امراء و خوش حال طبقہ ہمیں گریبا
گزارتا تھا، عہدِ اسلامی اور اس کے بعد بھی اس کو یہ اہمیت حاصل رہی۔

اموی شاعر عمر بن ربیعہ کہتا ہے۔

تشتوبمکہ نعمةً ومصيفها بالطائف له

اہل طائف جائد اور زمینوں کے مالک تھے ان کے پاس بڑے بڑے

لہ وہ ناز پروردہ جاڑے مکہ میں گذارتی ہے اور گرمیاں طائف میں۔

باغات اور مزرعے تھے، اس دولت و خوش حالی نے ان کے اندر غرور و ناز پیدا کر دیا تھا، اور وہ اس آیت کا مصداق اور نمونہ تھے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ
تَذِيرًا إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا
إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ
وَقَالُوا لَنُحْيِيَنَّكَ أَمْوَالًا
كَثِيرًا وَآوَادًا وَمَا لَنُحْيِيَنَّكَ
بِمَعَادِنِهِ
اور ہم نے کسی سب سے کسی سب کوئی ڈرانے
والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے
خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز
دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے
قائل نہیں اور (یہ بھی) کہنے لگے
ہم بہت سامان اور اولاد رکھتے

(سورہ بآ - ۳۴ - ۳۵)

ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا

اہل طائف کا سلوک و آپ کی دعا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لائے تو سب سے پہلے
تقیف کے سرداروں اور ذمہ دار لوگوں سے ملنے تشریف لے گئے، اور ان کے
پاس بیٹھ کر ان کو دین حق کی دعوت دی، لیکن آپ کو اس کا بہت بُرا اور سخت
جواب ملا، انھوں نے آپ کا مذاق بھی اڑایا، اور شہر کے اوباش لوگوں اور
غلاموں کو آپ کے ستانے پر مامور کر دیا، یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے شور مچاتے
اور آپ پر پتھر پھینکتے، اسی بے کسی اور کرب کے عالم میں آپ پناہ لینے کے لئے ایک
کھجور کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے، طائف میں آپ کو جفتا سا گیا وہ مشرکین
مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا، انھوں نے راستہ کے دونوں طرف

اپنے آدمی کھڑے کر دیئے آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپ پر پھینکا جاتا تاحتی کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہو بہان ہو گئے، اس وقت بے ساختہ آپ کے قلب زبان پر یہ دعا جاری ہوئی، اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری، بے سرو سامانی اور لوگوں کی نگاہ میں بے وقعتی کی فریاد کی اور اللہ کی نصرت و نائید کے ان الفاظ میں خواستگار ہوئے آپ نے فرمایا۔

| | |
|------------------------------|--|
| اللهم اليك اشكو ضعف قوتي | اے الہی اپنی کمزوری بے سرو سامانی اور |
| وقلة جيلتي، وهواني على | لوگوں میں تخفیر کے بابت تیرے سامنے |
| الناس، يا ارحم الراحمين | فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں کے |
| أنت رب المستضعفين إلی | زیادہ رحم کرنے والا ہے، دراندہ اور |
| من تكفي، إلی بعید يتجهمتی | عاجزون کا مالک تو ہی ہے اور |
| أم إلی عدو ملكته امری؟ | میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے |
| ان لم يكن بك غضب علی فلا | پس رو کیا جاتا ہے کیا بے گانہ ترش |
| أبال، غیر أن عافيتك هی | روکے، یا اس دشمن کے جو کام پر |
| اوسع لی، اعود بنور وجهك | قابل رکھتا ہے، اگر مجھ پر تیرا غضب |
| الذی اشرفت له الظلمات | ہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں |
| وصلح علیه امر الدنیا والآخرة | لیکن تیری عافیت تیرے لئے زیادہ |
| من ان ينزل لی غضبك اذیحل | وسیع ہے میں تیری ذات کے نور |
| علی منحطك، لك العتبی | سے پناہ چاہتا ہوں جس سے |
| حتى ترضی ولا حول | سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں |

ولا قوة الا بالله.

اور دنیا و دین کے کام اس سے
 ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب
 مجھ پر اتڑے یا تیری ناراضمندی
 مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضامندی
 اور خوشنودی درکار ہے اور یہی کرنے
 یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے
 تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور اس نے
 آپ سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف واقع ہے،
 ملائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ نہیں مجھے امید ہے کہ
 ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو خدائے واحد کی عبادت کرے گا اور اس کے
 ساتھ کسی اور بتی کو شریک نہ ٹھہرائے گا۔

جب علقمہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو ان کا دل کچھ نرم
 پڑا اور ان کی انسانیت کی رگ میں کچھ جنبش پیدا ہوئی، ان دونوں نے اپنے ایک نصرانی غلام
 کو بلا یا جس کا نام عذاس تھا، اور اس سے کہا کہ لو یہ انگور کا خوشہ ایک طباق میں رکھ کر
 اس شخص کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ یہ ان کے کھانے کے لئے ہے، عذاس نے اس پر عمل کیا، اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن کر اور آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

۱۵۲۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳۳۔ ۱۵۳۔ سیر ابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۱۵۴۔ سیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۹۔ ۱۵۵۔

۱۵۶۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۲۔ باختصار و تلخیص۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ تشریف لائے تو آپ کی قوم آپ کی مخالفت دشمنی اور آپ کے تمسخر اور ایذا رسانی میں اسی طرح سرگرم تھی۔

واقعہ معراج

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، راتوں رات آپ کو قدرتِ غیبی کے ساتھ مسجدِ حرام لے جایا گیا، وہاں سے مسجدِ اقصیٰ پہنچایا گیا، اس کے بعد ان مقاماتِ قُربِ اختصاصِ ساتوں آسمانوں کی سیر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مشاہدے اور انبیاءِ کرام سے ملاقات کے وہ تمام واقعات پیش آئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝
ان کی آنکھ نہ تو اوپر طرف مائل ہوئی
لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ
اور نہ (حد سے) آگے بڑھی انھوں نے
الْكِبْرَىٰ ۝
اپنے پروردگار کی قدرت کی گنتی ہی

(سورہ النجم - ۱۷-۱۸)

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی ایک ضیافت و عزت افزائی تھی جو آپ کی دل داری و دل نوازی اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور اس توہینِ ناقذہ اور بے گانگی و بیوفائی کی تلافی کے لئے تھی جس کے سخت امتحان سے آپ ہاں گزے تھے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو اس واقعہ کی خبر دی، قریش نے اس پر

لہ دیکھیے سورہ اسراء و سورہ نجم و کتب حدیث و سیرت، واقعہ معراج کی حقیقت اور اس کے

اسراء و حکم کے سمجھنے کے لئے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ الیہ ص ۱۰۷

”الاسراء الی المسجد الاقصیٰ ثم الی سدرة المنتهى“ کا مطالعہ کیا جائے۔

بہت تعجب کا اظہار کیا، اس کو ایک محال اور نامکن امر قرار دیا، اور آپ کو جھٹلایا اور مذاق اڑایا، حضرت ابو بکر نے یہ سن کر کہا کہ اگر آپ نے ایسی بات کہی ہے تو سچ کہی ہے تم کو اس پر تعجب کیوں ہے؟ خدا کی قسم آپ مجھے یہ خبر دیتے ہیں، وحی آپ کے پاس دن رات کے کسی حصہ میں آسمان سے زمین تک آجاتی ہے، تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، یہ تو اس سے بھی مشکل اور بعید ہے جس پر تم لوگ تعجب کر رہے ہو۔

معراج کے بلند و لطیف مطالب و معانی

واقعہ معراج محض ایک جزئی و ضمنی واقعہ نہ تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا شاہدہ کرایا گیا اور آسمان و زمین کی بادشاہت بے پردہ و بے حجاب ہو کر آپ کے سامنے آگئی، نبوت کے اس غیبی و آسمانی سفر میں اس کے علاوہ بھی بہت بلند و لطیف مطالب و معانی پوشیدہ ہیں، اور اس میں بہت دور رس اشارات کئے گئے ہیں، یہ دونوں سورتیں، سورہ اسراء اور سورہ نجم، جو واقعہ معراج کے سلسلہ میں نازل ہوئیں، یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قبلوں (مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ) کے نبی اور دونوں سمتوں مشرق و مغرب کے امام اور اپنے پیش رو تمام انبیاء کرام کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسل انسانی کے رہبر و رہنما ہیں، آپ کی شخصیت اور آپ کے سفر معراج میں مکہ بیت المقدس سے اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ سے ہم آغوش ہو گئی، آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز پڑھی اور یہ دراصل آپ کے پیغام و دعوت کی عمومیت و افاقیت آپ کی امامت کی

ابدیت اور ہر طبقہ انسانی کے لئے آپ کی تعلیمات کی ہمہ گیری و صلاحیت کی دلیل و علامت تھی۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا صحیح تعارف اور اس کی صحیح نشان دہی آپ کی امامت و قیادت کا بیان، آپ کی اس اُمت (جس میں آپ مبعوث ہوئے) کے اصل مقام و حیثیتِ عرفی کا تعین اور اس پیغام و دعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے، جو اس اُمت کو اس وسیع و عریض دنیا اور عالمی برادری میں انجام دینا ہے۔

واقعہ معراج دراصل ایک محدود مقامی اور عارضی نوعیت اور نبوت کی ابدی اور عالم گیر شخصیت کے درمیان خطِ فاصل اور امتیازی لکیر کی حیثیت رکھتا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی قومی یا مقامی لیڈر، کوئی ملکی و وطنی رہنما، کسی خاص نسل کے نجات دہندہ اور کسی نئی شوکت و عظمت کے بانی ہوتے تو آپ کو اس معراجِ آسمانی کی ضرورت نہ تھی، اس کے لئے آپ کو نہ آسمان و زمین کی وسیع بادشاہت کے سیر و مشاہدہ کی حاجت تھی، نہ اس کی ضرورت تھی کہ آپ کے ذریعہ آسمان و زمین کا یہ دنیا تعلق قائم ہو، اس وقت آپ کی یہ سرزمین، یہ ماحول اور یہ سوسائٹی آپ کے لئے کافی ہوتی، اس کو چھوڑ کر آپ کو کسی اور خطہء زمین کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، نہ کہ بلند آسمانوں اور سردرة المنتہیٰ تک پہنچنے کی یا مسجدِ اقصیٰ تشریف لے جانے کی جو آپ کے شہر سے بہت دور اور عیسائی مذہب اور طاقتور رومن ٹہنشاہی کے زیرِ اقتدار تھا۔

واقعہ معراج یہ اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قومی اور سیاسی رہنماؤں کی صفت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے جن کی صلاحیتوں اور

کوششوں کا دائرہ ان کے ملک یا ان کی قوم تک محدود رہتا ہے اور ان سے صرف انھیں نسلوں اور قوموں کو فائدہ پہنچتا ہے، جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور اسی ماحول تک ان کا اثر باقی رہتا ہے جس میں وہ پیدا ہوتے ہیں، آپ جس گروہ اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی صف ہے جو آسمان کا پیغام زمین والوں کو اور خالق کا پیغام مخلوق کو پہنچاتے ہیں اور ان سے پوری نوع انسانی، (زمانہ و تاریخ، رنگ و نسل اور ملک و قوم سے قطع نظر) سرفراز و سر بلند ہوتی ہے اور اس کی قسمت جاگتی ہے۔

نماز کی فرضیت

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس وقتوں کی نماز فرض فرمائی اور آپ برابر اس میں تخفیف کا سوال کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دن و رات میں پانچ وقت تک محدود کر دیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو ایمان و احتساب کے ساتھ یہ نمازیں پڑھے گا اس کو اجر پچاس نمازوں ہی کا ملے گا۔

قبائل عرب کو دعوت اسلام

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موسم میں قبائل عرب کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی شروع کی اور ان سے حمایت و نصرت کے خواستگار ہوئے آپ نے ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ "اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول

لہ صیحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب (کیف فرضت الصلاۃ)

بنا کر بھیجا گیا ہوں جو تم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اس کا حکم دیتا ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ان تمام ہستیوں سے جن کو تم نے اس کا ہمسرہ بنایا ہے اور ان کی عبادت کرتے ہو، قطع تعلق کرو، اس پر ایمان لاؤ اور اس کی تصدیق کرو، اور میری اس وقت تک حفاظت کرو جب تک اللہ نے جو چیز لے کر مجھے بھیجا ہے وہ میں اچھی طرح کھول کر بیان نہ کر دوں!

جب آپ اپنی بات فرما چکے تو ابولہب کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ لے بنی فلاں! تیم کو اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ تم لات و عزیٰ کی بندگی و وفاداری کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکو اور اپنے مددگار جنوں سے بھی ترک تعلق کر کے اس بدعت و گمراہی کو اختیار کرو جو وہ لائے ہیں، اس لئے تم نہ ان کی بات ماننا اور نہ ان کی سنتا۔

اسلام کا راستہ

یہ راستہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی طرف جاتا تھا کانٹوں سے اور قہریم کے اندیشوں اور خطرات سے بھرا ہوا تھا جس پر اپنی جان کا خطرہ مول لے بغیر چلنا اور منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مکہ تک پہنچنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہونے اور قبول اسلام کا جو واقعہ بیان کیا ہے، اس سے اس پر روشنی پڑتی ہے وہ کہتے ہیں:-
 "جب ابوذرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے

اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کالج پتہ
لگاؤ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے ان کی
گفتگو سنو اور پھر مجھے آکر بتاؤ، وہ روانہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے ملے آپ کی بات سنی پھر واپس جا کر ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ
میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ و اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور
ایسا کلام میں نے سنا جو شتر نہیں کہا جاسکتا، انھوں نے کہا کہ میں جو کچھ
جاننا چاہتا تھا، اس میں میری تشفی نہیں ہوئی، پھر انھوں نے خود سفر
کی تیاری کی اور پانی کا مشکیزہ لے کر روانہ ہوئے، مگر پہنچے، حرم شریف
میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنا شروع کیا، وہ آپ
کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے دریافت کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے، اسی
تلاش میں رات ہو گئی، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو
دیکھا، اور ان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کوئی نووارد اور مسافر ہے، وہ ان کے
پیچھے ہوئے، لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، جب صبح ہوئی
تو وہ اپنا مشکیزہ اور زاد راہ لے کر پھر اسی مسجد میں پڑ گئے اور دین بھی
اسی طرح گزر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو دیکھا،
اسی پر شام ہوئی، وہ پھر اپنے سونے کی جگہ چلے گئے، اس وقت حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے، اور یہ کہا کہ کیا ابھی تک اس مسافر کے لئے
یہ وقت نہیں آیا کہ اس کو اپنی منزل مقصود معلوم ہو، تیسرے روز
حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی طرح ان کے پاس پہنچے، ان کو اٹھایا اور کہا کہ تم

مجھے بتاؤ گے نہیں کہ کیا چیز تھیں یہاں لائی ہے؟ انھوں نے کہا، اگر تم مجھ سے اس کا وعدہ اور عہد کرو کہ میری رہنمائی کرو گے تو میں بتا سکتا ہوں، جب انھوں نے یہ وعدہ کیا تو وہ ان کے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ بھی ان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، آپ کی بات سنی اور اسی جگہ مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ اور یہ دعوت ان لوگوں کو پہنچاؤ یہاں تک کہ میری بات اچھی طرح ظاہر ہو جائے انھوں نے کہا کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان کے درمیان چیخ چیخ کر یہ دعوت دوں گا، پھر نکل کر مسجد حرام میں آئے اور اعلان کیا "اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ" یہ سن کر لوگوں نے انھیں گھیر لیا، اور اتنا مارا کہ بے دم ہو کر زمین پر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عباس آئے، ان کو جھک کر دیکھا، اور لوگوں سے کہا، کہ تم جانتے نہیں کہ یہ قبیلہ "مغفار" سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے تاجروں کا راستہ جو شام تک جاتا ہے اسی قبیلہ سے ہو کر گزرتا ہے، پھر انھوں نے ان کو بچایا، دوسرے دن بھی انھوں نے یہی کیا، اور لوگوں نے اشتعال میں آکر ان کو زد و کوب کیا اور حضرت عباس نے آکر ان کی مدد کی!

انصار کے قبولِ اسلام کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ میں تبلیغِ اسلام کی مہم پر روانہ ہوئے۔
 ”عقبتہ“ کے پاس انصار کے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ آپ کو ملے آپ نے ان کو
 اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام ان کے سامنے پیش کیا، اور قرآن مجید کی تلاوت
 کی، یہ لوگ مدینہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہتے تھے، اور ان سے یہ سنتے رہتے تھے کہ
 قریبی زمانہ میں کوئی نبی آنے والا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ واللہ
 یہ وہی نبی معلوم ہوتے ہیں، جن کی خبر تم کو یہود دیتے تھے، دیکھو اب کوئی اس میں
 تم سے سبقت نہ لے جائے، چنانچہ انھوں نے اسی وقت آپ کی تصدیق کی، اور
 آپ سے یہ عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کو بچھوڑ کر آئے ہیں، اور اس قوم میں جتنا شرف ہے
 اور تفرقہ ہے اتنا کسی اور قوم میں ہمیں ہے، شاید آپ کے ذریعہ اللہ ان کو متحد
 کرے، ہم وہاں جا کر ان کو اس معاملہ سے آگاہ کریں گے اور اس کی دعوت
 دیں گے، آپ بھی ان پر وہ چیز پیش کریں جس کو ہم نے قبول کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ
 ان کو آپ پر متحد کرے تو آپ سے زیادہ عزت والا پھر کوئی نہ ہوگا۔

وہ ایمان لانے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے، جب مدینہ پہنچے تو اپنے
 دوسرے بھائیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، اور ان کو بھی اسلام کی

لہ عقبتہ کے منی گھاتی کے ہیں، یہ منی کے پہاڑوں کے اس کنارے چرس کا بیخ مکہ مکرمہ کی طرف ہے ایک پہاڑی
 بڑے میں خدا اللہ کہنے والی جگہ تھی جس کا جائے وقوع حجۃ الکبریٰ کے پاس ہی تھا غالباً اسی وجہ سے حجۃ الکبریٰ
 کو حجۃ العقبتہ بھی کہتے ہیں عقبتہ کی یادگار کے طور پر اس کی جگہ پر بعد میں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی لہٰذا سیرت ابن ہشام

دعوت دی، یہاں تک کہ ان کی قوم اور برادری میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں آپ کا چرچا نہ ہو۔

بیعت عقبہ اولیٰ

دوسرا سال ہوا اور حج کا موقع آیا تو انصار کے بارہ آدمی آپ سے بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر ملے اور آپ کے دست مبارک پر چوری زنا قتل اولاد سے پرہیز کرنے اچھی باتوں میں اطاعت کرنے اور توحید پر بیعت کی، جب انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر کو کر دیا اور ان کو ہدایت کی کہ ان کو قرآن مجید پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کے مسائل سے باخبر کریں، چنانچہ ان کو مدینہ میں، مفری (پڑھانے والا) کہا جاتا تھا، وہ اسعد بن زرارہ کے ہاں رہنا ہوئے تھے اور وہاں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

انصار کے قبولِ اسلام کا اصل سبب

اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ ایسے نازک وقت میں اس نے اپنے رسول اور اپنے دین کی نصرت و حمایت کے لئے اوس و خزرج کو کھڑا کر دیا (یہ شریک کے دو بہت بڑے اور اہم عرب قبیلے تھے) اور ان کو اس کا زریں موقع نصیب فرمایا کہ وہ اس نعمت کی،

لہذا ابن ہشاک ۱/۲۲۵-۲۲۶ ۲۲۵ ایضاً ۲۳۲ بخوار سہ اوس و خزرج اُزد کے دو قبیلے تھے

جو قحطان کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے ان کے مورث اعلیٰ ثعلبہ بن عمرو ستراب (مین) کی تباہی و بربادی کے بعد (۲۰ قبل مسیح میں) حجاز منتقل ہوئے پھر مدینہ کو اپنا مستقر بنا لیا جب کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں، قدر کریں اور اسلام کے استقبالیہ اور قبولیت میں اپنے ہم عصروں اور اہل حجاز پر سبقت لے جائیں اور اس وقت اس دین کو اپنے سینہ سے لگائیں، بلکہ اس کے لئے سینہ سپر ہو جائیں، جب سب قبائل عرب خصوصیت سے قریش نے اس سے بالکل آنکھیں پھیر لی تھیں "وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے سیدھے راستہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔)

مختلف اسباب و عوامل نے جو دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر مبنی تھے اور ان کا مقصد اسلام کی اشاعت اور غلبہ کے لئے راستہ ہموار کرنا تھا، اوس و خندج کو اس سعادتِ عظمیٰ کے لئے تیار کر دیا تھا، ان میں اور قریش میں کئی باتیں مابہ الامتیاز تھیں، اوس و خندج کے یہ قبائل قریش کہہ کے برضات نرم مزاج اور نرم دل اور انتہا پسندی، تشدد، تکبر اور انکارِ حق جیسے رذائل سے پاک تھے، ان صفات کا تعلق ان نسلی و نسبی خصوصیات سے تھا، جن کی طرف اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے ایک وفد سے ملنے کے بعد فرمایا تھا، ارشاد ہوا تھا کہ "اتاکم اهل اليمن ارق اقلدنا وائلین قلوباً" (تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں جو بہت نرم و گداز دل رکھنے والے ہیں) یہ دونوں قبیلے اپنی اصل میں یمن ہی سے وابستہ تھے زمانہ قدیم میں ان کے آباؤ اجداد وہیں سے یہاں منتقل ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی توحیف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ لَيَحْمِلُنَّ اَمْرًا
اَلِيْمًا وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو
مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر
(یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں

حَلَمَةٌ مِمَّا أَوْلُوا لَوْ لَوْتُمْ
 عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَوَلَّوْكَانَ بِهِمْ
 خَصَامَتُهُ (سورۃ حشر- ۹)

(مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت
 کر کے ان کے پاس آئے ہیں ان سے
 محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا
 اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور
 غلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں
 سے مقدم رکھتے خواہ ان کو خود امتیاز

ہی ہو۔

اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ باہمی خانہ جنگیوں اور مستقل لڑائیوں نے ان کو چھوڑ
 کر دیا تھا، بُعات کی جنگ پر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اس کی تلخ کامیوں سے
 ابھی ان کے کام و دہن پوری طرح آشنا تھے اور اب ان کے اندر اتحاد، صلح و صفائی
 اور جنگ سے بچنے کی ایک گونہ خواہش پیدا ہو گئی تھی، ان کے یہ الفاظ اس صورت حال
 کی ترجمانی اور ان کی اندرونی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں ہم اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے
 ہیں، کسی قوم میں اتنا شر و فساد اور باہمی عداوت نہیں جتنی ان کے درمیان ہے،
 شاید اللہ آپ کے ذریعہ ان کو یکجا کر دے، اگر اللہ تعالیٰ ان کو متحد کر دے گا، تو پھر آپ
 سے زیادہ باعزت کوئی نہ ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بُعات کی
 جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نائبر غیبی اور مدینہ کی ہجرت و نصرت کی
 ایک تمہید تھی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ قریش اور بقیہ تمام عربوں کا تعلق نبوت اور انبیاء سے
 بہت طویل عرصہ سے منقطع تھا، اور بُعد زمانہ کی وجہ سے وہ اس کے مطلب و مفہوم سے

بالکل نا آشنا ہو گئے تھے ان کی جہالت اور ناخواندگی نقطہ عروج کو پہنچ گئی تھی ،
 بُت پرستی میں ان کو حد درجہ غلو وانہماک تھا، وہ ان اقوام و ملل (یہودی و عیسائی)
 سے بہت دور تھے جو اپنا انتساب ان انبیاء کی طرف کرتے تھے اور آسمانی صحیفوں
 کے (خواہ محرف و مسخ شدہ شکل ہی میں ہی) حامل اور علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ نے
 آیت مندرجہ ذیل میں اسی تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے :-

لَتُنذِرَنَّهُمْ قَوْمًا مَا أُنذِرَ آبَاءَهُمْ
 فَهُمْ غٰفِلُونَ۔ (سورہ یسین - ۶)
 تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دلاوا
 کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا متنبہ کرو
 وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے برخلاف اوس و خزرج، یہود کو نبوت اور انبیاء کے بارے میں آپس میں
 گفتگو کرنے اور توریت کی تلاوت کرتے ہوئے برابر دیکھنے اور سنتے تھے، بلکہ یہودی اکثر
 ان کو خبر دیا کرتے تھے کہ آخر زمانہ میں ایک نبی مبعوث ہوگا، ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو
 اس طرح قتل کریں گے جس طرح عاد اور ارم قتل کئے گئے، ان ہی کی بابت اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے :-

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ
 عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ
 وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ
 عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
 جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ
 اَوْ جَب خد کے ہاں سے ان کے
 پاس کتاب آئی جو ان کی آسمانی کتاب
 کی بھی تصدیق کرتی ہے اور وہ پہلے
 (ہمیشہ) کافروں پر فتوحانگہ کرتے
 تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے

فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

(سورۃ البقرہ - ۸۹)

تھے جب ان کے پاس پہنچی تو اس سے
 کافر ہو گئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت۔
 اوس و خزرج اور مدینہ کے قدیم باشندے جو عقیدۂ مشرک و بت پرست تھے،
 دینی حقائق و اصطلاحات (نبوت و رسالت، وحی و الہام، حشر و نشر و آخرت) اور
 سنتِ الہی سے اس قدر نا بلند و نا آشنا اور نا اوس و اجنبی نہ تھے، جتنے کہ قریش مکہ اور
 ان کے ہم سایہ قبائل مروڑ زمانہ سے ہو گئے تھے، اس لئے کہ اوس و خزرج زمانہ دراز سے
 یہودیوں کے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے ان دینی حقائق و اصطلاحات اور انبیاءِ کرام
 کے ناموں اور جتنے جتنے حالات، مختلف زمانوں میں انبیاء کی بعثت اور ہدایت کے
 آسانی نظام سے واقف ہو گئے تھے، ان کا دن رات یہودیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا
 ہوتا تھا، جو اہل کتاب تھے، صلح و جنگ، عہد و معاہدہ اور تجارت و زراعت کے بھی
 تعلقات تھے، اس لئے جب اوس و خزرج سے تعلق رکھنے والے مدینہ کے ان باشندوں کو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا علم ہوا، اور وہ حج کے موقع پر مکہ آئے اور
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ان کو اسلام کی دعوت دی تو ایسا معلوم
 ہوا کہ اچانک ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور گویا وہ پہلے سے اس کے لئے تیار تھے۔

یشرب کی خصوصیات اور اس کے انتخاب کی حکمتیں

مدینہ کے دارالہجرت اور مرکز دعوتِ اسلامی کی حیثیت سے انتخاب میراہل مدینہ
 کے اکرام و عزت افزائی، نیز ان اسرار کی وجہ سے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ایک
 حکمت یہ بھی تھی کہ مدینہ کو جنگی اور جزا فیائی نقطہ نظر سے ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت

حاصل تھی۔

جزیرۃ العرب کا کوئی اور قریب کا شہر اس معاملہ میں اس کا ہمسر نہ تھا،
حرّۃ الوبرہ مغربی جانب سے مدینہ کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے تھا، حرّۃ وراقم مشرقی
سمت سے اس کو گھیرے ہوئے تھا، مدینہ کا شمالی حصہ واحد راستہ تھا جو کسی پیش قدمی
کے لئے کھلا تھا (یہ وہی علاقہ ہے جہاں شہہ ہجری میں غزوہ احواب کے موقع پر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق تیار کرنے کا حکم دیا تھا) مدینہ کی دوسری جہتیں
کھجور کے گھنے باغات یا کھیتوں سے گھری ہوئی تھیں، اگر کسی حملہ آور فوج کو اس سے
گزرنا ہوتا تو اس کے راستہ میں ایسے تنگ راستے اور گپڑنڈیاں پڑتی تھیں جن کو پورا
صفت آرائی اور فوجی ڈسپلن کے ساتھ عبور کرنا آسان کام نہ تھا، اور معمولی فوجی
چوکیاں اس پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے کافی تھیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں "مدینہ کے ایک طرف کا حصہ یا راستہ کھلا ہوا تھا،
بقیہ تمام سمتیں اور جہتیں آبادی اور کھجور کے باغات کی وجہ سے ایک دوسرے سے
مل گئی تھیں اور کوئی دشمن اس میں سے ہو کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا"

لہٰذا حرّۃ یا لابریہ جھلے ہوئے اور اڑے ترچھے پتھروں کے علاقہ کو کہتے ہیں یا اس حصہ کو جو آتش فشاں کے
لاولہ بنے اور کسی جگہ جمع ہونے سے وجود میں آیا ہو، اس علاقہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کا چلنا یا
کسی لشکر کا گزرنے اور زور کار کسی ایک شخص کا پیدل چلنا بھی دشوار ہے، علامہ عبدالدین فیروز آبادی
(م ۸۲۳ھ) نے اپنی کتاب "للخانم المطاہیہ فی معالم المطاہیہ" میں حوت الحوا کے ضمن میں
بہت سے حرات کا ذکر کیا ہے، جو مختلف جہتوں سے مدینہ کا احاطہ کرتے ہیں، بعض جگہ بہت قریب
کسی جگہ کچھ دور یہ اس کی بیرونی حلوں سے حفاظت کرتے ہیں یا کم از کم لشکر کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں
پیدا کرتے ہیں، دیکھئے کتاب مذکور (ص ۱۰۵ تا ۱۱۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کے انتخاب میں شاید خدا کی اسی حکمت و مصلحت کی طرف ہجرت سے قبل اشارہ فرمایا تھا، اور یہ ارشاد ہوا تھا کہ ”مجھے تمہارا دارالہجرت دکھایا گیا ہے، یہ کھجور کے باغات والا علاقہ ہے اور لابنتین“ وہ جملے ہوئے، بے ترتیب پتھروں والے دو علاقوں (لابنتین) کے درمیان واقع ہے، اسی کے بعد جس کو ہجرت کرنا تھی اس نے مدینہ ہجرت کی۔

مدینہ کے یہ دو قبیلے جو ادس و خزرج کے نام سے مشہور تھے، غیرت قومی، خودداری، شہسواری اور قوت و مردانگی میں ممتاز تھے، یہ آزادی کے نوگر اور عادی تھے، انھوں نے نہ کسی کے سامنے کبھی اپنا سر جھکا یا تھا، نہ کسی بڑے قبیلہ یا حکومت کو ٹھیکس اور تاوان ادا کیا تھا، اس کی صراحت اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جملہ میں موجود ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ خندق کے موقع پر عرض کیا تھا، ”جب ہم اور یہ شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے، نہ ہم اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اس کو پہچانتے تھے، اس وقت بھی یہ مجال نہ تھی کہ ہمان داری یا قیمت دیئے بغیر یہ مدینہ کی ایک کھجور رکھالیں!“

”ابن خلدون“ لکھتے ہیں :-

”یہ دونوں قبیلے یا برادریاں شہرب میں یہود پر غالب تھیں اور عزت و وقار اور شان و شوکت میں نام پیدا کئے ہوئے تھیں، ان کے قریب جو مضر کے قبائل آباد تھے، وہ بھی ان ہی کی ملت میں تھے۔“

مشہور عرب مصنف ابن عساکر نے "العقد الفريد" میں لکھتے ہیں:-
 "انصار قبیلہ اُزد سے ہیں، یہ اوس و خزرج کہلاتے ہیں حارث بن عمرو
 بن عامر کے دو بیٹوں سے ان کی نسل چلی ہے یہ لوگ تمام لوگوں میں سب سے
 زیادہ خود دار اور سب سے زیادہ عالی حوصلہ تھے اور کسی بادشاہ یا حکومت
 کے باج گزار نہیں رہے۔"

اس کے علاوہ بنی ہاشم کا بنی عدی بن النجاشی سے ناہمالی تعلق تھا ہاشم نے
 ان کی ایک خاتون سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کی تھی۔

ہاشم کے ایک فرزند عبدالمطلب پیدا ہوئے، ہاشم نے ان کو ماں کے پاس
 چھوڑ دیا، جب یہ کچھ بڑے ہوئے اور بالغ ہونے کے قریب ہوئے تو ان کو ان کے
 چچا مکہ لے آئے عسرب کی سماجی زندگی میں رشتہ داروں اور قرابتوں کی
 بڑی اہمیت تھی، اور اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا، ان ہی میں ابو ایوب انصاری
 رضی اللہ عنہ تھے جن کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر قیام فرمایا۔
 اوس و خزرج قحطان کی نسل سے تھے، مہاجرین اور جو لوگ مکہ اور اس کے

اطراف میں ان سے قبل اسلام لایچکے تھے، وہ عدنان کی نسل سے تھے، جب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی اور انصار نے آپ کی حمایت و نصرت کی تو
 اس ذریعہ سے عدنان اور قحطان دونوں پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو گئے اور ایک
 جان دو قالب بن گئے، عہد جاہلیت میں ان کے درمیان بڑی کش مکش اور
 رقابت تھی، اسلام کی برکت سے شیطان کو ان کی صفوں میں گھسنے اور وسوسہ

اندازی کا راستہ نہ مل سکا، اور جاہلی حیثیت اور فحطانیت اور عذبانیت پر بے جا
تعصب اور فخر و مباہات کا موقع بنا رہا۔

ان تمام عوامل و اسباب اور تزجیحی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یہ شرکِ سزاگاہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی ہجرت کے لئے مناسب ترین جگہ تھی،
یہ شہر اس کا مستحق تھا کہ اس کو اسلامی دعوت کا مستقر و مرکز بنا یا جائے یہاں تک
اسلام کو پوری قوت و استحکام حاصل ہو اس کے اندر پیش قدمی کرنے کی صلاحیت
و طاقت پیدا ہو جائے اور وہ جزیرۃ العرب کو فتح کر سکے اور پھر اس وقت کی پوری
متحدہ دنیا پر اپنا پرچم ہدایت لہرا سکے۔

مدینہ میں اسلام کا فروغ

ابانصار (یعنی اوس و خزرج) کے گھرانوں میں اسلام کی اشاعت شروع
ہوئی، پہلے سعد بن معاذ، اُبَی بن مُصَیْب جو اوس کی شاخ بنی الاشہل سے تعلق رکھتے
تھے اور اپنی قوم کے سردار تھے، اسلام لائے، اس میں بڑا دخل ان پہلے مسلمان ہونے
والوں کی حکمتِ ایمانی اور نلطفت و مہربانی اور مُصَیْب بن عُمَیْر کے حسن تبلیغ و دعوت
کو تھا، اس کے بعد بنی عبد الاشہل نے بھی اسلام قبول کیا، اور بالآخر انصار کے
گھروں میں سے کوئی گھر ایسا باقی نہ بچا جہاں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں۔

بیعت عقبہ ثانیہ

دوسرے سال مُصَیْب بن عُمَیْر مکہ واپس ہوئے اور انصار کے کچھ مسلمان

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۷ ص ۲۳۶-۲۳۸ باختصار۔

مشرکین کی ایک جماعت کے ساتھ جو حج کی غرض سے جا رہی تھی، مکہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں بیعت کا وعدہ کیا، جب وہ حج سے فارغ ہوئے اور ایک تنہائی رات گزر گئی تو وہ عقبہ کے نزدیک ایک گھاٹی میں جمع ہوئے ان سب کی تعداد تہتر (۳۷) تھی جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی، قرآن مجید ان کو پڑھ کر سنایا، ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کا شوق دلایا، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ حفاظت و خیال کا وہی معاملہ کرو گے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کرتے ہو، انھوں نے آپ سے بیعت کی اور آپ سے یہ عہد لیا کہ آپ انھیں بے بارود و گار نہ چھوڑیں گے اور نہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو جائیں گے، آپ نے ان سے وعدہ کیا اور فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو جس سے تم جنگ کرو گے اس سے میں بھی جنگ کروں گا جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں بھی صلح کروں گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ ذمہ داروں اور سرداروں کا انتخاب کیا، ان کو خراج کے اور نیت اوس کے لیے

مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت

جب انصار کے اس قبیلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی

لے سیرت ابن ہشام ج ۷ ص ۴۴۱-۴۴۲

اور آپ اور آپ کے ماننے والوں کی حمایت و مدد کا عہد کیا تو بہت سے مسلمان ان کی پناہ میں آگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مسلمانوں کو جو آپ کے ساتھ مکہ میں تھے، مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور انصار سے مل جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر بار بھیجا کر دیئے ہیں جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو، یہ سن کر لوگ جماعتیں بنا بنا کر ہجرت کرنے لگے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ٹھہر کر ہجرت کے بارہ میں حکیم الہی کے منتظر رہے۔

مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کوئی ہسنسی کھیل نہ تھا، جس کو قریش ٹھنڈے کھجے برداشت کر لیتے، انھوں نے اسل انتقال آبادی اور نقل و حرکت کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور ہاجرین کو مختلف آزمائشوں اور تکلیفوں میں ڈالنا شروع کیا، لیکن ہاجرین بھی اس رائے کو بدلنے والے اور اپنا قدم پیچھے ہٹانے والے نہ تھے، وہ کسی قیمت پر بھی مکہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ کسی کو اپنی بیوی اور بچہ کو مکہ میں چھوڑ کر نہ جانا پڑا، جیسا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، کسی نے اپنی زندگی بھر کی کمائی ہوئی اونچی سے ہاتھ دھوئے جیسا کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہ نے مدینہ ہجرت کا

پختہ عزم کر لیا تو سفر کے لئے اپنا اونٹ تیار کیا، مجھ کو اس پر سوار کرایا اور میرے لڑکے سلمہ بن ابی سلمہ کو میری گود میں دے دیا پھر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لی اور روانہ ہوئے، جب بنی المغیرہ کے کچھ لوگوں کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہاری حد تک ٹھیک ہے تم اپنے کوچی کر جا رہے ہو، ان بی بی کو ہم تمہاری ہمراہی کے لئے کیسے چھوڑ سکتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہ کہہ کر انھوں نے اونٹ کی نکیل ان کے

ہاتھ سے چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، یہ دیکھ کر بنو عبد اللہ میں جو ابو سلمہ کے
 حمایتی تھے سخت اشتعال پیدا ہوا، انھوں نے کہا خدا کی قسم تم نے ان کو ہمارے بھائی
 سے چھین لیا ہے لیکن ہم اپنے لڑکے کو اب ان کے پاس ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اس کے بعد
 دونوں میں میرے بچے پر کشاکش شروع ہو گئی اور دونوں اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے حتیٰ کہ
 اس کا ہاتھ اکھڑ گیا، بنو عبد اللہ اس کو چھین لینے میں کامیاب ہو گئے اور اس کو اپنے
 ساتھ لے گئے، بنو المغیرہ نے مجھے اپنی قید میں کر لیا، میرے شوہر مدینہ روانہ ہو چکے تھے،
 اس طرح میرے لڑکے میرے شوہر اور میں تینوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے،
 میں ہر صبح کو باہر آتی اور "الطح" میں بیٹھ جاتی اور شام تک روتی رہتی، اس پر پورا ایک
 سال گزر گیا، ایک دن بنو المغیرہ ہی میں سے میرے چچا زاد بھائیوں میں سے ایک بھائی
 کی مجھ پر نظر پڑی اور میری اس حالت کو دیکھ کر اسے رحم آیا اور اس نے بنو المغیرہ سے
 کہا کہ اس غریب کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، تم نے اس کو شوہر اور بیٹے دونوں سے
 محروم کر دیا ہے؟ وہ کہنے لگے، اگر تمہارا دل چاہے تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ،
 اس وقت بنو عبد اللہ نے میرا لڑکا مجھے واپس کیا، میں نے اپنا اونٹ تیار کیا،
 بچہ کو گود میں لیا اور مدینہ میں اپنے شوہر کی تلاش کے لئے چل کھڑی ہوئی، اس حالت
 میں کہ اللہ کا کوئی بندہ میرے ساتھ نہ تھا، جب میں منعم تک پہنچی تو میری ملاقات
 عثمان بن طلحہ سے ہو گئی، جو بنی عبد الدار میں سے تھے، وہ دیکھتے ہی بولے، ابی امیہ
 کی لڑکی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا مدینہ میں اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہوں
 انھوں نے کہا، تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے جواب دیا میرے ساتھ اللہ کے سوا
 اور اس بچے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، کہنے لگے، خدا کی قسم تمہیں منزل پر پہنچنا

آسان نہیں ہے انھوں نے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لی، اور مجھے لے کر آگے روانہ ہوئے، خدا کی قسم جن لوگوں سے اب تک میرا واسطہ پڑا ہے میں نے کسی کو بھی ان سے زیادہ شریف اور کریم النفس نہیں پایا، جب کوئی منزل آتی اور رکنا پڑتا تو وہ اونٹ کو بٹھا کر علیحدہ ہٹ جاتے، جب میں اتر آتی تو اونٹ کے پاس آکر سامان اتارتے پھر ایک درخت سے اس کو باندھتے پھر کسی درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے جب شام ہوتی اور روانگی کا وقت آتا تو اٹھتے، اونٹ کو تیار کرتے سامان وغیرہ اس کے اوپر لاتے پھر وہاں سے کچھ دور ہٹ جاتے اور مجھ سے کہتے کہ بیٹھ جاؤ جب میں اچھی طرح بیٹھ جاتی تو آکر اس کی نکیل تھام لیتے اور اسی طرح دوسری منزل تک پہنچتے، اسی طرح کرنے ہوئے انھوں نے مجھے مدینہ پہنچایا، جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کے گاؤں "قبا" پر پڑی تو مجھ سے کہنے لگے کہ تمھارے شوہر اسی گاؤں میں ہیں، (ابو سلمہ یہیں مقیم تھے) اب تم اللہ کا نام لے کر وہاں چلی جاؤ، یہ کہہ کر انھوں نے مجھے رخصت کر دیا، اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

وہ کہتی تھیں کہ اسلام میں کسی گھرانہ کو وہ نکالیفت نہیں اٹھانی پڑیں جو ابو سلمہ کے گھر والوں نے اٹھائی ہیں، اور میں نے کسی شخص کو عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف اور باحوصلہ نہیں پایا۔

جب صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے اُن سے کہا کہ تم ایک حقیر سائل اور مفلس کی حیثیت سے ہمارے پاس آئے تھے، ہمارے یہاں

لے عثمان بن طلحہ بھی حدیبیہ کے بعد اسلام نے آئے ہجرت کا فاتح مگر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کعبہ کی کلید ان کے حوالہ کی (ابن کثیر ج ۲، ۲۱۵-۲۱۶ و الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱)

کہ کرتے تھے دولت مند بن گئے اور یہ حیثیت تم نے حاصل کر لی اب تم چاہتے ہو کہ اپنے سامنے اور مال و جان کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ، خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا، صہیبؓ نے اُن سے کہا کہ اگر میں یہ مال و اسباب تمہارے حوالہ کر دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انہوں نے کہا، ہاں۔

صہیبؓ نے جواب دیا کہ میں یہ سارا مال تمہیں دیتا ہوں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ زینح صہیب، زینح صہیب، صہیب نفع میں ہے، صہیب نفع میں ہے۔ اس موقع پر چچن لوگوں نے مدینہ ہجرت کی ان میں حضرت عمرؓ، طلحہؓ، حمزہؓ، زید بن حارثہؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ، ابوحنظلیہؓ، عثمان بن عفانؓ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام شامل تھے اس کے بعد ہجرت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں دو آدمیوں کو چھوڑ کر (حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ) صرف وہی باقی بچا جو کسی معذوری سے نہیں جاسکا، یا وہ جو کسی آزمائش اور فتنہ میں پڑ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی سازش اور ناکامی

جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں اس قدر حامی و مددگار پیدا ہو گئے ہیں اور وہاں ان کا کوئی زور نہیں چل سکتا تو انہوں نے

۱۔ ابن کثیر بخوالہ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۳ ۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۹-۳۷۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے بہت خطرہ اور خوف محسوس کیا، اور انھوں نے سوچا کہ اگر آپ تشریف لے گئے تو پھر آپ پر کوئی بس نہ چل سکے گا، یہ سوچ کر وہ سب لوگ "دارالندوہ" میں (جو اصل میں قضی بن کلاب کا گھر تھا اور قریش اپنے سارے اہم معاملات یہیں طے کرتے تھے) جمع ہوئے اور اس مسئلہ پر غور و خوض کیا گیا، اس موقع پر قریش کے بڑے بڑے سردار سب موجود تھے۔

آخر میں متفقہ طور پر یہ بات طے پائی کہ ہر قبیلے سے ایک یا بہت اور عالی نسب جوان کا انتخاب کیا جائے اور وہ سب مل کر کیا رگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوں، اس طرح یہ خون سارے قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور کسی ایک پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی، اور نبی عبدمناف ساری قوم سے جنگ کا خطرہ مول نہ لیں گے، اس کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور اجتماعی جرم کا یہ منصوبہ طے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سازش سے آگاہ کر دیا، آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ آپ کی چادر اوڑھ کر آپ کے بستر پر سو جائیں، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم کو کوئی گزند ہرگز نہ پہنچے گا۔

ادھر یہ پوری ٹوٹی آپ کے دروازہ پر تیار کھڑی تھی اور حملہ کے لئے پوری طرح کمر بستہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تھوڑی ہی مٹی اپنے ہاتھ میں لے لی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت سلب کر لی، آپ یہ مٹی ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۃ یسین کی آیات کی "فَاَعْتَبْتُمْ اَمْ لَمْ تُفْتَحْ لَآئِبِصْرُونَ" تک تلاوت کرتے ہوئے صاف ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔

اس درمیان میں کسی آنے والے نے آواز دی کہ تم لوگ کس چیز کے انتظار میں کھڑے ہو؟ انھوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں، اس نے کہا نامرادو! وہ تو جا چکے اور اپنے کام کے لئے روانہ ہو گئے! انھوں نے جھانک کر دیکھا کہ کوئی شخص بستر پر لیٹا سو رہا ہے، ان کو یقین ہو گیا کہ ہونہ ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُٹھے، یہ دیکھ کر ان کو بڑی شرمندگی ہوئی اور سب ناکام و نامراد واپس گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا "الصحبة یا رسول اللہ" رسول اللہ رفاقت و صحبت کا مطلب گارٹیوں، آپ نے فرمایا "الصحبة" ہاں تم ہی رفیق ہو گے، حضرت ابو بکرؓ یہیں کر خوشی سے رو پڑے، اس کے بعد انھوں نے دو سواریاں پیش کیں جو اسی سفر کی غرض سے انھوں نے پہلے سے تیار کر رکھی تھیں، عبد اللہ بن ارقیط کو انھوں نے بطور رہبر کے معاوضہ پر طے کر لیا۔

عجیب تضاد

قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر دشمنی اور آپ کی مخالفت

پراس درجہ اتحاد کے باوجود آپ کی امانت و دیانت، سچائی، اور آپ کی عالی ظرفی و حوصلہ مندی پر کئی اعتماد کرتے تھے، پورے مکہ میں اگر کسی کو اپنی چیز کے ضائع ہونے یا غصب کئے جانے کا اندیشہ ہوتا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ چیز رکھتا تھا، اس طور پر آپ کے پاس مختلف امانتیں جمع ہو گئی تھیں آپ نے حضرت علیؓ کو اس کا ذمہ دار بنا لیا کہ وہ اس وقت تک مکہ میں رہیں جب تک یہ امانتیں آپ کی طرف سے ادا نہ کر دی جائیں، اللہ تعالیٰ نے سچ ارشاد فرمایا ہے :-

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَكَ يَوْمَئِذٍ وَكَلْتَ الظَّالِمِينَ يَا أَيُّهَا اللَّهُ يَجْعَدُونَ ﴿۳۳﴾ (سورہ انفاس)

ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) تمہیں جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرنے ہیں۔

ہجرت سے ایک سبق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت سے سب سے پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کی خاطر ہر عزیز و محبوب اور ہر مانوس و مرغوب شے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے جس کو ترجیح دینے اور جس سے بہر صورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے، لیکن ان دونوں اول الذکر چیزوں کو ان میں سے کسی چیز کے لئے ترک نہیں کیا جاسکتا۔

مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت اور آپ کے اور صحابہ کرام کے مرکز
 و وطن کے علاوہ دلوں کے لئے مقناطیس کی ہی کشش رکھتا تھا، اس لئے کہ اسی شہر میں بیت اللہ
 ہے جس کی محبت ان کی روح اور خون میں پیوست تھی لیکن ان میں سے کسی ایک چیز نے بھی آپ
 کو اور صحابہ کرام کو ترک وطن اور اہل و عیال کو خیر باد کہنے سے باز نہیں رکھا، کیونکہ زمین
 اس عقیدہ و دعوت کے لئے بالکل تنگ ہو چکی تھی، اور مکہ والے ان دنوں چیزوں کے پھیر چکے تھے۔
 بشری و انسانی تعلق و محبت اور ایامی قوت اور ذوق و شوق کے بہ ملے جلے
 جذبات آپ کے اس جملہ سے بخوبی جھلک رہے ہیں جو ہجرت کے وقت آپ نے مکہ کو
 مخاطب کر کے کہا تھا "ما الطیبک من بلد وأحبلک الی ولولأ أن قومی افرجونی
 منک ما سکنت غیرک" (تو کتنا اچھا شہر ہے اور مجھے کس قدر عزیز و محبوب ہے، اگر
 میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں نیزے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔)
 یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل تھی:-

يُعِبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا
 أَرْضِي بِمَا عَمِلُوا فَايَسَّيْ
 فَاَعْبُدُونِي (سورہ عنکبوت ۵۶)
 اے میرے بند جو ایمان لائے ہو
 میری زمین فرخ ہے تو میری ہی
 عبادت کرو۔

غار ثور کی طرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کے سے پھینٹے پھینٹے روانہ ہوئے،
 ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو ہدایت کی کہ وہ ذرا خبر کھیں کہ لوگ ان کے
 لہ ترمذی روایت ابن عباس بطریق مرفوع (باب فضل مکہ)

بارے میں کیا چرمیگوٹیاں کر رہے ہیں اپنے غلام عامر بن زہیرہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھران کی بکریاں چرایا کر لیں اور شام کو ان کا دودھ پونچھا دیا کریں! اسماعیل بنت ابی بکر کھانا پونچھا یا کرتی تھیں۔

محبت کی کرشمہ سازیاں

محبت تخلیق انسانی سے لے کر آج تک ایک ایسے الہامی جذبہ کی حیثیت سے زندہ، پائندہ اور تابندہ ہے جو نازک سے نازک باتوں کی طرف بطور خود رہنمائی کرتی ہے اور راستہ سمجھاتی ہے، یہ "عشق است و ہزاریدگمانی" والا مضمون ہے، وہ اپنے محبوب کے کسی وقت غافل نہیں ہوتی اور مہموم سے مہموم چیز کا خطرہ محسوس کر لیتی ہے، اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کچھ بھی حال تھا، چنانچہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابو بکر چلنے میں کبھی آپ سے آگے رہتے کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محسوس فرمایا اور کہا کہ ابو بکر کیا بات ہے کبھی تم میرے پیچھے چلتے ہو اور کبھی آگے؟ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے تعاقب کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں۔

جب دونوں حضرات غار تک پہنچ گئے تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ذرا توقف فرمائیں میں غار کو دیکھ بھال لوں اور صاف کروں، اس کے بعد وہ لے آیا وہاں انہی ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸۵ منقول از بیہقی بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

غار کے اندر گئے اور اس کو صکار کے اور سوراخ وغیرہ بند کر کے باہر آئے اس وقت ان کو یاد آیا کہ ایک بل بانی رہ گیا ہے جس کو وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکے پھر انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ذرا اور توقف فرمائیں اس کو دیکھ لوں پھر اس کے اندر گئے اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو کہا یا رسول اللہ اب آپ اندر آئیں، چنانچہ آپ اندر تشریف لے آئے۔

آسمانی کنگٹ اور غیبی امداد

جبے دنوں غار میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مگر طی کو بھیجا، اس نے غار او غار کے منہ پر جو درخت تھا، اس کے درمیان ایک جال بنایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو گلی کبوتریوں کو بھیج دیا جو اوپر پھر پھر پڑتی رہیں پھر اگر وہاں بیٹھ گئیں۔

وَدَلَّهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ ہی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں)

انسانی تاریخ کا سب سے نازک لمحہ

ادھر مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب شروع کیا، یہ انسانیت کے طول و طویل سفر کا سب سے نازک اور سب سے زیادہ فیصلہ کن لمحہ تھا، یا تو ایک ایسی بد نصیبی سامنے تھی جس کی کوئی انتہا نہیں یا ایک ایسی خوش نصیبی و اقبال مندی کا آغاز ہونا تھا، جس کی کوئی حد نہ تھی، انسانیت کے بچے اپنی سانس روک لی تھی اور بے حس و حرکت ہو کر ان جاسوسوں اور تعاقب کرنے والوں کو پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی جو اس وقت غار کے

منہ پر کھڑے تھے اور صرف اتنی دیر باقی تھی کہ ان میں کوئی نیچے دیکھ لے لیکن خدا کی قدرت ان کے اور اس قدم کے درمیان حائل ہو گئی، اور وہ دھوکہ کھا گئے، انھوں نے دیکھا کہ غار کا منہ مگر پی کے جالے سے بند ہے تو ان کا ذہن بھی ادھر نہ جاسکا کہ اندر کوئی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے :-

فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَنْبَأَهُ
بِحُجُومِهِمْ تَرَفُّهَا (سورہ توبہ - ۴۰)

ایسے لشکر کو مروی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے

“لَا تَخْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا”

اس لمحہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ اوپر اٹھی تو انھیں مشرکین کے آثار نظر آئے، انھوں نے کہا یا رسول اللہ اگر ان میں سے کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ہمیں دیکھ لے گا، آپ نے جواب دیا ما ظنک یا ثنیین اللہ تالہمہما (ان دو کے بارہ میں تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے) اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ثَانِي اٰتَيْنِي اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (اس وقت) دوسری شخص تھے جن میں
اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنُ (ایک ابو بکر رضی اللہ عنہ) دوسرے
اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)
جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے (سورہ توبہ - ۴۰)

اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے
کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

لے صحیح بخاری (باب قولہ تعالیٰ "ثَانِي اٰتَيْنِي اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" کتاب التفسیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں شراقتہ کی روانگی

قریش نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو نواؤنمیاں انعام میں دی جائیں گی، ان لوگوں نے غاریں تین راتیں گزارنا پھر دونوں آگے کی طرف روانہ ہوئے (عامر بن مخیرہ اور عبداللہ بن اریقظ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ بتانے کے لئے اجرت پر ساتھ دیا تھا) ساحل کی طرف سے آپ کو لے کر چلے۔

شرفزین مالک بن حنظلہ کو انعام کی لالچ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب پر آمادہ کیا اور نواؤنمیاں کے شوق میں اس نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے نشاناتِ قدم کی مدد سے تعاقب شروع کیا، لیکن اس کے گھوڑے کو اچانک ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا لیکن اب بھی ہار نہ مانی اور آپ کے نشانات پر آگے بڑھتا رہا، دوسری مرتبہ اس کے گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور وہ گرا، پھر سوار ہوا اور تعاقب شروع کیا، یہاں تک کہ یہ لوگ اس کو سامنے نظر آ گئے، اور اسی وقت تیسری بار گھوڑے نے سخت ٹھوکر کھائی اور اس کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے، شراقتہ گر پڑا، اسی کے ساتھ گولہ یا آندھی کی شکل میں وہاں سے دھواں بھی اٹھا۔ شراقتہ نے جب یہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سحابت میں ہیں اور وہ ہر صورت میں غالب آئیں گے، اس نے زور سے آواز دی اور کہا کہ میں شراقتہ بن حنظلہ ہوں مجھے بات کرنے کا موقع دیجئے، مجھ سے آپ لوگوں کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا اس کو چھو کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ شراقتہ نے کہا کہ آپ ایک تخریب مجھے دیدیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان ایک نشانی اور

یادگار کے طور پر محفوظ رہے عامر بن فہیرہ نے ہڈی یا جھلی پر ایک تخریر لکھ کر اُس کے حوالہ کی ایک خلاف قیاس اور ماورائے عقل پیش گوئی

عین اس حال میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت پر مجبور ہیں، مگر میں رہنا ممکن نہیں دشمن ہر طرف گھات میں ہیں اور ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اس دن کی طرف جاتی ہے، جن دن آپ کے غلام کسریٰ کا دلچ او قویصر کا تخت اپنے پیروں روئیدیں گے، اور زمین کے خزانوں کے مالک ہوں گے، آپ نے اس گھاٹاپ اندھیرے میں اس درختوں کی روشنی کی پیش گوئی کی اور سراقہ سے ارشاد فرمایا، سراقہ! اُس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنوں گے؟

بے شک اللہ نے اپنے نبی سے نصرت و حمایت اور فتح تمہیں اور اپنے دین کے لئے غلبہ و عروج اور فتح مکمل کا وعدہ کیا تھا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ لَا وَكُوفِيَةِ الْمُشْرِكِينَ ۝
(سورۃ توبہ - ۳۳)

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس (دین) کو (دین کے) تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافرناخوش ہی ہوں۔

کو تاہم اس اور کم عقل لوگوں نے اس بات کا انکار کیا، قریش نے اس کو امر محال اور آہوئی بات سمجھی لیکن نگاہ نبوت دور کو قریب دیکھ رہی تھی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْمِيعَادَ
بے شک خدا اخلاف و وعدہ نہیں کرتا۔

اور حرف بحرف اسی طرح ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسریٰ کے

لہ میرت ابن ہشام ۴۸۹-۴۹۰ نیز بخاری شریف ج ۱۷ ص ۱۰۱ (باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ) افغان کے معمولی اختلاف کے ساتھ۔

گنگن اس کا بچکا اور نواج حاضر کیا گیا تو انھوں نے سراقہ کو بلایا اور اس کو یہ بہنایا،
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حروف بحرف پوری ہوئی، سراقہ نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زاد راہ اور ضروری سامان کی بھی پیش کش کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اس کو قبول نہ فرمایا اور صرف اتنی بات کہی کہ اَخْفِ عَنَّا (ہماری اطلاع کسی کو نہ دینا)
 مبارک شخص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اپنے سفر کے دوران امّ مَعْبُدِ انْحَرِ
 کے پاس سے گزے، اُن کے پاس ایک بکری تھی جس کا چارہ پانی کی کمی سے دودھ خشک
 ہو گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تھنوں پر ہاتھ بھیرا، اللہ کا نام لیا اور
 دعا کی چنانچہ اسی وقت دودھ تیزی سے جاری ہو گیا، آپ نے یہ دودھ امّ مَعْبُدِ کو اور
 اپنے ساتھیوں کو پلایا، یہاں تک کہ سب خوب سیراب ہو گئے، پھر آپ نے نوش فرمایا اور
 دوبارہ دُوبایا، یہاں تک کہ برتن پورا لبریز ہو گیا، جب ابو معبد اپنے کام سے واپس آئے
 اور واقعہ دریافت کیا، تو امّ مَعْبُدِ نے ان سے کہا کہ خدا کی قسم! ایک مبارک شخص
 ہمارے پاس سے گزے، اور ایسی ایسی انھوں نے باتیں کیں، پھر انھوں نے بہترین الفاظ
 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی، یہ سن کر ابو معبد بولے، خدا کی قسم مجھے
 یہ قریش کے وہی شخص معلوم ہوتے ہیں، جن کی قریش کو تلاش ہے۔

رہبر نے ان دونوں کو ساتھ لے کر اپنا سفر جاری رکھا، یہاں تک کہ یہ قبا
 تک بھودینہ کے مضافات میں پہنچ گئے، یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کا
 ہے، اور اسی سے اسلامی تقویم اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

عہدِ بعثت کے شہر شرب (مدینہ) پر ایک نظر

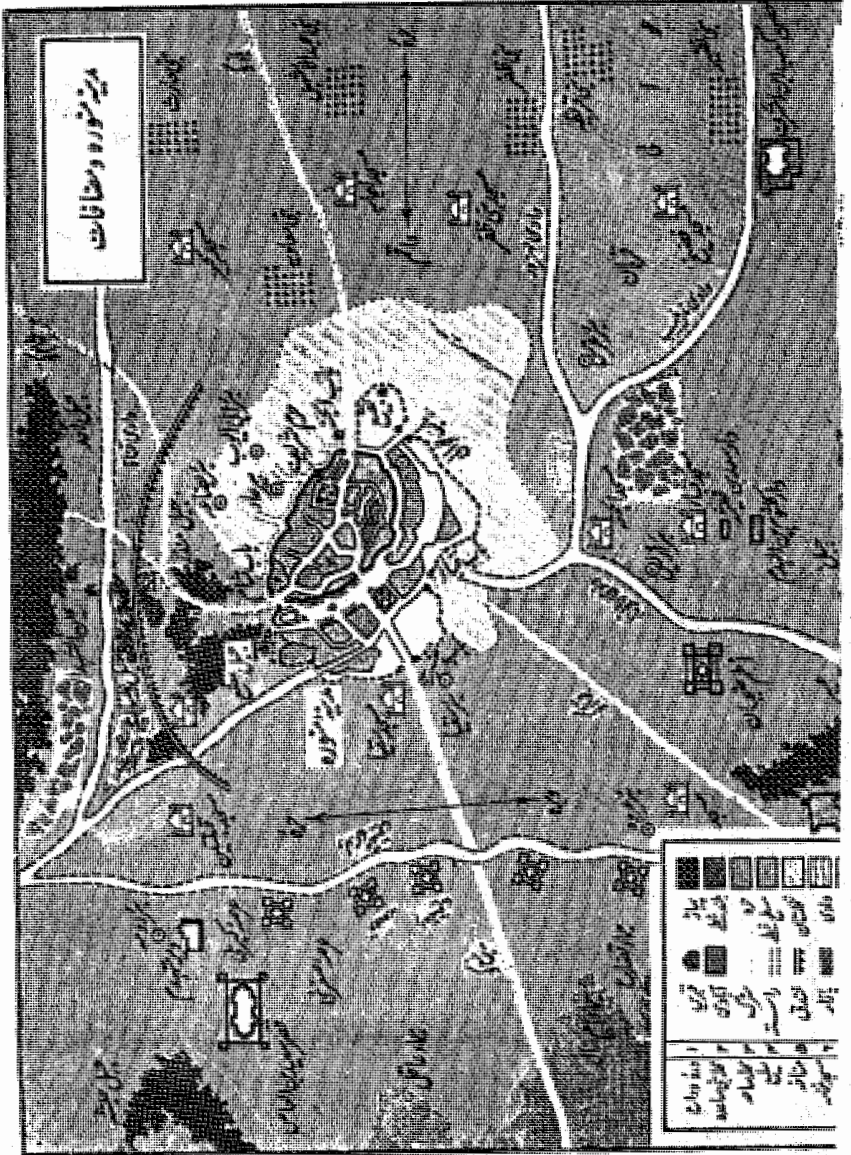
مکی اور مدنی معاشروں کا فرق

شہر شرب کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دارالہجرت، اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز اور ظہور اسلام کے بعد قائم ہونے والے پہلے اسلامی معاشرہ کا گہوارہ بنایا، ہمیں اس کی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی صورتِ حال، قدیم قبائل کے باہمی تعلقات اور وہاں کے یہود کی معاشرتی، اقتصادی اور جنگی اہمیت اور اس زرخیز شہر کے معیار زندگی کو سمجھنا ہوگا، جہاں متعدد مذاہب، ثقافتیں اور معاشرے دوش بدوش تھے، جب کہ مکہ مکرمہ کا ایک رنگ، ایک طرز اور ایک ہی مذہب تھا، اس سلسلہ میں یہاں پر قارئین کے سامنے کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں جن کی مدد سے وہ زمانہ بعثت کے شہر شرب کی نوعیت اور صورتِ حال کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں۔

یہود

اس تاریخی حقیقت کو ترجیح حاصل ہے کہ یہود کی اکثریت جزیرۃ العرب میں عموماً اور شہر شرب میں خصوصاً پہلی صدی سبھی میں آئی، مشہور یہودی فاضل

دیریز شوره و مسافرات



ڈاکٹر اسرائیل ولفسن لکھتا ہے:-

سشہ میں جب یہودی اور رومی جنگ کے نتیجے میں فلسطین اور بیت المقدس برباد ہو گئے، اور یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو یہودی کہتے ہیں کہ بہت سی جماعتوں نے بلاد عرب کا رخ کیا، جیسا کہ یہودی مورخ جوزیفس کا کہنا ہے جو خود بھی اس جنگ میں شریک تھا، اور بعض مواقع پر اس نے یہودی حکمرانوں کی بھی قیادت کی تھی، عربی ماخذ بھی اس کی تائید کرتے ہیں^{۱۵} (UNITS)

مذہب میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے (جن میں بالعموم کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی) قینقاع، نصیر، قرظہ، اندازہ کیا گیا ہے کہ قینقاع کے لڑنے والوں کی تعداد سات سو تھی، نصیر کے آدمیوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی، جب کہ قرظہ کے بالعموم کی تعداد سات سو اور نو سو کے درمیان تھی^{۱۶}۔

لہذا تاریخ الیہود فی بلاد العرب فی الحجاز البیتہ و صدر الاسلام، اسرائیل ولفسن (الوزدویب) ص ۶۰ (قافہ ۱۹۱۴ء) ۱۵۔ یہ اندازہ سیرت ابن ہشام کے ان اعداد و شمار سے کیا گیا ہے جو جنگوں اور واقعات کے تذکرے میں آئے ہیں، جیسے بنی نصیر کی جلاوطنی، بنی قرظہ کا قتل وغیرہ، قینقاع، نصیر اور قرظہ بڑے قبیلے تھے جن کے ماتحت شاخیں بھی تھیں، جیسے بنی ہدل قرظہ کے تابع تھے جن میں سے بعض بڑے صحابی بھی ہوئے اور جیسے بنی زبناح جو بنی قرظہ کی شاخ ہے، بعض یہودی جماعتوں کے نام اس معاہدے میں بھی آئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ہوا تھا، جیسے بنی عوث، بنی النجار، بنی ساعدہ، بنی نعلبہ، بنی جفثہ، بنی الحارث وغیرہ اس معاہدے میں ان جماعتوں کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ ان بطانۃ یہود کا ہنسہم (یہود کے خواص اور ان کے محمد علیہم کا معاملہ بھی انہیں کی طرح ہے) اسی لئے یہودی صاحب 'وفاء الوفاء' کا کہنا ہے کہ یہود بنی قرظہ سے زیادہ تھے۔ (وفاء الوفاء ۱۱۶)۔

ان تینوں قبائل کے باہمی تعلقات کثیرہ رہتے تھے اور کبھی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں، ڈاکٹر ولفسن کہتا ہے:-

”بنی قینقاع اور بقیہ یہود میں عداوت چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ بنی قینقاع بنی خزرج کے ساتھ ”یوم بُعات“ میں شریک تھے اور بنی نصیر اور بنی قریظہ نے بنی قینقاع کا بڑی بے دردی سے کشت و خون کیا تھا، اور ان کا شیرازہ بڑی طرح سے منتشر کر دیا تھا، حالانکہ انھوں نے گرفتار ہونے والے تمام یہود کا فدیہ بھی ادا کر دیا تھا، چنانچہ ”یوم بُعات“ کے بعد یہودی قبائل میں باہمی نزاع چلی آ رہی تھی، جب قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو انصار کے مقابلہ پر ان کا کسی یہودی نے بھی ساتھ نہیں دیا۔“

قرآن مجید نے بھی یہود کی باہمی عداوت کی طرف اشارہ کیا ہے:-

| | |
|--|-------------------------------------|
| وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَقُولُونَ | اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم |
| دِمَاءَكُمْ وَلَا تُحْرِمُونَ أَنْفُسَكُمْ | اپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں |
| مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ | کو اپنے وطن سے نہ نکالو گے پھر |
| تَسْهَدُونَ هَٰذَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ | تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو پھر |
| تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُحْرِمُونَ | تم ہی اپنوں کو قتل کرتے ہو اور |
| قَرِيبًا مِّنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ | اپنے ایک فرقے کو ان کے گھروں |
| تَنْظُرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ | نکالتے ہو، ان پر چڑھائی کرنے ہو |

وَالْعُدْوَانَ طَوَّانًا يَا آتُوكُمُ
 أُسْرًا تَفْدًا وَهُمْ وَهُمْ وَهُوَ
 مُخْرَجًا عَلَيْكُمْ إِخْرَاجَهُمْ
 گناہ اور ظلم کے طور پر اور اگر وہ
 تمھارے پاس قید ہو کر آئیں تو تم
 فدیہ دینے ہو حالانکہ ان کا
 نکال دینا بھی تم پر حرام ہے۔
 (سورۃ البقرۃ - ۸۴-۸۵)

یہودی مدینہ کی مختلف بستوں اور محلوں میں رہتے تھے، جو انھیں کے لئے مخصوص تھیں، بنو قنیقاع کو جب بنو نضیر اور بنو قریظہ نے مدینہ کے لواحق محلے سے بھگا لیا تو وہ شہر کے اندر ایک خاص محلے میں رہنے لگے، بنو نضیر مدینہ سے دو تین میل کی دوری پر وادی بطحان کی بلندی پر رہتے تھے، جو کھجوروں اور کھینٹوں سے مالا مال تھی، بنو قریظہ مدینہ کے جنوب میں چند میلوں پر واقع ہنزور کے علاقے میں رہتے تھے۔ مدینہ میں یہودی مخصوص بستیاں تھیں جن میں قلعے اور محکمہ عمارتیں بنی ہوئی تھیں ان میں وہ مستقل طور پر رہتے تھے، انھیں یہودی حکومت بنانے کا موقع نہیں ملا، بلکہ وہ قبائلی سرداروں کی حمایت و حفاظت کے تحت چین سے رہتے تھے، اور اس حمایت کے بدلے میں انھیں سالانہ محصول ادا کرتے تھے، جس کے سبب وہ بدوؤں کے حلوں سے کبھی محفوظ رہتے تھے، اس خطرے کے پیش نظر یہودی معاہدوں پر مجبور تھے، چنانچہ ہر یہودی سردار اعراب اور رؤسائے عرب میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حلیف بنا لے رکھتا تھا۔

۱۔ "بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ" لاکتور محمد ریف الطنطاوی ص ۷۷

۲۔ تلخیص از "تاریخ العرب قبل الاسلام" ج ۲، ص ۳۳، ڈاکٹر جواد علی (بغداد)

مذہبی امور

یہودی اپنے کو ایک مستقل مذہب اور آسمانی شریعت کا حامل سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اپنے مدرسوں میں (جن کو مدراس کہتے تھے) اپنے دینی اور دنیوی امور، شرعی احکام، تاریخ اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے حالات پڑھتے اور پڑھاتے تھے اسی طرح مخصوص عبادت گاہوں میں وہ اپنی عبادات اور دینی شعائر انجام دیتے تھے، وہ انہی جگہوں پر اپنے تمام دینی اور دنیوی امور کے سلسلے میں مشورہ اور تبادلہ خیالات کے لئے جمع ہوتے تھے، یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین پر عمل کرتے تھے جن میں سے کچھ انھوں نے اپنی کتابوں سے اخذ کئے تھے اور کچھ ان کے کاہنوں اور عالموں نے اپنی طرف سے ایجاد کر لئے تھے، اسی طرح وہ اپنی عیدیں الگ مناتے تھے کچھ خاص دنوں جیسے یوم عاشورہ میں روزے رکھتے تھے۔

یہود کی مذہبی و اخلاقی حالت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود مدینہ کا اپنے اصل دین اور اپنی کتابوں کی تعلیمات سے تعلق بہت کمزور ہو گیا تھا، اور مروبرایام سے وہ بھی اپنے ہمسایہ عربوں کی طرح ہو گئے تھے، مگر توحید کا کچھ اثر اور کھانے پینے میں حلال و حرام کی تمیز باقی رہ گئی تھی، لیکن جب اسلام خالص و قطعی عقیدہ توحید کے ساتھ آیا (جو قرآن میں ہے) تو ان کا رہا سہا یہ امتیاز بھی ختم ہو گیا۔

وہ اخلاقی پستی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے، اپنی حاجت روائی کے لئے مفاسد اعمال، سحر وغیرہ اپنے مخالفین سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کھانے میں زہر کی ملاوٹ، طنز و تعریض، اور دھوکہ میں ڈالنے والے ذومعنی کلمات بول کر اپنے مجروح دل کو نسکین دینا ان کی عادت بن گئی تھی، جو ان پست ذہنیت، شکست خوردہ معاشروں کی پہچان ہوتی ہے، جو مردانگی اور اخلاقی جبروت سے محروم ہوتے ہیں، فنون سحر و کھانت میں یہود کی مہارت تالیخ کے مسلمات میں ہے اور ان کے علماء و اکابر اس کا فخر یہ اظہار بھی کرتے ہیں، اور قرآن مجید نے بھی آیت :-

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانِ

انہوں نے (اس سحر و جادو) کی

عَلَىٰ مَلَكٍ سُلَيْمَانَ ۖ

بھی پیروی کی جن سے شیاطین ہیں

(سورۃ البقرہ - ۱۰۲)

سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، یہود کا یہ شرف عہد رسالت تک باقی تھا، مشہور یہودی مستشرق مارگولیتھ (MARGOLIOUTH) (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے بارے میں اپنے تعصب کے لئے بھی مشہور ہے) لکھتا ہے :-

مدینہ کے یہود فن سحر میں بڑے ماہر تھے اور علانیہ جنگ اور مردانہ وار
صف آرائی پر کالے کرتب (جادو) کو ترجیح دیتے تھے ۱۱

غزوہ خیبر کے بیان میں بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا واقعہ آئے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی گئی، مگر آپ محفوظ رہے اور بنی بلوہن معزور جنہوں نے کھانے میں شرکت کی تھی انتقال کر گئے ۱۲

معروف کلمات کو ایک خاص طرز سے استعمال کرنے اور ان سے بُرے معنی
مراد لینے کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح آیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا
رَاعِبًا وَقُولُوا النَّظِرُ نَاوَا سَمْعًا
لِأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَالْوَيْمُ رَاعِبَاتُ كَمَا
كُرُوا، أَوْ رَانَظِرْنَا كَمَا دِيَا كُرُوا
وَالْكَافِرِينَ عَذَابُ الْبُؤْسِ
سورة البقرة - (۱۰۲) ہوگی۔

ابو نعیم نے دلائل میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہود آہستہ سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے "رَاعِبًا" کہتے تھے، جو ان کی زبان میں ایک بُری گالی تھی، وہ
یہ کہہ کر آپس میں ہنستے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور اس کے
سبب اب اور مسلمانوں کو مشابہت سے بچانے کے لئے اس سے روک دیا گیا، اور
یہودیوں کے یہاں اس کلمہ کے معنی اسمع لا سمعت (سنو! خدا تم کو سننا نصیب
نہ کرے) کے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ (نعوذ باللہ) انھوں نے آپ کی نسبت "رعین"
سے کی جو رعوت سے نکلا ہے، جس کے معنی بہل و حماقت کے ہیں اور الف بد صوت
کے لئے ہے۔

بخاری نے حضرت عائشہؓ سے عروہ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی
تھیں کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے وقت "السَّامَ عَلَيْكَ"
کہتے تھے، اور اس سے مراد موت لینے تھے۔

۱۔ روح المعانی از علامہ آوسی بغدادی ج ۱ ص ۳۲۸-۳۲۹

۲۔ جامع صحیح، کتاب الدعوات۔

حدیث میں آتا ہے "کل داء دواء الا السام" (موت کے سوا ہر بیماری کی دوا ہے)
اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:-

وَإِذَا جَاءَ أَوْلَاكَ حَتَّىٰ تَكُ بِمَسَا
لَمُؤْتِكَ بِهِ اللَّهُ
اور وہ لوگ جب آپ کے پاس
آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے
سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے
آپ کو سلام نہیں فرمایا۔

اسی طرح وہ ایسی اخلاقی لپستی میں مبتلا ہوئے جس کی کسی ہنڈب صاحب کو
اور شرعی و آسمانی تعلیمات پر مبنی معاشرہ سے توقع نہیں کی جاسکتی، اس رُحمان
کا پتہ اس عرب عورت کے قصہ سے بھی ہوتا ہے جو بنو قینقاع کے بازار میں ایک کاریگر
کے پاس کسی کام سے گئی تو یہود نے اس سے پھرہ سے نقاب اتارنے کے لئے اصرار کیا اور
اس کے انکار پر کاریگر نے اس کی نقاب پیچھے سے باندھ دی اور جب وہ کھڑی ہوئی تو
اس کی بے پردگی پر سب منہں پڑے اور عورت نے ایک چیخ ماری جسے سن کر ایک مسلمان
نے لپک کر اس کاریگر کا کام تمام کر دیا اور پھر یہود نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔
بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہ تھا اور اسواق
عرب میں اس کا امکان مشکل تھا۔

اقتضایات

دوسری قوموں سے ان کے بیشتر مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے

لہ مجب بخارا الأ نوار ج ۳ ۱۵۵ ۸۰ دیکھئے روح المعانی اور تفسیر ابن کثیر ۳۵ ریت ابن ہشام ق ۲۵۷

اور مدینہ حبیبہ زراعتی علاقے کے پیش نظر انھیں اس کا منہرا موقع بھی حاصل تھا۔
 کیونکہ کسانوں کو کھیتی کے موقع پر اکثر قرض کی ضرورت پیش آتی ہے۔
 رہن کا نظام صرف زریال تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ مجبوری کی حالت میں
 عورتیں اور بچے بھی رہن رکھ لئے جاتے تھے، چنانچہ کوب بن الاشرف کے قتل کے
 سلسلے میں امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے۔

| | |
|--|--------------------------|
| محمد بن مسلمہ نے کو بیگے کہا کہ ہم چاہتے | قال له محمد بن مسلمة |
| ہیں کہ تم ایک مسق یا دو مسق غلہ | قد اردنا ان تسلفنا وسقنا |
| ہمیں قرض دو اس نے کہا کہ بڑھیکہ | او وسقین فقال نعم |
| تم میرے پاس کچھ رہن رکھو انھوں نے | ارهنوني قالوا اي شيء |
| پوچھا کہ تم کیا چیز چاہتے ہو؟ کو بیگے | تريد؟ قال ارهنوني |
| کہا تم میرے پاس اپنی عورتوں کو | نساءكم قالوا |
| رہن رکھ دو، انھوں نے کہا کہ ہم | كيف نرهن نساءنا |
| اپنی عورتوں کو تمھارے پاس کیسے | وانت اجمل العرب |
| رہن رکھیں جبکہ تم عربوں میں | قال: فارهنوني ابناءكم |
| خوبصورت ترین انسان ہو! | قالوا كيف نرهنك |
| اس نے کہا کہ تب اپنے بیٹوں کو | ابناءنا فيسب اهدهم |
| رہن رکھ دو، اس پر انھوں نے | فيقال رهن بوسق |
| کہا کہ ہم تمھارے پاس اپنے بیٹوں کو | او وسقین قال هذا |

لہ بنو اسرائیل فی القرآن والسنة ص ۸۰-۸۱

عارعلینا و لکن نرہنک
اللأمة۔

کیسے رکھیں کہ آگے انھیں طعنہ
دیا جائے کہ وہ ایک یا دو وقت
کے بدلے رہن رکھ گئے تھے اور
یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات
ہوگی، البتہ ہم تمھارے پاس
ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔

اس قسم کے رہن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ راہنوں اور مرہنوں کے درمیان
نفرت و عداوت پیدا ہو جائے، خصوصاً اس وقت جبکہ عرب اپنی عورتوں کے
سلسلے میں غیرت و حمیت کے لئے شہرت رکھتے تھے، مدینہ کی اقتصادیات پر
یہود کے اس تسلط کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا معاشی دباؤ بہت بڑھ گیا، اور وہ
منڈیوں میں من مانی کرنے لگے، اپنی مصلحت و منفعت کے مطابق مصنوعی
فلت پیدا کر کے پور بازار اور ذخیرہ اندوزی سے کام لینے لگے، اس لئے
مدینہ کی اکثریت ان کی دھاندلی اور حد سے زیادہ سود خوری اور نفع اندوزی
کی ایسی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگی تھی جن سے ایک
عرب آدمی دور رہتا ہے۔

ان کی جبلی ریاست حوص و ہوس اور توہم پسندی کے پیش نظر

(DE LACY O'LEARY) نے اپنی کتاب "عرب قبل محمد" میں لکھا ہے کہ :-

لہ بخاری نے اسے کتاب المغازی میں باب "قتل کعب بن الاشرف" میں ذکر کیا ہے اور شہاد
نے بھی تھوڑے فرق کے ساتھ قصر السیرۃ النبویہ ۲۵ ص ۱۵۰ نقل کیا ہے کہ بنو اسرائیل فی القرآن السید

۱۰ اصل بدوی باشندوں اور نوآبادیہودیوں کے تعلقات ساتویں صدی
عیسوی میں بہت خراب ہو گئے تھے، کیونکہ ان یہودیوں نے اپنی کاشت کے
علاقے ان بدوؤں کی چراگاہوں تک وسیع کر لئے تھے۔

اوس و خزرج (مدینہ کے عرب باشندے) اور یہود کے تعلقات ذاتی نفع
اور استحصال پر مبنی تھے، یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑانے پر بھی اپنے فائدے کی صورت
میں بہت خرچ کرتے تھے، جیسا کہ اوس و خزرج کی متعدد لڑائیوں میں انھوں نے
کیا تھا جن کے نتیجے میں یہ دونوں قبیلے تباہ ہو رہے تھے، ان کے پیش نظر صورت یہی رہتا
تھا کہ مدینہ پر ان کا مالی تسلط برقرار ہے، آنے والے نبی کے سلسلے میں یہود کی گفتگو
نے بھی اوس و خزرج کو داخل اسلام ہونے پر آمادہ کر دیا تھا۔

دینی و ثقافتی حالت

بلاد عرب کے یہود کی زبان فطری طور پر عربی ہی تھی لیکن وہ خالص نہیں
رہ گئی تھی، بلکہ اس میں تھوڑی سی عبرانی کی بھی آمیزش ہو گئی تھی، کیونکہ انھوں نے
عبرانی کا استعمال پوری طرح نہیں چھوڑا تھا، وہ اپنی عبادتوں اور تعلیمی امور
میں اس کا استعمال کرتے رہتے تھے۔

لہٰذا ان سے عرب قبائل مراد ہیں، جیسے اوس و خزرج اور دوسرے عرب جو مدینہ کے اطراف میں

ان کے پڑوسی تھے ۱۲ ARABIA BEFORE MOHAMMAD, (LONDON 1927), P. 174

۱۳ بنو اسرائیل فی القرآن والسنة للدكتور محمد سید الطنطاوی ص ۶۳-۱۰۱

۱۴ مکہ والمدینہ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول: احمد ابراہیم الشریف ص ۲۰۳۔

یہود کے دینی و دعوتی پہلو کے بارے میں ڈاکٹر اسرائیل ولفسن لکھتا ہے:-

”اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود کو عرب میں اپنا دینی اقتدار وسیع کرنے کے وسائل حاصل تھے، اور وہ اگر چاہتے تو حاصل کردہ اقتدار سے کہیں زائد اثر و نفوذ حاصل کر سکتے تھے، لیکن تاریخ یہود کا ہر جاننے والا جانتا ہے کہ یہود نے دوسری قوموں کو اپنے دین کے قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کیا اور بعض وجوہ سے اشاعت دین یہود کے لئے ممنوع رہی ہے!“

یہود (اپنے قومی مزاج کے مطابق) اپنے معاشرہ کو نئے حالات و تغیرات کے مطابق ڈھالنے، نئے چیلنج کو سمجھنے، اور موقع سے فائدہ اٹھانے، اور اسلام کو اختیار کر کے اپنی ثقافت و ذہانت اور تجربہ و صلاحیت کے لائق مقام پانے میں ناکام ہے، اور یہی افسوس ناک انجام ہر اس معاشرہ کا ہوا ہے جو اپنے ماضی، نام و نسب پر فخر، اور خواب و خیال کی دنیا میں رہنا بتا ہے، اور کھوکھلی قیادت کا سہارا لیتا ہے۔

یہود اپنے کو صحیح طور پر نمایاں کرنے اور ایک صاحب پیغام اور اہل کتاب اور انبیاء سابقین کی امت و ذریت ہونے کے لحاظ سے اپنی صلاحیت و وقوفیت ثابت کرتے ہیں ناکام ہے، اور عرب کی گھٹی بائٹ پرستی اور پست ترین جاہلیت کو دیکھ کر ان میں کوئی بے چینی نہیں پیدا ہوئی، اور انھوں نے (کم سے کم) اس عقیدہ توحید کی بھی دعوت نہیں دی، جس کے وہ صدیوں سے (اپنے اخلاقی

انحطاط اور قومی کمزوریوں کے باوجود) حامل چلے آئے تھے، جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ اپنے دین کی طرف کسی غیر اسرائیلی فرد کو دعوت دینے کے قائل ہی نہ تھے، یہودیت کو نسلی دین و اعزاز سمجھنے کا عقیدہ ان کا دائمی شعار تھا، (جیسا کہ اسرائیلی و لفتن اور سابق امریکی یہودی اور حال کی مسلم فاضلہ مریم جمیلہ کا کہنا ہے) اس کے ساتھ ان کی آرام طلبی اور حد سے زائد تجارتی و معاشی سرگرمی بھی ان کے لئے ایک رکاوٹ تھی۔

لیکن یقینی بات ہے کہ اوس و خزرج اور دوسرے عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد نے یہودیت کو اپنی مرضی سے یا رشتہ داری، یا یہودی ماحول میں پرورش پانے کے سبب اختیار کر لیا تھا، عرب کے یہودیوں میں قبیلہ بنی نضیر جاتی تھیں، یہ بھی معلوم ہے کہ ممتاز یہودی تاجر اور شہور شاعر کعب بن الاشرف (جو نضیری کی نسبت سے بھی معروف ہے) قبیلہ طے کا ایک فرد تھا، اس کے باپ نے بنی نضیر میں شادی کی تھی، چنانچہ کعب ایک پرجوش یہودی کی صورت میں پروان چڑھا، ابن ہشام لکھتے ہیں کہ:-

”اس کا آباؤ تعلق قبیلہ طے پھر بنی نہمان سے تھا، اس کی ماں بنی نضیر سے تھی۔“

عربوں میں ایک رسم یہ تھی کہ جس کا لڑکا زندہ نہ رہتا تھا، وہ یہ نذر آتا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اس کو یہودیوں کے سپرد کر دے گا کہ وہ اس کو اپنے میں شامل کر لیں چنانچہ بہت سے عرب اس طرح بھی یہودی بن گئے تھے، سنن ابوداؤد میں حسب ذیل

روایت ملتی ہے :-

عن ابن عباس قال: كانت
المرأة تكون مقلدة فتجعل
على نفسها ان عاش لها اولاد
تهودة، فلما اجلست بنو النضير
كان فيهم من ابناء الانصار
فقالوا لاندع ابناءنا،
فانزل الله تعالى: لَا اِكْرَاهَ
فِي الدِّينِ قَدَّ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ
مِنَ النُّجَىٰ

جس عدت کا بچہ زندہ نہ رہتا تھا
وہ مذراحتی تھی کہ اگر بچہ زندہ رہا
اسے یہودی بنا دے گی چنانچہ
جب بنو نضیر حلال وطن ہوئے تو
ان میں سے انصاریوں کے بھی
تھے اس لئے وہ کہنے لگے کہ ہم
اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے
اس پر یہ آیت اتری لَا اِكْرَاهَ
فِي الدِّينِ

اوس و خزر ج

اوس و خزر ج (مدینہ کے عرب باشندوں) کا سلسلہ نسب یمن کے قبیلہ اُزْد
سے ملتا ہے، جہاں سے یثرب کی طرف ہجرت کی لہریں مختلف وقفوں میں اٹھتی
رہیں جس کے کئی اسباب تھے، ان میں یمن کی غیر یقینی صورت حال، حبش کا حملہ
سید آرب کے انہدام و شکستگی کے بعد آپاشی کی دقت وغیرہ بھی ہیں، اس طرح
اوس و خزر ج مدینہ میں یہود کے بعد آئے اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب مشرق

لہ سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب لایسیرہ علی الاسلام ج ۲ ص ۵۷ مشرق مشرق ریڈیو کی تحقیق ہے کہ اولاد
خزر ج نے مشرقی یثرب کو اپنا وطن بنا لیا ۶۱۰ء میں ان کا یثرب پر تسلط مکمل ہو گیا تھا۔ (تاریخ العرب
اعام ترجمہ علی عادل زعیر ص ۱۶)

میں آباد ہوئے جو عوامی کا علاقہ کہلاتا ہے، خزرج کے قبائل وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے ان کے بعد مغرب میں خزرج الوہرہ تک اور کچھ نہیں گئے۔
 خزرج چار قبیلے تھے، (۱) مالک (۲) عدی (۳) مازن (۴) دینار یہ سب سب بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے جنہیں "تیمم اللات" کہا جاتا ہے بنو نجار کے قبائل مدینہ کے اس وسطی حصے میں آباد ہوئے جہاں اب اس وقت مسجد نبوی واقع ہے اوس مدینہ کے زرخیز زراعتی علاقوں میں مقیم ہوئے اور یہود کے اہم قبیلوں اور جماعتوں کے پڑوسی بنے، خزرج جہاں ٹھہرے وہ زیادہ سرسبز علاقہ تھا، ان کا صرف ایک بڑا یہودی قبیلہ قینقاع ہی پڑوسی تھا۔

اب اوس و خزرج کے افراد کی یقینی تعداد معلوم کرنا بہت دشوار ہے لیکن حالات و حوادث پر نظر رکھنے والا ان کی جنگی قوت کا اندازہ ان جنگوں سے کر سکتا ہے جن میں وہ ہجرت نبوی کے بعد شریک ہوئے، چنانچہ فتح مکہ کے دن ان کے لڑنے والے افراد کی تعداد چار ہزار تھی۔

مدینہ میں ہجرت کے وقت عربوں ہی کو بالادستی اور اقتدار حاصل تھا، یہودی اپنے ان حریفوں کے مقابلے میں متحد اور منظم نہیں تھے، ان کے مختلف قبیلوں میں پھوٹ تھی کچھ قبیلے اوس کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے اور کچھ خزرج کے ساتھ تھے، لڑائی کے وقت وہ اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے پر عربوں سے زیادہ سخت گیر واقع ہوئے تھے، قینقاع اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کی باہمی عداوت ہی کے نتیجے میں بنی قینقاع

لہ کہ والمدینہ ۳۱۱ ۲۵ ایضاً ۳۵ امتاع الاسماع بالرسول من الابناء والاموال الخ

والمتاع (علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی) ص ۳۹۱

اپنے کھیت چھوڑ کر صنعت و حرفت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اسی طرح اوس و خزرج کے درمیان بھی بہت سی جنگیں ہوئیں، جن میں سے پہلی جنگ ٹمیر تھی، آخری جنگ بُعات تھی، جو ہجرت سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی، یہود، اوس و خزرج کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کرتے اور اختلاف اور مقابلے کی آگ بھڑکاتے رہتے، تاکہ عرب ان کی طرف سے غافل رہیں، عرب بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے، اس لئے ان کو تعالّب (لومطری) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس سلسلے میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت سے جو واقعہ لکھا ہے، اس سے اس پر خاصی روشنی پڑتی ہے، اس واقعہ میں آنا ہے کہ ایک مرتبہ ایک کبیر السن یہودی شعث بن قیس نے ایک جگہ اوس و خزرج کو اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مجلس میں بیٹھے لطف و محبت کی باتیں کرتے ہوئے سنا، اس کو میٹر دیکھ کر سخت تکلیف ہوئی اور وہ برداشت نہ کر سکا، اس نے ایک یہودی نوجوان کو جس کے انصاری سے تعلقات تھے، اشارہ کیا کہ وہ اس مجلس میں شریک ہو جائے، پھر کسی تقریب سے جنگ بُعات اور اس سے پہلے کی جنگوں کا ذکر چھیڑے اور ان موقعوں پر کہے ہوئے اشعار پڑھے، تاکہ دونوں قبیلوں کے زخم ہائے کہن تازہ ہو جائیں اور حمیت جاہلیت اپنا رنگ دکھائے۔

یہ سازش بے نتیجہ نہیں رہی اور ان دونوں قبیلوں کی جو جلیفوں اور دشمنوں کی طرح لڑنے تھے، رگِ حمیت بھر کر اٹھی، قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے ساتھ تشریف لے آئے اور اپنے

۱۷ مکہ والمدینہ ۳۲۲ ۱۷ فتح الباری ج ۷، ۸۵، جنگ بُعات کی تفصیلات اور اسباب و محرکات کے لئے ملاحظہ ہو کامل ابن الاثیر۔

ارشادات سے ان کے ایمان کی چنگاری کو فروزاں اور ان کے ذہنی جذبہ کو سیدار کر دیا، ان کو فورا احساس ہوا کہ وہ ایک گہری سازش کا شکار ہو گئے، ان کی آنکھوں میں اشک رواں ہو گیا، اوس و خروج باہم بغل گیر ہوئے اور ایسا معلوم ہوا کہ کچھ نہیں ہوا تھا۔

طبعی اور جغرافیائی کیفیت

یشرب ہجرت نبوی کے وقت مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں یہودی او عرب قبائل رہتے تھے اور ہر علاقہ کسی نہ کسی قبیلے کے حصے میں تھا، ان علاقوں کی دو تہیں تھیں ایک قسم زراعتی زمینوں اور مکانات اور ان کے رہنے والوں پر مشتمل تھی اور دوسری قسم میں "آطام یا اطم" یا گڑھیاں اور قلعہ بند محلے تھے، یہودی ان گڑھیوں (آطام) کی تعداد ۵۹ تھی، ڈاکٹر ولفسن ان آطام (گڑھیوں) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"یشرب میں آطام (گڑھیوں) کی بڑی اہمیت تھی، جہاں دشمن کے حملے کے وقت قبیلے کے لوگ پناہ لیتے تھے اور خاص طور پر عورتوں، بچوں اور حذر و لوگوں کو اس وقت ٹھکانا ملتا تھا، جب مرد لڑنے کے لئے چلے جاتے تھے، یہ گڑھیاں گودام کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں جن میں غلے اور پھل جمع کئے جاتے تھے، کیونکہ وہ کھلی جگہوں پر لوٹ اور غارت گری کا نشانہ بن سکتی تھیں اس کے علاوہ ان میں مال اور ہتھیار بھی رکھے جاتے تھے، یہ دستور تھا کہ سامان سے لے کر ہوئے تجارتی قافلے گڑھیوں کے

لے ملاحظہ ہو ابن ہشام ج ۱ ص ۵۵۵-۵۵۶ ۵۷۱ ماخوذ از تاریخ الیہود فی بلاد العرب: اسرائیل

و لفسن ۱۱۶۔ ۳۳ و فاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ للسہودی - ۱/۱۱۶

قریب ہی اترتے تھے اور ان ہی گڑھیوں کے دروازوں پر بازار بھی لگتا تھا خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں عبادت گاہیں اور مدراس (یہودی مدراس) بھی ہوتے تھے اس لئے کہ جو عمدہ اور وافر سامان دیا رہتا تھا اس سے اسی کا پتہ چلتا ہے وہاں دیہی کتابیں بھی ہوتی تھیں چنانچہ وہاں بحث و مشورہ کے لئے یہودی سروراجح ہوتے، جہاں وہ کسی اہم معاملے کو بخیرتہ کرنے یا عہدہ معاہدہ کے وقت کتب مقدسہ کی سمیں کھاتے تھے!

ڈاکٹر ڈکوڑا اطم کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے :-

”عبرانی زبان میں اس کے معنی ابتدا اور مسدود کر دینے کے ہوں گے دیواروں کے ساتھ جب یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی ان کھڑکیوں کے ہونے میں جو باہر سے بند کر اندر سے کھولی جاسکتی ہوں، اس کا استعمال فیصل یا زبردستی حفاظتی دیوار کے لئے بھی ہوتا تھا، اس طرح ہم فرض کر سکتے ہیں کہ یہوڈا اطم کو چھوٹے قلم کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اس میں باہر سے روشندان ہوتے تھے جو باہر سے بند اور اندر سے کھولے جاتے تھے!“

یثرب ان ہی محلوں اور قلعہ بندیوں کا نام تھا جو دراصل قریب قریب کی بستیوں کا مجموعہ تھا، جن سے شہر بن گیا تھا، قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ
مِنْ أَهْلِ الْقُرَى (سورہ حشر - ۷)

جو کچھ دیا اللہ نے اپنے رسول کو
بستیوں والوں سے۔

نیز دوسری جگہ فرمایا گیا:-

لَا يُقَاتِلُوا تَكْفُرًا مَعًا إِلَّا فِي
قُرَى مُّحْتَصِنَةٍ أَوْ مَن وَرَاءِ
جُدُرٍ - (سورہ حشر-۱۱۴) کے پیچھے ہوں۔

مدینہ طیبہ میں حرّات کی بھی بڑی اہمیت تھی، حرّۃ لایم، چلے ہوئے یا ہ پتھروں کے اس علاقہ کو کہتے ہیں جن کو آتشیں سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور جو بالکل بے ترتیب اور سخت لو کیلے اور اڑے نرچھے میلوں کی فست میں پھیلے ہوئے ہیں، ان پر نہ پیدل چلنا آسان ہے اور نہ اونٹوں اور گھوڑوں کا گزنا، مدینہ کے دو حرّے مشہور ہیں، ایک جانب مغرب جس کو حرّۃ الوبرة کہتے ہیں اور ایک جانب مشرق جو حرّۃ واقم کے نام سے مشہور ہے، علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب المغاخم المطابۃ فی معالم مطابۃ میں متعدد حرّات کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں، ان دونوں حرّات (حرّۃ الوبرة اور حرّۃ واقم) نے مدینہ کو ایک قلعہ بند شہر بنا دیا ہے جس پر صرف شمالی جانب سے فوج کشی ہو سکتی تھی (اور یہی وہ جانب ہے جس کو غزوہ احزاب میں خندق کھود کر محفوظ کر دیا گیا تھا) جنوبی جانب گھنے نخلستانوں اور باغات اور گنجان آبادی کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکانات سے ایسی گھری ہوئی ہے کہ ادھر سے بھی بیرونی حملہ مشکل ہے، ہجرت کے لئے مدینہ کے انتخاب میں مدینہ کے اس قدرتی استحکام اور فوجی خصوصیت

لہ لابر اور لاوا (LAVA) متقارباً بصوت اور متقارباً لفظ ہیں یہ اس آتش گیر مادہ کو کہتے ہیں

جو کہ آتش فشاں سے یا طبقاً الارض کی کسی تبدیلی سے اُبل کر بہتا ہے۔ لہ ملاحظہ ہو ص ۱۰۵-۱۱۲

کو بھی دخل تھا۔

حزہ واقم جو مدینے کے مشرق میں تھا وہ حزہ الوبرہ سے زیادہ آباد تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یشرب کو ہجرت فرمائی تو حزہ واقم میں یہود کے اہم قبائل جیسے بنو نضیر و بنو قریظہ وغیرہ رہتے تھے، ان کے ساتھ اوس کی اہم شاخیں بنو عبد الاشہل، بنو ظفر، بنو حارثہ، بنو معاویہ بھی وہیں مقیم تھے، واقم بنی الاشہل ہی کے علاقے میں تھا، جس کے نام پر حزہ واقم تھا۔

دینی حالت اور معاشرتی حیثیت

مدینہ کی عرب آبادی بیشتر معاملات میں قریش ہی کے تابع رہتی تھی، اور اہل مکہ قریش کو کعبہ کا متولی، دینی رہنما اور عقیدہ و عمل میں لائق تقلید مثال سمجھتے تھے، وہ جزیرۃ العرب میں پھیلی ہوئی بت پرستی کے توابع تھے ہی لیکن خاص طور پر انہی بتوں کو پوجتے تھے، جنہیں قریش اور اہل حجاز پوجتے تھے، الایہ کہ بعض قبائل کی بعض علاقائی بتوں سے زیادہ وابستگی تھی، اس طرح مناة اہل مدینہ کا سب سے محبوب اور پرانا بت تھا اور اوس و خزرج اس کو مقدس ترین سمجھتے تھے، اور اسے خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، یہ بت جبل قُدید کے مقابل مثل کے مقام پر واقع تھا، جو ساحل کی طرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، "لات" اہل طائف کا محبوب بت تھا، عزیسی اہل مکہ کا قومی بت تھا، اس لئے ان شہروں کے لوگ اپنے اپنے ان بتوں سے جذباتی تعلق رکھتے تھے، اہل مدینہ میں سے جو کوئی لکڑی یا کسی چیز کا بت اپنے گھر میں رکھتا تو

انہی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب کا باب یشرب کی خصوصیت، یہ منزل الوجی للذکر تصحیح حسین ہیکل ۱۹۷۷ء

اسے "مناء" ہی کے نام سے پکارتا جیسا کہ بنی سلمہ کے ایک سردار عمرو بن الجموح نے اسلام لانے سے پہلے بنا رکھا تھا۔

امام احمدؒ نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ" الایہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: انصار اسلام لانے سے پہلے مناء کے نام پر تبلیغ پڑھتے تھے اور جس کی وہ مثل کے پاس پوجا کرتے تھے اور اس کے نام پر حج شروع کرنے والا صفا و مروہ کی سعی صحیح نہیں سمجھتا تھا، جب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ" الایہ۔

ہم مدینے میں کسی اور بُت کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ لات و منات یا عزیٰ و نبل کی طرح مشہور ہوا ہو اور لوگ اس کی عبادت کرتے اور اس کے لئے مدینہ کے باہر سے آتے ہوں، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ میں بتوں کی کثرت نہ تھی، اس لئے کہ مکہ کے ہر گھر میں ایک خاص بُت ہوتا تھا، مکہ میں بتوں کو لوگ پھیری میں لے کر نکلتے اور بیچتے تھے، بہر حال مکہ بت پرستی میں مقتدی اور رہنما کی حیثیت رکھتا تھا، اور مدینے کی حیثیت ذیلی تھی۔

اہل مدینہ سال کے دو دنوں میں کھیل کود کا تیوہار مناتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ سے فرمایا: "قد ابدلکم اللہ تعالیٰ بہما

لہ ما خذنا ذلک منہم فی معرفۃ احوال العرب از علامہ محمود شکر الالوسی ۳۳۶/۲ - ۲۰۸/۲

۱۵۸ لہ اس میں صحابہ سے اور کئی روایتیں بھی منقول ہیں۔ لہ سورہ بقرہ - ۱۵۸

خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحَىٰ» (اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں سے بہتر دنوں عطا کئے ہیں: یوم فطر اور عید الاضحیٰ) بعض شارحین حدیث نے ان دونوں کے متعلق بتایا ہے کہ وہ نوروز اور بہر جان کے دن تھے، جنہیں شاید ان لوگوں نے اہل ایران سے یاد کیا تھا۔

اوس و خزرج کی شرافت نسب کا اعتراف قریش کو بھی تھا جو عرب عاریہ سے تعلق رکھنے والے بنو قحطان کی شاخ میں سے تھے، قریش ان سے شادی بیاہ کا تعلق بھی رکھتے تھے، چنانچہ سید قریش ہاشم بن عبدمناف نے بنی النجار میں شادی کی تھی، ان کی شادی سلمیٰ بنت عمرو بن زید سے ہوئی تھی، جو بنی عدی بن النجار سے تھیں، جو خزرج کی ایک شاخ ہے، اس کے باوجود قریش اپنے کو مدینہ کے عرب قبائل سے بزرگ سمجھتے تھے، غزوہ بدر کے دن جب عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور ان کے مقابلہ پر انصار کے کچھ جوان نکلے تو انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصار ہیں تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تم سے مطلب نہیں، پھر ان میں سے ایک آدمی نے آواز دیا کہ اے محمد ہمارے مقابلے پر ہمارے ہم قوم اور ہمارے ہمسر افراد بھیجئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبیدہ بن الحارث، اتم بڑھو، حمزہ تم بڑھو، علی تم کھڑے ہو، تو جب یہ لوگ ان کے قریب گئے اور اپنے نام بتائے تو قریش نے کہا کہ ہاں یہ شریف ہمارے جوڑ کے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش کاشت کاری کو (جس کے اہل مدینہ اپنے علاقائی

حالات کی وجہ سے عادی تھے) کس قدر سخاوت کی نظر سے دیکھتے تھے، اس کا اظہار ابو جہل کے اس جملے سے بھی ہوتا ہے جسے عفراء کے دو انصاری لڑکوں نے قتل کیا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس نے جاں کنی کے عالم میں کہا "لو غیر اگا قتلے" (کاش ایک کسان کے علاوہ کسی نے مجھے قتل کیا ہوتا)۔

اقتصادی اور تمدنی حالت

مدینہ اپنی زمین کی نوعیت کے لحاظ سے ایک زرعی علاقہ تھا، اس لئے اس کے باشندوں کا انحصار زراعت اور باغبانی ہی پر تھا، اس کی اہم پیداواروں میں کھجوریں اور انگور تھے، کیونکہ وہاں ان کے بہت سے باغ تھے، جن میں بہت سے ٹیکوں والے اور بہت بے ٹی کے تھے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ڈونٹے کے اور ایک تنے کے ہوتے تھے۔ کھیتی میں مختلف فصلوں اور سبزیاں ہوتی تھیں، کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت لوگوں کی بیشتر غذائی ضرورت پوری کرتی تھیں اور ضرورت کے وقت مکہ کی طرح

لے علامہ محمد بن طاہر ہاشمی نے مجمع البحار میں اس کے معنی کسان اور کاشت کار دیئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ اہل عرب کے نزدیک کم درجہ کا پیشہ ہے، ابو جہل کا مطلب یہ تھا کہ عفراء کے لڑکے کسان ہیں اس لئے اگر کسی اور نے قتل کیا ہوتا تو یہ عار نہ لگتا۔ ج ۱ ص ۶۱

لے بہر حال مکہ کے باغوں میں ابو طلحہؓ کی حدیث ملاحظہ کریں جسے شیخین نے روایت کیا ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں ایسے گھنے باغ بھی تھے کہ گویا (کنجنگ) جیسی چھوٹی چڑیا بھی گھس کر نکل نہیں پاتی تھی ابو طلحہ انصاریؓ کے قصے میں ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک گڑیا باغ سے نکلنے کے لئے ادھر ادھر اڑنے لگی، چنانچہ اس عجیب نظر کو وہ کچھ دیر تک دیکھتے رہے، اسی قصے میں آگے ہے کہ اس غفلت کی وجہ سے انھوں نے اس باغ کو صدقہ کر دیا (ملاحظہ ہو مؤطا امام مالکؓ) لے ملاحظہ ہو مسند الانعام ۱۴۱-۱۴۲ اور العدد ۴۔

ان سے بیع و شراہ میں مدد ملی جاتی تھی، اس طرح کھجور کے باغ اہل مدینہ کی زندگی میں بڑے خیر و برکت کا سرمایہ تھے، ان سے وہ غذا بھی حاصل کرتے اور صنعت و تیسرے اور ایندھن اور جانوروں کو کھلانے کے کام میں بھی لاتے تھے۔

مدینے کے کھجوروں کی بہت سی قسمیں تھیں جن کا احاطہ مشکل ہے، اہل مدینہ کو طویل تجربے سے کھجوروں کی پیداوار کی افزائش اور عمدگی کے بہت سی طریقے معلوم تھے، جن میں سے نرمادہ کی تمیز اور ان کے زیروں کا استعمال بھی تھا جس کو "تابیر" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔

باغبانی اور زراعت کا مطلب یہ نہیں کہ مدینہ میں کوئی تجارتی سرگرمی تھی ہی نہیں، البتہ مکہ کی طرح اس کی گرم بازاری نہ تھی، کیونکہ بے آب گیاہ وادی مکہ کے لوگوں کا انحصار قدرتی طور پر تجارت اور موسم سرما و گرما کے تجارتی سفروں پر تھا۔

مدینہ کی بعض صنعتیں یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں جنہیں شاید وہ مین سے لائے تھے، بنی قینقار کے لوگ عام طور پر سناری اور زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور یہود مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے، ان کے گھر مال و دولت اور سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے۔

لہ ملاحظہ ہو بخاری کتاب العلم (باب ملج الامام المسألة علی الناس لیختبر ما عندہم من العلم) اور اس کی شرح ابن حجر کی فتح الباری یا عینی کی "عمدة الفاری" میں ملاحظہ ہو لہ کھجور سے متعلق عربی میں الفاظ کا جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی زندگی میں عموماً ادراہل مدینہ کی زندگی میں خصوصاً کھجور کو کسی اہمیت و مرکزیت حاصل تھی، مثال کے طور پر ابن قتیبہ کی "ادب الکاتب" ثمالی کی فقہ اللغہ اور ابن سیرین کی "المختص" ملاحظہ ہوں، بہت سے اہل علم نے کھجور پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ۳۰ تا ۳۱ کا مطلب مادہ کھجور کے خوشنما کو چیر کر کھجور کے زیرے دلانے کے ہیں (شرح مسلم للنووی) ۵۴۰ یہودیوں نے بلاد العرب ۱۲۸

مدینہ کی زمین آتش فشاں علاقوں (حرات) کی موجودگی کی وجہ سے بہت زیادہ
 زرخیز واقع ہوئی ہے جس کی وادیوں میں سیلاب کی پانی بھی خوب بہتا ہے اور زمینوں کے ساتھ
 کھیتوں اور باغوں کو بھی سیراب اور شاداب کرتا جاتا ہے، ان میں سب سے مشہور وادی
 عقیق تھی جو مدینہ کی تفریح گاہ تھی، اس میں پانی بافراط بہتا تھا، اور باغوں کی کثرت
 تھی، مدینہ کی زمین کنویں کھودنے کے لئے بھی بہتر تھی، جن کا باغات میں عام رواج تھا۔
 باغات کے گرد چھار دیواری بھی ہوتی تھی، ایسے باغ کو اہل مدینہ حائل کہتے تھے،
 اسی طرح مدینہ کے بہت سے کنویں اپنے پانی کی فراوانی و شیرینی کے لئے مشہور تھے، وہاں
 نہریں اور بہٹ کا نظام بھی تھا، جس کے ذریعہ وہ اپنے باغوں تک پانی پہنچاتے تھے۔
 غلوں میں اوبکیت جو اور پھر گہوں کو حاصل تھی، اور سبز لوہ اور زرکاریوں کی نو
 بہتات تھی، کھیتی کے معاملات کی کسی قسم میں شلک مزارعہ، محافلہ، مخارہ، معاوتہ،

۱۔ صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں کتب بن مالک کی ابتلاء کا واقعہ دیکھئے جس میں آیا ہے کہ جب مجھ پر
 لوگوں کی سختی اور بے اعتنائی بڑھ گئی تو میں حائل ابی تنادہ کی دیوار پر چڑھا جو میرا چچا بھائی تھا،
 ۲۔ ابو ہریرہ کی وہ حدیث پڑھیں جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اور جس میں ایک باغ کے سیراب
 کرنے کا ذکر آیا ہے، اور اسی میں "شراج" (پانی کی مائیں) اور "مساحہ" (بھاٹے) سے آب سانی کا بھی
 ذکر ہے۔ ۳۔ صحاح میں حوت و مزارعہ کے ابواب دیکھئے، مزارعہ درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کو نقد
 کھجوروں نیچے کو کہتے ہیں، محافلہ خوشوں میں لگے ہوئے غلے کو نقد غلے یعنی جو کو جو کے بدلے اور گہوں کے
 گہوں کے بدلے تول کر لینے کو کہتے ہیں، مخارہ اور مزارعہ کچھ کیساں ہیں، یہ زمین کی پیداوار کی تنہائی
 یا جو تنہائی پر محالہ کرنے کو کہتے ہیں، لیکن مزارعہ میں بیج مالک کے ہوتے ہیں، اور مخارہ میں بیج کاشتکار
 کے، اہل لغت کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ وہ ایک ہی ہیں، مزارعہ و مخارہ کی صحت میں خلف
 و سلف کا اختلاف مشہور ہے، (ماخوذ از شرح مسلم للنووی) معاوتہ کئی سال کی فصلوں کو بیج
 دینے کو کہا جاتا ہے، جیسے درخت کے پھل دو تین سال یا زیادہ کے لئے بیج دینے جائیں۔

ان شکلوں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کر دیا یا اس کی اصلاح کر دی۔ مکہ اور مدینہ میں جو سکے رائج تھے، وہ ایک ہی تھے اور ہم ان کا تفصیل سے مکہ کے سلسلہ میں ذکر کر چکے ہیں، اہل مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کو ناپ تول کے پیمانوں سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا، کیونکہ وہاں کے باشندوں کا سرمایہ غلے اور پھل ہی تھے، مدینے میں استعمال ہونے والے پیمانے یہ تھے: مڈا، صاع، فوق، عروق، وسق، وزن کے لئے یہ چیزیں تھیں، درہم، شقاق، داتق، قیراط، نواۃ، رطل، قنطار اور اوقیہ۔

مدینہ اپنی زرغیزی کے باوجود غذائی طور پر خود کفیل نہ تھا، اس لئے وہاں کے باشندے باہر سے بھی غذائی اشیاء درآمد کرتے تھے، وہ میدہ کا آٹا گھی اور شہد شام سے لاتے تھے، جیسا کہ ترمذی نے قتادہ بن نمان سے روایت کیا ہے جس میں آیا ہے کہ مدینے کے لوگوں کی غذا کھجوریں اور جو تھے اور جب آدمی خوشحال ہوتا تو جب شام سے ضافط (ناہر) میدہ لے کر آتا تو اس سے اپنے لئے وہ چیزیں خرید لیتا لیکن اہل و عیال کھجوریں اور جو ہی کھاتے تھے، یہ قصہ مدینہ کی غذائی صورت حال اور معیار زندگی کے اختلاف پر کافی روشنی ڈالتا ہے جو ہجرت کے بعد اچانک سامنے نہیں آئی تھی۔ یہود جن کی فطرت اور تاریخ ہر جگہ یکساں رہی ہے، مدینہ میں بھی عربوں سے زیادہ

۱۱۱۔ تفصیل کے لئے حدیث اور وظائف کی کتابیں دیکھیں اور اوزان کے لئے دیکھیں الترتیب لاداقۃ

۱۱۵/۱۔ ضافط کے متعلق علامہ محمد طاہر ٹپٹی کہتے ہیں ضافط اور ضفاط اسے کہا جاتا تھا جو مال و اہل شہروں تک پہنچاتا تھا، نیپلی قوم کے افراد ہوتے تھے جو مدینہ تک آتا، تیل وغیرہ ہونچاتے تھے (صحیح البخاری ۳/۲۱۱ طبع حیدرآباد) لہذا یہاں درم کا لفظ آیا ہے جو مفید ہے کہ ہمیں اس کا واحد درم

۱۱۶۔ ملاحظہ ہو آیت وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَفُونَ أَنفُسُهُمْ فَجَادِلْ اللَّهَ لَعَلَّكَ تُبْحَرُ وَمَنْ كَانَتْ حَوَافِدًا أُنثَىٰ

تفسیر ترمذی میں۔ (سورۃ النساء - ۱۰۷)

مالدار واقع ہوئے تھے، عرب اپنے پدوی اور قومی مزاج کی وجہ سے مستقبل کے بارے میں زیادہ سوچنے کے عادی نہ تھے، کہ اس کے لئے مال جمع کرنے کی فکر کرتے، اس کے ساتھ ہی وہ ہمان نواز اور فیاض بھی تھے، اس وجہ سے یہود سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے، اور یہ قرض اکثر سودی یا رہنی ہوتا تھا۔

اہل مدینہ کے پاس اونٹ، گائیں اور بکریاں بھی تھیں، اونٹ کو زمین کی سینچائی کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، اور ایسے اونٹوں کو اہل النواضم کہتے تھے، ان کے پاس چراگا بھی تھیں، جن میں مشہور زغایہ اور غایہ تھیں، جہاں سے لوگ لکڑیاں بھی حاصل کرتے اور ویشیوں کو چراتے بھی تھے، گھوڑوں کو وہ جنگوں میں استعمال کرتے تھے، اگرچہ وہ کئے کی نسبت کم تعداد میں پائے جاتے تھے، بنو سلیم گھوڑوں کے لئے مشہور تھے، جنھیں وہ باہر سے درآمد کرتے تھے۔

مدینے میں کئی بازار بھی تھے، جن میں سب سے اہم، سوق بنی قینقاع تھا، جو سونے اور چاندی کے زیورات و مصنوعات اور کپڑے والوں کا خاص بازار تھا، اس وقت مدینے میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین خالیچے اور نقش پردے عام طور پر موجود تھے، عطر فروش مختلف قسم کے عطر اور مشک فروخت کرتے تھے، اسی طرح عنبر اور پارے کے تاجر بھی پائے جاتے تھے، خرید و فروخت کی بہت سی

لہ یاقوت حموی کی معجم البلدان اور یہودی کا وفاء الوفاء ملاحظہ ہو ۱۷۷ حضرت عائشہؓ کی حدیث ملاحظہ ہو، جسے تخمین نے روایت کیا ہے، اس میں قرام کا ذکر آیا ہے، قرام کے بارے میں علامہ ٹپنی کہتے ہیں کہ وہ باریک پردہ یا کئی رنگوں کی اون کی چادر یا وہ پردہ ہوتا ہے جو محلہ عروسی میں لگتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ مزین نقش بھی ہوتا ہے (مجمع بحار الانوار ۴/۲۵۸) ۱۷۷ التراتیب الاداریۃ ۱/۹

قسموں میں بعض کو اسلام نے باقی رکھا، اور بعض کو روک دیا، جیسے بخش و اشکا و تلمی
 الرکبان، بیع المصراة (جانوروں کے تھن میں دودھ محفوظ کر کے بیچنا) بیع نسئہ
 بیع الحاضر للبادی، بیع المجازفة، بیع المزابنتہ اور محاصرۃ، اوس و خمر ج کے
 کچھ لوگ بھی سودی کاروبار کرنے لگے تھے، مگر وہ یہود کی نسبت بہت ہی کم تھے۔
 مدینہ کی تمدنی زندگی میں وہاں کے باشندوں کے مزاج و خوش مذاقی کے
 سبب خاصی ترقی ہو چلی تھی، چنانچہ دو منزلہ مکان بننے لگے تھے یہ

بعض گھروں کے ساتھ پائین باغ بھی تھے، وہ بیٹھے پانی کے عادی تھے،
 جسے انھیں کبھی دُور سے بھی لانا پڑتا تھا، بیٹھنے کے لئے کرسی کا استعمال بھی ہوتا تھا
 شیشے اور پتھر کے پیالے اور آنچولے استعمال میں آتے تھے، اور مختلف قسم کے چراغ
 استعمال ہوتے تھے، گھر اور کھیت کے کاموں میں چھوٹی ٹوکریاں اور زینیلیں کام
 میں لائی جاتی تھیں، مال داروں خصوصاً یہود کے گھروں میں خاصا فرنیچر پایا جاتا
 تھا، قم قم کے زیورات بھی استعمال ہوتے تھے، جیسے کنگن اور بازو بند، پازیب او
 کڑے کان کے بُندے اور بابایاں، انگوٹھیاں اور سونے یا مہنی دانوں کے ہار وغیرہ۔

۱۔ کتب حدیث و فقہ کے ابواب بیع اور بیع بحار الانوار“ ملاحظہ ہوں، جہاں ان لفظوں کی
 شرح اور ان کی حلت و حرمت کے احکام ملیں گے ۲۔ ملاحظہ ہو حدیث بھرت اور
 حضرت ابویوب انصاریؓ کے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرمانے کا واقعہ۔
 ۳۔ الترتیب الاداریہ ۱/ ۹۷ ۴۔ ایضاً ص ۱۵۵ واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ
 کی حدیث ملاحظہ ہو، جسے بخاری نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے، اس میں جزیع کا لفظ ہے
 جو سیاہ سفید رنگ کے دانوں کو کہتے ہیں۔

عورتوں میں مینے اور کاتنے کا عام رواج تھا، اور سلائی، رنگائی، معاری اور خشت سازی اور رنگ تراشی ان صنعتوں میں تھیں جو ہجرت سے بہت پہلے ہی مدینے میں معروف تھیں۔

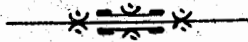
یشرب کا پیچیدہ اور ترقی یافتہ معاشرہ

اس طرح یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہاجرین نے مکہ سے یشرب نام کے کسی گاؤں کی طرف سفر نہیں کیا تھا بلکہ وہ حضرات ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہوئے تھے، اگرچہ یہ دوسرا شہر پہلے شہر کے مقابلے میں زندگی کے بہت سے مظاہر میں مختلف تھا، اور نسبتاً مکہ سے کچھ چھوٹا بھی تھا، لیکن وہاں کی زندگی پیچیدگی میں مکہ سے بڑھی ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والے مسائل مختلف نوعیت کے تھے، کیونکہ وہاں کئی مذاہب اور معاشرے اور ثقافتیں موجود تھیں جن پر قابو پانے اور مدینہ کو ایک عقیدے اور ایک دین کے رنگ میں رنگنے کا کام مؤیدین اللہ رسول ہی کر سکتا تھا، جسے اللہ نے حکمت و بصیرت اور قوت فیصلہ اور انسانیت کے بکھرے شیرازے کو جمع کرنے اور تجارب قوتوں اور نظریوں کو ہدایت اور تعمیر انسانیت کے کام میں ایک دوسرے کا مددگار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا، اور جسے ایک دلکش شخصیت عطا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کتنا صحیح کہا ہے کہ:-

هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ
مَنْ يَحِبُّ جَسَدِ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَيَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَاللَّاتِ
 بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ
 مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا
 أَلْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
 وَاللَّيْنِ اللَّهُ أَلْفَتَ بَيْنَهُمْ
 إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
 (سورة الانفال ۶۲-۶۳)

کے ذریعہ آپ کی پشت پناہی
 کی اور ان کے دل ملا دیئے کہ اگر
 آپ دنیا کی ساری دولت بھی
 خرچ کر دیتے تب بھی ان کے
 دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے،
 لیکن اللہ ہی نے ان میں جوڑ اور
 اتفاق پیدا کر دیا، وہ غالب
 اور حکمت والا ہے۔



مدینہ میں

مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کس طرح کیا؟

انصار کو یہ اطلاع ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد شہر کے آخری کنارہ پر پہنچ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار شروع کر دیتے، اور اس وقت تک ہاں سے نہ ہٹتے جب تک کہ دھوپ بہت تیز اور ناقابل برداشت نہ ہو جاتی اور وہ سائے کی پناہ لینے پر مجبور ہوتے اس وقت وہ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے، یہ گرمی کا موسم اور سخت تپش کا زمانہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لائے اس وقت انصار انتظار کے بعد اپنے گھروں میں جا چکے تھے، سب سے پہلے آپ پر ایک یہودی کی نظر پڑی، یہودی انصار کو روزیہ سب کرتے دیکھتے تھے، آپ کو دیکھ کر اس نے بہت زور سے آواز لگائی، اور انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع دی، وہ سب یہ سنتے ہی نکل پڑے اور دیکھا کہ حضور ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں، اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ ہیں، جو آپ ہی کے ہم عمر معلوم ہو رہے تھے، ان میں سے اکثر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے پہلے زیارت نہیں کی تھی،

اس لئے ان لوگوں نے اپنے ذوق و شوق میں دونوں کو گھیر لیا اور ہجوم بڑھنے لگا، حضرت ابو بکرؓ نے یہ محسوس کر لیا کہ لوگ یہ نہیں سمجھ پائے ہیں کہ ان میں مخدوم کون ہے اور خادم کون؟ چنانچہ انھوں نے ایک چادر لے کر حضورؐ کے سر پر سایہ کر لیا، اور اس سے یہ شبہ زائل ہو گیا۔

تقریباً پانچ سو انصاریوں نے اس مبارک قافلہ کا استقبال کیا اور آخر میں ادب کے ساتھ عرض کیا حضور! تشریف لے چلیں، آپ ہر طرح مامون و محفوظ ہیں اور آپ کی ہر بات میں اطاعت کی جائے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق سفر اس قافلہ کے جلو میں روانہ ہوئے، اور ادھر سارا مدینہ آپ کے استقبال اور خوش آمدید کے لئے نکل کھڑا ہوا، خواتین کو ٹھوں کی چھتوں سے نئے قافلے کو دیکھ رہی تھیں اور ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ دیکھو، ان میں حضور کون ہیں؟ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے کبھی ایسا نظارہ نہیں دیکھا۔

لوگ راستوں اور گزرگاہوں پر اور مکانوں کی چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں پر جمع ہو گئے تھے، اڑکے اور نوکر خدمت گار ہر طرف کہتے تھے، اللہ اکبر، جاء رسول اللہ، اللہ اکبر، جاء محمد، اللہ اکبر، جاء رسول اللہ، اللہ اکبر، رسول اللہ تشریف لے آئے، اللہ اکبر، محمد تشریف لائے، اللہ اکبر، رسول اللہ تشریف لے آئے۔^۱ براء بن عازبؓ جو اس وقت کم سن تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہونے نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے،

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹، امام احمد بروایت انس ابن مالک (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۹)

۲۔ صحیح بخاری و سلم بطریق اسرائیلؓ بروایت ابو بکر رضی اللہ عنہ (حدیث ہجرت)۔

نوٹدیاں تک پکارتی پھر رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔

مسلمانوں نے آپ کی آمد آمد سے خوش ہو کر جوش و مسرت کے ساتھ نعرہ بکیر
بلند کیا کہ اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی مسرت نہ ہو سکتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ اس وقت مسکرا، اور فخر و مسرت سے اٹھارہا
ہو، انصار کی بچیاں بڑے سرور و مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھتی تھیں۔

| | |
|-------------------|-------------------|
| طلح البدر علینا | من ثنات الوداع |
| وجب الشکر علینا | مادع الله داع |
| ایہا المبعوث فینا | جئت بالامر المطاع |

۱۔ صحیح بخاری (باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ابی الدین) ۲۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۹ بہیقی روایت کا
۳۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس موقع پر ایک علمی بحث پیدا کر دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ثنیت الوداع
جس کا ذکر ان اشعار میں آیا ہے مکہ سے مدینے آنے والے کے راستے میں (جو جنوبی شمال کی طرف آتا ہے)
نہیں پڑنا چاہئے اس لئے کہ ثنیت الوداع تام جانے والے یا شام سے آنے والے کے راستے میں واقع ہے،
ان کی تحقیق ہے کہ یہ اشعار اس موقع پر پڑھے گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے بڑی عزت
و کامرانی کے ساتھ واپس تشریف لائے تھے، خود صحیح بخاری میں غزوة تبوک کی واپسی پر ثنیت الوداع کا ذکر کیا گیا ہے۔
لیکن عام طور پر اہل سیر جن میں سیرت کے قدیم مصنفین بھی شامل ہیں ان اشعار کو مکہ سے تشریف
آوری کے موقع پر نقل کرتے ہیں، راقم نے بعض ایسے حضرات سے دریافت کیا جو مدینے کے گلی کوچے سے واقف
تھے، انھوں نے کہا کہ مکہ سے آنے والا بھی یہ راستہ اختیار کر سکتا ہے، اور ہجرت جن حالات میں پیش آئی ان میں
یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ نے عام راستہ چھوڑ کر ثنیت الوداع سے مدینے کا رخ فرمایا ہوا (۲۵۴ پر)

ترجمہ :- ۱۔ پہاڑی کے اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں آج
چودھویں کا چاند نکل آیا ہے۔

۲۔ جب تک دنیا میں اللہ کا ایک نام لینے والا بھی رہے گا، ہم پر شکر ادا کرنا
واجب رہے گا۔

۳۔ اے وہ ذات پاک جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ اجب لاطفا
حکم لے کر آئے ہیں۔

انس ابن مالک النصارى جو اس وقت کم عمر تھے کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے ہیں میں حاضر تھا، واقعہ یہ ہے کہ میں نے کوئی دن
اس سے زیادہ حسین اور روشن نہیں دیکھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی صفحہ ۲۵۱ کا) اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ مدینہ میں نیتہ الوداع کے نام کا ایک ہی مقام
نہ تھا، مکہ کے راستے میں بھی ایک ایسی چڑھائی تھی جس کے آثار پر وہی دقیق واقع تھی اور وہ چاروں طرف
حور سے گھری ہوئی ہے، یہ اس زمانہ میں اہل مدینہ کی ایک بڑی گامی تھی جہاں گریوں میں شام کو لوگ جمع
ہوتے تھے، یہ بالکل ممکن ہے کہ ان اشعار پر اسی مقام کی طرف اشارہ ہو یا تاریخ کی بعض کتابوں معلوم ہوتا
ہے کہ اہل مدینہ مکہ جانے والوں کو یہاں تک پہنچانے آتے تھے (آثار المدینۃ المنورہ ص ۶۷ طبع سوم)۔

خود ان اشعار میں اس امر کی داخلی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ نیزانہ شکر و مسرت اسی وقت
گایا گیا ہے جب پہلی مرتبہ مدینہ آپ کے قدم میں منت لڑم نے شروت ہلا، اشعار کی بے شکلی بوش مسرت اور خاص طور
پر آخری شعر ادا المبعوث فینا۔ جئت بالامر المطلاع، بول رہا ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب

اہل مدینہ کی آنکھیں پہلی مرتبہ آپ کے دیدار پر لالہ سے روشن ہوئیں اگر غزوہ تبوک کے موقع پر بھی یہ اشعار پڑھے گئے جیسا کہ
بعض صحیح روایات میں آیا ہے تو اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ اس طرح کا نیزانہ مسرت بار بار استقبال کے موقع پر گایا جاسکتا

ہمارے ہاں (مدینہ) تشریف لائے۔

مسجد قباء اور مدینہ کا پہلا جمعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”قباء“ میں چار روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جمعہ کے روز آپ وہاں سے آگے روانہ ہوئے، جمعہ بنی سالم بن عوف کی برادری میں پڑا، چنانچہ جمعہ کی نماز آپ نے ان ہی کی مسجد میں ادا کی، جمعہ کی یہ پہلی نماز تھی، جو آپ نے مدینہ میں پڑھی۔

ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے گزریے تو راستوں میں جماعتیں بنانا کر لوگوں نے آپ سے اس کی درخواست کی کہ آپ ان کے ہاں قیام فرمائیں، وہ کہتے تھے، آپ ہمارے ہاں اقامت فرمائیں، تعداد، سامان اور عزت و شوکت کے ساتھ کبھی بھی لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتے، آپ فرماتے کہ اس کو جانے دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، ایسا کئی بار ہوا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النجار کے محلہ سے گزریے تو بچوں اور باندیوں نے ان اشعار سے آپ کا استقبال کیا۔

نحن جوار من بنی النجار یا حبیبنا محمد من جابر
ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ اے خوشبخت کہ محمدؐ ہمارے بڑے ہیں۔

لہ داری روایت السنن ۱۱۱۱ ابن ہشام ۱۱۱۱ صحیح بیہقی روایت ابن ابی شیبہ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۱)

جب آپ بنی مالک بن النجار کے گھر تک پہنچے تو اونٹنی ایک جگہ پر جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے، خود بخود ٹھہر گئی، اس وقت اس جگہ کھجور کا ایک کھیلان تھا، جو بنی نجار کے دیوم لڑکوں کی ملکیت تھا، اور وہ آپ کے نانہامی رشتہ دار بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے، ابو ایوب انصاریؓ (خالد بن زید النجاری انحر جی) نے فوراً آپ کا سامان انزویا اور اٹھا کر لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں قیام فرمایا، ابو ایوب انصاریؓ نے آپ کی میزبانی، ضیافت، خاطر مدارات اور ادب و تعظیم میں کوئی کسر اٹھانہ کھی، بالائی منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا وہ نیچے آگئے، اور حضورؐ سے درخواست کی کہ آپ اُوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے میں گئے، آپ نے ارشاد فرمایا، ابو ایوبؓ ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابو ایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے لیکن آج اپنے گھر میں آپ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اور اس سرفرازی اور عزت (جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی) کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت و رحمت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجے، اگر آپ کا پس خود وہ واپس آتا تو میں اور اُم ایوبؓ اس طرف سے جہاں سے آپ نے کھایا ہونا یہاں بچا ہوا کھانے اور برکت حاصل کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے کی منزل میں تشریف رکھتے تھے، اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مشکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے ٹوٹ گیا، میں نے اور اُم ایوبؓ نے اپنی جباد سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اور ہٹنے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں

خدا نخواستہ نیچے نہ چسکنے لگے اور آپ کو تکلیف ہوئی

مسجد نبوی اور مکانات کی تعمیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لڑکوں کو جو اس کھلیان کے مالک تھے، بلا بھیجا اور ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لئے خریدنا چاہی، دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح قبول نہ فرمایا، اور کسی نہ کسی طرح قیمت دے کر قطعہ زمین حاصل کیا اور وہاں مسجد کی تعمیر کی۔ آپ نے مسجد کی تعمیر میں نفیس نفیس شکر ت فرمائی، آپ انیٹیس یہاں پہنچے تھے، اور مسلمان آپ کی پیروی کرتے تھے، اس موقع پر آپ یہ ارشاد فرماتے تھے۔

اللهم ان الاجرا جبر الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة

اے اللہ! اجرت تو آخرت کی اجر ہے، پس انصار اور ہاجرین پر رحم فرما۔

مسلمان اس وقت بہت مسرور اور شادماں تھے، شوقیہ اشعار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابویوب انصاری کے گھر میں سات ماہ قیام فرمایا۔

۱۵ ابن اسحاق بروایت ابویوب انصاری (ابن کثیر ۲/۲۷۷) ۱۵ صحیح بخاری باب

”مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی اللدینۃ“ ۱۵ ابن کثیر ۲/۲۵۱

۱۵ ابن کثیر ۲/۲۷۹۔ یہ ابن سعد کے نزدیک اقدی کی روایت ہے اور فتح الباری میں ابن حجر نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے سال میں ربیع الاول سے صفر تک قیام کیا، اور وہاں مسجد (نبوی) تعمیر کی، اور سکونت کے لئے گھر بنائے، اس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت ابویوب کے یہاں دس ماہ سے زیادہ قیام رہا۔“

جب آپ کی مسجد اور رہائشی مکانات تعمیر ہو گئے تو آپ وہاں سے یہاں منتقل ہو گئے۔ مہاجرین آپ کے بعد مسلسل مدینہ آتے رہے، یہاں تک کہ مکہ میں صرف دو ہی تم کے آدمی بچے، یا تو وہ جو کسی فتنہ اور آرائش میں پڑ گئے، یا وہ جو دشمنوں کی قید میں تھے، اور وہاں سے رہائی کی کوئی سبیل نہ تھی، دوسری طرف انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔

مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کا معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں ایک دوسرے کی غم خواری اور ہمدردی و اعانت کی بنیاد پر بھائی چارہ اور مؤاخات کا ایک معاہدہ بھی کرایا، انصار مہاجرین کے ساتھ بھائی چارہ کے لئے اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے کہ قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی تھی، وہ مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کے اثاثہ، مال و دولت، زمین جائیداد ہر چیز میں اختیار و تصرف دے دیتے تھے اور ان کو اپنے پر مقدم رکھتے تھے۔

ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا، دیکھو میرا نصف مال جتنا ہوتا ہو تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تم کو پسند آئے بتاؤ تو میں اس کو طلاق دے کر تمہارے حوالہ کروں، مہاجر جو اب دیتا، اللہ تعالیٰ تمہارے گھروالوں اور مال و اسباب میں برکت عطا کرے، تم مجھے بس بازار کا راستہ بتا دو (مہتمم قسمت آزمائی کر لیں گے)۔

انصار کا کام ایثار تھا، مہاجرین کا استغناء اور خود داری۔

مواخاة اور اس کی اہمیت

یہ مواخاة (بھائی چارہ) اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی و عالمی اخوت کی اس ایک صاحب دعوت اُمت کے قیام کا مقدمہ تھی جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لئے برپا ہو رہی تھی اور جو صحیح و معین عقائد اور دنیا کو بد نیتی و بد نظمی سے نجات دینے والے نیک مقاصد اور ایمان و معنوی اخوت اور متحدہ سرگرمی کے تعلقات کے لئے قائم ہو رہی تھی، اس طرح مہاجرین و انصار کے درمیان یہ محدود اخوت دنیا کے انسانیت کی نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے شہر کی ایک چھوٹی سی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

إِن تَقْلُوبُوا لَمَّا نُنزِّلُ الْآيَاتِ لَئِيَّا تَكُونَ فِي الْأَذْيَانِ
وَفَسَادٍ كَثِيرٍ (سورة الانفال: ۲۱) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

حضور کی تخریر اور یہود سے امن و امان کا معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مہاجرین و انصار کے لئے ایک تخریر تیار فرمائی جس میں یہود سے امن و امان کا معاہدہ تھا، اور ان کے لئے صحیح بخاری باب (إخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار) اور باب (کیف آخی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ) میں عبدالرحمن بن عوفؓ اور سعد بن الربیعؓ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

اپنے دین و مذہب پر رہنے اور مال و جانِ داد کی حفاظت و بقا کا ذمہ لیا گیا تھا، اور ان کے حقوق اور ذمہ داریوں دونوں کی نشان دہی کی گئی تھی۔

اذان کا حکم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں امن و اطمینان حاصل ہوا اور اسلام کو استحکام نصیب ہوا تو آپ نے نماز کے لئے اطلاع و دعوت کے وہ طریقے جو یہود اور نصاریٰ میں رائج تھے، مثلاً ناقوس، گھنٹہ، یا شعل وغیرہ ناپسند فرمائے اس وقت تک مسلمان بغیر کسی دعوت و اعلان کے نماز کے اوقات میں خود جمع ہو جاتے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان سے سرفراز فرمایا، اور خواب میں بعض صحابہ کو اس کا مشاہدہ کرایا گیا، چنانچہ آپ نے اسی اذان کو متعین فرمادیا اور شرعی طور پر اس کا اجرا ہو گیا، یہ خدمت حضرت بلال بن رباح حبشیؓ کے حوالہ ہوئی، وہ رسول اللہ

لہ ملاحظہ کیجئے ابن ہشام ص ۵۔ اس سیاسی دستاویز کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے (جسے دنیا کا قدیم ترین باضابطہ تحریری دستور کہا جا سکتا ہے، جو کُل شکل میں آج بھی موجود ہے) اور اس گہرے سیاسی تمدنی اور جگہ نشین حکمت نبوی، اور ہر اہمیت رسانی اور حالات کے متوازن جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مابن اسامہ) بین الاقوامی قانون، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، کا مقالہ، "جرم کا عربی ترجمہ مؤلف کتاب نبی رحمت کے قلم سے" مجموعہ مباحث علمیہ (۹۵-۱۱۴) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس دستاویز کا متن "سیرت ابن ہشام" ص ۵۰-۵۰۴ (طبع مصطفیٰ ابابلی، مصر) کتاب الاموال

لابی عبید البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۴-۲۲۶، اور مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العهد النبوی والخلافة الراشدۃ، از ڈاکٹر محمد اللہ (طبع مکتبۃ التالیف والترجمہ والنشر، قاہرہ) میں ملاحظہ ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن کے لقب سے سرفراز ہوئے اور قیامت تک کے لئے مؤذنین کے امام قرار پائے۔

مدینہ میں نفاق اور منافقین کا ظہور

مکہ میں نفاق نہ تھا، اور یہ بات اس لئے نکھی کہ اسلام وہاں مغلوب اور مجبور تھا، اس میں صورت حال کو بدلنے کی کوئی طاقت نہ تھی، وہ کسی کو نفع یا نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا تھا بلکہ اسلام قبول کرنے کے معنی ہی وہاں یہ تھے کہ ہر قسم کے خطرہ اور ضرر کو گوارا کیا جائے، دشمنی مول لی جائے اور دشمنوں کو جانتے بوجھے متعلق کیا جائے اس کی ہمت صرف وہی کرنا تھا، جو اپنے قول میں سچا اور ارادہ میں پکا ہوتا جس کا ایمان مضبوط ہوتا اور وہ اپنی زندگی اور مستقبل کو خطرہ میں ڈالنے پر آمادہ ہوتا، وہاں دو برابر کی طاقتیں نہ تھیں، مشرک طاقتور اور غالب تھے اور مسلمان مظلوم اور کمزور، قرآن مجید نے اس صورت حال کی اپنے بلیغ انداز میں اس طرح تصویر کھینچی ہے:-

وَإِذْ كَرُّوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم
مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے
تھے کہ لوگ تمہیں اڑانے لے جائیں

(سورۃ انفال - ۲۶)

(یعنی بے خانماں نہ کرو دیں۔)

لے اکثر مفسرین و مؤرخین کی یہی رائے ہے، قرآن مجید کی وہ تمام سورتیں جن میں نفاق یا منافقین کا ذکر کیا گیا

ہے، نیز یہاں نازل ہوئی، سورۃ براءۃ میں آیا ہے: "وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ الَّذِي كَفَرَ بِهِ وَيَأْتِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ الَّذِي كَفَرَ بِهِ وَيَأْتِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ الَّذِي كَفَرَ بِهِ" (سورۃ براءۃ - ۱۰)

جب اسلام مدینہ منقل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو امن و استحکام کا موقع حاصل ہوا، اسلام کو فروغ ہونے لگا اور اسلامی معاشرہ اپنے سارے شرائط و لوازمات کے ساتھ وجود میں آ گیا تو اس وقت صورت حال میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوئی اور نفاق نے سر نکالا، یہ ایک بالکل فطری اور نفسیاتی بات تھی جس سے مفر ممکن نہ تھا، اس لئے کہ نفاق ہمیشہ وہیں پیدا ہوتا ہے اور ہاتھ پیر نکالتا ہے جہاں دو مقابل دعوتیں اور حرکیت قیادتیں موجود ہوں، اس موقع پر یہ مذہب اور مترّد گروہ ان دونوں دعوتوں اور قیادتوں کے درمیان چپکولے کھانا رہتا ہے اور مترّد و فکر مند رہتا ہے کہ کس دعوت کو اختیار کرے اور کس کو چھوڑے، کبھی وہ کسی ایک دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور اس کے کیمپ میں چلا جاتا ہے اور جذباتی لگاؤ اور وفاداری کا تعلق بھی اس سے قائم کر لیتا ہے لیکن اس کا دنیاوی مصلحتیں اور مقابل دعوت کا فروغ اور اس کا غلبہ و عروج اس کو اپنے صحیح موقف اور پہلی دعوت کے پرچم کے نیچے آجانے کے اعلان سے باز رکھتا ہے اور وہ اپنے قدیم ماحول سے رشتہ بالکل منقطع نہیں کر پاتا، قرآن مجید نے تردّد اور اضطراب کی اس کیفیت اور حالت کی بہت نازک اور بولتی ہوئی تصویر کھینچ دی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

| | |
|---------------------------------|---|
| اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے | وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ |
| جو کتا بے پر دکھڑا ہو کر خدا کی | عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ |
| عبادت کرتا ہے اگر اس کو کوئی | خَيْرٌ لَطَمَانٌ بِهِ وَان |
| (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے | أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ لَّانْقَلَبَ عَلَى |

وَجِبْتُمْ فَخَسِرَ الدُّنْيَا
 وَالْآخِرَةُ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانِ
 الْمُبِينِ ۝
 (سورہ حج - ۱۱)

سبب مطئن ہو جائے اور اگر کوئی
 آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے
 (یعنی پھر کافر ہو جائے) اس نے دنیا
 میں نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی
 یہی نقصان صریح ہے۔

اسی گروہ کی صفت دوسری جگہ یہ بیان کی گئی ہے:-

مُدَّ بَدَائِبِ الْيَمِينِ بَيْنَ ذَٰلِكَ وَلَا إِلَىٰ
 هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ
 (سورہ النساء - ۱۲۳)

بیچ میں پڑے تلک رہے ہیں،
 نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ
 ان کی طرف۔

ان منافقین کی، جو اوس و خزرج اور یہود سے تعلق رکھتے تھے، سربراہی
 و رہنمائی عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاتھ میں تھی، ”بغات“ کی جنگ کے بعد سب نے
 متفقہ طور پر اس کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا، جب اسلام کا یہاں داخلہ ہوا، اس وقت
 اس کی تاج پوشی کی پوری تیاری تھی، جب اس نے دیکھا کہ لوگ بہت بڑی تعداد
 میں اور سرعت کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں تو یہ بات پھانس بن کر اس کے دل میں
 چبھ گئی، اس کو کسی کل قرار نہیں آتا تھا، ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ جس وقت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، اس وقت عبداللہ بن ابی بن سلول
 مدینہ والوں کا سردار تھا، اوس و خزرج اسلام کی آمد سے قبل اس کے سوا کبھی بھی
 کسی پر متفق نہ ہو سکے تھے، اور ان دونوں قبیلوں کے کسی ایک شخص کو اپنا سردار
 بنانے پر راضی نہ تھے، اس کی قوم نے اس کی تاج پوشی کے لئے کوڑیوں کا ایک تاج بھی

تیار کیا تھا اور اس کو بادشاہ بنانے کی تجویز تھی، یہ کیفیت چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاں بھیج دیا اور جب اس کی قوم اس کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئی تو اس کے دل میں سخت کینہ و حسد پیدا ہو گیا، اور اس کو محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سرداری اور اعزاز سے محروم کر دیا، لیکن یہ دیکھ کر کہ اس کی قوم کسی حالت میں بھی اسلام کو ترک کرنے والی نہیں وہ بھی بادلِ ناخواستہ داخل اسلام ہوا، اور اپنے نفاق، جلن اور کینہ پر بدسنو ز قادم رہا۔

ایسے تمام لوگ اسلام دشمنی پر اتر آئے جن کے دل میں کوئی چورتھا، اور جو بیادت کے خواہاں تھے، وہ اس نئے دین سے گھٹن محسوس کرنے لگے جس نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور میڈن پر پانی پھیر دیا تھا، اور جس نے مدینہ کا رنگ بدل کر مہاجرین و انصار کی یک دل و یک جان اُمت تیار کر دی تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکتی اور آپ کی محبت کو اپنے باپ بیٹوں اور بیویوں کی محبت پر بھی ترجیح دیتی تھی، یہ منظر دیکھ کر ان منافقین کے دل غصے اور حسد سے بھر گئے اور وہ آنحضرت کے خلاف منصوبے بنانے اور سازشیں کرنے لگے، اس طرح مدینہ میں اسلامی معاشرے کے اندر ہی ایک مخالف محاذ پیدا ہو گیا، جس کی طرف سے مسلمانوں کو ہوشیار رہنا ضروری ہو گیا، کیونکہ یہ گروہ "مارِ آستین" کی حیثیت رکھتا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کثرت سے ان کا ذکر کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اسلام کا ان کے ساتھ مختلف نوع کا تعلق رہا ہے، اس لئے

سیرت کی کتابوں میں ناگزیر بطور پران کا ذکر آتا ہے اور اس کتاب میں بھی آئے گا۔

یہود کی دشمنی کا آغاز

ابتداء میں کسی قدر غیر جانبداری اور خاموشی کے بعد پہلی بار یہود کی دشمنی اور کینہ پروری کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں، ان کا موقف پہلے مسلمانوں و مشرکوں اور اہل مکہ اور اہل مدینہ میں غیر جانبداری کا تھا، بلکہ شاید وہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی طرف نسبتاً زیادہ مائل تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبوت ارسالت اور روزِ آخرت پر ایمان میں (خواہ بعض تفصیلات میں اختلاف ہو) نیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور عقیدہ توحید میں وہ مسلمانوں سے بہت قریب تھے، اگرچہ یہ عقیدہ بھی، جاہلی اقوام کے پڑوس میں ایک طویل عرصہ تک رہنے اور بت پرستی کے ماحول میں جلا وطنی کی بیطویل مدت گزارنے کی وجہ سے بہت کمزور چمکا تھا، اور اس میں غلو اور بعض انبیاء کی تقدیس بھی شامل ہو گئی تھی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

تمام قرآن یہ بتاتے تھے کہ اگر وہ اسلام کا ساتھ نہیں دیں گے تو کم از کم اس معاملہ میں غیر جانبدار ضرور رہیں گے، اس لئے کہ اسلام ان کی مذہبی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں، قرآن مجید اہل ایمان کی زبان سے کہتا ہے :-

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللهِ وَمَلَكَيْتِهِ سُبْحٰنَہٗ اور اس کے فرشتوں پر اور

لہ دیکھیے باب "عہدِ جاہلیت"

وَكُنْتُمْ وَرَسُولَهُ لَا تَفَرَّقُ
 بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ -
 (سورہ بقرہ - ۲۸۵)

اس کی کتابوں پر اور اس کے
 پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور
 کہتے ہیں) ہم اس کے پیغمبروں میں سے
 کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

اگر ایسا ہو سکتا تو آج نہ صرف تالیخ اسلام بلکہ تالیخ عالم کا رخ دوسرا ہوتا
 اور اسلامی دعوت کو ان مشکلات و مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا جو اسلام و یہودیت
 کی آویزش اور ان اولین مسلمانوں (جو اپنی نشوونما کے دور میں تھے) اور ان ہیوں
 (جو طاقتور یا اثر دولت مند اور علم یافتہ تھے) کی کش مکش نے پیدا کر دیئے تھے اس کے
 صرف دو بنیادی سبب تھے، ایک یہودیوں میں حسد رنگ لای اور جمود و تعصب کا
 مادہ، اور دوسرے ان کے عقائد باطلہ، اخلاق رذیلیہ اور فحیح عادتیں جن پر قرآن مجید
 میں جا بجا تنقید کی گئی ہے، اور ان کی اس طویل تالیخ کا پردہ چاک کیا ہے جو انبیاء و کرام
 سے برسرِ جنگ ہونے، ان کے پیغام و دعوت کا مقابلہ کرنے، ان کو شہید کرنے کی جسارت،
 عناد و سرکشی، راہِ حق سے روکنے، اللہ تعالیٰ پر ہتھان باندھنے، دولت سے عشق،
 باوجود مانعت کے سودی کاروبار سے دل چسپی، ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھانے،
 حرام مال کا شوق، توریت میں اپنی حسبِ مرضی رد و بدل اور ترمیم و اضافہ، زندگی
 سے حد سے بڑھی ہوئی محبت اور بہت سے ان قومی نسلی خصوصیات سے بھری ہوئی ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی سیاسی رہنما ہوتا تو اس پھیپہ
 صورت حال کا (جو اس وقت مدینہ میں قائم تھی) اندازہ لگا کر اس کی روشنی میں
 مصلحت آمیز قدم اٹھاتا، وہ اگر یہودیوں کے ساتھ خوشامد اور منہ بھرائی کا معاملہ

نہ ترنا تو کم از کم ان کو مشتعل کرنے اور ان کی دشمنی مول لینے سے ضرور احتیاط کرنا بہکن
 آپ تبلیغ رسالت، دینِ حق کے صاف و واضح گام طریقہ پر اعلانِ حق و باطل کی تمیز
 اور فساد و مگر اہی کے مقابلہ اور سدِ باب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اور آپؐ
 اس کا ذمہ دار بنا یا گیا تھا کہ آپ دنیا کی تمام قوموں اور افراد اور جماعتوں کو جن میں
 یہود و نصاریٰ جیسے اہل کتاب بھی شامل ہیں، اسلام کی برپا دعوت دیں، خواہ اس کی
 آپ کو بڑی سے بڑی قیمت دینی پڑے اور طرح طرح کی مشکلات اٹھانی پڑیں، یہ نبوت کا
 وہ مزاج اور نہج ہے جس پر اسے انبیاء ہمیشہ کا رہنا ہے، یہی مزاج اور نہج سب سے
 اور نبوت کی راہوں کو الگ کرتا اور انبیاء اور قومی زعماء میں بنیادی فرق پیدا کرتا ہے،
 یہود کے عقائد اور ان کی زندگی اور سیرت و کردار پر ان باتوں سے ضرب کاری
 لگی اور اس نے ان کو اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور دشمنی پر کمر بستہ کر دیا، چنانچہ
 انھوں نے اپنا پڑنا رو تیار کیا، اور خفیہ و علانیہ دونوں طریقوں سے اسلام کی
 مخالفت پر اتر آئے اور مقابلہ کے لئے میدان میں آگئے، یہودی فاضل
 "اسرائیل و فلسطین" نے اس نزاع و دشمنی کے اسباب پر کسی قدر جرأت اور صفا گوئی
 کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتا ہے:-

«اگر رسول کی تعلیمات صرف بت پرستی کی مخالفت تک محدود نہ ہوتیں و
 یہود سے ان کی رسالت تسلیم کرنے کا مطالبہ نہ کیا جاتا تو یہود اور مسلمانوں
 میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوتا، اور یہود احترام و تعظیم کی نگاہ سے رسول کی
 تعلیمات کو دیکھتے، ان کی حمایت کرتے اور جان و مال سے ان کی مدد
 کرتے، یہاں تک کہ آپ ان بتوں کو پاش پاش کر دیتے (جن کا جزیرۃ العرب

میں دو (دورہ تھا) اور بت پرستانہ عقائد کا خاتمہ ہو جانا جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے، لیکن اس کی شرط یہی تھی کہ وہ ان سے اور ان کے دین سے کوئی سروکار نہ رکھیں اور نہ ان کو یہی نئی رسالت قبول کرنے پر مجبور کریں، اس لئے کہ یہودی ذہنیت کسی ایسی چیز کے سامنے نرم نہیں پڑ سکتی جو اس کو اس کے دین سے ہٹانا چاہتی ہو، وہ نبی اسرائیل کے سوا کسی اور نسل کے کسی نبی کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہو سکتی^{۱۵}۔

یہودیوں میں اس بات نے مزید اشتعال پیدا کر دیا کہ ان کے بعض عالم جیسے عبداللہ بن سلام جن کا وہ بڑا احترام کرتے تھے، اسلام لے آئے، یہود کو اس کا خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ ان جیسا شخص مسلمان ہو جائے گا، اس نے ان کے سینہ میں حسد اور جلن کی آگ دیکھ کر کا دی۔^{۱۶}

یہود نے صرف اسلام کی مخالفت اور اس سے بُدو و حسنت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مشرکوں اور بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر کھلی تہجیح دینے لگے جو عقیدہ توحید میں یہود کے شریک و ہم نوا تھے، تو یہ اس کی تھی اور مقبولیت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جب قریش کے مذہب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین کا موازنہ ہو گا اور ان میں تہجیح و انتخاب کا مسئلہ سامنے آئے گا تو وہ

لہذا تاریخ الیہودی بلاد العرب (ولفسن) ص ۱۲۳ ۵۲ یہود کے جو لوگ مسلمان ہوئے اور ان کو شرف صحبت حاصل ہوا ان کی تعداد ۳۰ تک پہنچتی ہے اور ان کے نام اور حالانکہ بطحا صحابہ ثلاثاً الاماتبہ اور ثلاثیہ اور اسرارنا تہ وغیرہ میں آئے ہیں ان میں بعض بڑے جلیل القدر علماء اور اجلہ صحابہ شامل تھے لہذا یہ تعداد مولانا حمید اللہ دہلوی کی کتاب اہل کتاب صحابہ تابعین، شائع کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے اخذ ہے۔

مسلمانوں سے اپنے اختلاف کے باوجود مشترک وبت پرستی پر اسلام کی حقانیت بڑی کی شہادت دیں گے، لیکن اسلام دشمنی نے ان کو اس کی اجازت نہ دی، چنانچہ جب ایک موقع پر یہودی علماء سرداران قریش سے مکہ میں ملنے گئے تو سرداران قریش نے کہا کہ آپ لوگ سب سے اول اہل کتاب ہیں اور ہم اے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان جو اختلاف چل رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، آپ کیا کہتے ہیں، ہمارا مذہب بہتر ہے یا ان کا؟ انھوں نے جواب دیا، آپ لوگوں کا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور آپ زیادہ حق پر ہیں۔

یہی یہودی فاضل (ڈاکٹر اسرائیل لفسن) اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

”لیکن ایک بات جس پر ان لوگوں کو واقعی ملامت کی جاسکتی ہے اور جس سے ہر اس شخص کو تکلیف پہونچے گی جو خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے، خواہ وہ یہودیوں میں سے ہو یا مسلمانوں میں سے، وہ گفتگو ہے جو کچھ یہودیوں اور قریش کے بت پرستوں میں ہوئی تھی اور جس میں ان یہودیوں نے قریش کے مذہب کو پیغمبر اسلام کے لئے ہونے والے دین پر ترجیح دی تھی!“

اگے بڑھ کر وہ لکھتے ہیں:-

”جنگی ضرورتوں نے قوموں کے لئے حیلہ سازی اور دروغ گوئی اور دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے فریب دہی کی مختلف تدبیروں کو جائز قرار دیا ہے، لیکن سب کے باوجود یہودیوں کو اس سنگین غلطی کا ارتکاب یہ گزند کرنا چاہئے تھا“

اور قریش کے ذمہ داروں کے سامنے اس کی صراحت نہ کرنی چاہئے تھی کہ بتوں کی پرستش اسلامی توحید سے بہتر ہے خواہ اس کی وجہ سے ان کے مقاصد پورے نہ ہو پاتے، اس لئے کہ بنی اسرائیل جو طویل صدیوں تک بت پرست اقوام کے مقابلہ میں اپنے قدیم آباء و اجداد کے نام پر توحید کا پرچم بلند کئے رہے اور جنھوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں اس عقیدہ کی خاطر ناقابل شمار مصائب برداشت کئے اور قتل و خون کے سخت مرحلوں سے گزرے ان کا آج یہ فرض تھا کہ وہ مشرکین کو ناکام و نامراد کرنے کے لئے اپنی متاع حیات اور نفس سے نفس شے کی قربانی دیں!

قرآن مجید نے اس آیت میں اسی صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

| | |
|--------------------------------------|--|
| بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا | الَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَيْتِ |
| جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں | وَاطَاعُوا نُوْحًا وَصَالِحًا |
| اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار | كَفَرُوا هُوَ لَكُمْ اَهْدَىٰ مِنَ |
| کے بائے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ | الَّذِينَ آمَنُوا سُبْحٰنَ (سورہ نساء ۱۷۱) |
| مومنوں کی نسبت بدھرتے ہیں۔ | |

قبلہ کی تبدیلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اب تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، مدینہ تشریف آوری کے بعد ایک سال چار مہینے تک نماز

اسی سچ پر پڑھی جاتی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے یہ عرب مسلمان بھی (جن کی نشوونما کعبہ کی محبت اور تعظیم پر ہوئی تھی) اور بیعت اور نفی اور ان کے گوشت پوست اور خون میں پیوست تھی) دل سے یہی چاہتے تھے کہ کعبہ ان کا قبلہ ہوتا، وہ کسی جگہ کو بھی کعبہ اور سیدنا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے قبلہ کے مقابلہ کا نہیں سمجھتے تھے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور اس کو اپنا قبلہ تسلیم کرنا، ان کے لئے ایک شدید امتحان تھا لیکن بے چون و چرا انھوں نے اس حکم کو تسلیم کیا اور "سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا" (اور ہم نے سنا اور اطاعت کی) اور "أَمَّا بِهٖ كُلِّ مَنٍ عِنْدَ رَبِّنَا" (ہم ایمان لائے جو کچھ ہے ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے) کے سوا ان کی زبان سے کچھ اور نہ نکلا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اللہ کے سامنے تسلیم خم کر دینے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے، خواہ وہ ان کی خواہش و مرضی اور ان کی عادت اور مذاق طبیعت کے موافق ہو یا نہ ہو، جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا یہ امتحان لے لیا، اور انھوں نے تقویٰ اور اطاعت کا پورا ثبوت دے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کا رخ کعبہ کی طرف کروا دیا گیا، قرآن مجید میں آتا ہے۔

| | |
|--|---|
| اور اسی طرح ہم نے تم کو امت ممتاز | وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا |
| بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر | لِتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰی النَّاسِ |
| (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں اور جس | وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا |
| قبلہ پر تم (پہلے تھے) اس کو ہم نے | وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ |
| اس لئے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ | عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ |
| کون ہمارے پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور | الرَّسُوْلُ مِمَّنْ يَّتَقَلَّبُ عَلٰی |

حَقِيبٌ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً
 الْآخِلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ هـ
 کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور
 یہ بات ریت المقدس کی طرف
 نماز پڑھنا اگر ان معلوم ہوئی مگر جن کو
 خدانے ہدایت بخشی (وہ اسے گراں
 نہیں سمجھتے تھے)!

مسلمانوں نے خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہوئے اپنا رخ اسی وقت کعبہ کی
 طرف کر لیا، اور وہی قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، مسلمان (خواہ
 دنیا کے کسی حصہ میں ہوں) اپنا منہ اسی کی طرف کر کے نماز پڑھنے کے لئے مامور ہیں۔

مدینہ کے مسلمانوں سے قریش کی چھیڑ چھاڑ

جب مدینہ میں اسلام کے قدم جم گئے، اور قریش نے دیکھا کہ اس کی وسعت
 اور مقبولیت میں دن دنی رات بچوگنی تر تری ہو رہی ہے، اور اگر یہ صورت حال کچھ دن او
 باقی رہ گئی تو نام کاران کے ہاتھ سے بالکل نکل جائے گی، اور اس کے بعد وہ اس کا کچھ بگاڑ
 نہ سکیں گے، یہ دیکھ کر انھوں نے مخالفت اور دشمنی کے لئے اچھی طرح کمر کس لی اور ہر طرف
 اس کے خلاف ایک شور و غوغا شروع ہو گیا، لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر
 اور عضو و درگزر کا حکم اور کُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقْبِمُوا الصَّلَاةَ (اپنے ہاتھ روکے رکھو اور
 نماز قائم کرو) کی تعلیم تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ زندگی اور اس کی لذتیں اور راحتیں
 ان کی نظر میں ارزاں و بے قیمت ہو جائیں اور اطاعتِ نفس کی مخالفت اور ایثار و قربانی
 لہ دیکھے صحاح ستہ اور قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر جن میں تبدیلی قبلہ کا ذکر ہے۔

مشکل کام ان کے لئے آسان ہو جائے۔

قتال کی اجازت

جب ان کی طاقت کچھ اور بڑھی اور ان کے بازو مضبوط ہو گئے تو اس وقت ان کو قتال کی اجازت دیدی گئی لیکن صورت اجازت تھی اس کو فرض قرار نہیں دیا گیا تھا فرمایا گیا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ
 طَلِبِ مَوَادِّ انَّ اللَّهَ عَلِيٌّ
 نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ
 (سورہ حج - ۳۹)

جن مسلمانوں (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا) یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

عبداللہ بن محبت کا سر بیہ اور غزوہ "ابواء"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور علاقوں میں سرایا اور چھاپے بھیجنے کا آغاز فرمایا، ان کی نوعیت اکثر باقاعدہ جنگ کی نہ ہوتی تھی، اس کو ہم کسی قدر طاقت آزمائی یا جھڑپ اور چھاپے سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کا مقصد مشرکین کو مرعوب و خوف زدہ کرنا اور اسلام کی شان و شوکت اور سرگرمی و فعالیت کا مظاہرہ کرنا تھا، اور یہ فائدہ ان سرایا اور چھاپوں سے پوری طرح حاصل ہوا۔

اس موقع پر ہم خصوصیت سے عبداللہ بن محبت کے سر بیہ کا ذکر کریں گے اس لئے کہ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمادو المعاد ج ۱ ص ۳۱۴

اس سہیہ کے متعلق ایک آیت بھی نازل ہوئی نیز اس سے اس ہم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ قرآن مجید مسلمانوں کی کسی کوتاہی اور غلطی کا ساتھ نہیں دیتا، بلکہ وہ مختلف توہین اور جاعتوں کے بائے میں کوئی فیصلہ دینے یا رائے قائم کرنے میں میزانِ عدل ہے جس پر ہر عمل کو تولد جائے گا، یہ واقعہ مختصراً یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحش الاسدی کو رجب ۲۷ھ میں ایک ٹھم پر روانہ فرمایا اور مہاجرین کے آٹھ آدمی ان کے ساتھ گئے، آپ نے ان کو ایک تخریر بھی لکھ کر دی اور یہ حکم فرمایا کہ اس تخریر کو ابھی نہ دکھیں جب دو دن کی مسافت طے کر لیں تب اس کو کھول کر پڑھیں اور پھر جو کچھ اس میں ہے اس کی تعمیل کریں، لیکن اپنے کسی رفیق کو اس کی تعمیل پر مجبور نہ کریں۔

جب عبد اللہ بن جحش نے دو دن کی مسافت طے کر لی تو یہ خط کھول کر دیکھا، اس میں لکھا ہوا تھا، جب یہ خط تم دیکھ لینا تو آگے بڑھ کر کہہ اور طائف کے درمیان نخلستان میں اتر جانا، اور وہاں سے قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا اور ان کی خبریں بہاے پاس بھیجے رہنا، عبد اللہ بن جحش نے خط پڑھ کر کہا، "سمعا و طاعة" آقا کا حکم سزا کھوں پر، پھر اپنے رفقاء سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ آگے نخلستان میں اتر کرو، وہاں سے قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھو اور اس کی خبریں آپ کو پہنچانا ہوں، مجھے آپ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں کسی اور کو اس پر مجبور نہ کروں، اب تم میں سے جس کو شہادت کا شوق ہے، وہ ہمارے ساتھ آئے اور جو یہ نہیں چاہتا وہ واپس لوٹ جائے، مجھے بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنی ہے، اس کے بعد وہ آگے روانہ ہو گئے اور ان کے سب ہی رفقاء

ان کے ساتھ ہے، ایک آدمی نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہ کیا۔

آگے چل کر وہ اور ان کے سب رفقاء مغلستان میں مقیم ہوئے، اتنے میں قریش کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا اس میں عمرو بن العاصری بھی تھا، قریش اس قافلہ کو دیکھ کر ڈر سے گئے، ان کا پڑاؤ بھی قریب ہی تھا اتنے میں عکاشہ بن محسن نے جن کا سر منڈا ہوا تھا، اپنا سر اٹھا کر دیکھا، قریش نے جب ان کو دیکھا تو اطمینان کا اظہار کیا اور کہا ان سے ڈرنے کی بات نہیں، یہ تو عمرہ والے ہیں، یہ رجب ۲^{لے} ۳^{لے} کے آخری دن کا واقعہ ہے اس کے بعد مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور رائے یہ ہوئی کہ اگر تم نے ان کفار کو اس رات میں چھوڑ دیا تو یہ سید حرام میں داخل ہو جائیں گے اور تم کو وہاں جانے سے باز رکھیں گے اور اگر تم ان سے قتال کرتے ہو تو شہر حرام میں جنگ کرنا پڑے گی، اس بات کو گوں میں تردد کی کیفیت پیدا ہو گئی اور ان کو اس قسم کے اقدام سے ڈر سامحوس ہوا لیکن پھر انھوں نے اپنے کو اس پر آمادہ کر لیا اور سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ ان میں سے جتنے ممکن ہو سکیں ان کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ ان میں سے واقعہ بن عبد اللہ التیمی نے پہلا تیر چلایا اور عمرو بن العاصری کا خاتمہ

لہ عرب ماہ رجب میں عمرہ کرنے کو ترجیح دیتے تھے ۱۵ رجب حرمت کے چار ماہ میں پہلا ہیبتہ ہے آتش حرام میں جنگ کرنا منوع تھا اور عہد جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں عرب اس پر کاربند تھے باقی تین ہیبتہ ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے ہیں، جہود علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت سورہ براءت کی اس آیت سے نسخ ہو چکی ہے "فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ" نیز "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَاقْتَالِكُمْ" سید بن المسیب نے پوچھا کیا کہ کیا مسلمان شہر حرام میں کفار سے جنگ کر سکتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اسلامی فتوحات اور فتح کرنا آئیوں میں ہی عمل تھا، کہیں تاریخ میں نہیں ملتا کہ ہر سال ایک ہیبتہ رجب یا ذی الحجہ، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم میں جنگ بن کر دی جاتی ہو اور اسلامی فوجیں چھ اوٹنیوں میں آپس

کر دیا، دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا گیا، اور عبداللہ رضی بن حبش اور ان کے ساتھی اس قافلہ اور دو قیدیوں کو لے کر واپس روانہ ہوئے۔

جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی حاضری ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تم کو شہر حرام میں جنگ کرنے کے لئے تو نہیں کہا تھا؟ پھر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو لینے سے انکار کر دیا جو مال غنیمت میں لائے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ان کے ہاتھ پیر پھول گئے، اور خطہ ہو کہ اب ہلاکت یقینی ہے، دوسری طرف مسلمانوں نے بھی ان کو بہت سخت شست کہا اور لغت سلامت کی، قریش نے کہا کہ لو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شہر حرام میں بھی جنگ اور خون ریزی جائز کر دی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

| | |
|---|--|
| يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ | (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تم سے |
| قَاتَلِ فِيهِ طُفْلٌ فَتَالٌ فِيهِ | عزت والے ہمیشوں میں زنی کرنے |
| كَيْدٌ وَصِدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ | کے بالے میں دریافت کرنے میں کہد |
| وَكَفْرٌ بِهِ وَالْمُنْجِدِ الْحَرَامِ | کہ ان میں لڑنا بڑا گناہ ہے |
| وَإِخْرَاجِ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ | اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس |
| عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ | کفر کرنا اور سجد حرام (یعنی خانہ کعبہ |
| مِنَ الْقَتْلِ لَهُ | میں جانے سے) روکنا، اور اہل مسجد کو |

(سورۃ البقرہ - ۲۱۷)

اس میں سے نکال دینا جو یہ کفار
کرتے ہیں، خدا کے نزدیک اس سے بھی

زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی
خون ریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔

علامہ ابن القیم "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں:-

"الشریحانہ وتعالیٰ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل و انصاف کا
معاملہ فرمایا، اور اپنے مقبول و پسندیدہ بندوں کی ان کے اس فعل میں کہ وہ
شہر حرام میں گناہ کے مرتکب ہوئے حمایت نہیں کی، بلکہ اس کو بہت بڑی
بات قرار دیا اور ساتھ ہی اس کا بھی اظہار کر دیا کہ اس کے دشمن مشرک نہا ایک
شہر حرام میں ارتکاب گناہ سے کہیں زیادہ قابل مذمت اور سزا کے لائق ہیں،
خاص طور پر بایں صورت کہ اس کے مقبول بندوں نے اس میں تاویل سے کام لیا تھا
یادہ کہنا چاہئے کہ ان سے اس معاملہ میں ایک طرح کی تفسیر موٹی تھی جس کو
الشریحانہ ان کے عقیدہ توحید، طاعت و عبادت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت اور اللہ کے لئے قربانی کی بڑت مناکرنے والا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوة الابلہ میں جس کو "لواط" بھی کہا جاتا ہے
بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، یہ آپ کا پہلا غزوہ ہے، لیکن اس میں جنگ کی نوبت نہیں
آئی، چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے، اس کے بعد متعدد سرایا اور غزوات پیش آئے۔

روزہ کی فرضیت

جب عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں خوب راسخ ہو گیا، ان کو نماز سے پوری سست

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۴۱ لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۹۱-۶۰۶

پیدا ہو گئی، اور یہ بنا سبب بڑھتے بڑھتے عشق کے درجہ تک پہنچ گئی ان کے اندر احکام شرعیہ اور اوامر الہیہ کی تعمیل کرنے کا ایک ایسا مزاج پیدا ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان احکام کے انتظار میں رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم نازل فرمایا۔ یہ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آتَيْتُكُمْ عَلَيْكُمْ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے
ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر
فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر سیزگار بنو۔

(سورۃ بقرہ - ۱۸۳)

دوسری آیت یہ نازل ہوئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ
الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ
مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ هَمِّنْ
شَهْرَ مِثْلَمِ الشَّهْرِ فَلْيَصُمْهُ

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ
ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل
ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے جس میں
ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور

(سورۃ بقرہ - ۱۸۵)

جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا
ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ
میں موجود ہو چاہے بچہ یا بوڑھے مہینہ
کے روزہ رکھے۔

لہ روزے کے اسرار و حکم معلوم کرنے، اس کی مشروعیت کی تفصیلات کے لئے ہماری کتاب
"ارکان اربعہ" ملاحظہ ہو۔

بدر کی فیصلہ کن جنگ

(۲)

جنگِ بدر کی اہمیت

ہجرت کے دوسرے سال رمضان ہی میں بدر کی وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جنگ ہوئی جس میں امتِ اسلامیہ کی تقدیر اور دعوتِ حق کے مستقبل کا فیصلہ ہوا جس پر پوری نسلِ انسانی کی قسمت کا انحصار تھا۔

اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو جتنی فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں اور ان کی جتنی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں وہ سب ہی فتحِ مدینہ کی برہنہ منت ہیں جو بدر کے میدان میں اسی بھر جماعت کو حاصل ہوئی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو 'یوم الفرقان' (فیصلہ کن دن) قرار دیا ہے۔

اگر تم خدا پر اور اس (کی نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگِ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں

إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللهِ وَمَا
أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ التَّقِيَةِ الْجَاهِلِينَ۔

(سورہ انفال - ۴۱)

مٹھ بھیرے ہو گئے اپنے بندے (محمدؐ) پر انزال فرمائی۔

اس جنگ کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان شام سے قریش کے ایک بڑے تجارتی کاروان کو لے کر مکہ جا رہا ہے جس میں بڑا مال و اسباب ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب مسلمانوں اور مشرکوں میں معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری تھا، اور قریش نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ راہ حق میں رکاوٹیں ڈالنے، اور مسلمانوں کے لئے مختلف قسم کی مشکلات پیدا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، انھوں نے اپنے سارے مالی وسائل سامان جنگ اور ضروری اسباب اس کے لئے وقف کر رکھے تھے، اور ان کے جنگی دستے مدینہ کے حدود اور چرگا ہوں تک پہنچ جاتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان جو اسلام کا بڑا دشمن تھا، اتنے بڑے قافلے کے ساتھ آ رہا ہے تو آپ نے لوگوں کو آگے بڑھ کر اس کا سامنا کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر نہیں کی گئی، اس لئے کہ وہ بہر حال ایک تجارتی قافلہ تھا، کسی لشکر کی فوج کشی نہ تھی۔

ادھر ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلہ کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے فوراً اپنا قاصد لکھ جیا اور قریش سے فریاد کی کہ وہ اس کی مدد کریں، اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکیں، جب یہ فریاد اوچکا رہا، پھر پہنچی تو قریش نے جنگ کی پوری تیاری شروع کر دی، اور بہت تیزی کے ساتھ، ایک لشکر جرار لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، ان کے سرداروں میں سے کوئی سردار باقی نہیں بچا جو اس میں شریک نہ ہوا ہو، انھوں نے اطراف کے تمام قبائل کو اس میں شریک کر لیا، قریش کی مختلف شاخوں کے آدمی اس میں شامل تھے اور مشکل کوئی باقی تھا، ایسے بڑی حمیت و نجات، غیظ و غضب اور انتقامی جذبہ کے ساتھ روانہ ہوا۔

انصار کی پیشکش اور ان کی اطاعت شکاری و جہاں نشاری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی کہ قریش کا یہ زبردست لشکر روانہ ہو چکا ہے تو آپ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا لیکن اس وقت آپ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا اس لئے کہ انھوں نے آپ سے اسی بات پر بیعت کی تھی کہ وہ مدینہ میں آپ کی پوری حفاظت اور مدد کریں گے جب آپ نے مدینہ سے روانگی کا قصد فرمایا تو آپ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس وقت انصار کیا سوچ رہے ہیں پہلے پہلے مہاجرین نے اپنی بات کہی اور بہت اچھی طرح آپ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا آپ نے دوبارہ مشورہ کیا مہاجرین نے پھر آپ کی تائید کی اور جب تیسری بار آپ نے دریافت فرمایا تو انصار کو احساس ہوا کہ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے چنانچہ سعد بن معاذؓ نے فوراً اس کا جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید آپ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے اور آپ ہماری بات سننا چاہتے ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شاید آپ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں روانہ ہوں جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہیں ختم کریں ہمارے مال و دولت میں سے جتنا چاہیں لیں اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں اس لئے کہ آپ جو کچھ لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے گا جو آپ چھوڑیں گے آپ کوئی حکم دیں گے تو ہماری رائے آپ کے تابع فرمان ہوگی خدا کی قسم اگر آپ چلنا شروع کریں یہاں تک کہ ”برک غمدان“

لے زاد المعاد ج ۱ ص ۳۷۷ سیرت ابن ہشام میں برک غمدان کے بجائے برک غمدان کا لفظ (باقی صفحہ ۲۸۲ پر)

تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے اور خدا کی قسم اگر آپ اس سفر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

مقداد نے کہا ہم آپ سے ایسا نہ کریں گے جیسا موسیٰ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا فَاذْهَبْ أُمَّتَ وَرَبِّكَ فَقَاتِلْ إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ (جاءو تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے آپ کے سامنے آکر لڑیں گے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو رونے اور خوشی سے دکنے لگا اور آپ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے فرمایا "سیدوا وابدروا" (چلو اور بشارت حاصل کرو)۔

لڑکوں میں جہاد و شہادت کا شوق

جب مجاہدین میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے تو ایک صاحبزادہ جن کا نام عمیر بن ابی وقاص تھا، اور جن کی عمر سو گرام تھی مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوئے

(باقی صفحہ ۲۸۱ کا) آیا ہے، یہ عین کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ حجر (دیار شہد) کا ایک دو دروازہ ہے، پہلی (سیرت ابن ہشام کے شارح) کہتے ہیں کہ میں نے تفسیر کی بھن کا بون میں دیکھا ہے کہ وہ حبشہ کا شہر ہے، بہر حال وہ کوئی ایسا مقام تھا جو دیرینہ طبیعت سے بہت دور پڑتا تھا، اور بوسافت کے لئے صراط النیل کی حیثیت رکھتا تھا، جیسے ہماری زبان میں کالے کوسوں کا لاپانی، "کوہ قاف" وغیرہ کے الفاظ لڑ جاتے

پہلے سورۃ المائدہ - ۲۴ لے زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱ (با اختلاف بعض

الفاظ) بخاری بسلسلہ تفسیر "أَذْهَبْتُمْ رِبَّكُمْ" اور سلم نے غزوہ بدر کے باب میں باختصار یہ روایت نقل کی ہے

ان کو ڈرتھا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوٹا سمجھ کر واپس نہ فرمادیں چنانچہ وہ آپ کی نگاہ سے بچ رہے تھے، ان کے بڑے بھائی سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو پھینکنے کی وجہ دریافت کی تو عمرؓ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس سمجھ کر واپس نہ پلٹادیں، میں اس جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے، ان کو جس کا ڈر تھا، یہی ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ وہ ابھی جنگ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں، ان کو واپس کرنا چاہا تو وہ رونے لگے، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پراثر پڑا، اور آپ نے انھیں شرکت کی اجازت دے دی، چنانچہ انھوں نے اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا اور اپنی مراد کو پہنچے۔

مسلمانوں اور کافروں کی جنگی طاقت کا زبردست فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے آپ کی ہمراہی میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، سامان جنگ کی قلت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مجاہدین اسلام کے پاس صرف دو گھوڑے اور شتر اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی باری باری سے بیٹھتے تھے، اس میں سپاہی لاراؤ عام سپاہی اور افسروں ماتحت کی کوئی تفریق نہ تھی، اس نظام میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفس نفیس حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور اہلۂ صحابہ سب شریک تھے۔

عمومی پرچم جہاد (اللہ وا) مُصَعَّب بن عمیرؓ کو مہاجرین کا پرچم (رایۃ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور انصار کا پرچم سعد بن معاذؓ کو عطا ہوا۔ جب ابوسفیان کو یہ اطلاع ملی کہ لشکر اسلامی روانہ ہو چکا ہے تو وہ نیچے ساحل سمندر کی طرف آ گیا، اور یہ اطمینان کر کے کہ اب اس کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور قافلہ بھی محفوظ ہے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ واپس لوٹ جاؤ اس لئے کہ تم قافلہ کی حفاظت کے لئے آئے تھے اور یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے یہ سن کر ان لوگوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن ابو جہل کی ضد نے ان کو واپس جانے سے روک دیا، وہ اس پر کسی طرح تیار نہ ہوا کہ بغیر جنگ کئے واپس چلا جائے، قریش کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے اوپر تھی، اور اس میں گن گن کے تمام بڑے سردار، جنگ جو نوجوان، مانے ہوئے شہسوار اور آزمودہ کار سپاہی شامل تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے سب جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے سامنے ڈال دیا ہے۔

مشورہ کی اہمیت

قریش کے لشکر نے بدر پہنچ کر وادی کے ایک طرف پڑاؤ ڈالا، مسلمانوں نے دوسری طرف اسی درمیان میں منجانب بن المذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا اس منزل پر ہمارا پڑاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، جس میں کوئی رد و بدل ہمارے لئے جائز نہیں یا اس کا تعلق

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳۳، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۱۸-۶۱۹

جنگی حکمتِ عملی اور تدبیر و انتظام سے ہے؟ آپ نے فرمایا انہیں تہ تدبیر و حکمت کی بات ہے اور اس میں دشمن کو دھوکہ میں ڈالنے کی تمام چیزیں اختیار کی جاسکتی ہیں انھوں نے کہا یا رسول اللہ پھر میں عرض کروں گا کہ یہاں پڑاؤ اس نقطہ نظر سے مناسب نہیں ہے انھوں نے ایک دوسرے مقام کی نشان دہی کی جو جنگ کے لئے زیادہ موزوں اور سازگار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مقبول بات کہی، اس کے بعد آپ اپنے تمام آدمیوں کے ساتھ اس مقام کی طرف چلے اور اس جگہ قیام کیا جو پانی سے قریب ترین تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رات تک سب سے پہلے پانی کے پاس پہنچ گئے اور اس کے حوض نیا کر لئے، آپ نے کفار کو بھی اس پانی پینے کی اجازت دی۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ نے بارش کا انتظام بھی کر دیا جو کفار و مشرکین کے لئے تو بہت مہنگی پڑی اور لٹن کی پیش قدمی رک گئی، مسلمانوں کے لئے برحمت کی بارش ثابت ہوئی، جس نے ریت کو اور جما دیا اور فضا ان کے حق میں خوش گوار اور سازگار کر دی اور ان کے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَنْزِلٌ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ
مَاءٌ يُسْقِيكُمْ بِهِ وَيُبْرِئُ
عَنكُم رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِّطَ
عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُنَبِّتَ بِهِ
الْأَعْنَاقَ ۝ (سورۃ انفال ۱۱)

اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ
تم کو اس سے (نہلا کر) پاک کرے اور
شیطان کی نجاست کو تم سے دور کرے
اور اس لئے بھی کر تمھارے دلوں کو
مضبوط کرے اور اس سے تمھارے

۱۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۲ ۱۲۔ ایضاً ص ۶۲ باختصار۔



پاؤں جمائے رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

اس موقع پر آپ کی غیر معمولی اور بے مثال قائدانہ قابلیت (آپ کی ابدی
وعالمگیر رسالت کے ساتھ جو اس سب کی بنیاد اور سرچشمہ الہام و ہدایت ہے)
پوری آفتاب کے ساتھ جلوہ ریز تھی، آپ کی حکیمانہ صفت بندی اور تنظیم خطرات
اور اچانک حملوں کے سدباب کی تدبیر دشمن کی جنگی طاقت، اس کی نفی، اس کے
پڑاؤ اور مختلف دستوں کی تعیناتی کا صحیح اندازہ، یہ وہ چیزیں ہیں جن سے آپ کی
غیر معمولی جنگی عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کی ضروری تفصیلات سیرت کی
کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔

جنگ کی تیاری

آپ کے لئے ایک جگہ جو میدان جنگ کے سامنے ایک ٹیلہ پڑتی، چھپر ڈال دیا گیا،
اس کے بعد آپ میدان میں تشریف لے گئے اور جگہ جگہ اپنے دست مبارک کے اشارے
سے فرماتے رہے کہ انشاء اللہ یہاں فلاں آدمی مارا جائے گا، یہاں فلاں آدمی ہلاک
ہوگا، اس جگہ فلاں شخص قتل کیا جائے گا، چنانچہ ایک جگہ بھی اس کے خلاف

لہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دفاعی و حفاظتی اقدامات اور جو مدبرانہ عسکری
انتظامات فرمائے، ان کی تفصیل و وضاحت پاکستانی میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب "حدیث دفاع"
(اردو) میں نیز عراقی جنرل محمود شیت خطاب کا مڈرا چیف کی کتاب "الرسول القائد عری میں لکھی جاسکتی ہے۔

نہیں ہوا، اور آپ کا فرمانا حرفِ بکرت صحیح ثابت ہوا، اور اس جگہ میں فرق نہیں پڑا، جو جگہ آپ نے متعین فرمائی تھی۔

جب دونوں شکر آمنے سامنے آکر کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ، یہ قریش کے لوگ آج اپنے پورے غرور و تکبر کے ساتھ آئے ہیں، یہ تجھ سے جنگ پر آمادہ ہیں اور تیرے رسول کو جھوٹا ٹھہرا رہے ہیں!" یہ جمعہ کی رات تھی اور رمضان کی سترہ تا بیس، صبح نمودار ہوئی تو قریش اپنے تمام جنگی دستوں کے ساتھ سامنے آچکے تھے اور دونوں فریق صرف آرا تھے۔

بارگاہِ الہی میں آہ وزاری اور دعا و مناجات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں درست فرمائیں پھر "عیش" میں واپس تشریف لے آئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ بھی تھے، اس کے بعد آپ نے اللہ کے حضور میں گریہ وزاری اور دعاء و مناجات کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا، آپ خوب جانتے تھے کہ اگر آج مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ تعداد و قوت کے اصول پر ہے تو نتیجہ معلوم ہے، یہ وہی نتیجہ ہے جو ایک طاقت ور اور بڑی جماعت کے مقابلہ میں کمزور و قلیل التعداد جماعت کے ساتھ ہمیشہ پیش آتا ہے، آپ نے جب ترازو کے دونوں پلوں پر نظر کی تو آپ کو مشرکین کا پلہ کھلے طور پر بھاری نظر آیا، دونوں میں کوئی تناسب ہی نہ تھا، آپ نے مسلمانوں کے پلہ پر وہ پانسگ رکھ دیا جس سے وہ اچانک بھاری ہو گیا، آپ نے اس مالکِ ملک اور شہنشاہِ برحق کے سامنے اپنی فریاد

رکھی اور اس سے نصرت و حمایت کے طالب ہوئے جس کے فیصلہ اور حکم کو کوئی مال نہیں سکتا، آپ نے اس چھوٹے سے اسلامی لشکر (جو ہر قسم کے ساز و سامان سے محروم تھا) کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش فرمائی، آپ نے فرمایا: اللھم ان تھلك هذه العصایة لا تعبد بعد ہانی الارض“ (اے اللہ! اگر آج تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا) آپ بے خود وارفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے، اور یہ فرمایا ہے تھے کہ

”اللھم انجزنی ما وعدتہنی، اللھم نصرك“ (اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے، وہ پورا فرما، اے اللہ! تری مدد کی ضرورت ہے) آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کی چادر شانہ مبارک سے گر پڑی، حضرت ابو بکرؓ آپ کو تسلی دے رہے تھے، اور اطمینان دلا رہے تھے ان سے آپ کی اتنی زیادہ گریہ و زاری اور بے تابی و بے قراری دیکھی نہیں جاتی تھی۔

امت کا صحیح تعارف اور اس کے اصل مقام و پیغام کا تعین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند پاکیزہ نفوس کے لئے اس نازک لمحہ

لے دیکھے، ناداعاد اور سیرت کی دوسری کتب، امام مسلم نے کتاب الجہاد والیر میں روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے بیان کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں، جب بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین صحابہ کرام اور سرفروشان اسلام کے ساتھ وہاں منزل کی تو آپ قبل الخ ہو گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا شروع کی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا فرما، جو تو نے وعدہ کیا تھا وہ مجھے عطا فرما، اے اللہ! اگر اہل اسلام کی مخفی جماعت آج ختم ہو جاتی ہے تو تو نے زمین پر پھر تیری کوئی عبادت کرنے والا نہ ہوگا“ (باب الإمداد بالملائکة فی غزوة بدر)

میں جن مختصر الفاظ کے ساتھ دعا کی اس میں آپ کا ناز و اعتماد، اضطراب و بے قراری
اطمینان قلب اور سکینت اور عجز و احتیاج کے تمام پہلو بسیک وقت جلوہ گر تھے، اس
امت کا بہترین و صحیح تعارف اقوام عالم میں اس کے اصل مقام و پیغام اور دنیا
کے بازار میں اس کی قیمت، افادیت اور ضرورت کی پوری وضاحت و تعین کے
ساتھ نشان دہی تھی اور اس بات کا اظہار و اعلان تھا کہ یہ امت جس سرحد پر یا
محاذا کی حفاظت پر مامور ہے، وہ دعوت الی اللہ اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت
اور کامل اطاعت کا محاذ ہے۔

اس فتح مبین نے (جس نے تمام اندازوں اور تجربات کو غلط ثابت کر دکھایا)
آپ کے ان الفاظ پر ہمیشہ کے لئے مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس کا عملی ثبوت فراہم
کر دیا کہ یہ بات حرفِ درست تھی اور اس امت کی صحیح سچی اور بولتی ہوئی تصویر یہ ہے۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے سامنے تشریف لائے اور ان کو خدا کے
راستہ میں جہاد و شہادت کا شوق دلایا، اسی درمیان میں عقبہ بن ربیعہ اس کا بھائی
بنیہ اور اس کا بیٹا ولید سامنے آئے اور درمیانِ صف میں آکر کھڑے ہوئے اور
مبارز طلبی کی ان کے جواب میں انصار کے تین نوجوان نکلے ان کو دیکھ کر انھوں نے
پوچھا، تم کون لوگ ہو؟

انھوں نے کہا، ہم انصار میں سے ہیں۔

کہنے لگے، شریف لوگ ہو، لیکن ہمارے جوڑ کے نہیں ہو، ہمارے مقابلہ کے لئے
ہمارے چچا زاد بھائیوں (قریش) میں سے کسی کو بھیجو، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا عبیدہ بن الحارث بن حمزہ، علیؑ، تم تینوں ان کے مقابلہ کے لئے جاؤ۔

ان کو دیکھ کر انھوں نے کہا، ہاں ارب برابر کی چوڑی ہے۔
 سب سے پہلے حضرت عبیدہؓ نے جن کی عمر ان سب سے زیادہ تھی عقبہ کو لٹکا کر حضرت
 حمزہؓ نے شبیہ کو دعوت مبارزت دی اور حضرت علیؓ نے ولید بن عقبہ سے دو ڈوہاتھ
 کئے، حضرت حمزہؓ و حضرت علیؓ نے تو دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کا کام تمام کر دیا،
 حضرت عبیدہ اور عقبہ میں کچھ ہاتھ ہوئے لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ
 حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اپنی تلواریں لے کر عقبہ پر حملہ آور ہوئے اور اس کا کام
 تمام کر کے حضرت عبیدہؓ کو زخمی حالت میں واپس لائے اور وہ شہادت سے
 مُسخر ہوئے۔

آغاز جنگ

اسی وقت دونوں لشکر برسرِ پیکار ہو گئے اور ایک دوسرے سے بالکل
 قریب ہو کر جنگ ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چلو بڑھو
 اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔

پہلا شہید

عمیر بن الاحام انصاریؓ نے یہ جملہ سنا تو کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! شہ جنت آسمانوں
 اور زمین کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! کہنے لگے واہ واہ! آپ نے فرمایا، یہ بات کیا
 کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! اور کوئی بات نہیں، یہ میرا خیال ہے

کہہ رہا ہوں کہ شاید میری قسمت میں بھی یہ جنت ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہاں تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی، اس کے بعد انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر اچانک کہنے لگے کہ اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم کرنے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگا دوں گا، اتنا چیلنے کی تاب نہیں، یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئی تھیں، پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی، یہ جنگ بدر کے پہلے شہید تھے!

دوسری طرف مجاہدین اسلام صفت بستہ اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لشکر کفار کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے، صبر و عزیمت کے سپیکر، دل یاد الہی میں مشغول اور زبانیں اس کے ذکر و تسبیح میں زمزمہ سنج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھر پور طریقہ پر جنگ میں حصہ لیا، آپ دشمن سے سبکا زیادہ قریب تھے، اور آپ سے زیادہ بہادر اور شجاع اس وقت کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتے بھیجے، اور انہوں نے مشرکین کو تہس نہس کر دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

| | |
|--|-----------------------------------|
| إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ | جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو |
| أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِينَ | ارشاد فرمایا تمہارا کہ میں تمہارے |
| أَمْوَالًا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ | ساتھ ہوں، تم مومنوں کو تسلی |
| الَّذِينَ كَفَرُوا وَالرُّعْبَ | دو کہ ثابت قدم رہیں میں بھی اسی |
| فَأَصْرَبُوا وَقَوَّ الْأَعْنَاقِ | کافروں کے دلوں میں رعب اور |
| وَاصْرَبُوا مِنْهُمْ كُلَّ | ہمیت ڈالے دیتا ہوں تم بھی |

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۲۵ سیرت ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱ لہ سیرت ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۵

بنای ۰ ان کے سہارا کر، اڑا دو، اور
(سورہ انفال - ۱۲) ان کا پورا پورا مار کر توڑ دو۔

شوقِ بہادری اور ذوقِ شہادت میں بھائیوں کا مقابلہ اور رستہ کشی

اس شہادت اور سعادت سے بہرہ مند و سرفراز ہونے میں آج گئے بھائیوں اور جگر ہی دوستوں میں بھی مقابلہ اور رستہ کشی ہو رہی تھی، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں محرکہ بدر میں اپنے دستہ میں تھا کہ اچانک سیری نگاہ اٹھی میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں دو کس نوجوان ہیں، ان دو نوجوانوں کو اپنے دائیں بائیں دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان نہ ہوا، ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے میرے کان میں چپکے سے کہا اچھا بھے ذرا ابوہل کو دکھا دیجئے، میں نے کہا کہ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جہاں کہیں بھی اس کو دیکھ لوں گا اس کو ضرور ٹھکانے لگاؤں گا یا اپنی جان دے دوں گا، دوسرے نے بھی میرے کان میں چپکے سے یہی بتا کہی حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ابوہل کی طرف اشارہ ہی کیا تھا کہ دونوں عقاب کی طرح اس پر چھپے اور اس کو وہیں ڈھیکر کر دیا یہ دونوں جاناہواز "عفراء" کے چشم و چراغ تھے۔

جب ابوہل ہلاک ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوہل ہے اس امت کا فرعون۔

لے کہ اگر کوئی نازک وقت آتا تو یہ دونوں نوجوان میری کامد کر لیں گے۔ صحیحین، یہ الفاظ صحیح بخاری میں کرتا بلعنازہ باب غزوة بدر ۳۵ بیت ابن کثیر ۲ ص ۱۲۲

فتحِ مبین

یہ جنگ مسلمانوں کی فتحِ مبین اور مشرکین و کفار کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ اکبر الحمد لله الذی صدق وعده و نصر عیبه و هزم الأحزاب وحده" (خدا کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تنہا ساری ٹولیوں اور گروہوں کو شکست دی) قرآن مجید نے اس کیفیت کی ترجمانی اس آیت میں کی ہے:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ
فَإِنَّمَا إِذِ الْآيَةِ فَاتَمَّوْا اللَّهَ
تَعَالَى تَشْكُرُونَ
(سورہ آل عمران - ۱۲۳)

اور خدا نے جنگِ بدر میں بھی تمھاری
مدد کی تھی اور اس وقت بھی تم
بے سرو سامان تھے پس خدا سے ڈرو
(اور ان احسانوں کو یاد کرو) تاکہ شکر کرو۔

آپ نے حکم دیا کہ کفار کے سارے مقتولین اسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیئے جائیں جو وہاں تھا، وہ سب اس میں پھینک دیئے گئے، آپ وہاں تشریف لے گئے، اور اوپر کھڑے ہو کر فرمایا، اے کنوئیں والو! کیا تم کو تمھارے رب کا کہنا سچ نظر آیا؟ میں نے تو اپنے رب کا وعدہ بالکل حق پایا ہے۔

اس جنگ میں کفار کے سر شہرٹے نامی گرامی سردار مارے گئے، اور شہرہی قیدی بنائے گئے۔

مسلمانوں میں قریش کے چچہ اور انصار کے آٹھ آدمی شہید ہوئے۔

لہ صحیح بخاری، روایت براء بن عازب (غزوہ بدر، کتاب الغازی) ۱۵ سیرت ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۷

جنگِ بدر کے اثرات و نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظفر و منصور مدینہ واپس تشریف لائے، مدینہ اور اس کے اطراف میں آپ کے دشمنوں پر اس فتح کے بعد آپ کا رعب و دبیرہ قائم ہو گیا اور بہت بڑی تعداد میں اہل مدینہ اسلام لے آئے۔

اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نوید سرت سنانے کے لئے جن دُعا خاص نمایندوں کو شہر بھیجا، ان میں عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے، وہ مدینہ والوں کو خوش خبری دیتے اور کہتے، اے گروہ انصار! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و سلامتی اور کفار کا قتل اور گرفتاری تمہیں مبارک ہو، قریش کے جو سردار جنگی قائد اس میں ما لے گئے وہ اس میں سے ایک ایک کے نام کا اعلان کرتے اور گھر گھر جا کر یہ مزہ سنانے، بچے ان کے ساتھ سرور و شوق میں مختلف اشعار پڑھنے اور ترانے گانے، کچھ لوگوں میں کسی کو اس خبر کی صداقت پر یقین تھا کسی کو تردد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسِ نفیس مدینہ تشریف لے آئے، اس کے بعد قیدیوں کو لایا گیا ان کے مگر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام "شقران" تھے، جب آپ "روحا" پہنچے تو مسلمانوں نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، اور آپ کو اور آپ کے ساتھ جو مسلمان تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو فتح نصیب فرمائی، اس کی مبارک بابتی کی۔ مشرکین مکہ کے گھروں میں صفتِ تامم کچھ کپڑی اور مقنولین پر رونا پیٹنا شروع ہو گیا، دشمنانِ اسلام کے دلوں میں رعب بڑھ گیا، ابو سفیان نے نذر مانی کہ جب تک رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے اس کی دوبارہ جنگ نہیں ہوگی، اس وقت تک وہ اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ڈالے گا، مگر کے مکرور اور بے ہودے مسلمانوں نے اس سے اطمینان کی سانس لی اور انھوں نے اپنے اندر طاقت اور عزت محسوس کی۔

ایمان کا رشتہ خون کے رشتہ سے بالاتر

اس جنگ میں ابو عزی بن عمیر بن ہاشم بھی قیدی بنا کر لائے گئے، مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی اور ایک ماں باپ کی اولاد تھے، مصعب بن عمیرؓ مسلمانوں کے پرچم بردار تھے، اور ان کے بھائی لشکر کفار کے پرچم بردار۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ جب مصعبؓ ان کے پاس سے گزرے تو اس وقت ایک انصاری ان کے ہاتھ باندھ رہے تھے، مصعبؓ نے انصاری سے کہا کہ ذرا اچھی طرح کستا، اس کی ماں بڑی مالدار ہے، اس سے قیدیہ کی اچھی رقم ہاتھ آنے کی امید ہے، ابو عزی نے یہ سن کر اپنے بھائی مصعب کی طرف رخ کر کے کہا کہ بھائی تم (بھائی ہو کر) یہ صلاح دے رہے ہو؟ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میرے بھائی ہو، بھائی وہ ہے جو تمھاری مشکلیں کس رہا ہے۔

مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ”استوصوا بہم خیراً“ (ان سے اچھا معاملہ کرنا)

یہی ابو عزیر ہوا ہی ہیں کہ جب وہ مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے انصار کے ایک خاندان میں جگائی وہ دونوں وقت اپنے کھانوں میں روٹی تو مجھے دیتے اور خود کھجور پر کتفا کرتے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی نصیحت ہدایت کا اثر تھا کسی کو کہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مل جاتا تو مجھے لاکر دینا مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں اسے لوٹا دینا لیکن وہ زبردستی مجھے دینا، اور خود اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ انھیں قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب، اور آپ کے چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب، آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر ابو العاص بن الربیع بھی تھے، ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا گیا جو معاملہ عام قیدیوں کے ساتھ تھا، وہی ان کے ساتھ بھی تھا۔

بچوں کی تعلیم کے معاوضہ میں قیدیوں کی رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں سے عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا اور ان کا فیہ قبول کیا، جو جتنا دولت مند ہوتا یہ فیہ کی بقدر اس سے لیا جاتا جس کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا آپ اس کو اپنی طرف سے رہائی کا حکم فرماتے، عرض قریش نے اپنے بہت سے قیدی فیہ دیکر آزاد کرائے۔

کچھ ایسے قیدی بھی تھے جن کا فیہ نہیں ہو سکا، ان کا فیہ آپ نے یہ تجویز کیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، ایک قیدی پر دس مسلمانوں کی تعلیم ضروری قرار دی گئی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طریقہ سے تعلیم حاصل کی تھی، اس حکم میں علم کی جتنی قدر دانی اور تعلیم کی جو ہمت افزائی مصغر ہے، اس کی توضیح کی شاید ضرورت نہیں۔

دوسرے غزوات و سرایا

ابوسفیان نے جب یہ کہہ کر گزرا ہے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے برا نہیں لیا جائیگا اس وقت تک وہ اپنے سر پر پانی کا ایک قطرہ نہ پڑنے دیں گے وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لئے قریش کے دو سو سو سواروں کے ساتھ حکہ کی نیت سے نکلے، بنی النضیر کے سردار سلام بن مشکم سے اجازت چاہی، انھوں نے نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کی خوب ضیافت و مہمان نوازی کی اور مدینہ کے حالات سے مطلع کیا اور کچھ لوگوں کو بھیجا جنھوں نے انصار کے دو آدمیوں کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلے لیکن ابوسفیان اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے نکل بھاگے اور اپنے پیچھے بہت بڑی مقدار میں غلہ اور اجناس جن میں زیادہ تر سنو تھے چھوڑ گئے، اسی لئے اس کو غزوة سویق بھی کہا جاتا ہے۔

بنی قینقاع کے ساتھ معاملہ

بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ کو توڑا، آپ سے جنگ کی، مسلمانوں کو اذیت پہنچائی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ^{۱۵} راتیں اسی حال میں گزار دیں یہاں تک کہ انھوں نے اپنا سر جھکا دیا، اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، ان کے حلیف عبد اللہ بن ابی (راس بن مہین) نے آپ کی خدمت میں ان کی سفارش کی چنانچہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حاد کر کے محاصرہ اٹھایا، یہ سات سو جنگ جو تھے اور زیادہ تر سناری اور کانڈاری کا پیشہ کرتے تھے۔

۱۵ سیرت ابن ہشام ج ۲ ۲۴۵-۲۵۰ عربی میں منکو کو سویق کہتے ہیں ۱۵ سیرت ابن ہشام ج ۲ ۲۴۵-۲۵۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود کے لئے اس شرط پر عفو عام کا حکم دے دیا، کہ وہ مدینہ سے نکل کر کہیں بھی چلے جائیں چنانچہ ان میں سے بہت سے اطمینان کے ساتھ شام چلے گئے اور منقولہ سامان بھی اپنے ساتھ لے گئے، بنو قینقاع اپنے ترمز و بدعہ کی وجہ سے سزائے موت کے منظر تھے مگر وہ بھی سلامتی کے ساتھ تیرے چلے گئے۔

کعب بن الاشرف بھی جو یہودیوں کا بڑا سردار تھا آپ کو براہ تکلیف پہنچانا رہتا تھا اور سلمان شریف زادوں کے باپے میں غزلیہ اشعار کہتا تھا، جنگ بدر کے بعد اس نے مکہ میں جا کر کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اسی حال میں وہ مدینہ پہنچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آمد کی خبر یا کر فرمایا، کعب بن الاشرف نے اللہ اور اس رسول کو بہت تکلیف پہنچائی ہے، اس کا کوئی انتظام کر سکتا ہے؟ انصار کے کچھ لوگ یہ خدمت انجام دینے کے لئے اسی وقت کھڑے ہو گئے اور اس کا خاتمہ کر دیا۔

۱۷ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۵

W. MONTGOMERY WATT اپنی کتاب

'MOHAMMAD PROPHET AND STATESMAN' میں لکھتا ہے۔

”بنو قینقاع کا اخراج ایک ہم عامل تھا جس آنحضرت کے مرکز کو مضبوط کیا، اس اخراج کا سبب روایتیں یہود قینقاع اور بنو مسلم ناجیوں کے درمیان وہ مولیٰ جھگڑاتا جاتا ہے جو مدینہ کے بازار میں لڑائی مونسنگری وارث کو اس اتفاق نہیں کہ اس اخراج کی وجہ سے بنو قینقاع میں ایک مسلمان نے یہود کی زیادتی تھی، جو پیش کی کتابوں میں مذکور ہے، وہ لکھتا ہے کہ محمد کے یہود کے اخراج کے اقدام کے اسباب میں گم ہے، جو اس نئی واقعہ سے شوبہ جاتے ہیں اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان معاشرہ میں زہر پانا تھا، وہ مزید لکھتا ہے، محمد کو یہود اور اپنے حریف قریش کے درمیان دو تازہ تعلقات کا بھی علم ہو گا، جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان معاہدہ کی روح کے خلاف سمجھے گئے“

تفصیل کے ملاحظہ ہو ”غزوة بنی قینقاع“ از اتناذ محمد احمد شامیل۔

۱۷ زاد المعاد ج ۲ ص ۳۳۸ اختصار کے ساتھ۔

غزوة اُحد

(شوال ۳ھ)

جاہلی حمیت اور جذبہ انتقام

جنگ بدر میں جب قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور باقی ماندہ فوج نے منتشر ہو کر مکہ کی طرف راہ فرار اختیار کی تو اس کا مکہ والوں پر بہت بُرا اثر پڑا، یہ واقعہ ان کے لئے ایک عظیم سانحہ سے کم نہ تھا، چنانچہ وہ سب لوگ جن کے باپ بیٹے اور بھائی مارے گئے تھے جمع ہو کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور اسے اور قریش کے اس قافلہ میں جن لوگوں کا حصہ تھا ان لوگوں سے بھی اس معاملہ میں مشورہ کیا اور انھیں کے روپیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت ایک نئی جنگ کی نیاری شروع کی، شاعروں نے ان کو حسب معمول غیرت دلانی شروع کی اور ان کی حمیت جاہلیت کو ابھارا۔

ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال کے وسط میں قریش کا یہ لشکر اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوا، قریش کے ان نوجوانوں کے ساتھ دوسرے قبائل کے لوگ بھی تھے، جو قریش کو اپنا سردار تسلیم کرتے تھے، ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو اپنے محل میں اس لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیجی گئی تھیں کہ مردان کی وجہ سے راہ فرار نہ اختیار کر سکیں۔

قریش کے سردار اپنی بیویوں کے ساتھ تھے، غرض بیشکر روانہ ہوا اور اس نے مدینہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رائے تھی کہ مسلمان مدینہ میں ہی رہیں اور ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ کریں، اگر وہ خود حملہ کریں تو ان سے قتال کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر چھوڑ کر اور باہر نکل کر ان سے مقابلہ پسند نہیں فرما رہے تھے، عبداللہ بن ابی کی بھی رائے وہی تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، لیکن بعض ان مسلمانوں نے جو بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان کو اس کی حسرت رہ گئی تھی یہ کہا کہ یا رسول اللہ! آپ باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں کہیں ان کو یہ محسوس نہ ہو کہ ہم بُزدلی اور کمزوری کی وجہ سے باہر نہیں نکل رہے ہیں، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کہہ میں تشریف لے گئے اور زہرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اس وقت ان لوگوں کو جو باہر نکل کر مقابلہ کے داعی تھے، ندامت ہوئی انھوں نے کہا، یا رسول اللہ! تم نے آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف اس کام پر آمادہ کیا ہے، جو ہمیں نہیں کرنا چاہئے، اگر آپ چاہیں تو تشریف رکھیں اور یہیں رہ کر مقابلہ فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ مسلح ہونے کے بعد جنگ سے پہلے ہتھیار رکھ دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے تشریف لے چلے، مدینہ سے کچھ دُور پہنچے تھے کہ عبداللہ بن ابی ایک نہائی آدمیوں کے ساتھ آپ کو چھوڑ کر واپس چلا گیا، اس نے کہا کہ میری بات تو انھوں نے ٹھکرادی اور نوجوانوں کی بات لی۔

اُحد کے دامن میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کر کے اور پہاڑ کے دامن میں (جو مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) پڑاؤ ڈالا، آپ نے اپنی پشت اُحد کی طرف کی اور لشکر کو بھی اسی حساب سے تعینات کیا، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی جنگ کا آغاز نہ کرے، پھر آپ نے جنگ کی باضابطہ تیاری فرمائی، آپ کے ہمراہ اس وقت سات سو آدمی تھے، تیز اندازوں پر آپ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو مامور کیا، ان کی تعداد پچاس تھی، ان کو آپ نے صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ تیز اندازی کے ذریعہ گھوڑ سواروں کی پیش قدمی روکیں اور اس کا خیال رکھیں کہ وہ ہماری پشت پر نہ آجائیں، خواہ جنگ کا پانسہ ہمارے حق میں ہو یا ہمارے خلاف ہو، آپ نے ان کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ اپنی پوزیشن کسی حالت میں نہ چھوڑیں اور اس جگہ سے ہرگز نہ ہٹیں، خواہ چڑیاں مسلمانوں کے لشکر کو اچکے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دُہری زرہ پہنی اور اسلامی لشکر کا پرچم معصب بن عمیرؓ کو عطا فرمایا۔

ہم عمروں میں مقابلہ اور مسابقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اُحد میں کچھ نو عمر لڑکوں کو ان کی کم عمری

لے میدان جنگ کی صحیح پوزیشن اور جنگی حکمت عملی کو سمجھنے کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدرآبادی حال تقیم پیرس کی کتاب "عہد نبوی کے میدان جنگ" کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۷۰ پیرس، ۱۹۶۲ء
۱۷۰ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۲۹ نیز صحیح بخاری باب "غزوہ اُحد" کتاب المغازی۔

کی وجہ سے واپس فرمادیا تھا، ان میں سمرقند بن جندب اور رافع بن خدیج بھی تھے، ان دونوں کی عمریں پندرہ سال سے زیادہ نہ تھیں، رافع کے والد نے اپنے لڑکے کی سفارش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا لڑکا رافع بڑا تیز انداز ہے آپ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور ان کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی، پھر سمرقند بن جندب آپ کے سامنے پیش کئے گئے یہ بھی رافع کے ہم سن تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی واپس فرمادیا، سمرقند نے عرض کیا کہ حضور آپ نے رافع کو اجازت دے دی اور مجھے واپس فرمادیا، حالانکہ اگر میری اُن سے کشتی ہو تو میں ان کو چھاپاڑ سکتا ہوں، دونوں میں کشتی ہوئی اور سمرقند نے رافع کو چھپ کر دیا، اور اس طرح ان کو بھی غزوہ احد میں شرکت کی اجازت مل گئی۔

لڑائی کا آغاز

لڑائی شروع ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے گتھ گئے، ہن بننت عقیبہ عورتوں میں موجود تھی، عورتیں دت بجا بجا کر مردوں کو جنگ پر آمادہ کر رہی تھیں، یہاں تک کہ جنگ اپنے پورے شباب پہنچ گئی، ابو دجانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لے کر میدان جنگ میں گھس گئے، جو کوئی ان کے سامنے آتا ان کی تلوار سے چگ کر نہ جاتا۔

یہ ہفتہ کے روز، شوال ۳ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی شہادت

حضرت حمزہ نے بھی اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے،

اور بڑے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا، کسی کو ان کے سامنے ٹھہرنے کی طاقت نہ تھی لیکن جُبیر بن مُطعم کا غلام وحشی ان کی گھات میں تھا وہ بھالا پھینک کر اپنے مقابل کو ختم کرنے میں خاص بہارت رکھتا تھا، جُبیر نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے گا تو اس کو اس کے انعام میں آزاد کر دے گا، اس کا چچا طعیمہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا اور اس کا ملاں بھی اس کے دل میں تھا، دوسری طرف ہند اس کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر آگسا رہی تھی، وہ ان کی شہادت سے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی، وحشی نے اپنا بھالا تان کر پوری طاقت سے حضرت حمزہؓ پر حملہ کیا، وہ ان کی نات سے پار نکل گیا، حضرت حمزہؓ تڑپ کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے، مُصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر ہو کر لڑتے رہے اور آپ پر قربان ہو گئے، مسلمانوں نے اس غزوہ میں سرفروشی و جاں بازی کا حق ادا کر دیا، اور راہ حق کی ہر آزمائش پر پورے اترے۔

مسلمانوں کا غلبہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مدد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ پورا فرمایا، مشرکین و کفار کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی اور ان کی عورتوں نے جو مردوں کو غیرت دلانے آئی تھیں راہ فرار اختیار کی، وہ اپنے اپنے اٹھے اٹھا کر بھاگتی نظر آ رہی تھیں۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا؟

جب مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے اور اب ان کی عورتوں کی بھی باری

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷، یہ پورا واقعہ خود وحشی کی زبان سے صحیح بخاری میں نقل کیا گیا ہے دیکھئے

غزوہ احد باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ص ۲۷ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷ ص ۲۷ ایضاً ص ۷۷



آگئی تو تیز اندازوں نے یہ دیکھ کر اپنی پوزیشن چھوڑ دی اور لشکر سے آئے ان کو فتح کا پورا یقین تھا وہاں پہنچ کر انھوں نے نعرہ لگایا، مال غنیمت، مال غنیمت، اس موقع پر ان کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ان کو یاد دلایا لیکن اس جوش میں کسی نے ان کی بات نہ سنی، اور پورا یقین کرتے ہوئے کہ اب مشرکین کو واپس آنا نہیں ہے یہ مجاذ انھوں نے خالی کر دیا، اور مسلمانوں کی پشت پر گھوڑ سواروں کی فوج کا راستہ کھل گیا، مشرکین کے چیم کو جو لوگ سنبھالے ہوئے تھے، مائے گئے، پرچم کے قریب آنے کی کوئی ہمت نہیں کر رہا تھا، اسی وقت مشرکین نے پیچھے آکر آواز لگائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، یہ سن کر مسلمانوں کا لشکر اچانک پیچھے کی طرف مڑا، اور مشرکین کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور اس نازک موقع سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا یہ مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش و ابتلاء کا دن تھا، اس درمیان میں دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے ان میں عبداللہ بن قیس اور عقبہ بن ابی وقاص شقاوت اور اس جہارت میں پیش پیش تھے، اس وقت ایک پتھر آپ کے لگا، یہاں تک کہ آپ دائیں پہلو پر غار میں گر گئے، سامنے والا ایک انت زخمی ہوا، سر مبارک میں زخم آیا، اور ب مبارک خون آلود ہو گئے، خون چہرہ انور پہ بہہ رہا تھا، آپ اس کو پونچھتے جاتے تھے، اور فرماتے تھے، وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے تر کر دیا، جو ان کے رب کی طرف بلاتا تھا؟

مسلمانوں کو خبر نہ تھی کہ آپ کس جگہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اٹھایا، چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے،

مالک بن سنان نے اس مبارک لہو کو جس سے آپ کا روئے اوزر ہو گیا تھا جو شجرتِ محبت میں نوش کر لیا ہے یہ دراصل فرار نہ تھا بلکہ جنگی حکمتِ عملی تھی جو ہر فوج کو بوقتِ ضرورت اختیار کرنی پڑتی ہے پھر بھل کر وہ دوبارہ حملہ آور ہوتی ہے، مسلمانوں کو اس موقع پر آزمائش کی جس تلخی کا مزہ چکھنا پڑا، اور ان کو جو جانی نقصان ہوا اور متعدد اجاہ صحابہ جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سرِ شہیدِ قوت اور رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و پاسبان تھے، شہید ہوئے، وہ سب دراصل ان تیر اندازوں کی لغزش اور چوک کا نتیجہ تھے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح حکم اور ہدایت کی آخری لمحہ تک تعمیل نہ کی اور اپنی اس پوزیشن کو چھوڑ دیا، جہاں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعینات فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

| | |
|--------------------------------------|--|
| اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دیا یعنی | وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ |
| اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے | إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بَادِيَهِمْ خَتْمًا إِذَا |
| حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ | فَقَاتَلْتُمُوهُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ |
| جو تم چاہتے تھے خدا نے تم کو دکھایا | وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَلَّا تَكُونَ |
| اس کے بعد تم نے بہت باری اور حکم | مَاتُيْتُمْ وَهِيَ مَمْلُوكَةٌ مِمَّنْ يَبْغِدُ |
| (یعنی) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کا | الدُّنْيَا وَمَمْلُوكَةٌ مِمَّنْ يَبْغِدُ الْأَعْرَابُ |
| نافرمانی کی بعض تو تم میں سے دنیا کے | ثُمَّ مَرَفَكُمْ عَنْهُمْ |
| خو اشنگار تھے بعض آخرت کے طالب | لِيَبْتَلِيَكُمْ ۗ وَلَقَدْ |
| اس وقت خدا نے تم کو ان کے مقابلہ | عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ |

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۰

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝
 سے پھیر کر بھگا دیا تاکہ تمہاری آزمائش
 کرے اور اس نے تمہارا قصور مٹا کر دیا اور
 خدا مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔
 (سورہ آل عمران - ۱۵۲)

محبت اور جاں نثاری کی نئی نظیریں

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو
 اسی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے
 ساتھ آگیا، ابودجانہؓ ڈھال بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے تیران پر گرتے رہے لیکن
 وہ اسی طرح آپ پر جھکے رہے یہاں تک کہ ان کی پٹھتیروں سے پھلنی ہو گئی، سعد بن
 ابی وقاصؓ اسی جگہ کھڑے حضور کے دفاع میں دشمن پر تیر چلاتے رہے آپ ایک ایک
 تیران کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد ہوتا: "إِذَا كَانَ ابْنُ وَائِي"
 تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اسی طرح تیر چلاتے رہو۔

قتادہ بن النعمانؓ کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی
 اچھی ہوئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔

مشرکین آپ کی تلاش میں تھے لیکن تقدیر الہی کا فیصلہ کچھ اور تھا جب انھوں نے
 آپ پر هجوم کیا تو تقریباً دس آدمی آپ کے سامنے آ گئے اور سب ایک ایک کر کے آپ پر

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۲-۸۳ نیز صحیح بخاری بسلسلہ غزوہ احد باب قول الله تعالى

”إِذْ هَمَّتْ كَلْبَتَانِ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْسَلَا“ لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۳

قرآن ہو گئے، پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی سب انگلیاں زخموں سے ہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن زخموں کی وجہ سے خاصا ضعف ہو گیا تھا اور چڑھنا دشوار ہو رہا تھا، دیکھ کر حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے اور ان کا سہارا لے کر آپ اس چٹان پر تشریف آئے نماز کا وقت آیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ یہ وقت تھا جب لوگ شکست کھا کر منتشر ہونے لگے تھے لیکن انس بن النضر

(جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں) نے اس وقت بھی شکست تسلیم نہ کی اور آگے بڑھتے رہے، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کو راستہ میں ملے اور پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے کہ سعد مجھے جنت کی خوشبو اور پہاڑ کے اس طرف صاف محسوس ہو رہی ہے، انس بن النضرؓ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں انھوں نے کہا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، انس بن النضرؓ نے کہا پھر آپ کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ، اٹھو اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو، یہ کہہ کر آگے بڑھے دشمن سے دو دو ہاتھ کئے اور جان دے دی، ان کے بھتیجے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن ہم نے ان کے جسم پر ستر زخم شمار کئے، زخموں کی کثرت سے ان کو پھیپھڑا ناسن مانگن ہو رہا تھا صرف ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک پور سے ان کو پھیپھڑا جس پر سچپن کی نشانی تھی۔

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷ و زاد المعاد ج ۱ ص ۳۵۷ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۵

روایت صحیحین میں ہے لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷

زیاد بن السنن پانچ انصاریوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے ہوئے لڑے تھے، اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے اٹھا کر ان کو آپ کے سامنے لٹا دیا، آپ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور اس حالت میں ان کی جان بکلی کہ ان کے رخصت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔

عمر بن الجوح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں شدید رنگ تھا، ان کے چار صاحبزادے تھے سب جوان تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی و سفر و تہی کے ہر موقع پر حاضر بھی رہتے تھے، جب آپ غزوہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو عمر بن الجوح نے بھی چلنے کا ارادہ کر لیا، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رخصت رکھی ہے، اگر آپ تشریف رکھیں تو اچھا ہے ہم لوگ آپ کی طرف سے کافی ہیں، آپ پر ہاں فرض نہیں ہے۔ عمر بن الجوح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں، اور خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ میں بھی شہادت پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑا بنا ہوا چلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۱ اس موقع پر مولانا شبلی نے "سیرت النبی" میں فارسی کا اور قاضی محمد سلیمان صاحب نے صورت پوری نے ترجمہ للعالمین میں اردو کا ایک ایک ایسا منتخب شعر لکھا ہے جس نے واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے اور جس سے بہتر شعر کا انتخاب شکل ہے یہ دونوں شعر علی الترتیب یہ ہیں۔

بچہ ناز رفتہ باشد جہاں نیاز مند
کہ بوقت جان سپردی بر سرش بر بارش

سر وقت ذبح اپنا اس کے زریعہ ہے
یغیب اللہ اکبر اوستے کی جائے ہے

علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں معافی دے دی ہے اور ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے کہ تم ان کو جہاد میں جانے دو (وہ اپنا ارمان نکال لیں) چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور شہادت کی آرزو و منتا پوری ہوئے۔

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سعد بن الربیعؓ کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ نظر آجائیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا ہے کہ اس وقت تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ مقتولین کے درمیان میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جگہ وہ مجھے نظر آئے، میں قریب گیا دیکھا تو آخری وقت تھا ان کے جسم پر نیریزہ ہلوار اور تیر کے ستر زخم تھے، میں نے کہا سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے بتاؤ اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس وقت جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ اگر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تمہارے دم میں دم رہا تو اللہ تعالیٰ کے لئے تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔

عبداللہ بن جحشؓ نے غزوہ اُحد کے سلسلہ میں کہا، اے اللہ تجھے تیری قوم کے میں کل دشمن کا مقابلہ کروں وہ مجھے قتل کر دیں پھر میرا پیٹ چاک کر دیں اور میرے ناک کان کاٹ ڈالیں پھر تو مجھ سے پوچھے کہ یہ سب کس کے لئے تھا؟ میں جواب دوں تیرے لئے۔

مسلمانوں کا دوبارہ جماع

جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو ان کو نئی زندگی مل گئی اور وہ ایک بار پھر اٹھ کھڑے ہوئے آپ ان کو لے کر دوبارہ وادی کی طرف بڑھے راستہ میں ابی بن خلف نے آپ کو دیکھا، اور دیکھتے ہی کہنے لگا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم سلامت رہے تو میری خیر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو جانے دو لیکن جب وہ آپ سے بالکل قریب آگیا تو آپ نے ایک صحابی سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں مارا نیزہ لگتے ہی اس نے گھوڑے سے گر کر گئی قلابا زباں کھا میں اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور روئے انور پر جو خون تھا، اس کو دھویا، صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کو دھوتی تھیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ڈھال میں پانی لے کر ڈالتے تھے جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ پانی سے خون کسی طرح بند نہیں ہو رہا ہے، بلکہ اور زیادہ بہنے لگا تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا، اور اس کی راکھ زخم پر باندھ دی، اس سے یہ خون اسی وقت تخم گیا۔

حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما اس غزوہ میں شکیزے اپنی مکرپہ لاد کر مجروحین کو پانی پلاتیں جب شکیزے خالی ہو جاتے تو واپس جا کر انھیں دوبارہ اور

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۸۵ صحیح بخاری غزوة احد باب ما اصاب النبی من الجرح

ج ۴ ص ۱۴ صحیح مسلم باب غزوة احد معمولی اختلاف کے ساتھ، نیز ابن ہشام ج ۲ ص ۸۵

وزاد المعارج ص ۲۵۲

تہ بارہ بھرتیں، اور ان لوگوں کی پیاس بجھائیں، اُمّ سلیطہ ان کے مشکیزوں میں پانی بھر کر ان کے حوالے کرتی تھیں۔

ہند ریت عقبہ نے کچھ اور عورتوں کے ساتھ مسلمان مقتولین کی لاشوں کی بے حرمتی اور ان کا مُشکہ کرنا، اور کان و ناک کا ٹٹا شروع کئے وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر اُسے چبانے لگی لیکن وہ اس کے گلے سے اتر نہ سکا، اور اس نے اُسے فوراً اگل دیا۔ جب ابوسفیان واپس ہونے لگے تو پہاڑ پر کھڑے ہو کر بہت بلند آواز سے انھوں نے نعرہ لگایا جنگ کا معاملہ ڈالواں ڈول ہے، آج اس کی فتح کل اس کی، ہُئیل کا نام اونچا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کھڑے ہو کر اس کا جواب دے اور کہو کہ اللہ بہت بلند و بالا ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں، یہ سن کر ابوسفیان بولے "لنا العزّی و لا عذّی لکم" (ہمارے پاس عزّی (بنت) ہے تمہارے پاس نہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب دو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا کہو کہ "اللہ مولانا و لا مولی لکم" (اللہ ہمارا سرپرست ہے تمہارا کوئی سرپرست نہیں) جب وہ اپنی طرف چلے اور مسلمان اپنی طرف روانہ ہونے لگے تو انھوں نے پھر آواز لگائی "اُمّندہ سال بدریں پھر ہمارا تمہارا مقابلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کہو ہاں یہ تاریخ ہمارے تمہارے درمیان طے ہے۔

۱۔ صحیح بخاری غزوہ احد باب "اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَاكَ مِنْكُمْ اَنْ تَفْتَلَا" و سلم باب غزوة

النساء رجال ۱ صحیح بخاری باب ام سلیطہ ۲ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۱

۲ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۱ صحیح بخاری باب غزوة احد ۱ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۱

لوگوں کو اپنے اپنے مقتولین کا غم تھا اور وہ ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت حمزہؓ کی شہادت کا بڑا اثر تھا جو آپ کے
چچا اور رضاعی بھائی تھے اور ہمیشہ آپ کے لئے سینہ سپر رہے۔

ایک مومنہ کا صبر

صَفِیَّہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا جو ان کی حقیقی بہن تھیں ان کو دیکھنے
آئیں تو آپ نے ان کے صاحبزادے زبیر بن العوامؓ سے فرمایا کہ ان سے مل کر ان کو
واپس لوٹا دو، ان کے بھائی کی نعش کی جو بے حرمستی کی گئی ہے اس پر ان کی نظر
نہ پڑے انھوں نے جا کر کہا کہ اماں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ آپ
واپس جائیں کہنے لگیں کیوں؟ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا منہ لگیا گیا ہے لیکن
یہ سب اللہ کی راہ میں ہے اس لئے میں انشاء اللہ اجر و ثواب کی نیت رکھوں گی،
اور پورے صبر سے کام لوں گی، اس کے بعد وہ وہاں آئیں اپنے بھائی کو دیکھا تو لڑ پڑھا،
ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور خوب دُعائیں دیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کی تدفین کا حکم فرمایا، اور وہ اُمّ حد کی ہی شہادت گاہ میں آسودہ خاک ہوئے۔

مُصَوَّب بن عمیرؓ اور دیگر شہدائے احد کس طرح دفن کئے گئے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم بردار مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، اسلام
سے پہلے قریش کے بہت ناز پروردہ نوجوان تھے اور اپنے تجمل اور خوش پوشاکی میں

ضرب مثل تھے ان کو ایک چادر کفن میں لے سکی جو اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر چھپایا جاتا تو
پیر کھل جاتے، پیر چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ان کا سر چھپا دو اور پیروں پر اذخود گھاس ڈال دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو، دو شہیدوں کو ایک چادر میں کفن دینے کا حکم
دیتے، پھر فرماتے کہ قرآن مجید کے علم و حفظ میں کس کا حصہ زیادہ ہے جس کی طرف اشارہ
کیا جاتا، آپ پہلے اس کو محد میں اتارنے کا حکم دیتے اور فرماتے کہ میں قیامت کے
روز ان کا گواہ ہوں گا، آپ نے ان کو اسی طرح زخمی حالت میں دفن کرنے کا
حکم دیا، نہ ان کی نماز جنازہ ہوئی نہ غسل دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابیات کی جہاں نشاری

مسلمان مدینے پہنچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر

لے صحیح بخاری مغزہ احد لے صحیح بخاری باب من قتل من المسلمین يوم احد۔ ۳ شہد کہ کو غسل
نہ دینے کے باوجود کوئی اختلاف نہیں ان کو خون میں تھرا ہوا اسی طرح دفن کر دیا جاتا ہے کہ خدا کے
صغیر میں اسی طرح پہنچیں البتہ نماز جنازہ کے باوجود ان کا اختلاف ہے امام مالک، شافعی اور احمد کا مذہب
نفی کا ہے امام ابو حنیفہ کا اور بعض دوسرے علماء اعلام (اوراعی، سفیان ثوری اور اسحاق ابن اھوٰی)
اس کے قائل ہیں کہ نماز پڑھی جائے امام احمد سے بھی اس کی ایک روایت ہے ان کی دلیل بعض وہ روایات
ہیں جن میں حد میں شہداء پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، خود عقیقہ بن حاتم سے امام بخاری وغیرہ نے روایت
کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں کے شہیدوں پر ایسی
نماز جنازہ پڑھی جیسے مرنے والے پڑھی جاتی ہے (بخاری کتاب الجنائز) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شرح
معانی الآثار طحاوی، باب الصلوٰۃ علی الشہداء ونصب الراية للزیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی
الشہید۔

ان کا گذر ہوا جس کے شوہر بھائی، اور باپ سب اس جنگ میں کام آگئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انھوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت تباہ؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے اُمّ فلاں! الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہاری آرزو ہے صحیح سلامت میں کہنے لگیں کہ مجھے آپ کو دکھاؤ میں آپ کو خود دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے پاس آ کر چہرہ مبارک کو دیکھا اور کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہی سچ ہے۔

جاں نثاری اور فرماں برداری کی ایک مثال

ادھر دشمنانِ دین اور کفار مشرکین نے ایک دوسرے کو لعنتِ طاعت کرنی شروع کی، اور کہنے لگے تم نے کچھ کر کے نہیں دیا، تم نے ایک طرف تو ان کی قوت اور شوکت کو مجروح کیا، اور ان کا زور توڑا، پھر ان کی پوری سرکوبی کئے بغیر ان کو چھوڑ دیا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دشمنوں کا تعاقب کیا جائے، یہ وہ وقت تھا جب مسلمان زخموں سے پور چور ہوئے تھے، دوسرے دن یکشنبہ کو صبح کے وقت آپ کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگ دشمن کے تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوں ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس تعاقب میں وہی شریک ہو سکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا، حالت یہ تھی کہ کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا، جو کسی نہ کسی زخم اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو، لیکن وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گئے، ایک شخص بھی ان میں

۱۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۹

پہنچے نہ رہا، جب سب لوگ مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر تھام حمراء الاسترک پہنچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام کیا آپ اور تمام مسلمان دو شنبہ شنبہ چہار شنبہ تین روز وہاں مقیم رہے اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جذبہ اطاعت اور خورع تسلیم و وفا کا ذکر اپنی لافانی کتاب میں اس طرح فرمایا ہے:-

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِحَدِيثِ رَسُوْلٍ
مِّنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْفَرَحُ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ وَاَتَمَّوْا
اَجْرَ عَظِيْمٍ ۗ الَّذِيْنَ قَالَ
لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا اِلَيْكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوْا
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۗ
فَاَنْقَلَبُوْا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ
وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَّاَنَّ
قَاتِبُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۗ
اِنَّمَا ذَا الَّذِيْنَ الشَّيْطٰنُ يُوْحِيْۗهُ

جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے
خدا اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا
جو لوگ ان میں نیکو کار اور پرہیزگار
ہیں ان کے لئے بڑا ثواب ہے (جب)
ان سے لوگوں نے آگریاں کیا کہ
کفار نے تمھارے (مقابلہ کے) لئے
(شکر کثیر) جمع کیا ہے تو ان سے
ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا
اور کہنے لگے ہم کو خدا کافی ہے اور
وہ اچھا کار ساز ہے اور پھر وہ خدا
کی نعمتوں اور اس کے فضل کے
ساتھ (خوش و خرم) واپس آئے
ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا

اُولَیْئَاہُمْ فَلَا تَخَافُوهُمْ
 وَخَافُوْنَ اِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ
 (سورہ آل عمران ۱۷۲-۱۷۱)

اور وہ خدا کے خوشنودی کے تابع
 ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے
 یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان
 ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے تو
 اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا
 اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔

جان سے زیادہ عزیز

ہجرت کے تیسرے سال قبیلہٴ عضل اور قبیلہٴ قارہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم سے درخواست کی کہ کچھ ایسے لوگ ان کو دیئے جائیں جو ان کو دین کی تعلیم دے سکیں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کا ایک فدا اس کام کے لئے
 بھیجا جس میں عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ اور زید بن الدثنہؓ بھی تھے جب
 وہ مقام ”رحیح“ میں پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان واقع ہے تو ان قبائل نے
 ان کے ساتھ غداری کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم اللہ کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ ہم کسی کو
 جان سے نہ ماریں گے کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم مشرک کے کسی عہد کو قبول نہیں کرتے،
 انھوں نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے زید بن الدثنہؓ، خبیب بن عدیؓ اور عبد اللہ بن
 طارقؓ نے ہتھیار رکھ دیئے اور ان کو گرفتار کر لیا گیا، عبد اللہ بن طارقؓ راستہ میں شہید
 کئے گئے، خبیبؓ اور زید بن الدثنہؓ رضی اللہ عنہما کو ان لوگوں نے قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا
 خبیبؓ کو حُمیر بن ابی اہانہ نے خرید لیا تاکہ اپنے باپ اہاب کے بدلہ میں قتل کر سکے، زید بن الدثنہؓ کو

صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلہ کے لئے خریدنا، زید رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لئے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے انھوں نے حضرت زید سے کہا، زید میں تم سے تم ولا کر پوچھتا ہوں کیا تم پسند کرو گے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چھیجا ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کرتے ہیں اس کے بعد ان کو شہید کر دیا گیا۔

جب یہ لوگ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دینے کے لئے لائے تو انھوں نے کہا کہ اگر اس میں کوئی حرج نہ سمجھو تو مجھے دو رکعت پڑھ لینے کی اجازت دے دو، انھوں نے کہا ہاں پڑھو، انھوں نے دو رکعت اطمینان اور پوسے آداب کے ساتھ پڑھیں پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ اس کو ڈر پر محمول کرو گے تو میں ابھی اور ناز پڑھتا، اس کے بعد انھوں نے یہ اشعار پڑھے:-

فَلَسْتُ أَبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلَيَّ أُمِّي شَقِيقًا فِي اللَّهِ مَعْرِي

(جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں کہ
الشرکی راہ میں کس پہلو پر گر کر جان دوں گا۔)

وَذَاكَ فِي ذَاتِ اللّٰهِ وَانْ يَتَّأ بِيَارِكْ عَلَيَّ اَوْصَالِ شِلْوِ مَعْرَعِ
(یہ جو کچھ ہے خالصاً اللہ کے لئے ہے اگر وہ چاہے گا تو اس پارہ پارہ جسم پر برکت نازل کرے گا)

لہ روایت ابن اسحاق ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۷

یہ شوقیہ اشعار پڑھتے ہوئے راہِ حق میں شہید ہوئے۔

بئر معونہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن مالک کی درخواست پر ان میں اسلام کی تبلیغ و دعوت کے لئے ایک جماعت بھیجی جن میں ستر بہترین و چیدہ مسلمان شامل تھے یہ لوگ واند ہوئے اور بئر معونہ میں قیام کیا یہاں ہی سلیم کے قبائل عَصِیْبہ، رَعْل اور ذُکوان نے مل کر پوسے فافکہ کو گھیر لیا، جب انھوں نے یہ دیکھا تو تلواریں کھینچ لیں اور بڑا کر س کے سب شہید ہو گئے، صرف کعب بن زید باقی بچے جنھوں نے غزوہ خندق میں شہادت پائی۔

ایک مقتول کے آخری الفاظ جو قتال کے قبولِ اسلام کا سبب بن گئے

اسی سرسیر میں حوام بن لمان بھی شہید ہوئے ان کو جبار بن سلمی نے قتل کیا جو ام بن لمان نے انتقال کے وقت جو الفاظ کہے وہی ان کے اسلام لانے کا سبب بن گئے، جبار خود بیان کرتے ہیں کہ مجھے جس چیز نے اسلام کی طرف کھینچا وہ یہ واقعہ ہے کہ میں نے ان کا ایک آدمی کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نیزہ مارا میں نے دیکھا کہ وہ سینہ کے پار ہو گیا ہے اسی وقت ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے "فَرْتُ وِرْتَ الْكَلْبَةَ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، میں نے اپنے دل میں حیرت کہا کیسی کامیابی؟ کیا میں نے ان کو قتل نہیں کیا! بعد میں میں نے ان کے الفاظ کی تحقیق کی تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا مطلب شہادت تھا،

لے تفصیل کے لئے دیکھیے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۹-۱۷۰۔ صحیح بخاری کتاب لغازی باب التوحید

واجہاد معمولی اختلاف کے ساتھ، نیز ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۳-۱۲۵۔ صحیح بخاری سلم و سیرت ابن ہشام۔

میں نے کہا خدا کی قسم وہ کامیاب رہے اس طرح یہ جملہ ان کے اسلام کا سبب بنا۔

بنی النضیر کی جلا وطنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ النضیر کے پاس تشریف لے گئے، جو یہود کا بہت بڑا قبیلہ تھا، وہاں جا کر آپ نے ان سے بنی عامر کے دو مقتولین کی دیت میں مدد چاہی، ان کے اور بنی عامر کے درمیان عہد معاہدہ تھا، انھوں نے اس موقع پر تو آپ سے بہت بیٹھی باتیں کیں اور اچھی امیدیں لائیں لیکن درپردہ آپ کے خلاف سازش میں مشغول رہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایک گھر کی دیوار کے نیچے تشریف فرما تھے، یہ دیکھ کر یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اس سے اچھی پوزیشن پھر تم کو ہاتھ نہ آئے گی! اگر ایک آدمی اوپر چڑھ کر ایک بھاری پتھر ڈھکائے تو ہم سب کی جان چھوٹ جائے گی! آپ کے ساتھ اس موقع پر کئی حضرات صحابہ موجود تھے جن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ فرما دیا آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ روانہ ہو گئے، یہاں آ کر آپ نے ان سے جنگ کی تیاری شروع کی اور ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر ان کے قبیلے میں پڑاؤ کیا، یہ ماہ ربیع الاول ۳ھ کا واقعہ ہے، آپ نے چھ راتوں تک ان کا محاصرہ کیا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اتنا عجب ڈالاکر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود درخواست کی کہ آپ ان کو یہاں سے جلا وطن کر دیں لیکن ان کو جان کی امان دے دیں

لہ اس واقعہ کو بخاری میں باب غزوة الرجیع (کتاب المغازی) میں بیان کیا گیا ہے ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۷

اونٹ جتنا لے جا سکیں اُس کے جانے کی ان کو اجازت ہوگی البتہ ہتھیار وہ منتقل نہ کر سکیں گے آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور وہ سارا سامان اپنے ساتھ لے گئے جو اونٹوں پر جاسکتا تھا پھر منظر دیکھا گیا کہ ایک آدمی اپنا پورا پورا گھر خود اپنے ہاتھ سے گرا رہا ہے اور جتنا سامان لادنا ممکن ہے اونٹ پر لاد کر روانہ ہو رہا ہے، اس غزوہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ
يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ
حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ
اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ
يَجْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ
وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاتَقَبَلُوا
بِأُذُنِ الْإِبْرَاهِيمَ
(سودہ حشر-۲)

ان میں سے کچھ لوگ خیر میں جا لیسے کچھ لوگ شام چلے گئے اور مسلمانوں کو کمزور فرمایا سازش اور منافقت کے ایک بہت بڑے اڈے سے نجات ملی اور قتال کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی ” وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ” ان کی جلا وطنی کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سب مال و دولت مہاجرین اولین میں تقسیم فرمادیا۔

غزوة ذات الرقاع

چوتھے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے علاقہ کی طرف بغرض جہاد رُخ فرمایا، آپ کا مقصد بنی محارب اور بنی ثعلبہ (قبیلہ غطفان) کو سبق دینا تھا، آپ روانہ ہو کر مقام "محل" میں اترے، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ اشخاص کے درمیان ایک ہی اونٹ تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پیدل چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیچھلنی ہو گئے، اور انگلیوں کے ناخن تک گر گئے، اور اس تکلیف سے بچنے کے لئے لوگوں نے اپنے پیروں پر پٹیاں اور صلیٹھڑے باندھ لئے، اور اسی لئے اس غزوة کا نام "غزوة ذات الرقاع" یعنی "پٹٹیوں والا غزوة" پڑ گیا ہے۔

فریقین ایک دوسرے سے قریب ہوئے لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی، لوگ ایک دوسرے سے خائف تھے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوةِ نوح بھی ادا فرمائی ہے۔

اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے؟

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوة سے واپس ہوئے تو دوپہر کو آپ نے

لہ نجد میں غطفان کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے۔ صحیح بخاری بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری

رضی اللہ عنہ، باب غزوة ذات الرقاع، امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ غزوة ذات الرقاع خیبر کے بعد

پیش آیا، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے ۱۱۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۰

ایسی جگہ آرام فرمایا جہاں ببول کے بہت درخت تھے اور لوگان درختوں کی نظر چلے گئے اور خود بدولت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک پتھر کے نیچے آرام فرمانے لگے اور اپنی تلوار اسی درخت پر لٹکا دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسی درمیان میں ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم تھوڑا سوئے تھے کہ محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آواز دے رہے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ اس نے یہ تلوار اٹھائی، میری آنکھ کھلی تو یہ تلوار میرے سر پر کھینچے ہوئے تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ اس وقت تجھیں کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ تو یہ بیٹھا ہوا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

کچھ غزوات جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی

ہجرت کے پونے چھ سال شعبان کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کا قصد فرمایا، ابوسفیان نے تاریخ طے کی تھی، آپ نے وہاں پہنچ کر منزل کی اور آٹھ راتیں وہاں قیام فرمایا اور ابوسفیان کے انتظار میں رہے ابوسفیان بھی مقابلہ کے لئے نکلے لیکن واپسی ہی میں ان کو زیادہ عافیت معلوم ہوئی، انھوں نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ یہ قحط اور خشک سالی کا زمانہ ہے میرا ٹوٹنے کا ارادہ ہے اور تم لوگوں کو بھی لوٹ چلنا چاہئے، غرض اس طرح لوٹنے کی نوبت نہ آسکی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔
دو مرتبہ نجد کے غزوہ میں بھی جنگ کی ضرورت پیش نہ آئی اور آپ مدینہ تشریف لائے۔

لے صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة ذات الرقاع ۵۷ سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۳-۲۱۴

غزوة خندق يا غزوة احزاب (شوال ۵ھ)

غزوة خندق يا غزوة احزاب ماہ شوال ۵ھ میں پیش آیا، یہ ان اہم واقعات اور غزوات میں سے ہے جس کے اثرات اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ و دعوت اسلامی کے مستقبل دین حق کے فروغ اور اسلام کی پیش قدمی میں بہت دور رس ثابت ہوئے، یہ ایک فیصلہ کن لڑائی تھی اور ایسی سخت آزمائش جس کا تجربہ مسلمانوں کو اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔

| | |
|--------------------------------------|---|
| جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی | إِذَا جَاءُوكُمْ مِنَ فَوْقِكُمْ وَمِنْ |
| طرف سے تم پر چڑھ آئے، اور جب | أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذَا زَاغَتْ |
| آنکھیں پھر گئیں، اور دل (بائے | الْأَبْصَارَ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ |
| دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے | الْحَنَاجِرَ وَنَظُنُّونَ بِإِلَهِهِ |
| اور تم خدا کی نسبت طرح طرح | الظُّلُومَاتِ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ |
| کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن | الْمُؤْمِنُونَ وَذُلُّ لِرُلُوزِ الْأَ |
| آزمائے گئے اور سخت طور پر بلائے گئے۔ | شَدِيدًا (سورۃ الاحزاب ۱۰-۱۱) |

اس غزوة کا اصل سبب یہود تھے، واقعہ اس طرح ہے کہ بنی النضیر اور بنی امل

کے کچھ لوگ مکہ گئے اور قریش سے مل کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف
اگسا ناپا ہوا، قریش کو اس قسم کی جنگوں کا تجربہ تھا اور وہ بہت پہلے سے اسے بھگتے ہوئے
تھے، اس لئے ان کی ہمت نہ پڑتی تھی لیکن یہودیوں کے وفد نے صورتِ حال کو بہت
سازگار اور خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ ہم لوگ سب آپ کے ساتھ ہوں گے،
اوجیت تک اس میں کوئی بڑی بات نہ ختم نہ کریں گے، تم نہ لیں گے اس بات پر قریش بہت
خوش ہوئے اور اس کے بعد انھوں نے جوش و سرور کے ساتھ ان کی دعوت قبول کی،
سب اس پر متحد ہو گئے اور تیاریاں شروع کر دیں، وفد وہاں سے چل کر قبیلہ غطفان میں آیا
اور ان کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی، ان کے مختلف قبائل میں گھوم پھر کر مدینہ
پر چل کر اپنے منصوصہ قبیل کے ساتھ ان کے سامنے رکھا اور قریش کی ناکا دی سے بھی ان سب کے باخبر کیا،
ان کو شمشوں کے نتیجے میں ان کے درمیان ایک فوجی معاہدہ ہو گیا جس کے اہم شرطوں کا
میں قریش، یہود اور غطفان تھے، انھوں نے کچھ اور شرطیں بھی اتفاق کیا جس میں ایک
اہم شرط یہ بھی تھی کہ غطفان اس متحدہ لشکر میں چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ حصہ لیں گے
اس کے معاوضہ میں یہود قبائل غطفان کو خیر کے باغات کی پورے سال کی فصل دیا
کریں گے، الغرض قریش نے چار ہزار جنگجو اس کے لئے اکٹھا کئے، غطفان نے
چھ ہزار۔ کل تعداد دس ہزار ہوئی، لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان کو مقرر کیا گیا۔

حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی کہ یہ لوگ اس طرح

متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کا عزم کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے وجود کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے تو مسلمانوں نے بہت سنجیدگی کے ساتھ اس کا نوٹس لیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے، انھوں نے مدینہ میں قلعہ بن کر رہا، نہ جنگ کو ترجیح دی، لشکر اسلام اس وقت تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔

اس موقع پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے سامنے خندقیں کھودنے کا مشورہ دیا، یہ ایرانیوں کی معروف جنگی حکمت عملی تھی، حضرت سلمان نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ایران میں جب ہم کو گھوڑ سوار لشکر کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو ہم لوگوں کے مقابلہ کے لئے خندقیں کھودتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی، اور مدینہ کے شمال مغرب میں واقع میدان میں خندقیں کھودنے کا حکم فرمایا یہی وہ کھلا حصہ تھا جہاں سے دشمن کو دراندازی کا موقع مل سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا کام اپنے اصحاب کرام میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ ہر دس آدمیوں کے دستچالیس ہاتھ بڑا، خندق کا طول تقریباً پانچ ہزار ہاتھ تھا، گہرائی سات ہاتھ سے دس تک، چوڑائی بالعموم نو سے کچھ اوپر ہوتی تھی، یہ مسلمانوں میں بھمدردی و مساوات کی ایک نئی اہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں مسلمانوں کے ساتھ بنفس نفیس

لہ میرت ابن ہشام ج ۲، ص ۲۲۵، ۲۲۶، خندق دراصل لفظ "کنہ" کا عربیہ فارسی میں خندک و کنڈک
اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں (دیکھئے فرنگ عبد) ۱۱۵۰ کھدائی کا کام مدینہ کے شمال مشرق سے شروع ہو کر شمال مغرب
تک تمام ہوا، اس کا مشرقی کنارہ "حرة واقم" سے لٹا تھا، اور مغربی کنارہ "ادی بطمان" کے مغرب سے جہاں مغربی
(حرة الزبیرة) واقع ہے، ملاحظہ ہو (مدینہ طیبہ کے شہر کا نقشہ) منقذ از آثار المدینۃ المنورۃ، ج ۱، ص ۱۱۵
عبد القدوس الانصاری۔ ۱۱۵۰ میرت ابن کثیر جلد ۳، ص ۱۹۵، ۱۹۶، غزوة الاحزاب، اساذ احمد بائیس۔

شریک ہوئے اور سبے مل کر پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ یہ کام انجام دیا۔
 سردی بہت سخت تھی، غذا ان کو انہی ملتی تھی کہ جسم و جان کا رشتہ قائم رہے کبھی وہ بھی
 نہ ملتی تھی، حضرت ابو طلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی
 شکایت کی اور اپنا پیٹ کھول کر دکھایا، جس پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا، دیکھ کر رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا مٹایا اور ہم نے دیکھا کہ اس میں دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔
 اس کے باوجود سب خوش و خرم تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے، رجز پڑھتے
 تھے اور اس کی حمد کے ترانے گاتے تھے، اور ایک حروفِ شکرایت ان کی زبان پر نہ آتا تھا۔
 حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے قریب
 تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار صبح سویرے سخت ٹھنڈک میں خندق
 کھودنے میں مصروف ہیں، ان کے پاس غلام اور ملازم نہ تھے، جو ان کے بجائے یہ کام انجام
 دیتے، آپ نے ان کی اس سخت محنت اور بھوک کو ملاحظہ فرمایا تو آپ کی زبان مبارک
 سے یہ الفاظ نکلے۔

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة فاعفرا الانصار والمهاجرة
 (اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت کی زندگی ہے، پس معاف فرما انصار کو
 اور مہاجرین کو۔)

یہ سن کر اس کے جواب میں انھوں نے کہا:-

اے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۶ اے ترمذی علامہ طبری شرح مشکوٰۃ میں
 لکھتے ہیں کہ عرب میں اس عہد میں رواج تھا کہ جن کو بھوک تاتی تھی اور پیٹ بالکل چپک جاتا تھا، وہ اپنے کو
 سیدھا رکھنے کے لئے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیتا تھا، مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۴۸

فمن الذين بايعوا محمداً على الجهاد ما بقينا ابداً

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد پر اس وقت تک کے لئے بیعت کی ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔

وہ بیان کرنے میں ایک ٹھیٹھ جو کہیں سے مل جاتے تو اس کا ملیر بنا لیا جاتا اور اس میں ٹھوڑی سی چربی شامل کر لی جاتی، حالانکہ اس کا ذائقہ اور بوسب میں فرق آچکا ہوتا۔

تنگی و محاصرہ کی تباہی میں اسلامی فتوحات کا نور

خندق کی کھدائی میں ایک جگہ ایک بڑی چٹان سامنے آگئی جس پر کدال کام نہیں کر رہی تھی، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ کو اس کی اطلاع کی، آپ نے اس کو دیکھا تو خود کدال اٹھائی اور بسم اللہ کہہ کر اس پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، اس وقت آپ نے فرمایا، اللہ اکبر، مجھے شاکہ کی کنجیاں دی گئیں، اس کے بعد دوسرے تہائی حصہ بھی آپ نے توڑ ڈالا اور ارشاد فرمایا اللہ اکبر، مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم میں مدائن کا سفید محل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، پھر تیسری بار آپ نے بسم اللہ کہہ کر اس پر ضرب لگائی اور باقی ماندہ پتھر بھی پاش پاش ہو گیا، آپ نے فرمایا اللہ اکبر، مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم میں اس وقت اسی جگہ صنعاء شہر کے دروازے دیکھ رہا ہوں، یہ ارشاد اس وقت ہوا جب مسلمانوں کو اپنے زندہ سلامت رہنے کا بھی یقین نہ تھا ایک طرف جو کدال کو ہلکان کئے ڈال رہی تھی، دوسری طرف ٹھنڈک جان ایسا ثابت ہو رہی تھی، تیسری طرف شہر میں پڑھا

لے صحیح بخاری بروایت انس (کتاب المغازی باب غزوة الخندق) ۱۷۱۱ بروایت براہین عازب الانصاری۔

غزوہ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات

اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ظاہر ہوئے جب مسلمانوں کو خندق کھودنے میں دشواری ہوتی اور اس طرح کی کوئی چیز رکاوٹ بنتی تو آپ کسی بزن میں پانی طلب فرماتے، اس میں اپنا ثواب بن ڈال دیتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ سے کہلاتا آپ دعا فرماتے جب یہ پانی اس پتھر پر پھیرا جاتا تو وہ ریت کے تودہ کی طرح نرم ہو جاتا۔

کھانے میں ایسی کھلی برکت ہوتی کہ تھوڑا سا کھانا بہت بڑی تعداد کے لئے کافی ہو جاتا، اور نہ صرف کافی ہوتا بلکہ پورا لشکر سیر ہو جاتا۔

جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ہم خندق کے روز کھدائی کر رہے تھے کہ ایک بڑا اور سخت پتھر سامنے آگیا، سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ بہت سخت پتھر سامنے آگیا ہے جو خندق کھودنے میں رکاوٹ بن رہا ہے آپ نے فرمایا کہ میں اترتا ہوں پھر آپ ایسی حالت میں کھڑے ہوئے کہ آپ کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا، اس وقت حالت یہ تھی کہ تین روز سے ہمارے منہ میں کوئی چیز نہ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اٹھائی اور اس پتھر پر پاری پتھر ریت کی طرح بھر بھر کر گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے مجھے کھرجانے کی اجازت مرحمت فرمادیں گھر پہنچ کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ جس کے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں، کیا تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کا سامان ہے؟

انہوں نے کہا ہاں کچھ بچے ہے، اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا، جو گو
 میسا، اور ایک دیگی میں گوشت چڑھا دیا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں جانے لگا تو اس وقت آٹا گوندھ چکا تھا، دیگی جو پہلے پر بھنی اور تیار ہونے کے
 قریب تھی، میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ میں نے تھوڑے بہت کھانے کا انتظام کیا ہے،
 آپ اور دو ایک آدمی تشریف لے چلیں، آپ نے دریافت فرمایا، کتنا کھانا ہوگا
 میں نے تفصیل بتائی، آپ نے رین کر فرمایا یہ تو بہت ہے، اور اچھا ہے، اپنے گھر میں کہنا کہ
 دیگی جو پہلے سے اس وقت تک نہ اتاریں، اور نہ تنور سے روٹیاں نکالیں، جب تک میں
 نہ آ جاؤں، پھر آپ نے فرمایا گو! بسم اللہ، چنانچہ تمام مہاجرین اور انصار کھڑے
 ہو گئے اور میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا کہ کچھ خبر بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سارے مہاجرین اور انصار اور جتنے بھی آدمی آپ کے ساتھ ہیں سب کو لے کر تشریف
 لائے ہیں کہنے لگیں کیا کھانے کے بارے میں آپ نے کچھ پوچھا، میں نے کہا ہاں۔ آپ نے
 فرمایا گو، اندر داخل ہو اور بھڑنہ لگاؤ، آپ روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر گوشت
 رکھتے تھے، اور گوشت و روٹی لینے کے بعد دیگی اور تنور کو ڈھک دیتے تھے، اور اپنے
 اصحاب کرام کے سامنے کھانا پیش فرماتے تھے، پھر کہہ پڑا ہٹا کر اسی طرح روٹی توڑتے اور گوشت
 لینے رہے اور اصحاب کرام کو عنایت فرماتے رہے، یہاں تک کہ سب خوب شکم سیر ہو گئے
 اور اس کے بعد بھی کھانا بچ رہا پھر آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سے فرمایا اب
 تم کھاؤ، اور دوسروں کو دو، اس لئے کہ سب لوگ اس وقت بھوک اور فاقہ میں ہیں۔
 ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ میں

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آہستہ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک جانور ذبح کیا ہے اور ہاے پاس پھوڑا سا بوجھا، اس کو میں لیا ہے آپ اور چند حضرات تشریف لے چلیں آپ نے بلند آواز سے کہا کہ خندق والو! جا برنے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہے۔

کڑی آزمائش

قریش نے آگے بڑھ کر مدینہ کے مقابل پڑاؤ ڈالا، ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی غطفان بھی اپنے زیر اثر قبائل کے ساتھ اسی جگہ مقیم ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے خندق ان دونوں لشکروں کے درمیان حائل تھی مسلمانوں اور بنی قریظہ کے درمیان ایک معاہدہ تھا، عتبی بن اسخطبے جو بنی النضیر کا سردار تھا، ان کو کہہ سن کر عہد شکنی پر آمادہ کر لیا بنی قریظہ نے یہ اقدام قدیسے انکار اور تردد کے بعد کیا، اس کے نتیجے میں غوث و دہشت کی فضا سارے شہر میں چھا گئی منافقین نے بھی پاؤں نکالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اس وقت قبیلہ غطفان سے اس بات پر صلح کر لینا مناسب ہے کہ مدینہ کے پھلوں کا ہمیشہ ایک نہائی حصہ ان کو دیا جائے گا، یہ خیال انصار کی وجہ سے آپ کے دل میں آیا جن پر جنگ کا سب سے زیادہ بوجھ پڑنا تھا، اور اب آپ ان کو مزید آزمائش میں ڈالنا نہ چاہتے تھے لیکن اوس و خزرج کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے عزم و ہمت ثابت قدمی اور استقامت کو دیکھ کر آپ نے

لہ حدیث میں اس موقع پر کھانے کے لئے لفظ "سور" آیا ہے اس موقع پر علامہ محدث طاہر عثمتی نے مجمع بحار الانوار میں لکھا ہے کہ یہ اصلاً فارسی لفظ ہے اور شادی کی بڑی دعوت کے لئے بولا جاتا ہے۔

اپنی یہ رائے تبدیل فرمادی انھوں نے عرض کیا کہ جس وقت ہم لوگ شرک و بت پرستی کی آوگیا
 میں پڑے ہوئے تھے، نہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، اور نہ اس کو پہچانتے تھے، اس وقت
 کھجور کا ایک انہ بھی (ضیافت اور خرید و فروخت کے علاوہ) ہم ان کو دینے کے روادار نہ تھے،
 اور اب جب ہم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے سرفراز کیا اور ہدایت نصیب کی، آپ کی ذات
 اور اسلام سے ہمیں عزت بخشی کیا، ہم ان کو اپنا مال دے دیں گے، خدا کی قسم ہمیں اس کی کوئی
 ضرورت نہیں، ہمارے پاس ان کے لئے تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
 ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسین کرار شاد
 فرمایا، جیسی تمھاری رائے ہو!

جاہلیت کے شہسوار اور اسلام کے شہسوار کا مقابلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں نے وہاں قیام کیا
 دشمن نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی تھی، البتہ یہ ہو کہ دشمن کے کچھ
 گھوڑ سوار تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور خندق کے کنارے تک پہنچ گئے، اور اسے دیکھ کر
 کہنے لگے یہ ایک نئی تدبیر اور نیا حال ہے، جس سے عرب اقف نہیں ہیں، پھر تلاش کر کے وہ ایک
 ایسی جگہ پہنچے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی، یہاں پہنچ کر انھوں نے اپنے گھوڑوں
 کو ایڑ لگائی تو وہ گھوڑے اس کو پار کر گئے اور مدینہ کی سرزمین پر دوڑنے لگے، اس سے
 میں عرب کا نامی گرامی شہسوار عمرو بن عبدود بھی تھا، جس کا مقابلہ ایک ہزار گھوڑ سواروں
 کیا جاتا تھا، ایک جگہ ٹھہر کر اس نے آواز لگائی کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ یہ سن کر حضرت
 علی کرم اللہ وجہہ سامنے آئے اور کہا عمرو! تم نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ قریش کا کوئی شخص

اگر تمہیں دو باتوں کی دعوت دے گا تو ایک تم ضرور قبول کرو گے، اس نے جواب دیا کہ ہاں، حضرت علیؑ نے کہا اٹھیک ہے میں تمہیں اللہ کی اس کے رسول کی اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت علیؑ نے کہا تو پھر میں تمہیں مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا، کیوں آخر میرے بھتیجے ابنیٰ میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا؟ حضرت علیؑ نے کہا بسکن خدا کی قسم میں تمہیں ضرور قتل کرنا چاہتا ہوں۔

بین کر عمر و کا خون گرم ہو گیا، وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اس کی کوشیوں کاٹ دیا اس کے پھرے پر غصہ میں ایک طمانچہ مارا، پھر اسی حالت میں حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوا، مقابلہ شروع ہوا، تھوڑی دیر دونوں نے اپنے جوہر دکھائے پھر حضرت علیؑ نے اس کو ٹھکانے لگا دیا، ان کے دوسرے شہسواروں میں نوفل بن خبیہ بھی تھا، یہ دیکھ کر یہ سب شہسوار بھاگ نکلے اور خندق پھانڈ کر راہ فرار اختیار کی۔

ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہاد اور شہادت پر آمادہ کرتی ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بنی حارثہ کے قلعہ میں مسلمان عورتوں کے ہمراہ تھیں، اور اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بیان فرماتی ہیں کہ سعدؓ سے معاذ اُدھر سے گزری وہ ایک اتنی چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے کہ ان کا پورا ہاتھ اس سے باہر تھا، وہ رجز پڑھنے جاتے تھے، ان کی والدہ نے دیکھ کر کہا کہ بیٹے تم نے بہت دیر کر دی جلدی جاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ام سعدؓ بخدا میری خواہش ہے کہ سعد کی زرہ اس سے بڑی ہوتی، چنانچہ وہی ہوا، جس کا خطرہ

حضرت عائشہؓ نے ظاہر کیا تھا، اسی کھلے ہوئے ہاتھ پر ایک تیرا لیا اگر لگا کر اس نے وہاں کی خاص رگ (اکھل) کاٹ دی اور بنی قریظہ کے غزوہ کے موقع پر وہ شہید ہوئے۔

غیبی نصرت

مشرکوں نے مسلمانوں کو اس طرح گھیر لیا کہ جیسے وہ کسی قلعے میں محصور ہو گئے ہوں، یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا اس درمیان ان کو قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور منافقوں کا نفاق بھی ظاہر ہو گیا، چنانچہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ واپس جانے کی اجازت چاہی اور یہ بہانہ کیا کہ ان کے گھر کھلے رہ گئے ہیں حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی اور سب گھر محفوظ تھے، یہ صورت راہ فرار اختیار کرنے کی ترکیب تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام خون و پریشانی کی اس کیفیت میں تھے کہ اچانک نعیم بن مسعود غطفانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! میں اسلام لا چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے اسلام لانے کا علم نہیں ہے اب جیسا نسا ہو حکم فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اکیلے آدمی ہو تم وہیں رہ کر ہماری مدد کرو، اس لئے کہ جنگ حیلہ و تدبیر کا نام ہے نعیم بن مسعود وہاں سے رخصت ہوئے بنی قریظہ کے پاس آئے اور ان سے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ ان کو خود اپنے موقف اور پسپائی پر شہید پیدا ہو گیا کہ قریش اور قبائل غطفان سے (جو باہر کے لوگ ہیں) ان کا یہ ریلو و ضبط اور ہجرت اور انصار سے (جو مقامی باشندے اور ان کے پرانے پڑوسی ہیں) ان کی

یہ دشمنی کہاں تک صحیح ہے، انھوں نے ان کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ قریش اور عطفان کی حمایت میں لڑنے سے پہلے ان کے کچھ خواص اور سرداروں کو اپنے پاس بطور پرغمال رکھ لیں تاکہ ان کا بھروسہ رہے، انھوں نے یسین کہہا واقعی تم نے بہت اچھی بات سنجائی، پھر وہاں چل کر وہ سرداران قریش کے پاس گئے اور اپنی خیر خواہی اور اخلاص کا مظاہرہ کرنے کے بعد ان سے کہا کہ یہود اپنے اس فعل پر پچھتا رہے ہیں اور یہ سوچ رہے ہیں کہ قریش کے کچھ شرفاء اور سرداروں کو بطور ہن ان کے ہاتھ میں رہیں تاکہ کوئی عہد شکنی کا خطرہ نہ ہے ان کا ارادہ یہ ہے کہ ان سرداروں کو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں اور وہ ان کے نزلوار سے اڑا دیں گے، پھر عطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی وہی کہا جو قریش سے کہہ چکے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے چوکتے اور محتاط ہو گئے اور ان کے دلوں میں یہود کی طرف سے سخت کینہ پیدا ہو گیا، تمام متعلقہ پارٹیوں میں تفرقہ پڑ گیا، اور ہر شخص ایک دوسرے سے خائف رہنے لگا، چنانچہ جب اوس سفیان اور قبیلہ عطفان کے سرداروں نے ایک فیصلہ کن جنگ کا آغاز کرنا چاہا تو یہود نے مال مٹول سے کام لیتا شروع کیا اور ان کے کچھ آدمی بطور پرغمال کے طلب کئے، جب یہ بات انھوں نے سنی تو ان کو پورا یقین ہو گیا کہ نسیم بن سعود نے جو کچھ کہا تھا، حوت بکرت صحیح تھا، انھوں نے ان کی یہ درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا، دوسری طرف یہود کو بھی اندازہ ہو گیا کہ ان کی بات سچی تھی، اس طرح ان سب کے قومی اور ارا دونوں میں اضمحلال پیدا ہو گیا، اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ کفر و شرک کے ان لشکروں اور دشمنانِ دین کی ان فوجوں پر ان سردویں بستے راتوں میں ایسی تیز ہوا چلی کہ ان کی قیام گاہیں اکھڑ گئیں اور

دیگیاں الٹ گئیں، نیز نظر دیکھ کر ابوسفیان نے کہا کہ قریش کے لوگو اب بیٹھ ہرنے کی جگہ نہیں رہی، ہمارے خچر اور گھوڑے ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ نے ہم سے بد عہدگی کی ہے اور بہت وحشت ناک اور تکلیف دہ اطلاعاتیں ان کی طرف سے ہم کو ملی ہیں، اس لئے ہم نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ بھی تم لوگ دیکھ رہے ہو، دیگیاں تک ٹھہر نہیں رہی ہیں، آگ جلانا مشکل ہو رہا ہے، ہماری کوئی قیام گاہ اور جائے پناہ محفوظ نہیں رہی اب یہاں سے چل نکلیں بھی واپس جانے کا ارادہ کر چکا ہوں، یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے اونٹ کے قریب گئے جو بندھا ہوا تھا، اس پر بیٹھ گئے اور اس کو اڑان لگائی، جب اونٹ کھڑا ہو گیا تب اس کی سی کھولی۔

جب غطفان کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کوچ کر گئے تو انھوں نے بھی اپنی جگہ کا رخ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، حضرت یوسف بن ایمان رضی اللہ عنہ (جن کو آپ نے ان متحدہ پارٹیوں میں اپنا مخبر بنا کر بھیجا تھا) تاکہ وہ آپ کو ان کی نقل و حرکت سے آگاہ کر سکیں، واپس آئے تو جو کچھ دیکھا تھا، اسے آپ کو آگاہ کر دیا۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ خندق چھوڑ کر مدینہ تشریف لے چلے مسلمان بھی واپس آگئے، اور اپنے ہتھیار رکھ دیئے، قرآن کریم اس واقعہ کے بارے میں کہتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
مُؤْتَمِرًا مِّنْكُمْ لِيُقَرِّبُوا إِلَيْكُمْ
الْحَصْبَاءَ وَالْأَسْلِحَ وَهُمْ
يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ وَالْعِيسَى
ابْنَ مَرْيَمَ يُحْمَلُونَ فِي الصُّلْبِ
كَمَا أُحْمَلُوا فِيهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ
مَعِ الْمُؤْمِنِينَ

۱۔ پورا واقعہ صحیح مسلم باب غزوة الاحزاب بروایت ابن اسحاق ملاحظہ کریں۔

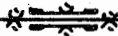
۲۔ تفصیل سیرت ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

رَبَّاعًا وَجَبُودًا لَمْ تَدْرَاهَا وَكَانَ
 اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا
 تو ہم نے ان پر بڑا بھیجی اور ایسے
 لشکر نازل کئے جن کو تم دیکھ
 نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے
 ہو خدا ان کو دیکھ رہا ہے۔
 (سورہ احزاب - ۹)

وَدَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 بِعَيْظِهِمْ لَمْ يَأْتُوا حَبِيرًا
 وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ
 وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا
 اور جو کافر تھے ان کو خدا نے پھیر دیا
 وہ اپنے غصہ میں (بھرے ہوئے
 تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے
 اور خدا مومنوں کو لڑائی کے بائے
 میں کافی ہوا اور خدا طاقت ور
 (سورہ احزاب - ۲۵)

(اور) زبردست ہے۔

اس طرح جو بادل بڑے زور و شور سے اٹھا تھا وہ گرج چمک کر بغیر برسے نکل گیا
 اور مدینہ کا مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد سے
 اب قریش تم پر چڑھ کر نہ آئیں گے، بلکہ تم ہی ان پر حملہ آور ہو گے۔ یہ
 غزوہ خندق میں مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ سات آدمی شہید ہوئے اور
 مشرکین کے چار آدمی قتل کئے گئے۔



غزوة بنی قریظہ

(۵)

بنی قریظہ کی عہد شکنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک ایسا عہد نامہ تحریر کیا جس میں یہود کو امان دی گئی تھی، اور ان سے معاہدہ کیا گیا تھا، جس میں ان کے مذہب اور مال و املاک کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی تھی، کچھ شرطیں ان کے حق میں لگائی گئی تھیں، اور کچھ شرطیں ان پر عائد کی گئی تھیں، اس عہد نامہ کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

یہود میں سے جو بہار ساتھ دے گا اس کے ساتھ تعاون اور سادات کا معاملہ کیا جائے گا، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا، اور نہ ان کے خلاف مذہبی جہاد لگائی جائے گی، مدینہ کا کوئی مشرک نہ قریش کے جان و مال کو امان اور پناہ دے گا، اور نہ کسی مومن کے مقابلہ میں اس کے لئے سینہ سپر ہوگا، یہود لڑائی میں جب تک شریک نہیں گئے، مسلمانوں کی طرح اس کے اخراجات بھی برداشت کریں گے، یہود کے قبائل مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم کی طرح رہیں گے، یہودیوں کو اپنے مذہب کی آزادی ہے، مسلمانوں کو اپنے مذہب کی، لہٰذا اس معاہدہ میں قبائل یہود کے نمایاں قبیلے بنی نوف، بنی ساعدہ، بنی حشم، بنی الاوس اور بنی تمیلہ۔

وہ اپنے ماتحتوں غلاموں اور اپنے معاملہ میں پوری طرح باختیار ہوں گے۔
 اس میں یہ بھی تھا کہ اس عہد نامہ اور تحریری معاہدہ کی رو سے جنگ میں ایک دوسرے
 کی مدد کرنا ان پر لازم ہوگا، جائز امور اور اطاعت الہی کے حدود کے اندر خیر خواہی
 خلوص اور صلاح کا رویہ رکھنا ہوگا، شرب پر حملہ ہو تو وہ مشترک طور پر اس کا مقابلہ
 کریں گے، لیکن بنی النضیر کے سردار حُجیب بن اخطب یہودی نے بنی قریظہ کو مسلمانوں سے
 عہد شکنی اور قریش سے اتحاد و دوستی پر آمادہ کر لیا، حالانکہ ان کے سردار کعب بن اسد انقضی
 نے کہا تھا کہ "میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سچائی اور وفاداری کے سوا کوئی اور
 چیز نہیں دیکھی" بہر حال کعب بن اسد نے اپنا عہد توڑ دیا، اور اس کے اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو کچھ طے پایا تھا، اس سے اپنے کو بری کر لیا۔
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس عہد شکنی کی اطلاع ملی تو
 آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو اوس کے سردار تھے، اور اوس بنو قریظہ کے
 حلیف تھے، اور خزیمہ کے سردار سعد بن عبادہ کو انصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ اس خبر کی
 تحقیق کے لئے روانہ کیا، وہاں انھوں نے جا کر پتہ لگایا تو جتنا ساتھ اس سے بدتر حالت پائی،
 ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کئے اور تلخ لہجے میں
 کہنے لگے کیسا اللہ کا رسول؟ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد معاہدہ نہیں ہے۔
 انھوں نے جنگ کی باقاعدہ تیاری بھی شروع کر دی اور مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے گھونپنا چاہا،

لہ میرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۰۲-۵۰۳ ۵۴ میرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۱-۲۲۲ ۵۳ مؤرخ مگر مدنی و ابی داؤد کی

کتاب CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM میں ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑا قبیلہ باقی رہ گیا تھا
 یہ بنی قریظہ کا قبیلہ تھا، جب مشرکوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا تو اس وقت یہ مسلمانوں (باقی صفحہ ۳۲۹ پر)

یہ نوعیت کھلے ہوئے حملے اور دہرے میدان جنگ سے کہیں زیادہ سخت اور خطرناک تھا
اس صورت حال کی تصویر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں اس طرح پیش کی گئی ہے؟

إِذَا جَاءَهُمْ وَقُلْتُمْ لَا شَيْءَ سَأَلْتُمُوهُمْ فَوَقَفُوا هُنَّ
أَسْفَلَ مِنْكُمْ (سورۃ احزاب ۱۰) طرف تم پر چڑھ آئے۔

مسلمانوں کے لئے یہ بہت سخت حادثہ تھا اور اس کو قدرتی طور پر بہت محسوس
کیا گیا، اس کا اندازہ ہمیں اس سے ہو سکتا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اگر جوان
زیادہ سے زیادہ قریب اور مصیبت میں مددگار و غم گسار رہ چکے تھے، غزوہ خندق کے
موقع پر جب ایک تیران کے نشانہ پر لگا اور اس سے وہاں کی ایک نازک وراہم رگ
کٹ گئی اور ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو یہ جملہ کہا کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک
موت نہ دے جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کی تباہی دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں!

بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان غزوہ خندق سے واپس ہوئے
اور مدینہ پہنچ کر سب مسلمانوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے تو حضرت جبرئیل شریف
(باقی صفحہ ۳۳۸) کے ساتھ خلوص و دوستی کا مظاہرہ کرتا تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ درپردہ
مشرکین سے مل چکا تھا اور پشت سے وار کرنے کے لئے اولین موقع کے انتظار میں تھا، ص ۱۷۹۔

اے حضرت سعد کو ایک قریشی کا تیر لگا تھا، بنی قریظہ کے کسی آدمی کے ہاتھ سے انھوں نے رقم نہیں کھایا تھا
صحیح بخاری میں اس کا نام ابن النضرہ قریشی بتایا گیا ہے اس لئے یہ جھٹکا صحیح نہیں ہے کہ اس تیر کی
وجہ سے حضرت سعد کو بنی قریظہ پر غصہ تھا اور اسی بنا پر انھوں نے یہ سخت فیصلہ کیا۔

لائے اور کہا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اس پر حضرت جبرئیل نے کہا کہ فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں رکھے! اللہ عزوجل نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں، میں بھی وہیں کا ارادہ کر رہا ہوں کہ ان میں تزلزل پیدا کر دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کرنے والے کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ وہ لوگوں میں جا کر اعلانِ عام کرے کہ ہر اس شخص کو جو سننے اور ماننے والا ہے یہ چاہئے کہ نماز عصر بنی قریظہ میں پڑھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا جس کا سلسلہ پچیس^{۱۵} شب و روز جاری رہا، یہاں تک کہ وہ اس محاصرہ سے تنگ آگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

ابولبابہ کی ندامت اور توبہ کی قبولیت

اس درمیان میں بنی قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس بنی عمرو بن عوف کو بھیج دیجئے (یہ لوگ اوس کے حلیف بھی تھے) تاکہ ہم ان اپنے معاملہ میں مشورہ کر سکیں، ان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہؓ کو وہاں بھیج دیا ان کو دیکھتے ہی سب لوگ سروقد کھڑے ہو گئے عورتیں اور

۱۵ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ صحیح بخاری میں یہ قصہ کسی تفصیل و اضافہ کے ساتھ باب

”رحمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب، وخرجہ الی بنی قریظہ وحصارہ ایام“

میں بیان کیا ہے صحیح مسلم میں کتاب الجہاد وایس میں باب جواز قتال من نقض العهد و جواز نزال

العصی علی حکم عادل حکیم اهل للعدل“ میں یہ قصہ بھی کیا ہے ۱۵ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵

بچے دھاڑیں مار کر رونے لگے، یہ دیکھ کر ان کا دل کچھ سیج گیا اس کے بعد یہ سب لوگ کہنے لگے ابوالبابہ! کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلہ پر تیرے سر خم کر لیا جائے؟ انھوں نے کہا ہاں، اسی کے ساتھ اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اس کی طرف اشارہ کیا، ابوالبابہ کہتے ہیں کہ ابھی میرے قدم بھی وہاں سے نہ ہٹے تھے کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے، چنانچہ وہ فوراً اپنے پاؤں واپس ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے کو باندھ دیا اور اعلان کر دیا کہ میں اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرے قصور کو معاف نہ فرمائے گا، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ آئندہ وہ بنی قریظہ کے علاقہ میں قدم بھی نہ رکھیں گے، اور اس مقام کی بھی شکل نہ دیکھیں گے، جہاں انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی تھی۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت نازل ہوئی :-

| | |
|---|-----------------------------------|
| وَاعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ | اور کچھ لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا |
| خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَكَفَرًا | (صاف) انفرار کرتے ہیں انھوں نے |
| سَيِّئًا عَسَىٰ اَنْ يَّتُوبَ | اچھے اور بُرے عملوں کو ملا دیا |
| عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ | تھا قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی |

(سورہ توبہ - ۱۰۲)

سے توجہ فرمائے بے شک خدا بخشنے والا

مہربان ہے۔

تو فوراً لوگ ان کو کھولنے کے لئے تیزی سے آگے بڑھے انھوں نے کہا نہیں! خدا کی قسم جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے مجھے آزاد نہ کریں گے!

میں اسی حالت میں رہوں گا، جب نماز فجر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ان کے قریب گزرنے تو آپ نے ان کو کھولا کھجور کے اس تنے سے تقریباً بیس رات بندھے رہے، ہر نماز کے وقت ان کی اہلیہ آتیں اور نماز کے لئے ان کو کھول دیتیں پھر وہ دوبارہ اپنے کو اس سے باز دھ لیتے۔

سعد بن معاذ کی حق پرستی اور بے لاگ فیصلہ

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا، لیکن قبیلہ اوس کے دل میں بنی قریظہ کی طرف سے نرم گوشہ تھا، وہ تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ خروج کے مقابلہ میں ہمارا ان سے معاہدہ ہے اور انھوں نے ہمارے بھائیوں کے حلیفوں (یعنی بنی قریظہ) کے ساتھ مل کر جو کچھ کیا ہے، وہ آپ کے علم میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا اوس کے لوگو! کیا تم اس پر تیار ہو کہ تمہارا ہی کوئی آدمی اس کا فیصلہ کر دے انھوں نے کہا ہاں ہم تیار ہیں، آپ نے فرمایا میں یہ کام سعد بن معاذ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں ان کو بلوایا گیا، جب وہ آئے تو ان کے قبیلہ والوں نے ان سے کہا کہ ابو عمر و! اپنے حلیفوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے سپرد یہ معاملہ اسی لئے کیا ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا ترناؤ کرو جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو انھوں نے کہا کہ سعد کو قسمت سے یہ موقع ملا ہے کہ آج اس کو حکم الہی کے سامنے اس وقت کسی کی ملامت کی

پرواہ نہ ہو، سعد نے کہا، میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرقول کر دیئے جائیں ان کا مال تقسیم کر لیا جائے، بچے اور عورتیں غلام بنائے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

اسرائیلی شریعت کے مطابق سزا

فیصلہ بنی اسرائیل کی شریعت کے جنگی قوانین کے بھی مطابق تھا اس لئے کہ تورات آیت ۱۱-۱۲-۱۳ میں ہے:-

”اور جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آہو تو پہلے

لے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۹-۲۴۰ مسلم شریف کے الفاظ میں ”خصیت بحکم اللہ و ربہ ما قال بحکم اللہ“ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا اور شاید آپ نے یہ فرمایا کہ مالک الملک کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا، مشہور روایت کسوف کے ساتھ ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو مذکور ہوئے بعض روایتوں میں فتح کے ساتھ ہے اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ جو فیصلے کے آیا تھا اس کے مطابق تم نے فیصلہ کر دیا، (صحیح مسلم باب جواز قتال من فتن من العہد کتاب الجہاد والبیئ) ان قولین کی تعداد آٹھ توشوہا ہیوں کی تھی جیسا کہ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۷ میں ہے۔

بعض محاصرہ ان ظلم نے مدینہ جیسے چھوٹے شہر اور نبی رحمت کی گریبانہ سیرت کے پیش نظر تاریخی اسناد کے

جائے قیاس کا لیتے ہوئے اس توراہ کو مستعد فرمایا ہے، ملاحظہ ہو ڈاکٹر رضا احمد کی کتاب (MUHAMMAD & THE JEWS)

اس واقعہ کے متعلق (جو یہود کے دینی شعور کو متاثر کرنے والا ہے) یہودی اخذ بھی خاموش ہیں

ایک یہودی مؤلف سمویل ایبک نے سوہو میں صدی سچی میں ایک ہم کتاب آثار شہراہ یہود لکھی لیکن اس نے

بھی ہر توفیقاً اور بونصیر کی مدینہ سے حلا وطنی اور بونظیفہ کے جنگ جوؤں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے صلح کا پیغام کرتے ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور
 اور دروازے تیرے لئے کھول دے تو ساری خلیق جو اس شہر میں پائی جائے
 تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے
 بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا سے میرے
 قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر
 عورتوں اور لڑکوں اور مویشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ
 اپنے لئے لے کر کتاب استثناء۔ باب ۲۰ آیات ۱۰ تا ۴ کتاب مقدس
 منجانب بائبل سوسائٹی (۱۸۸۲ء)۔

بنی اسرائیل میں قدیم زمانہ میں یہی رواج تھا تو ریت میں آتا ہے اور انھوں نے
 مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا، اور سارے مردوں کو قتل کیا
 اور انھوں نے ان قہقہوں کے سوا وہی اور راقم اور صور اور راج کو جو مدیان کے
 پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور باہو کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا، اور
 بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو ایسے کیا اور ان کی مویشی
 اور بھیر بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں
 وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا!

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسی قانون پر عمل کیا جاتا تھا، اور اس کو ان کی
 اجازت اور تائید حاصل تھی تو ریت ہی میں ہے۔

متب موسیٰ اور العازر کاہن اور جماعت کے سارے سرداران کے استقبال

لہ کتاب مقدس، گنتی، باب ۳۱۔ آیت ۲ تا ۱۰ منجانب بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۸۸۳ء۔

کے لئے جینہ گاہ سے باہر گئے اور ہوسئی لشکر کے رئیسوں پر اور ان پر جو ہزاروں کے سردار تھے اور ان پر جو سیکڑوں کے سردار تھے، جو جنگ کر کے پھرے غصہ ہوا، اور ان کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جینا رکھا؟ سعد بن معاذ کے اس فیصلہ اور حکم کی تعمیل کی گئی، اور اس طرح مدینہ یہودی سازش، مکر و فریب اور فتنہ سامانیوں سے محفوظ ہو گیا اور مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا کہ اب پیچھے سے ان پر کوئی حملہ نہ ہو گا اور کسی اندرونی سازش کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔

خزرج نے سلام بن ابی اکھتیق کو بھی قتل کر دیا جس نے مسلمانوں کے خلاف یہ سب پارٹی بندی کی تھی اور ان کا ناپاک اتحاد قائم کیا تھا، اس سے پہلے "اوس" کعب بن الاشرف کا خانمہ کر چکے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور آپ کے خلاف لوگوں کو اکسانے اور شور و شین برپا کرنے میں سب سے آگے تھا، ان دونوں کے قتل سے مسلمانوں کو فتنہ و فساد کے ان سرغنوں سے نجات ملی جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مستقل اور ہمہ وقت سازش میں مشغول رہتے اور نئی نئی تحریکیں اور تجویزیں کرتے رہتے تھے، اور سب نے اطمینان کی سانس لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی قرظیہ سے جو معاملہ فرمایا وہ جنگی سیاست اور عرب کے یہودی قبائل کی سرشت اور افتاد طبع کے مطابق تھا، ان کے لئے اقسیم کی سخت اور عبرت ناک سزا کی ضرورت تھی جس سے عہد شکنی کرنے والوں اور دھوکہ بازوں کو ہمیشہ کے لئے سبق مل جائے اور آئندہ نسلیں اس سے عبرت پکڑیں،

R. V. C. BODLEY، اپنی کتاب THE MESSENGER—THE LIFE OF MOHAMMAD. میں اس واقعہ پر

روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:-

”محمد بلاد عرب میں تنہا تھے، یہ ملک رقبہ کے لحاظ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ایک تہائی ہے اور اس کی آبادی پچاس لاکھ ہے ان کے پاس ایسے لشکر بھی نہ تھے جو لوگوں کو امتثال امر اور اطاعت پر مجبور کر سکتے، سوائے ایک مختصر لشکر کے جس کی نفری تین ہزار تھی، یہ لشکر بھی پوری طرح مسلح نہ تھا، اس لحاظ سے اگر محمدؐ اس سلسلہ میں سستی و غفلت سے کام لیتے اور بنی قریظہ کو ان کی بد عہدی پر کوئی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تو جزیرۃ العرب میں اسلام کی بقا مشکل تھی، اس میں شک نہیں کہ یہود کے قتل کا معاملہ بہت سخت تھا لیکن یہ مذاہب کی تاریخ میں کوئی انوکھا اور نیا واقعہ نہ تھا، اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے اس کارروائی کا پورا جواز موجود تھا، اس کے دوسرے عرب قبائل اور یہودی عہد شکنی اور غداری سے پہلے بار بار سوچنے پر مجبور ہوئے اس لئے کہ وہ اس کا انجام بد دیکھ چکے تھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ محمدؐ اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔“

سراسیمہ بنی لہین پول لکھتا ہے:-

”یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کا جرم ملکیت سے غداری تھا، وہ بھی ایک محاصرہ کے دوران جن لوگوں نے تاریخ میں یہ پڑھا ہے کہ ولینگٹن کی فوج جس راستہ سے گذری اس کی نشاندہی مفروضہ سپاہیوں اور لوٹ مار کرنے والوں کی لاشیں کرتی تھیں، جو درختوں پر لٹکی ہوئی تھیں، انھیں ایک غدار

قبیلہ کے ایک سرسری فیصلہ کی رو سے قتل کے جانے پر متعجب نہیں ہونا چاہیے۔

مدینہ میں یہود کے اس آخری قلعہ اور مورچے کے خاتمہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ نفاق کا کیمپ قدرتی طور پر کمزور ہو گیا اور منافقین کی سرگرمیاں سست ہو گئیں ان کے ہوصلے پست ہو گئے، اور ان کی بہت کچھ خود اعتمادی اور بڑی بڑی امیدیں جو انھوں نے باندھ رکھی تھیں ختم ہو گئیں اس لئے کہ یہ ان کے متحکم قلعوں میں سے آخری قلعہ تھا جو فتح ہو گیا، ڈاکٹر اسرائیل ولفسون نے غزوہ بنی قریظہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

جہاں تک منافقین کا تعلق ہے بنی قریظہ کی لڑائی کے بعد ان کی آواز پست پڑ گئی اور اس کے بعد ان کے اعمال و اقوال سے کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے فیصلہ کے خلاف ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے توقع کی جا رہی تھی۔

عضو و درگزر اور سخاوت و دریا دلی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف کچھ سواریوں کو ایک ہم پر روانہ فرمایا،

لہ SELECTION FROM THE KORAN INDRO. P. IXV

۱۵۵ھ میں یہودی قبائل اور عرب ۱۵۵ھ۔ استاذ محمد احمد باشمیل نے صحیح لکھا ہے کہ غزوہ احواب صرف یہودی غزوہ تھا جسے یہود کے سازشی ذہن نے خیر میں برپا کیا اور اس میں یہودی سرمایہ صرف ہوا جو جنگ چھیڑنے اور یہودی دائرہ اثر بڑھانے کے لئے ضمانتوں کے حصول کے لئے ہی صرف ہوتا ہے۔

غزوہ بنی قریظہ غزوہ احواب کی تو سبھی شکل تھی، کیونکہ یہودی قریظہ، قریشی، یہودی قبیلہ اتحاد کا تیسرا بانہ تھا جو مسلمانوں کو بالکل برباد کرنے پر آمادہ تھا، (غزوہ بنی قریظہ ۱۴۹-۱۵۵)

یہ لوگ آپ آئے تو اپنے ساتھ نبی حنیفہ کے سردار ثامہ بن انال کو قیدی بنا کر لائے اور ان کے مسجد کے ایک ستون کا باندھ دیا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر سے گزریے تو آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ثامہ! کچھ کہنا تو نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کی گردن پر خون ہے، اگر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار اور احسان شناس پراحسان کریں گے اور اگر آپ کو مال و دولت مطلوب ہے تو آپ بتائیں، آپ جو مطالبہ بھی رکھیں گے وہ پورا کیا جائے گا، آپ یہ سن کر آگے بڑھ گئے دوسری بار جب آپ کا اُدھر سے گزرا تو آپ نے اس سے یہی سوال کیا اور اس نے یہی جواب دیا اور آپ نے وہی روٹیہ اختیار کیا جو پہلے کیا تھا، تیسری بار جب آپ اُدھر تشریف لے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ثامہ کو رہا کرو، چنانچہ اس کو رہا کر دیا گیا، اس کے بعد ثامہ نے مسجد کے قریب کے ایک کھجور کے باغ میں جا کر غسل کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم ایک دن قتل تھا کہ مجھے آپ کے پہرے سے زیادہ کوئی چہرہ برانہ لگتا تھا، لیکن آج آپ کا روئے انور مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے اور خدا کی قسم آپ کے دین سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی اور دین سے بغض نہ تھا، لیکن آج آپ کا دین سارے ادیان و مذاہب سے زیادہ مجھے عزیز و محبوب ہے، میرا قصہ یہ ہے کہ میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت دی اور عمرہ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی، جب ثامہ قریش سے ملے تو ان لوگوں نے کہا کہ ثامہ تم بے دین ہو گئے، انھوں نے جواب دیا، میں خدا کی قسم میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لایا ہوں، بخدا تمہارے پاس بیماریاں گے گی، میں تو ایک دن بھی اس وقت تک نہ پہنچے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری

نہ ہوگی، یا مکہ کے غلہ کی منڈی تھی، اور وہیں سے غلہ کی رسد آتی تھی، اس کے بعد وہ اپنے علاقہ میں فرسپس گئے، اور اونٹوں کے کارواں کو جو گہیوں لے کر جاتے تھے، مکر جاتے سے روک دیا، اس کا اثر یہ پڑا کہ قریش کو فاقہ کی نوبت آگئی اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض داشت بھیجی کہ تمامہ کو غذائی اشیاء اور اجناس کے برآمدگی کی اجازت دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔

غزوہ بنی المصطلق اور واقعہ اُفک

شعبان ۶ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر علی کہ بنی المصطلق (جو خزاعہ کی ایک شاخ تھے) جنگ کے لئے جمع ہو رہے ہیں، یہ اطلاع سن کر آپ بھی مقابلہ کے لئے تشریف لے چلے اور منافقین کی اتنی بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہو گئی کہ اس سے پہلے کسی غزوہ میں نہ تھی، ان کا سربراہ اور قائد عبد اللہ بن ابی اسلم بھی ساتھ تھا، غزوہ احزاب میں (جس میں قریش نے پورے اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا، اور دو سو تمام قبائل اپنے ساتھ مل گئے تھے) مسلمانوں کی فتح و کامرانی نے اس گروہ کو نعل درآتش کر دیا، مسلمانوں کا تارہ اقبال برابر عروج پر تھا، پیہم کا میاں بیاں کفار کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں بسنے والے یہود اور منافقین کے لئے حلق کا ایک ایسا کاغذ بن گئی تھیں جس سے ان کو کسی وقت قرآن و سکون نہ ملتا تھا، وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو اب میدان جنگ میں اور شرت تعداد

لے زاد العادج ۱۷۱ ص ۲۰ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیرۃ باب اللاد بالمالکۃ یوم بدر ۲۰۱ ابن سعد اپنی کتاب

طبقات میں لکھتے ہیں آپ کے ساتھ اس غزوہ میں منافقین کی اتنی بڑی تعداد شریک ہوئی جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئی تھی (کتاب طبقات الکبیر ج ۱ ص ۲۵۱ قاریہ ص ۱۳۲۵ ص ۱۷۱)

اور ساز و سامان سے شکست نہیں دی جاسکتی، اس لئے انھوں نے داخلی محاذ میں رخصت انداز کی اور فتنہ پردازی کا راستہ اختیار کیا، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے قومی اور قبائلی محنت کو بھڑادی، مقام رسالت کی بے حرمی اور اس پر مسلمانوں کے اعتماد و یقین کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا اور کاشانہ نبوت کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کی خطرناک ہم چلانے کا فیصلہ کیا، ان کا خیال تھا کہ اس طرح اس نئے اور شمالی معاشرے کی چولیس بل جائیں گی جس میں ہر فرد دوسرے کا آئینہ ہے، جب وہ اپنے بھائی کے بلے میں کوئی ناروا اور نازیبا بات سنتا ہے تو پہلے اپنا جائزہ لیتا ہے اگر اپنے نفس کو پاک اور صاف پاتا ہے تو پھر جس طرح اپنے لئے ایسی بے بنیاد بات نہیں کرتا دوسرے کے لئے بھی نہیں کرتا، اسی طرح اگر اہل بیت نبوت پر اعتماد نہ لے لے تو اس معاشرے میں ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، کسی شخص پر بھی اعتماد باقی نہ رہے گا، یہ بلاشبہ منافقین کی ایک نہایت خطرناک اور گہری سازش تھی، اور یہ چال اور کمزور فریب کی پالیسی بنی المصطلق کے غریبہ میں جس طرح کھل کر سامنے آئی اتنی کسی اور غزوہ میں نہ آئی تھی۔

آخر کار لڑائی کا وقت آ پہنچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور بنی المصطلق کے چہنمہ پر جس کو مرسیع کہتے ہیں آپ نے قیام کیا، بیچکرہ ساحل کے رُخ پر مقام ”قدیدہ“ کے قریب واقع تھی، یہاں دونوں لشکر باہم دست و گریبان ہوئے اور انجام کار بنی المصطلق کو شکست ہوئی ہے۔

لے اس نسبت سے اس غزوہ کو غزوة الرسیع بھی کہا جاتا ہے (دیکھئے طبقات ابن سعد وغیرہ) لے غزوہ بنی المصطلق بیاسی فوجی اور اقتصادی اہمیت کا بھی حال تھا، اس لئے اس کا صدر مقام مرسیع کہ کی تجارت کی شاہ راہ پر واقع تھا وہ مکہ سے مدینہ کا ایک نئی راستہ بھی تھا جس سے مسافر اور تجارتی قافلے گزرتے تھے۔

اسی موقع پر حضرت عمرؓ کا ایک اجیر جو بنی غفار کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اور
 جہینہ کا ایک شخص جو زواج کا حلیف تھا آپس میں اڑنے لگے تو جہینہ نے آواز لگائی
 اے انصاریو! اجیر نے صدا لگائی اے مہاجرین! بعد اللہ بن ابی بن سلول یہ سن کر
 بہت غصہ ہوا وہ اس وقت اپنے آدمیوں میں بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ اچھا ان مہاجرین
 کے وصلے یہاں تک پہنچے؟ انھوں نے ہمارے علاقہ میں آکر ہم سے رستہ کشی کی اور اپنی تعداد
 بڑھانے کی کوشش کی، واللہ یہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا اس مثال میں بیان کیا گیا ہے
 "مَتَنٌ كَلْبًا يَأْكُلُ" اپنے کتے کو خوب کھلا پلا کے موٹا کر دو تم ہی کو کھائے گا، خدا کی قسم جب
 ہم مدینہ واپس جائیں گے تو وہاں کے باعزت و سربرآوردہ وہاں کے ذلیل لوگوں کو
 نکال باہر کریں گے پھر اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر اس شخص کو یہ سب کچھ تم نے پتے ہاتھوں
 کیا ہے تم نے اپنے وطن میں ان کو جگہ دی، اپنا مال اپنے اور ان کے درمیان تقسیم کیا خدا کی قسم
 اگر تم اپنے ہاتھ کو ذرا روک لیتے اور اس قدر فراخ دلی سے کام نہ لیتے تو وہ یقیناً دوسرا گھر دیکھتے۔
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپ نے لشکر کی واپسی کا حکم دیدیا
 تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں اور شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع نہ مل سکے یہ ایسی آپ کے
 معمول کے خلاف تھی، آپ کے حکم پر سب لوگ چل کھڑے ہوئے، آپ اس روز سلسل چلتے رہے
 یہاں تک کہ شام ہو گئی، رات بھر سفر رہا یہاں تک صبح ہو گئی، سفر جاری رہا، یہاں تک کہ
 دن پڑھ گیا، اور صبح کی تمازت سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگی، اس وقت آپ نے قیام
 فرمایا، لوگ اس قدر تھک چکے تھے کہ زمین سے ان کی ٹیٹھ بھی نہ لگی تھی، کہ وہ عیند کے آغوش
 میں پہنچ گئے، بعد اللہ بن ابی کے فرزند عبد اللہ لشکر سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور راستہ میں
 اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، انھوں نے عبد اللہ بن ابی کو دیکھا تو اپنا اونٹ

بٹھایا اور کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ اپنی زبان سے تم نہ کہو کہ میں ذلیل ہوں اور صاحبِ عزت محمد بنی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گزر ہوا آپ نے یہ سن کر فرمایا عبد اللہ جانے دو! جب تک وہ ہمارے درمیان ہیں ہم ان کے ساتھ اچھا ہی سلوک کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے لئے قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا ان کو اپنے ہمراہ لے لیتے، غزوہ بدریٰ مصطلق میں حضرت عائشہؓ کے نام قرعہ نکلا، چنانچہ آپ ان کو اپنے ہمراہ لے گئے، واپسی پر جب مدینہ قریب ہوا تو آپ نے قیام فرمایا اور رات کا کچھ حصہ وہیں گزارا، اس کے بعد آپ نے کوچ کا اعلان کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ قضاہ حاجت کے لئے گئیں تو ایک ہار جو ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا کسی جگہ ٹوٹ کر گر گیا، اور ان کو تپہ بھی نہ چل سکا، جب وہ اپنے محل میں واپس آئیں تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کا ہار عائشہؓ سے وہ اس کی تلاش کے لئے پھروا گیا، اسی درمیان میں کوچ کا اعلان ہو گیا، جن حضرات کے ذمہ ان کی سواری تھی وہ مول کے مطابق آئے، اور یہ سمجھ کر کہ حضرت عائشہؓ اندر ہوں گی محلِ ختام لیا اور روانہ ہو گئے، وہ بہت سن اور بے چلکی تھیں اس لئے انھیں اندازہ نہ ہو سکا اور اس کا شبہ بھی نہیں ہوا کہ وہ اس کے اندر تشریف نہیں لے سکتی ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ واپس آئیں تو یہاں کوئی نہ تھا، سب روانہ ہو چکے تھے انھوں نے اپنی چادر اڑھی اور وہیں لیٹ گئیں، اسی درمیان میں صفوان بن اسیٰ جو اپنی ایک ضرورت کے قافلہ سے بچھڑ گئے تھے ادھر آئے، ان کو دیکھا تو اتنا تڑپا اور کہنے لگے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترمہ ہیں، اس کے بعد انھوں نے اپنا اونٹ ان کے قریب کر دیا اور خود

پہچھے بھاگ گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں سوار ہو گئیں تو انھوں نے اونٹ کی نکیل
تھامی اور تیز رفتاری کے ساتھ قافلہ کے تعاقب میں روانہ ہوئے جب وہ قافلے کے قریب
پہنچے تو قافلہ منزل پر پڑاؤ کر چکا تھا لیکن اس واقعہ سے لوگوں میں کمی قسم کی سنسنی پیدا
ہوئی اس لئے کہ صحرا کی زندگی اور قافلوں کی آمد و رفت میں وہ ان باتوں کے عادی
تھے، عزت ناموس کی حفاظت ان کے خمیر میں تھی اور اس قسم کی پست خیالی سے ان کے عربی
اوصاف کو کوئی واسطہ نہ تھا جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہی اصول پر کاربند تھے ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:-

وَأَغْضُ طُرْفِي أَنْ بَدَلْتِ بِي جَارَتِي حَتَّى يُوَارِي جَارَتِي مَا وَارَيْتَا
(دیوان الحماسہ)

”اگر میرے پڑوس کی کسی خاتون پر میری نظر بھی پڑ جاتی ہے تو میں اپنی نظر سوجھی

کر لیتا ہوں، یہاں تک کہ اس کا نشیمن اس کو اپنے اندر چھپالے“

لہذا اسی طرز عمل کی ایک جھلک ام سلمہ کے واقعہ میں بھی ہمیں نظر آتی ہے، جب ان کو اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ ہجرت
کرنے سے مجبور ہو کر گیا چنانچہ روزانہ وہ جا کر اس جگہ ٹیچے جائیں اور شام تک روتی رہیں تقریباً ایک سال
تک ان کا یہ حال رہا، یہاں تک کہ ان سنگ دونوں کا دل پسپا، اور انھوں نے ان کو مدینہ جانے کی اجازت
دے دی انھوں نے اپنا اونٹ تیار کیا اور اللہ کا نام لے کر اس پر بیٹھ گئیں اور روانہ ہو گئیں راستہ
میں انھیں عثمان بن طلحہ ملے اور ان کی یہ حالت دیکھ کر ازراہ ہمدردی ان کی نکیل تھام لی اور مدینہ
تک ان کے ساتھ ہے ام سلمہ کہتی ہیں کہ ان سے زیادہ کمی شریف عرب سے میرا سابقہ نہیں پڑا، ان کا حال
یہ تھا کہ جب کوئی منزل آتی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر پیچھے چلے جاتے میں اترا جاتی تو آتے اور سامان اُتار کر
اس کو ایک درخت سے باندھ دیتے آگے کہتی ہیں کہ جب تک مجھے مدینہ نہیں پہنچا دیا وہ برابر یہی کرتے رہے،
(سیرت ابن کثیر ج ۲، ۲۱۵-۲۱۷) یہ اس وقت کی بات ہے جب عثمان بن طلحہ اسلام نہیں لائے تھے اس بحال
سے صفوان بن امیہ اس پائلنسی اور اخلاق عالیہ کے زیادہ مہتمم تھے اس لئے کہ وہ بہت پہلے
اسلام قبول کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کا شرف ان کو حاصل تھا۔

دوسری طرف صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق وہ تھا جو باپ بیٹے کے درمیان ہوتا ہے آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت المؤمنین کا درجہ رکھتی تھیں؟ آپ ان کی نظر میں حقیقی باپ اور ساری دنیا سے زیادہ محبوب تھے، صفوان بن اعطل بھی دیندار کا صلاح و تقویٰ اور حیا و عفت میں نیک نام تھے، یہ بھی ذکر آتا ہے کہ ان کو عورتوں سے کوئی دل چسپی اور سروکار نہ تھا۔

غرض کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا، جس کی طرف لوگوں کو اتنا توجہ بھی ہوتا لیکن عبداللہ بن ابی نے اس کو بالکل اپنا لیا اور دینہ واپس آکر اس کا خوب چرچا کیا، منافقین نے جو اس کے منظر تھے، اس موقع کو غنیمت جانا اور اس کی اچھی طرح تشریح کی، ان کے نزدیک یہ ایک ایسا حربہ تھا، جس سے مسلمان آسانی کے ساتھ فتنہ میں پڑ سکتے تھے، اور مقام رسالت اور اہل بیت کے ساتھ ان کی تعظیم اور محبت کا رشتہ کمزور کیا جاسکتا تھا، اس سے مسلمانوں کا باہمی اعتماد اور ایک دوسرے پر بھروسہ بھی بخر جاتا تھا، اس سازش کے کچھ ایسے سادہ دل مسلمان بھی شکار ہو گئے جن کو زیادہ باتیں کرنے کا شوق تھا اور جو بغیر تحقیق کے بات نقل کرنے کے عادی تھے بلکہ

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ میں اچانک اس کی خبر ہوئی تو وہ تڑپ کر گئیں اور رنج و غم سے ان کا یہ حال ہو گیا کہ آنسو پھرتے نہ تھے، راتوں کی نیند اڑ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ معاملہ بہت سخت اور سنگین تھا، آپ کو جب علم ہوا کہ بات

لہ اسی بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے "اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُوْنَ يَا حُوْرًاۙ مَا هٰذَا جَاءَكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَنْصُرُوْنَهُ هَتٰمًا وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" (جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تم کو کچھ علم نہ تھا اور تم اسے نیک ہی بات سمجھتے تھے، اور خدا کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔) (سورۃ النور۔ ۱۵)

کہاں سے چلی تھی تو اس وقت آپ تشریف لائے اور عبداللہ بن ابی کے سلسلہ میں کچھ کہنے کی اجازت لی، آپ منبر پر تشریف رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! مجھے کون اس شخص کے معاملہ میں کچھ کہنے کی اجازت دیتا ہے جس کی میرے گھروالوں کے بارے میں ایذا رسانی کا مجھے پتہ چلا ہے، خدا کی قسم مجھے اپنے اہل خانہ کے بارے میں جو کچھ علم ہے، وہ اطمینان بخش ہی ہے، لوگوں نے اس معاملہ میں جن صاحب کا ذکر کیا ہے، ان کے بارے میں مجھے اچھی ہی بات معلوم ہے، وہ جب کبھی میرے گھر آتے تو میرے ہمراہ آتے تھے، اوس کے کچھ لوگ بین کر غیظ و غضب سے بھر گئے اور کہنے لگے کہ جس نے اتنی بڑی بات زبان سے نکالی ہے ہم اس کی گردن اڑا دینے کے لئے تیار ہیں خواہ وہ اوس کا آدمی ہو یا خزرج کا، عبداللہ بن ابی کا خزرج سے تعلق تھا، اس کی یہ گفتگو سن کر قبائلی حمیت پیدا ہونے لگی اور دونوں قبیلے جوش میں آگئے، قریب تھا کہ شیطان کا جادو ان پر چل جائے اور وہ باہم دست و گریبان ہو جائیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فہم و تدبیر اور حلم و بردباری کی برکت سے یہ بات وہیں ختم ہو گئی، ادھر حضرت عائشہ کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا، اس لئے ان کے رویہ میں اعتماد و خودداری اور عزت نفس کی پوری جھلک نظر آ رہی تھی، ان کا حال اس بے گناہ اور معصوم صفت ہستی کا تھا جو ہر شک و شبہ اور الزام سے بالاتر ہوتی ہے، ان کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بالآخر صاف بری کر دے گا، اور دامن رسالت پر بدگمانی اور نسبت کا یہ داغ ہرگز باقی نہ رہے گا لیکن ان کو یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے خاص طور پر وحی نازل فرمائے گا، اور یہ آیتیں قرآن مجید کا جو بن کر قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی ان کو زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا کہ ان کے بارے میں قرآن کی حسب ذیل

آیتیں نازل ہوئیں اور سات آسمانوں کے اوپر سے ان کی برأت کا اعلان کیا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ
عَصِيَّةٌ مِّمَّا كُرِهَتْ سِرًّا
كَلِمَاتٍ هُوَ خَيْرٌ لِّكُلِّ امْرِئٍ
مِّنْهُم مَّا كَلَسَبَ مِنَ الْإِشْمِ
وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ
عَذَابٌ عَظِيمٌ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ
طَلَقَ الْمُؤْمِنُونَ مَا لَكُمْ مِنْتُمْ
بِأَنفُسِهِمْ خَيْرٌ أَوْ قَالُوا هَذَا
إِفْكٌ مُّبِينٌ ه

(سورۃ نود - ۱۱-۱۲)

وہ بات سنی تو مومن مردوں اور
عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں
نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا
کہ یہ صریح بہتان ہے۔

اس طرح اس زبردست فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور یہ بات اس طرح
ختم ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی مسلمان محول کے مطابق اسی
جوش اور ولولہ کار کے ساتھ اپنے ان عظیم کاموں کی تکمیل میں مشغول ہو گئے جن پر
نہ صرف ان کی بلکہ پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی کا انحصار تھا۔

لہ یہ واقعہ سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے ۲۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰ نیز حدیث عائشہ روایت بخاری۔

صُحُوحُ حُدُوبِ

(ذی القعدہ ۱۳۷۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب درمکہ میں داخلہ کے لئے مسلمانوں کی تیاری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور
بیت اللہ کا طواف کیا۔

یہ روایات صادقہ تھیں لیکن اس میں زمانہ، مہینہ اور سال کا کوئی تعین نہ تھا،
آپ نے صحابہ کرام کو مدینہ میں یہ خواب سنایا، یہ خوش خبری سن کر سب لوگ بہت مسرور
ہوئے مکہ اور کعبہ (جس کی محبت و عظمت ان کے خمیر میں شامل اور ان کے رگ و ریشہ میں
پیوست تھی) مدت ہوئی ان سے چھوٹ چکا تھا، ان کے دل میں طواف کا بڑا اشتیاق
تھا اور وہ بہت بے چینی سے اس دن کے منتظر تھے جب یہ سعادت ان کو دوبارہ حاصل
ہو، مہاجرین میں مکہ کا اشتیاق قدرتی طور پر بہت زیادہ تھا، اس لئے کہ وہ وہیں پیدا
ہوئے اور پلے بڑھے تھے اور اس کی محبت گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی، بائیں ہمہ عرصہ
دراز سے وہ اس کے دیدار اور زیارت سے محروم تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان کو یہ خبر دی تو ان کو اس میں ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال

لہ ملاحظہ ہو تفسیر سورۃ الفتح ۱۰۰۔ ازاہن کثیر (لَقَدْ مَنَّ عَلَى اللَّهِ رَسُولًا لَّهُ الْبُرُوقُ يَا أَيُّهَا الْكَلْبُ)

نکل آئے گی اس بات نے ان کی آتش شوق کو اور بھڑکا دیا اور وہ سب کے سب آپ کے ساتھ روانہ ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے شاذ و نادر ہی کوئی اس سے مستثنیٰ تھا عمرہ کا احرام بھی آپ نے باندھ لیا تھا تاکہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے کہ آپ صرف زیارت بیت اللہ کی غرض سے تشریف لے جا رہے ہیں۔

وہاں پہنچ کر آپ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک مخبر کو قریش کا پتہ لگانے کے لئے متعین کیا جب آپ تمام عساقان کے قریب پہنچے تو اس مخبر نے آپ کو اطلاع دی کہ قبیلہ کعب بن لؤی نے آپ کے مقابلہ اور پیش قدمی روکنے کے لئے احابیش کو اکٹھا کر رکھا ہے اور خاصی بڑی فوج منظم کر لی ہے ان کا ارادہ ہے کہ جنگ کر کے آپ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے باز رکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی جاری رکھی جب آپ اس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے ان کی طرف انار شروع ہوتا ہے تو آپ کی اونٹنی "قصواء" بیٹھ گئی لوگوں نے یہ دیکھ کر کہنا شروع کیا قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی آپ نے فرمایا قصواء اڑی نہیں اور یہ اس کا شیوہ نہیں اس کو ہاتھیوں کے روکنے والے نے روکا ہے اور تم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ لوگ کوئی بھی ایسا منصوبہ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی تنظیم کا پہلو نہ نظر رکھا جاتا ہے اور مجھ سے صلہ رحمی کا سوال کرتے ہیں تو میں ان کا سوال ضرور پورا کروں گا پھر آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا وہ اسی وقت اچھل کر کھڑی ہو گئی لیکن اپنا رخ بدل کر لے نا والمعادج اص ۳۸ نیز ابن ہشام ج ۲ ص ۳۱۵ لے کہ اور مدینہ کے درمیان ایک موضع ہے۔

۳۵ جنگ جو افراد جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ۳۶ آپ کا اشارہ "ایرہ" کے ہاتھی کی طرف تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے کہ میں داخل ہونے سے باز رکھا۔

تجربہ کی طرف روانہ ہو گئی، اور اس کے آخری کنارہ پر ایک پانی کے گڑھے کے پاس جس میں ذرا سا پانی تھا رک گئی، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی تکلیف کی، آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ اس کو اس گڑھے میں ڈال دیا جائے اس کو ڈالتے ہی پانی اس میں جوش مارنے لگا اور سب لوگ اچھی طرح سیراب ہوئے۔

مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ سے قریش کی پریشانی

قریش کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اس جگہ قیام کی خبر ملی تو ان کو سخت گھبراہٹ ہوئی آپ نے اس موقع پر مناسب سمجھا کہ اپنے اصحاب کرام میں سے کسی ایک کو بھیج کر ان کو اطمینان دلادیا جائے چنانچہ وہاں بھیجے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا وہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں بنی عدی بن کعب کا ایک آدمی بھی موجود نہیں ہے جو ان کے درپے آزار ہونے پر سیری حمایت کر سکے، آپ عثمانؓ کو وہاں جانے کا حکم فرمائیں کہ ان کا پورا خاندان وہاں موجود ہے اور وہ پیغام رسانی کا فریضہ بھی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں، آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلوا کر قریش کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کا ارادہ کر کے یہاں آئے ہیں ان کو اسلام کی بھی دعوت دینا، آپ نے ان کو یہ بھی ہدایت کی کہ مکہ میں جو اہل ایمان مرد و عورتیں ہیں ان کے پاس جا کر ان کو فتح کی بشارت دیں اور ان کو یہ خوش خبری سنائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دین کو غالب کرنے والا بنے یہاں تک کہ ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔

عشق و وفا کا امتحان

حضرت عثمانؓ روانہ ہوئے مکہ پہنچ کر وہ ابوسفیان اور قریش کے سربراہوں اور
اشخاص کے پاس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام ان کو پہنچایا، جب
وہ اپنی بات کہہ چکے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم طواف کرنا چاہتے ہو
تو طواف کرو، انھوں نے جواب دیا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف
نہ کر لیں گے، میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے تو مسلمانوں نے کہا ابو عبد اللہ تم تو بڑے مزے
میں رہتے تم نے تو طواف کر کے اپنے دل کا ارمان نکال لیا ہوگا، کہنے لگے تم لوگوں بڑی بدگمانی سے
کا لیا، تم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مجھے ایک سال بھی وہاں ٹھہرنا
پڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے تب بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرنا
جب تک کہ حضور طواف نہ کر لیتے، مجھے تو قریش نے طواف کی دعوں بھی دی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا۔

بیعت رضوان

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے
گئے، آپ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی تمام لوگ جوش و آواز لگی کے ساتھ آپ کے
چاروں طرف جمع ہو گئے آپ اس وقت ایک درخت کے نیچے تشریف رکھتے تھے،
آپ نے اس پر بیعت کی کہ کوئی راہ فرار نہ اختیار کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا
دست مبارک تھا ما اور فرمایا عثمانؓ کی طرف سے ہے یہ وہی بیعت رضوان تھی جو حیدر میں

بیوں کے ایک درخت کے نیچے انجام پائی اور اس کا ذکر قرآن مجید کی حسب آیات میں کیا گیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَبَهُمْ
فَتْحًا قَرِيبًا
(سورہ فتح - ۱۸)

(اے پیغمبر) جب یوں تم سے درخت
کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان
سے خوش ہوا اور جو (صلو و خلوص)
ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے
معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی
اور انھیں جلد فتح عنایت کی۔

مذاکرات ثالثی اور صلح کی کوشش

صورتِ حال ابھی قائم تھی کہ اچانک بَدیل بن ورقاء الخزاعی، خزاعہ کے کچھ آدمیوں
کے ساتھ وہاں پہنچا اس نے ان معاملہ پر گفتگو کرنا چاہی اور دریافت کیا کہ آپ کی آمد کا
مقصد کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لوگ کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں
ہم صرف عمرہ کی نیت سے یہاں آئے ہیں قریش کو جنگ نے پہلے ہی چور چور کر رکھا ہے اگر وہ چاہتا
تو میں کچھ مدت ان سے ملے کر لوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان کاراستہ چھوڑ دیں،
اور اگر وہ چاہیں تو اسی گروہ میں شامل ہو جائیں جس میں دو لوگ شامل ہوئے ورنہ انھیں کچھ مدت
آرام کا موقع تو مل ہی جائے گا لیکن اگر جنگ کے علاوہ کوئی صورت ان کو قبول نہیں تو اس ذات
کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اپنے اس معاملہ (دین) کے سلسلہ میں جنگ کروں گا
یہاں تک کہ میرا سترن سے مجھدا ہو جائے یا اللہ اپنے دین کو غالب فرمائے۔

جب یدیل نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو عروہ بن مسعود انفقی نے کہا کہ انھوں نے بہت سمجھ داری کی تجویز رکھی ہے میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو مان لو اور مجھے ان سے مل لینے دو، سب نے کہا ہاں جاؤ بات کرو، عروہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے اور آپ نے ان سے گفتگو شروع فرمائی عروہ نکلیں گے صحابہ کرام کو دیکھتے جاتے تھے جن کا حال یہ تھا کہ اگر آپ تھکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا اور اپنے پہرے اور ہم پر لیتا، آپ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تمیل کے لئے پکٹتا و صوف فرماتے تو وضو کے پانی پر جان تارا اس طرح ٹوٹنے کہ روائی کا خطرہ ہونے لگتا، آپ کلام فرماتے تو سب ہمتن گوش ہو جاتے فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپ سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا، عروہ نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں میں نے قیصر کو سری اور نجاشی کی نشان و شوکت بھی دیکھی ہے لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری مصاحبین ایسا ادب و راس در تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں انھوں نے جو کچھ کہا دیکھا اس کی تفصیل ان کو بتائی اور کہا کہ انھوں نے بہت اچھی تجویز رکھی ہے تم لوگ اس کو مان لو۔

معاہدہ و صلح نامہ

اس در بیان میں بنی کنانہ کا ایک شخص (جس کا نام بکر بن حنفص تھا) بھی دیا پہنچا اور دونوں نے اپنے چشم دید واقعات قریش کے سامنے بیان کئے قریش نے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ان کو

پہنچے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کے خواہشمند ہیں آپ نے یہی فرمایا کہ معاہدہ کی تحریری دستاویز تیار کرو۔

حلم و حکمت کی جامعیت کی ایک مثال

آپ نے معاہدہ کی تحریر کے لئے کاتب (جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے) طلب فرمایا اور ارشاد ہوا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہیل نے کہا جہاں تک حمان کا تعلق ہے بخدا ہم اس سے واقف نہیں ہیں اسی پرانے دستور کے مطابق باسمک اللہم لکھو، آپ نے فرمایا کہ لکھ دو باسمک اللہم مسلمان یہ دیکھ کر بول اٹھے کہ نہیں ہم تو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا باسمک اللہم ہی لکھو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ لکھو یہ وہ جس کا اللہ کے رسول نے معاہدہ کیا ہے کہ یہیل نے کہا کہ خدا کی قسم اگر ہمارا اس پر ایمان ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے ہی کیوں؟ اور آپ سے جنگ ہی کیوں کرتے آپ اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں خواہ تم جھٹلاؤ لکھو محمد بن عبد اللہ آپ نے حضرت علیؓ کو اس مسئلے کا حکم دیا حضرت علیؓ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی جگہ دکھاؤ انھوں نے آپ کو یہ جگہ دکھائی تو آپ نے اس کو خود مٹا دیا۔

صلح اور آزمائش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے رسول نے یہ معاملہ اس پر کیا ہے کہ

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳ نیز صحیح بخاری باختلاف بعض الفاظ ملاحظہ ہو کتاب المغازی باب عمرة القضاء۔ ۱۳ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب صلح احدیہ۔

تم لوگ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہ ہو اور ہم اس کا طواف کر لیں شہیل نے کہا کہ ہمیں ڈر ہے کہ عربوں میں ایسا چرچا ہونے لگے کہ یہ معاہدہ ہم نے دب کر کیا ہے آئندہ سال آپ طواف کر سکتے ہیں آپ نے یہ دفعہ بھی معاہدہ میں شامل کر لی۔

شہیل نے کہا کہ یہ بھی لازم ہو گا کہ اگر ہمارے یہاں سے کوئی شخص آپ کے یہاں چلا جائے خواہ وہ آپ ہی کے مذہب پر ہو تو آپ اس کو ہمیں پٹا دیں گے، مسلمانوں کو کجا اللہ اگر کوئی مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اس کو مشرکوں کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں؟

یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اچانک ابو جندل بن شہیل بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہنچے وہ مکہ کے نشیب سے آئے تھے اور کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مسلمانوں تک پہنچا دیا تھا، شہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ (عہد نامہ کی

روسے) میں آپ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تو ہم نے تخریبی کمال نہیں کی، اس نے جواب دیا، اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ سے معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوں، آپ نے فرمایا میرے کہنے سے انھیں اجازت دیدو اس نے کہا میں آپ کے

کہنے سے اجازت نہیں دے سکتا، آپ نے فرمایا اگر اچھا ہو تو تمہارا جی چاہے کہ وہ اس نے کہا مجھے کچھ نہیں کرنا ہے، یہ سب سن کر ابو جندل بولے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور پھر مشرکوں کو واپس کیا جا رہا ہوں، کیا تم لوگ دیکھتے نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

انھوں نے اللہ کے راستے میں سخت تکلیفیں اٹھائی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ پر ان کو واپس فرما دیا، فریقین میں یہ بھی معاہدہ ہو گا کہ دس سال تک دونوں کشت و خون سے پرہیز کریں گے، تاکہ لوگ امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں اور کوئی کسی پر

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۸۱ صحیح بخاری میں یہ واقعہ باب الشروط فی الجہاد کے تحت آیا ہے۔

دست درازی نہ کر کے دوسری بات بیٹھ ہوئی کہ اگر قریش سے کوئی شخص اپنے ولی
 و سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آ نکلا تو وہ اس کو واپس
 کر دیں گے اور اگر محمد کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آ نکلا تو وہ اس کو واپس
 نہ کریں گے نیز یہ کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدہ اور جوہار (مخاطبت) میں داخل
 ہونا چاہے ہو سکتا ہے اسی طرح جو قریش کے معاہدہ اور جوہار میں آنا چاہے اس کو اس کی اجازت ہوگی۔

مسلمانوں کا امتحان

جب مسلمانوں نے یہ صلح اور واپسی کی بات سنی اور انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے کس طرح اس کو برداشت کیا تو یہ بات ان کے لئے اتنی روح فرسنا بہت
 ہوئی کہ ان کی جان پرین گئی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے
 اور کہنے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ بیت
 جائیں گے اور طواف کریں گے؟ انھوں نے کہا ہاں فرمایا تھا لیکن کیا انھوں نے
 تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ بھی جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے؟

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح نامہ سے فایز ہوئے تو آپ قربانی
 کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو جا کر ذبح کیا اس کے بعد حلق کر لیا مسلمانوں
 کے لئے یہ بات کسی سانحہ سے کم نہ تھی، اس لئے کہ مدینہ سے نکلنے وقت ان کے دل میں اس کا
 وسوسہ بھی نہیں تھا کہ انھیں مکہ جانے اور عمرہ کرنے کا موقع نہ مل سکے گا لیکن جب
 انھوں نے آپ کو قربانی کرنے اور حلق کرانے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے

لہ بیرت ابن ہشام ج ۲ ۳۱۶-۳۱۸ ھ صحیح بخاری بابا بشرط فی الجہاد والمصاحم مع اللہ

کھڑے ہو گئے اور آپ کی اتباع کرنے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہو گئے۔

ذلت آمیز صلح یا کھلی ہوئی فتح؟

اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لائے اور راستہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو
لِيُغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
فتح دی صریح وصفاً تاکر خدا تمہارے
ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرُ وَيَذَرْنَا نِعْمَتَهُ
اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی
عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا
نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے
مُسْتَقِيمًا وَيُضْرِكَ اللهُ
راستہ پر چلائے اور خدا تمہاری
نَصْرًا هَزِيمًا (سورہ فتح ۱-۳) زبردست مدد کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہی فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں!

بصورت ناکامی، بحقیقت کامیابی

جب آپ مدینہ تشریف لے آئے آپ کے پاس قریش کا ایک آدمی پہنچا جس کا نام "ابو بصیر" عتبہ بن اسید تھا، اس کی تلاش و تعاقب میں انھوں نے دو شخص بھیجے اور وہ معاہدہ آپ کو یاد دلایا، چنانچہ آپ نے اس شخص کو ان دونوں کے حوالے کیا، اور یہ دونوں اسے ساتھ لے کر واپس آ گئے، لیکن راستہ میں یہ شخص کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، اور مندر کے ساحل پر آ گیا، دوسری طرف ابو جندل بن سہیل بھی

لے تفصیل کے لئے دیکھیں زاد المعاد ج ۱ ص ۳۸۱ لے دیکھئے صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیارہ
صلح احد علیہ

کسی طرح ان کی زد سے نکل آئے اور ابولبصیر سے آئے اور اب یہ ہونے لگا کہ قریش کا جو بھی مسلمان مکہ سے جان اور ایمان بچا کر نکلتا تو وہ میدھا ابولبصیر سے جا ملتا، رفتہ رفتہ ان کی پوری جمعیت تیار ہو گئی، یہ لوگ یہ کہتے کہ قریش کا جو بھی قافلہ شام جانے والا انھیں ملتا یہ اس کا راستہ روک کر اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیتے اور سب قافلے والوں کو قتل کر ڈالتے، عاجز آ کر قریش نے اللہ کا واسطہ اور رشتہ داری اور قرابت کی دہائی دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں کو ضرور بلو ابھیجیں اب جو بھی آپ کے پاس پہنچے گا، وہ مامون و محفوظ رہے گا۔

یہ صلح فتح و ظفر میں کیسے تبدیل ہوئی؟

آخر میں پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دکھا یا کہ صلح حدیبیہ سے (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موقف سے بہت کچھ اتر کر معاہدہ فرمایا تھا اور قریش کا مطالبہ مان لیا تھا، اور انھوں نے بھی اس کو اپنی بڑی حیثیت اور نفع کا سودا سمجھا تھا اور مسلمانوں کو اپنی ایمانی قوت اور نبی کی کامل اطاعت کے جذبے برداشت کر لیا تھا) دراصل اسلام کے اقبال و ظفر مندی کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور اس کی وجہ سے اسلام کو جزیرۃ العرب میں اس قدر تیزی کے ساتھ فروغ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، اس نے فتح کر کا بھی دروازہ کھولا اور اسی کے نتیجے میں قیصر و کسریٰ، قحوش نجاشی اور امراء عرب کو دعوتِ اسلام دی گئی اللہ تعالیٰ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَنْ تَرْضَوْا شَيْئًا وَكُرَهُوا لَكُمْ وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ

خَيْرٌ لَّكُمْ جَ وَعَسَىٰ أَنْ تَنجُوا
 شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
 وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور وہ تمہارے حق میں کبھی ہو اور
 عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو کبھی لگے اور
 وہ تمہارے لئے مضر ہو اور ان باتوں کو

(سورہ بقرہ - ۲۱۶)

خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس صلح کے بہترین فوائد و نتائج میں ایک یہ بات بھی تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی حیثیت اور مرتبہ کو تسلیم کیا اور ایک باعزت اور طاقت و زرقین کی حیثیت سے جس کے ساتھ معاہدے کئے جاتے ہیں اور مذاکرات ہوتے ہیں ان کو ان کی جائز جگہ دی اور شاید اس صلح کا سب سے بہتر ثمرہ وہ جنگ بندی اور امن کی فضا تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو (جو عرصہ سے جنگوں کے ایک طویل سلسلے میں الجھے ہوئے تھے) اور جس ان کی ساری توانائی اور قوت پھوٹی تھی) اطمینان کی سانس لینے اور کسی قدر آرام کرنے نیز اس پر سکون اور پرامن وقفہ میں کھینچی اور جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی دعوت پہنچانے اور فیضیہ تبلیغ ادا کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ اس صلح نے مسلمانوں اور مشرکوں کو جواب تک باہم دست و گریبان تھے ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع بھی فراہم کیا اور اس کی وجہ سے اسلام کے وہ محاسن مشرکین کے سامنے آئے جو اب تک اس قدر جن و زیبائی کے ساتھ سامنے نہ آئے تھے، مثلاً مشرکوں کی پستی کی نجاست سے یکسر نجات، دشمنی و عداوت، انسانی خون کی پیاس اور قتل و غارت گری سے مکمل نفرت جو قومی شیوہ بن گیا تھا، اخلاقی قلبی ماہیت و انقلاب جو پندرہ سال کی قلیل مدت میں ان لوگوں کی زندگی میں رونما ہوا تھا جو کسی دوسری قوم کے افراد یا کسی غیر ملک کے باشندے نہ تھے، انہیں کے ہم قوم ہم رنگ و ہم زبان تھے، انہیں کی طرح مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی ایک عمر انہیں کے ساتھ بسر ہوئی تھی،

پھر کس چیز کا رشتہ تھا کہ وہ ان چند برسوں میں ٹی سے اکبر اور پھر سے پارس بن گئے تھے؟ اسلام کی تعلیمات اور صحبت نبوی کے سوا کوئی چیز قابلِ مکرہ اور ان مہاجرین کے درمیان فرق کرنے والی نہ تھی چنانچہ ایک سال بھی اس صلح پر نہ گذرا تھا، اور مکہ بھی ابھی فتح ہونا باقی تھا کہ عربوں کی اتنی بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی کہ گذشتہ پندرہ برسوں میں اس قدر نہ ہوئی تھی۔ امام شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) کہتے ہیں "اسلام کو اس سے پہلے اتنی بڑی کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی جب فریقین (قریش اور مسلمان) میں صلح ہوئی، جنگ بندی کا اعلان ہوا، اور لوگ بلا خوف و خطر ایک دوسرے سے ملنے لگے، اور ان کو ساتھ پہنچے اور باپچیت کرنے کا موقع ملا جس سمجھ دار آدمی سے اسلام کے بانی میں گفتگو کی گئی وہ دائرۃ اسلام میں داخل ہو گیا۔ تنہا ان دو برسوں میں اتنے آدمی داخل اسلام ہوئے جتنے اب تک ہوئے تھے، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ!"

ابن ہشام کہتے ہیں زہری کے قول کی مزید دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں (بروایت جابر بن عبد اللہ) چودہ سو آدمی تھے اس کے دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کی جمعیت تھی۔

اس جنگ بندی اور صلح نامہ کی بدولت ان مسلمانوں کو فائدہ پہونچا جو مکہ میں اپنی مجبوری دلیہ کی وجہ سے باقی رہ گئے تھے، اور قریش کے استہزاء و اہانت کا ہدف بنے ہوئے تھے، اور ابو جندل کے ہاتھ پر قریش کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا، اسلام کے اس داعی اور مبلغ کی یہ کوشش اور اسلام کا مکہ میں فروغ مشرکین کے لئے ایک درد سر بن گیا۔ یہ سب لوگ ابوصیر کے کاروانِ حق سے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی دعوت

دقوت و شوکت کا ایک بڑا مرکز تعمیر ہو گیا، قریش کو اس کی بڑی فکر دامن گیر ہوئی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلا لیں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور اس طرح جس تنگی و مصیبت میں یہ لوگ گرفتار تھے اس میں ان کو نجات ملی، یہ سب دراصل اسی صلح کی برکت اور جنگ بندی کے اسی معاہدہ کا نتیجہ تھا، اس معاہدہ اور امن پسندانہ رویہ کا جو آپ نے اس موقع پر اپنایا، نیز جنگ سے عدم بچسی صلح ہونے کے جذبہ اور بردباری و اعتدال کے جس طرز عمل کا آپ نے اظہار کیا اس کا ایک فائدہ یہ بھی نکلا کہ وہ عرب قبائل جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اس نئے دین اور اس دائمی کوئی نظر سے دیکھنے لگے، ان دنوں میں اسلام کی عظمت اور اس کا وہ احترام اور محبت پیدا ہو گئی جو اس سے پہلے نہ تھی، یہ ایک ایسا تبلیغی و دعوتی فائدہ تھا، جس کو معمولی نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ اس کی کوئی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروں نے نہیں کی تھی۔

خالد بن ولید اور عمرو بن العاص

صلح حدیبیہ دنوں کی فاتح ثابت ہوئی، چنانچہ خالد بن الولید نے (جو قریش کے سوارانہ فوج کے سپہ سالار تھے) اور جنھوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے) صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سیف اللہ (خدا کی تلوار) کا لقب مرحمت فرمایا وہ راہِ خدا میں ہر طرح کا مہیا بے باک اور شہرہ خواہ و سرفراز ہو کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے شام کا علاقہ فتح کروایا۔

عمرو بن العاص نے بھی جو ایک بڑے سپہ سالار اور جرنیل تھے، اور بعد میں فاتح مصر کی حیثیت سے سامنے آئے، اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا، دونوں صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے سرفراز ہوئے اور مراتبِ علیا حاصل کئے۔

سلاطینِ امراء کو دعوتِ اسلام (اواخر ۶۳۰ء یا اوائل ۶۳۰ء)

حکیمانہ طرزِ دعوت

صلح ہونے کے بعد حالات قدرتی طور پر پرسکون ہو گئے، دعوتِ اسلامی کو سانس لینے کا موقع ملا، اور ترقی و پیش قدمی کی نئی راہیں کشادہ ہوئیں، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطینِ عالم اور امراءِ عرب کو متعدد خطوط لکھے اور ان کو بڑے حکیمانہ انداز میں اسلام کی دعوت دی، اس کے لئے آپ نے بڑا اہتمام فرمایا اور ہر بادشاہ کے لئے ایسے اہلِ الجلی کا انتخاب کیا جو اس کے مرتبہ و حیثیت کے مطابق گفتگو کر سکے اور وہاں کی زبان نیز ملک کے حالات سے واقف ہو۔

لے قابلِ ترجیح قول یہ ہے کہ خطوطِ صلحِ حدیبیہ کے بعد ماہِ ذی الحجہ ۶۳۰ء میں بھیجے گئے جیسا کہ اقدری کی رائے ہے

یہ ۶۳۰ء کے مطابق ہے اس لئے کہ ان سلاطین میں سرفہرست ایرانی شہنشاہ خسرو نے پرویز تھا اور وہ پانچ سالہ عمر میں لا گیا۔

ہنزل کو جو خط لکھا گیا اگر اس کا سنہ بھی ۶۳۰ء تسلیم کیا جائے تو اس کا اس ہاتھ میں پہنچنا عملِ نظر ہے

اس لئے کہ وہ اسی سال ریمینیا کے دورہ پر جا چکا تھا، دیکھئے غزالیوں کی فتح مصر (ترجمہ عربی) از الفاضل ^{۱۳۹۰-۱۳۹۱}

اس لئے اننا پڑتا ہے کہ خطوطِ حدیبیہ کی تقویم کے مطابق ۶۳۰ء میں روانہ کئے جا چکے تھے، اور وہ ۶۳۰ء کے مطابق

۶۳۰ء ابنِ سعد نے طبقات (جلد ۲ صفحہ ۲۷۰) میں اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اور جو علی نے اپنی کتاب انحصار النواکب (جلد ۱)

میں اس موضوع پر جو کلام کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات خارقِ عادت طرفینہ بطور مجبوزہ ظاہر ہوئی تھی

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ لوگ کسی ایسے خط کو تسلیم نہیں کرتے جس پر مہر نہ ہو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک خاص مہر سنوائی جس کا حلقہ چاندی کا
تھا، اور درمیان میں محمد رسول اللہ کی رسی طرح نقش تھا۔

وہ تحریریں بتاتی ہیں کہ یہ دین عربوں کا یا جزیرۃ العرب کا نہیں بلکہ نوع انسانی
کا دین تھا چنانچہ وہ عرب کے باہر کی متمدن اور بااثر حکومتوں کے لئے چیلنج ثابت
ہوئیں اور اس صورت میں انھیں اپنا زوال نظر آنے لگا کہ وہ خود اس دعوت کو
قبول نہ کریں یا کم از کم اپنی رعایا کو اس دعوت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں
فیصلہ کرنے کا موقع نہ دیں۔

(باقی صفحہ ۳۷۳ کا) ان دونوں جو روایتیں نقل کی ہیں اس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ان میں ہر ایک میں ملک کی
زبان جہاں بھی گیا تھا خود بخود بولنے لگا "مصنف کو اس مجروحہ کے امکان و وقوع میں کوئی ایشکال
نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کی سیرت اس قسم کے مجروحہ اور خارق عادت واقعات سے
بھری ہوئی ہے تاہم اس کے نزدیک یہ بتانا بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے کہ یہ دراصل رسول اللہ کی حکمت
و دانش اور ان انتخاب پر بھی مبنی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ روئے فارسی زبانیں نیز مصر کے قطعی باشندوں کی اور
اہل حبشہ کی زبان عربوں کے مسلسل میں جولا دور آمد رفت کی وجہ سے ان کے کوئی انوکھی بات نہ تھی، مثلاً
صرف ان چار زبانوں کا تھا جزیرۃ العرب کے دو سر امراء اور سرداران قبائل کے سلسلے میں کوئی دشواری نہ تھی
اور عربی زبان میں ان کو دعوت اسلام دی گئی اس لئے یہ بتانا بالکل قرین قیاس ہے کہ اس قسم کے لئے انھیں لوگوں کا
انتخاب کیا گیا ہو جو روئے فارسی قطعی اور عربی زبان پہلے سے جانتے ہوں اور ایسے لوگوں کو عرب کی سر زمین کی نہ تھی
جو ان ملکوں میں بار بار جاتے اور وطن تک پہنچنے کی وجہ سے ان چاروں زبانوں کے اشتاد اور ان کے ذریعے سے سفارت کا
فرض انجام دینے پر قادر ہوں۔ لہذا حلقہ بوسجیح بخاری کتاب الجہاد باب دعوة الیہود والنصارى و علی
الباقراتون الخ" وشمائل ترمذی۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ كَرِهَ اللَّهُ
بِآثَانِ رَسُولِهِ

کسی کو نہ پوچھیں اور ہم میں سے
کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا
نہ بناے اور تم نہیں مانتے تو گواہ
رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

کسریٰ پرویز کے نام آپ نے حسب ذیل خط بھیجا:۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ .
مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى كَسْرِيٍّ
عَظِيمِ فَارِسٍ، سَلَامٌ عَلَيَّ مِنْ
أَتَيْتُكَ الْهَدْيَ وَأَمِنْ بِي اللَّهِ
وَرَسُولُهُ وَشَهِدْتُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَى
النَّاسِ كَافَّةٍ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ
حَيًّا، أَسْلَمْتُ تَسْلِمًا، فَإِنْ أَبَيْتَ
فَعَلَيْكَ أَثْمَرُ الْمَجُوسِ .

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، محمد پیغمبر خدا کی
طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام
سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا
پیرو ہو اور اللہ اور اس کے رسول
پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ
خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ
خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر
کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو
خدا کا خوف دلائے تم اسلام قبول
کو تو سلامت رہو گے ورنہ مجھ پر
کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

نجاشی کے نام یہ مکتوب تھا:۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۰ صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ۱۰ الطبري ج ۳ ص ۹

من محمد رسول الله الى النجاشي
 عظيم العيشة، سلام على من
 اتبع الهدى، اما بعد، فالي
 احمد اليك الله الذي لا اله
 الا هو الملك القدوس السلام
 المؤمن المهيمن، واشهد ان
 عيسى بن مريم روح الله
 وكلمة القاها الى مريم
 البتول الطيبة الحصينة
 فحملت بعيسى من روحه
 ونفخه كما خلق آدم بيده،
 والى ادعوك الى الله وحده
 لا شريك له والموا الاله على
 طاعته وان تتبعني وتؤمن
 بالذي جاءني، فالي رسول الله
 والى ادعوك وحنودك
 الى الله عز وجل وقد
 بلغت ونصحت فاقبل
 نصيحتي والسلام على
 جو الشتر کا رسول ہے یہ خط نجاشی
 کے نام ہے جو حبشہ کا رئیس اعظم ہے
 سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا
 پیرو ہو، اما بعد، میں حمد بیان کرتا
 ہوں تم سے اس الشتر کی جس کے سوا
 کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے
 قدوس ہے، سلام ہے، مؤمن اور
 مہمین ہے، اور گواہی دیتا ہوں
 اس بات کی کہ عیسیٰ بن مریم الشتر کی
 روح اور اس کا کلہم جس کو اس نے
 پاک نفس و پاکباز مریم البتول میں
 پھونکا تھا، پر اس کی روح اور اس کے
 نفخے عیسیٰ ان کے بطن میں قرار پائے،
 جیسے اس نے آدم کو اپنے ہاتھ سے
 بنایا تھا، میں تم کو دعوت دیتا ہوں
 ایک الشتر پر ایمان لانے کی جس کا کوئی
 شریک نہیں، اور اس کی طاعت،
 موالات کی اور یہ کہ تم میری اتباع
 کرو، اور جو کچھ میرے اوپر وحی آئی ہے

من اتبع الهدى له

اس پر ایمان لاؤ اور پس بے شک میں
الشرکاء رسول ہوں اور میں تم کو
اور تمہارے شکروں کو اللہ عزوجل
کی طرف بلاتا ہوں میں نے اپنا
پیغام کہدیا اور نصیحت پوری کر دی
پس یہ نصیحت قبول کرو اور
سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو

قبیلوں کے سردار اور بادشاہ مقوقس کے نام یہ مضمون تھا:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ
محمد عبد الله ورسوله الى
"المقوقس" عظيم القبط اسلام
على من اتبع الهدى اما بعد!
فاني ادعوك بدعاية الاسلام
اسلم تسلم واسلم يؤتكَ اللهُ
اجرك مرتين فان توليت
فان عليك اثم اهل القبط
"يَا هَلْ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَقُودَ

خدا کے رحمن و رحیم کے نام سے محمد
رسول خدا کی طرف سے مقوقس
رئیس قبط کے نام اس کو سلامتی ہو
جو ہدایت کا پیرو ہے اس کے بعد
میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا
ہوں اسلام لے آؤ سلامت رہو گے
خدا تم کو دو گنا اجر دے گا اگر تم نے
نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تمہارے
اوپر ہوگا، اے اہل کتاب! ایک
ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں

له طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۱

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا
 وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اٰدْبَابًا
 تَمَّ مِثْلُهَا هُوَ قَدْ كَفَرَ
 قَوْلُوا اللّٰهُ فَاِنْ كُوِّنَا
 فَمَقُولُوا اَشْهَدُ وَاِنَّا مُسْلِمُونَ
 تم میں کیاں ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا
 کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور
 ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کر چھوڑ
 کر خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے
 لوگو اہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

لے خواہب لدیبر ۳۲۷-۲۲۸۔ اس وقت تک پانچ نام ہائے مبارک کے اصل نسخے دریافت
 ہو چکے ہیں ان کی تصویریں بھی بہت سے اسلامی رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

جہاں تک مقوقس کے نام سے فرمان مبارک کا تعلق ہے فرانسیسی مشرق

BARTHELEMY کو مصر کے متقا آئیم کے ایک قدیم دستخط ۱۸۵۰ء میں ہرن کی چھٹی (رق) پر لکھی ہوئی ایک تحریر ملی، مطالعہ و تحقیق
 کے بعد ثابت ہوا کہ یہ فرمان مبارک ہے جو مقوقس کے نام بھی لکھا گیا تھا (ایشیا ٹیک جرنل ۱۸۵۲ء اور رسالہ
 "الہلال مصر" نومبر ۱۹۰۲ء)

اسی طرح نجاشی اور سریا کے نام کے فرمان کی اصل بھی مل چکی ہے۔

رومی بادشاہ ہرقل کو بھیجا جانے والا مکتوب گرامی اسپین میں ساڑھیں صدی ہجری تک محفوظ تھا،

جس کا پتہ چھٹی صدی کے مشہور ریش و لونخ علامہ ہیلی نے دیا ہے۔

ابوالعباس شہاب الدین اسمٰ بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کے جزء اول ص ۱۷

پر لکھا ہے کہ:-

"کہا جاتا ہے کہ الملک المنصور قلاؤن الصالحی کے زمانہ میں شاہ افرنگ نے سیف الدین

قلیج کے سامنے ایک مطلقاً صندوق کھولا اور اس میں سے ایک ٹہنہ الفاذ نکالا پھر اس میں سے ایک

خط نکالا جس کے اکثر حروف مٹ گئے تھے اور کہا کہ یہ تمہارے نبی کا مکتوب میرے (باقی ص ۳۲ پر)

فرامین نبوی میں مکتوب الہیم کے ماہہ الاتیاز حالات کی رعایت

ذہن قاری وہ باریک فرق محسوس کریں گے جو حکمت و دعوت و رسالت کے پیش نظر نمایاں ہیں اور جن میں ان بادشاہوں کے امتیازی عقائد اور ذہنی کیفیات کا سہا دکایا گیا ہے، چنانچہ ہر نقل و مقوقس کئی یا جزئی طور پر اہمیت مسیح کے قائل تھے اور انھیں "ابن الشر" مانتے تھے تو ان کے نام خطوط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ "عبد الشر" کا لفظ ہے اور ہم الشر کے بعد دونوں خط اس طرح شروع ہوتے ہیں۔

"من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم" اور "من محمد عبد الله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط" جبکہ کسریٰ پرویز کے نام مکتوب گرامی کا سرنامہ اس طرح تھا "من محمد رسول الله الى كسرى عظيم فارس" ہرقل و مقوقس کے نام کے خطوط میں یہ آیت کریمہ لکھی گئی:-

| | |
|---|------------------------------------|
| قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى | آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ |
| كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ | ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے |
| الَّتِي نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ حَوْلَ شُرْكَ | اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ کج |
| بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا | اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت |

(باقی صفحہ ۳۶۸ کا) دادا قبر کے نام تھا جسے ہم بحفاظت رکھتے چلے آ رہے ہیں اور ہمارے اجداد نے ہمیں یہ وصیت کی ہے کہ جب تک یہ مکتوب ہمارے پاس رہے گا تب تک ہماری بادشاہت بھی رہے گی اس لئے ہم لوگ اس کی حفاظت کرنے میں (نازہ اطلاع کے مطابق یہ مکتوب شریف شاہ چین ملک مشرق اردن سے پاس موجود ہے)

بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَمَقُولُوا أَشْهَدُوا
بِآثَانَا مُسْلِمُونَ ۝

نہ کریں اور اللہ کے ساتھ
کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں
کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے

(سورہ آل عمران - ۶۴)

خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ لوگ
اعراض کریں تو ہم لوگ کہہ دو کہ تم
اس کا گواہ نہ ہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

لیکن کسریٰ پرویز کے خط میں یہ آیت درج نہیں ہے، کیونکہ اس کے مخاطب
وہ اہل کتاب ہیں، جو الوہیت مسیح کے قائل ہیں، اور جنہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے
اجارہ رہبان اور مسیح کو بھی اپنا رب بنا لیا تھا، ہر قہر بی نظمی سلطنت کا سربراہ
تھا اور مقوقس مصر کا بادشاہ تھا، دونوں اس عہد کی مسیحی دنیا کے قائد اور
(حضرت مسیح کے بارے میں ایک طبیعت یاد و طبیعتوں کے معمولی اختلاف کے سوا)
مسلم مذہبی رہنا بھی تھے۔

کسریٰ پرویز اور اس کی قوم چونکہ آفتاب پرست اور آتش پرست تھی،
اور دو خداؤں، خدائے خیر "یزداں" اور خدائے شر "اہرمن" کو مانتی تھی، اور
نبوت اور آسمانی رسالت کے صحیح مفہوم سے نا آشنا تھی، اس لئے ایرانی بادشاہ
کے نام کے نامہ مبارک میں یہ عبارت لکھی گئی :-

وَاتِي رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ أَوْ يَمِينُ تَمَامِ لُؤْكَوْكَ لَيْلَى الشَّرِّ كَا

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں صفت کی کتاب "ماذا خسرو العالم بالخطاط المسلمین" ص ۳۸-۳۹

(دارالعلم تیرہواں ایڈیشن) یا اردو ترجمہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"

کافۃً لیتذرن کان حیًّا۔ ایسا رسول ہوں جو شعوری طور پر
زندہ لوگوں کو آگاہ کرے۔

یہ سلاطین کون تھے؟

ہمیں اس سیمیرا نے اقدام کی اہمیت و عظمت کا (جو ان خطوط کے ذریعہ
کیا گیا) اس وقت تک اندازہ نہیں ہو سکتا، جب تک ان چاروں اشخاص ہرقل، ہسری،
نجاشی اور مقوقس کے معاصر تاریخ میں مرتبے اور حیثیت ان کی سلطنتوں کے زقبہ و وسعت
اور ان کے شوکت اور دبذبے کا ہمیں علم نہ ہو، اگر کوئی شخص ساتویں صدی مسیحی کی سیاسی
تاریخ سے واقف نہیں ہے، اور اس کو ان ملکوں کے متعلق ضروری معلومات
حاصل نہیں ہیں تو وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ خطوط چند مقامی حکام اور والیان ریا
کے نام لکھے گئے ہیں، جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو شخص اس عہد کے سیاسی نقشہ میں ان بادشاہوں کی
اہمیت جانتا ہے ان کی تاریخ اور سیرت و کردار سے واقف ہے، اور ان کی قوت اقتدار
اور رعب و دبذبے کو اچھی طرح سمجھتا ہے، وہ محسوس کرے گا کہ یہ عظیم اقدام اور جرأت وہی نبی
کر سکتا تھا جو خدا کی طرف سے اس کام پر مامور کیا گیا ہو، اس پر اس دعوت و پیغام کی
پوری ذمہ داری ہو، اس پر ضعف اور خوف کا سایہ بھی نہ پڑا ہو اور آسمانوں اور زمینوں کے
خفیقی بادشاہ اور ادا مال ملک کی اس پر ایسی تجلی ہو کہ تاج و سر پر کے مالک اس کو
گڑیا لگڑے یا بے جان پتیلے معلوم ہونے ہوں، جن کو بادشاہوں کی پوشاک میں راستہ

لے مثلاً برطانوی عہد کے نظام حیدرآباد، نواب بھوپال یا ہمارا بہت عہد (گو ایسا) ہمارا جیگوار (گورڈ)
کے نام تیلیغرافی خطوط لکھے جائیں۔

کر کے تحت حکومت پر بٹھادیا گیا ہو، اس لئے یہاں معاصر تاریخ اور معتبر مورخوں کی شہادتوں کی مدد سے ان کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

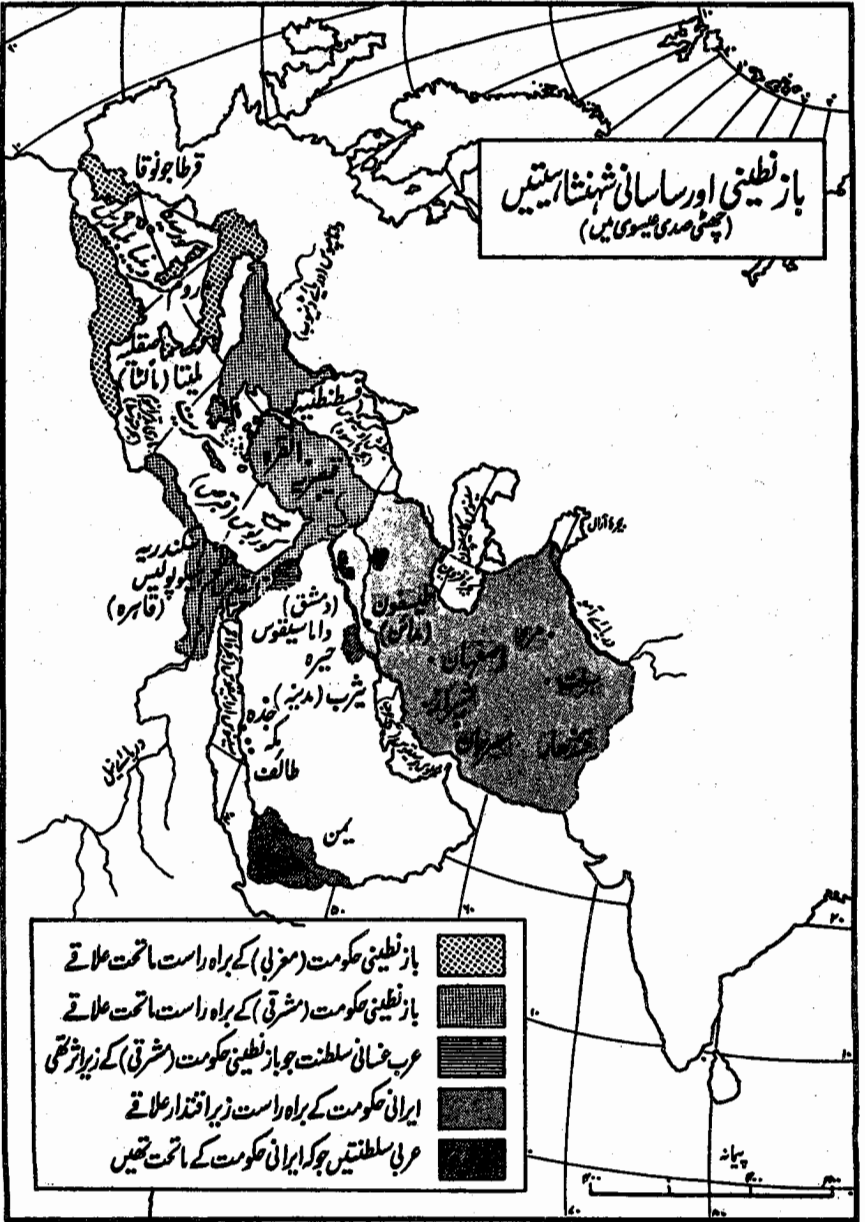
قیصر روم ہرقل اول (۶۱۰-۶۴۱ء)

بازنطینی شہنشاہ قیصر روم ہرقل اول ایک وسیع و عریض شہنشاہی کا مالک تھا جس نے ایرانی شہنشاہی کے ساتھ مل کر اس عہد کی ساری تمدن دنیا کو آپس میں تقسیم کر لیا تھا اور جس کا سکہ آدھی دنیا میں چل رہا تھا، تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ میں اس کے خوش حال دولت مند اور ترقی یافتہ و تمدن مقبوضات اور نو آبادیاں (DOMINIONS) تھیں یہ سلطنت رومۃ الکبریٰ کی جائنشین تھی جس کے زیر نگین تقریباً پوری تمدن قدیم دنیا رہ چکی تھی۔

یہ بادشاہ ایک یونانی خاندان کا فرد تھا، کپوڈیشیا میں پیدا ہوا اور قراطیجہ کا بیچ (CARTHAGE) میں پرورش پائی، وہ افریقہ کے ایک حکم (EXARCH OF AFRICA) کا لوکا تھا، اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کی غیر معمولی ذہانت و وصلہ مندی اور قائدانہ صلاحیت کا اظہار ہوتا جب قوقس (PHOCUS) نے غاصبانہ طور پر بازنطینی سلطنت کے شہنشاہ مورقیس ثاریس (MAURICE) کو (جس کے کسریٰ پرویز پر احسانات تھے) ۶۱۰ء میں قتل کیا تو ایرانیوں کو بازنطینی سلطنت پر فوج کشی کا بہانہ مل گیا اور انھوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس عظیم الشان بازنطینی سلطنت کی

لہ اس شہنشاہیت کے حدود اور اس کی ریاستوں اور صوبوں کی تفصیل جو پورے ایشیا اور افریقہ میں پھیلا ہوئے تھے، کتاب کے باب اول میں مشرقی رومی سلطنت کے عنوان سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

بازنطینی اور ساسانی شہنشاہتیں
(پہلی صدی عیسوی میں)



- بازنطینی حکومت (مغربی) کے براہ راست ماتحت علاقے
- بازنطینی حکومت (مشرقی) کے براہ راست ماتحت علاقے
- عرب عسائی سلطنت جو بازنطینی حکومت (مشرقی) کے زیر اثر تھی
- ایرانی حکومت کے براہ راست زیر اقتدار علاقے
- عربی سلطنتیں جو کہ ایرانی حکومت کے ماتحت تھیں

(۱۸۰۰ء کی اصل تصویر)

آخری سائیس تھیں، اگر ہر قتل کو قرتاجنہ سے طلب کیا گیا، اس نے فوس کو قتل کیا اور
 ۱۱۷ء میں زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اس وقت پورا ملک موت و زیست کی
 کشمکش میں گرفتار تھا، اور خشک سالی، وبائی امراض، غربت اور مالی نقصانات سے
 دیوا ایہ ہو چکا تھا ہر قتل نے اپنی حکومت کے ابتدائی سال ایک پُر سکون اور عافیت پسند
 انسان کی طرح گزائے اور کوئی بڑا کام انجام نہیں دیا لیکن ۱۱۷ء میں اس کے اندر
 اچانک ایک انقلاب برپا ہو گیا (یہ وہ سال ہے جس میں قرآن مجید نے چند برسوں کے
 اندر غلبہ روم کی پیشین گوئی کی تھی) اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے عیش پرست اور آرام طلب
 بادشاہ سے ایک پُر جوش اور غیرت مند قائد اور جرنیل میں تبدیل ہو گیا، یہ خیال اس کے
 اعصاب پر پوری طرح سوار ہو گیا، اس کے اندر غیرت قومی نے جوش مارا چنانچہ
 اس نے ایران کے قلب کا رخ کیا، اپنی پھیلنی ہوئی زمین اور کھوئی ہوئی عزت واپس
 لی، ایران کے مشہور شہروں پر قبضہ کر لیا ایران کے قلب و جگر میں اُتر کر مرکز سلطنت
 میں اپنے جھنڈے گاڑ دیئے اور عظیم اور قدیم ایرانی شہنشاہی کی عزت و عظمت کو
 خاک میں ملا دیا، اور اس کو زخموں سے اس قدر چور چور کر دیا کہ معلوم ہونے لگا کہ اب
 سلطنت کا دم واپس ہے اور آل ساسان کے تخت کی چولیس بالکل ہل چکی ہیں
 یہ فاتح واپس آ کر ۶۲۵ء میں قسطنطنیہ میں فتح مندانہ داخل ہوا، اور ۶۲۹ء میں

لہ اس کی تفصیلاً (GIBBON) کی کتاب (DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE)

اؤڈ آرٹھر کرسٹن سین کی کتاب "ایران بہرہد ساسانیان" میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۱۷ء اس واقعہ کے

ایک سال بعد جزیرۃ العرب میں حضور کی بعثت ہوئی۔ ۱۱۷ء دیکھئے سورہ روم کی ابتدائی آیات

نیز راقم سطور کا مقالہ "قرآن مجید میں غلبہ روم کی پیشین گوئی" مندرج کتاب "مطالعہ قرآن کے اصول و برآمد"

صلیب مقدس (جس کو ایرانی اٹھالے گئے تھے) وہاں دوبارہ نصب کرنے اور اپنی نذر پوری کرنے کے لئے بیت المقدس کے لئے روانہ ہوا، لوگ تعظیم و احترام کے اظہار کے لئے اس کے راستے میں فرش و قالین بچھاتے تھے، اور گل پاشی و عطربیزی کرتے تھے، صلیب کے دوبارہ نصب کئے جانے کی خوشی میں وہاں حین عظیم کا انتظام کیا اور اس فتح کی خوشیا منائی گئیں، یہ وہ وقت تھا جب ہرقل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ملا جس میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

لیکن اس کے بعد ہی ہرقل اپنی سستی و غفلت اور آرام طلبی و عیش پرستی کے اسی حال میں گیا جس میں پہلے تھا، یہاں تک کہ مجاہدین اسلام نے اس سلطنت کے زوال کا فیصلہ کر دیا، اور ایشیاء و افریقہ سے اس کا خاتمہ ہو گیا، اور یہ وسیع سلطنت صرف یورپ و ایشیاء کے کوچک میں منحصر ہو کر رہ گئی، بہر حال اپنے زمانے کے عظیم شہنشاہوں میں اس کا شمار تھا، سلطنت کے رقبہ و وسعت، جنگی طاقت اور تمدن ترقی میں اگر کوئی اس کا ہمسر ہم مرتبہ نہ تھا تو وہ ایرانی شہنشاہ خسرو دوم تھا، ۶۲۸ء میں اس کا قسطنطنیہ میں انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوا۔

کسریٰ پرویز (خسرو پرویز) ۵۹۰-۶۲۸ء

یہ ہرگز کا چوتھا بیٹا اور خسرو اول معروف بہ نو شروان عادل کا پوتا تھا عرب

لے فتح ابارہج املا ۱۵ ہرقل کو نامہ مبارک پہنچنے میں برخلاف کسریٰ کے جو تاخیر ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ بیخبط اولاً بصری کے سربراہ کے حوالہ کیا گیا کہ وہ اسے قیصر کے حوالہ کرے، و قیصر کی جنگی مصروفیات اور دارالسلطنت کے دوری کی وجہ سے غالباً بیخبط بروقت اس کے حوالہ نہ کر سکا، دوسرے کہ مغربی مآخذ میں اس کا ذکر ہے کہ ہرقل کو ۶۲۸ء میں ایک بناوٹ کو فرو کرنے کے لئے آرمینیا جانا پڑا اور اسی لئے وہ اپنی نذر ۶۲۹ء میں

اس کو کمری پرویز کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کے باپ کے قتل کے بعد ۵۹۹ء میں اس کی تاج پوشی ہوئی، بہرام چوہین نے اس کے خلاف بغاوت کی خسرو نے شکست کھائی اور ساسانی مملکت کو چھوڑ کر بازنطینی فرماں روا مورقیس (MAURICE) سے پناہ طلب کی اور اپنے ملک کی بازیافت میں اس کی مدد چاہی، مورقیس نے زبردست فوجوں کے ساتھ اس کی مدد کی، ان خون آشام جنگوں کے بعد بہرام کو شکست کا منہ دیکھتا پڑا اور خسرو اپنے آباؤ اجداد کے تحت حکومت پر دوبارہ قابض ہو گیا، ۶۱۱ء میں خسرو نے بازنطینی سلطنت پر اپنے معنوی باپ اور ولی نعمت مورقیس کا بدلہ اس کے قاتل اور تخت قبضہ کے خاصب فوقس (PHOCUS) سے لینے کا تہیہ کر لیا، فوقس کے قتل نے بھی اس کو مزید پیش قدمی سے باز نہ رکھا، اور وہ قسطنطینہ تک بڑھتا چلا گیا اور اپنی قدیم حریت سلطنت کی اس طرح اینٹ سے اینٹ بجادی کہ اس کی کوئی مثال پہلے نہیں ملتی، ۶۱۵ء تک اس کی فتوحات اور قبائل مندی کا ستارہ پورے عروج پر پہنچ گیا، یہاں تک کہ ہر قتل نے ایرانیوں کو ان کے ملک سے بے دخل کر دیا اور ساسانی مملکت کے قلب و جگر پر حملے کئے، خسرو کو اپنا ملک خیر یاد کہہ کر ایک محفوظ اور دور دراز علاقہ میں پناہ لینے پڑی لیکن جلد ہی ۶۲۵ء کی بغاوت میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

مورخین ایران کا اتفاق ہے کہ خسرو دوم، ایران کا سب سے عظیم اور شان و شوکت رکھنے والا شہنشاہ تھا، اس کے عہد میں مملکت ساسانیہ اپنی ترقی و خوش حالی پر تکلف زندگی، لوازم تعیش اور آرائش و زیبائش کے نقطہ عروج پر تھی، ہندوستان کی شمال مغربی ریاستوں تک اس کا سکہ رواں تھا، اس کے نام کے ساتھ یہ شاندار تہبید ہوتی تھی،

”خداؤں میں انسان غیر فانی“ اور انسانوں میں خدائے لائانی“ اس کے نام کا بول بالہ آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا، اس کے عہد میں ملک نے جتنی ترقی کی تھی، اور اس کو جوشان و شوکت حاصل ہوئی تھی، اس کے متعلق مشہور مؤرخ طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

”یہ بادشاہ سب سے زیادہ سخت گیر، سب سے زیادہ قوت فیصلہ اور دور رس نگاہ رکھنے والا تھا، شجاعت و بہادری اور فتح و ظفر کے کارناموں، دولت کی فراوانی اور تقدیر کی ہمزبانی اور زمانہ کی مساعدت کے اسباب جتنے اس کے لئے مہیا تھے کسی اور بادشاہ کے لئے نہ تھے، اس کا لقب پر وزیر پڑ گیا، جس کے معنی عربی میں مظہر یعنی فاتح و اقبال مندر ہوتے ہیں، تہذیب تمدن کی جدت طراز یوں اور کثرت آفرینیوں میں اس کا کوئی جواب نہ تھا، ماکولات و مشروبات کے شعبے میں اس نے نئی نئی چیزیں ایجاد کی تھیں۔“

عطریات و خوشبو و عینوں میں بھی وہ آخری منزل پر تھا، اس کے عہد میں پرنکھت و متنوع کھانوں، عالی قسم کی شرابوں اور بہترین عطریات کا لوگوں میں ایک خاص ذوق پیدا ہو گیا تھا، نغمہ و سرود اور فن موسیقی نے اس کے عہد میں بڑا عروج حاصل کیا تھا لوگوں کو ان چیزوں سے غیر معمولی چسپی پیدا ہو گئی تھی، اس کو دولت جمع کرنے اور نوادرات اور نفیس اشیاء اکٹھا کرنے کا بڑا شوق تھا، جب اس کا خزانہ (۶۷۸ تا ۶۸۵ء) میں قدیم عمارت سے طیسفون (مدائن) کی نئی عمارت میں منتقل کیا گیا تو اس کی مقدار ۴۶۶ ملین (یعنی پچھالیس کروڑ اسی لاکھ) منقال سونا تھی، جو سینتیس کروڑ پچاس لاکھ

لے ایران بعد ساسانیان ۶۷۸ تا خود از تھقونی لیکٹس ۵ تا یخ طبری ج ۲ ص ۳۷۱ المطبعة الحسينية الطبعة الاولى (مصر) ۳۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوتا یخ طبری ص ۹۹

طلائی فرنک کے برابر ہوتا ہے اس کی تخت نشینی کے تیرہویں سال اس کے خزانہ ہشامی میں ۸۸۰ ملین (یعنی اٹھاسی کروڑ) منگال سونا موجود تھا، اس نے ۲۳ سال حکومت کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا شیر وہ تخت حکومت پر بیٹھا۔

مقوقس

یہ اسکندریہ کا گورنر اور مصر میں بازنطینی شہنشاہی کا نائب سلطنت VICEROY تھا، عرب مؤرخ زیادہ تر اس کو مقوقس کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کے اصلی نام اور کنیت میں بڑا اختلاف ہے، مؤرخ ابوصالح جنھوں نے چھٹی صدی ہجری (۱۲۰۰ء) میں اپنی تاریخ قلم بند کی تھی، اس کا ذکر جویریج بن مینا المقوقس کے نام سے کیا ہے، ابن خلدون نے لکھا ہے کہ وہ قطبی تھا، مفریزی نے اس کو "المقوقس الرومی" لکھا ہے، جب ایرانیوں نے مصر پر حملہ کیا تو بازنطینیوں کے مقرر کردہ گورنر نے راہ فرار اختیار کی، اس کا نام (JOHN THE ALMONER) تھا، یہ اسکندریہ سے بھاگ کر قبرص پہنچا، اور وہیں اس کی موت ہوئی، اس کے بعد ہرقل نے اس کی جگہ دوسرے نائب سلطنت کو جس کا نام جارج تھا، مقرر کیا اور شاید یہ وہی شخص ہے جس کو عرب جویریج کہتے ہیں، اس نے اس کو ملکانی کلیسا کا سربراہ بھی مقرر کیا، بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کی تقرری ۶۲۱ء میں ہوئی، الفرڈ بٹلر (ALFRED J. BUTLER) لکھتا ہے :-

”عربوں کا خیال تھا کہ جو حاکم بازنطینی حکومت کی طرف سے ایران پر فتح یابی کے بعد مصر کا گورنر مقرر ہوا، اس کا لقب مقوقس تھا، اور وہ ایک وقت میں

ملک کا حاکم اور کلیسا کا سربراہ اور مذہبی پیشوا بھی ہونا تھا، چنانچہ انھوں نے
 جارج کے لئے (جو وہاں نائب سلطنت تھا) یہ لقب تجویز کیا، وہ اس کو
 ترجیح دیتا ہے کہ مفوقس اس کا اصل نام نہیں بلکہ لقب ہے، جو قدیم قبطی
 زبان کا لفظ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ایرانیوں کے مصر پر غلبہ اور اقتدار کے وقت
 کسی قبطی لاٹ پادری نے کلیسا کی سربراہی اور زمام اقتدار دونوں اپنے
 ہاتھ میں لے لی ہوگی، تاہم صلحا ۶۲۸ء میں لکھا گیا، اس لئے ممکن ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی مفوقس کے نام اسی وقفہ میں
 پہنچا ہو، جب مصر کا حاکم تقریباً خود مختار تھا؛

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام کے ساتھ "عظیم القبط" قبطیوں
 کے رہنما اور سردار کے الفاظ بھی لکھے۔

مصر بازنطینی شہنشاہی کی سب سے زرخیز ریاست تھی اور پیداوار اور آبادی
 دونوں کے لحاظ سے سب سے آگے تھی، غذائی اجناس دارالسلطنت میں یہیں سے پہلائی
 ہوتی تھیں، فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 نام مبارک اور سال کرنے کے چودہ برس بعد وہاں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، امیر المؤمنین
 عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نام اپنے خط میں مصر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-
 "مصر کی سرزمین بہت سرسبز و شاداب ہے، اس کا طول ایک ہمدیہ کی مسافت
 اور عرض دس دن کی مسافت کے بقدر ہے" اس کی آبادی اور کثرت تعداد کا اندازہ

لے دیکھیے APPENDIX-C. PP. 508-540 ملاحظہ ہو عربوں کی فتح مصر "الفرڈینلر" مصر کے اس گورنر

کا نام بعض کتابوں میں الجور کیوس یا قیدس بتایا گیا ہے۔ لے انجوم الزاہرۃ، ابن تغری بردی ج ۱ ص ۳۳

اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب عمرو بن العاصؓ نے ۲۷ھ مطابق ۶۴۷ء میں فتح مصر کے بعد یہ شمار کرایا کہ جزیہ کے مستحق کون کون لوگ ہیں تو ان کی تعداد ساٹھ لاکھ سے زیادہ نکلی اور میوں کی تعداد اس میں ایک لاکھ تھی، حضرت عمرو بن العاصؓ کے خط میں یہ بھی ہے:

”میں نے ایک ایسا شہر فتح کیا ہے جس کی تعریف میں صرف اتنا لکھنا ہوں کہ مجھے وہاں چار ہزار بلند و مستحکم مقامات نظر آئے جہاں چار ہزار عام تھے یہودیوں کی تعداد چالیس ہزار تھی، بادشاہوں کے لئے چار سو تفریح گاہیں تھیں۔“

نجاشی

یہ ملک قدیم زمانہ سے حبشہ (ABYSSINIA) ایتھوپیا ETHIOPIA کہلاتا ہے۔ یہ مشرقی افریقہ کا حصہ ہے اور بحر احمر کے جنوب مغرب میں واقع ہے جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس وقت اس کے حدود کیا تھے، اس کا تعین اس وقت آسان نہیں یہاں کی حکومت بھی دنیا کی قدیم ترین حکومتوں میں تھی، یہودی ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سبا حبشہ ہی میں رہتی تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد آج تک حبشہ کی حکمران ہے، یہود نے ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد یہاں آباد ہونا شروع کیا، عیسائیت کو پچھٹی صدی عیسوی سے وہاں فروغ ہوا، اور جب یمن کے بادشاہ نے اپنے ملک میں عیسائیوں پر مظالم شروع کئے تو حبشینیوں نے حبشہ کے بادشاہ

لے دائرہ معارف القرن العشرين از محمد فرید وجہی دیکھئے، مادہ ”مصر“ مصنف کو مختلف ملکوں میں اضافہ آبادی کے تناسب کو دیکھتے ہوئے اس تعداد میں شبہ ہے اس لئے کہ مصر کے باشندوں کی تعداد اس وقت بھی چالیس ملین سے زائد نہیں۔ ۲۷ حسن المحاضرة للسيوطی۔

سے عیسائیوں کی مدد کرنے اور ان مظالم کا سدباب کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ ۱۵۲۵ء میں اس نے یمن پر قبضہ کر لیا، اور یمن پر حبشی اقتدار تقریباً ۵۰ سال تک قائم رہا، اسی زمانہ میں حبشہ کی طرف سے یمن کے بادشاہ ابرہہ نے بیت اللہ پر فوج کشی کی اور واقعہ فیل کا ظہور ہوا۔

حبشہ کا دارالسلطنت "AXUM" تھا، یہ ایک آزاد اور خود مختار حکومت تھی، جو کسی غیر ملکی حکومت کے تابع نہ تھی، اور نہ کسی کو خراج اٹھیس وغیرہ دیتی تھی، باز نبطی شہنشاہی سے اس کا تعلق صرف مذہبی رشتہ عیسائیت کی بنیاد پر تھا، اس کا ثبوت صفا طور پر اس سے ملتا ہے کہ باز نبطینی فرمانروا حبشینیوں نے نبی صلی اللہ کے وسط میں "JULIAN" نامی ایک شخص کو حبش کے دربار شاہی میں اپنا سفیر نامزد کیا۔ "DE LACY O'LEARY" اپنی کتاب "ARABIA BEFORE MOHAMMAD" میں لکھتا ہے۔

۱۵۲۲ء سے لے کر ظہور اسلام تک مشرقی بحر احمر اور افریقہ کی ساری تجارت پر سلسل قابض رہا، بلکہ شاید وہ ہندوستان کی تجارت پر بھی قابض تھا۔

حبشہ کے بادشاہ کو ہمیشہ نجاشی (NAGUSA NAGASHI) کہا جاتا تھا، البتہ اس نجاشی کے تعین اور نشاندہی میں مختلف اقوال اور روایتیں آئی ہیں جس کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام مبارک بھیجا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی تھی، اس سلسلے میں ہمارے سامنے دو متقل بالذات اور ایک دوسرے سے ممتاز شخصیتیں ہیں، پہلی وہ شخصیت ہے جس کے عہد میں مکہ کے مسلمانوں نے ہجرت کی تھی، اور جن میں جعفر بن ابی طالب بھی تھے، یہ نبوت کے پانچویں سال کا

واقعہ ہے، یہ بات بہت خلافتِ قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ مکتوب روانہ فرما دیا ہو، اس لئے کہ اس وقت کے حالات اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے اور اس کام کا وقت ابھی نہ آیا تھا، آپ نے ہجرت سے قبل کسی بادشاہ کو کوئی مکتوب روانہ فرمایا ہو اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہو اس کا کوئی سراغ ہمیں نہیں ملتا، زیادہ سے زیادہ جو بات ملتی ہے وہ یہ کہ اس موقع پر آپ نے اس سے ان مسلمانوں کو پناہ دینے کی فرمائش کی، جو قریش کے مظالم سے تنگ آچکے تھے، ابن ہشام اور دوسرے مصنفین نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان اس کے دل میں اتر چکا تھا، اور وہ اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اس کا حکم ہے، جو اس نے مریم پر القاء کیا تھا۔

جہاں تک اس نجاشی کا تعلق ہے، اس کا آپ نے دعوتِ اسلام پر شتمل اپنا مکتوب روانہ فرمایا، وہ حافظ ابن کثیر کے رجحان کے مطابق وہ نجاشی ہے، جو ان مسلم نجاشی کے بعد والی ہوا، جن سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سابقہ پڑا تھا، ابن کثیر کہتے ہیں، یہ بات اس وقت پیش آئی، جب آپ نے فتح مکہ سے قبل رومے زمین کے مسلمانوں کو خطوط لکھے، اور ان کو دینِ حق کی دعوت دی، ہمارے نزدیک قابلِ ترجیح قول یہی ہے کہ یہی وہ نجاشی تھا جس نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی وفات کی خود اطلاع فرمائی، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی، اُبتی نے واقدی اور دوسرے سیرت نگاروں سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہی نجاشی ہے، جس کے لئے آپ نے دعائے مغفرت فرمائی، یہ واقعہ

تبوک سے واپسی پر رجب ۹ھ میں پیش آیا تھا۔

اس طرح ان مختلف روایات کی تصدیق ہو جاتی ہے اور قرآن سے بھی اس کا تائید ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

ان سلامتین نے نامہائے مبارک کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

”ہرقل“ ”نجاشی“ اور ”منقوس“ ان تینوں نے مکاتیب نبوی کے ساتھ ادب کا معاملہ کیا، ان کی طرف سے ان کے جواب میں تواضع اور احترام تھا، نجاشی اور منقوس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کا بہت اکرام کیا، منقوس نے آپ کو ہدایا بھی بھیجی، ان میں ڈوبانڈیاں بھی تھیں جن میں ایک کا نام مارثیہ تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم ان ہی کے بطن سے تھے۔

جہاں تک کسریٰ پرویز کا تعلق ہے اس نے نامہ مبارک سنتے ہی چاک کر ڈالا، اور بولا ”میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ”اللہ اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے“

لہٰذا شیخ صحیح مسلم طبع مصر ۱۹۱۵ء نے نظامی گنجوی نے جو ایران کے باایمان مسلمان شاعر تھے شاہ ایران کی اس گستاخی کو اپنے اس شعر میں بڑی لطافت کے ساتھ ادا کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

دریداں نامہ گردن شکن را نہ نامہ بیکہ نام خوشستن را

۳۹۱ صحیح بخاری باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی کسریٰ و قیسر کسریٰ کے نام کا فرمان مبارک جو دستیاب ہوا ہے اس میں چاک کا نشان اب بھی موجود ہے جو درمیان میں سے اوپر سے نیچے کی طرف دائیں طرف جھکتا ہوا ہے، اور اس کو سی دیا گیا ہے، فرمان مبارک شیشہ میں فریم کیا ہوا حکومت لبنان کا ایک سابق وزیر بری فرعون کے پاس محفوظ ہے، (مقالہ ڈاکٹر عبدالرحمن ابراہیم پیش کردہ سیرت کافرئیں دو طرہیں الاول حصہ ۱۲۱ بحوالہ مقالہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد شامل جو جلد ”الحیاء“)

کسریٰ نے یمن کے حاکم باذان کو اس کا حکم دیا کہ آپ کو حاضر کیا جائے، اس نے
 بالویہ کو آپ کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ شہنشاہ کسریٰ نے باذان کو ہدایت کی ہے کہ
 کسی کو بھیج کر آپ کو وہاں حاضر کیا جائے انھوں نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ
 میرے ساتھ چلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ
 نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے جس نے اس کو قتل کر دیا ہے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی تھی وہ حروف بکرت صحیح نکلی کسریٰ کے تخت پر اس کا لڑکا
 "قباد" جس کا لقب "شیرویہ" تھا، قابض ہوا، کسریٰ اسی کے اشارے پر ۶۲۵ء میں قتل
 کیا گیا، اس کی موت کے بعد ملک کا شیرازہ منتشر ہو گیا، اور حکمران خاندان کے ہاتھ سلطنت
 ایک کہلو با بن گئی، شیرویہ بھی پچھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کر سکا، اور اس کے تخت پر چار
 سال اندر یکے بعد دیگرے دس بادشاہ متمکن ہوئے، سلطنت کی چولیس ہل گئیں، آخر میں
 یزدگرد پر سب کا اتفاق ہوا، اور اس سلطنت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا، یہ ساسانی خاندان کا
 آخری فرمانروا تھا، اور اسی کو اسلامی افواج کا سامنا کرنا پڑا تھا، جنھوں نے بالآخر
 سلطنت آل ساسان کی قسمت پر مہر لگا دی اور اس سلطنت کا جس کا چار سو سال
 تک دنیا میں ڈنکا بجتا رہا چراغ گل ہو گیا، یہ واقعہ ۶۳۷ء میں پیش آیا اور اس طرح
 یہ پیشین گوئی آٹھ سال کے اندر اندر پوری ہو گئی، اور آپ کی پیشین گوئی کا دوسرا
 جزو بھی پورا ہوا کہ "اذا هلك كسرى فلا كسرى بعده"۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایران کا وارث و حاکم بنا دیا، اہل ایران کو اسلام کی ہدایت دی

لقد تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۱-۹۲ ایران بعد ساسانیان انھیں انبائیم و باب ہم ساسانی سلطنت کا

دورا، ۱۱۷۷ء یہ اس روایت کے الفاظ ہیں جو سلم نے ابن عیینہ سے نزام شافعی نے اپنی سند سے بیان کی ہے۔

ان میں علم و دین کے بڑے بڑے امام اور اسلام کی غیر معمولی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بالکل صحیح ثابت ہوا کہ :-

لو كان العلم بالثريا لتناوله
اناس من ابناء فارس۔
اگر علم تریا پر بھی ہوگا تو کچھ ایرانی
نژاد لوگ حاصل کر کے رہیں گے۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے اور صحیح حقائق سے آگاہ ہونے کی کوشش کی اور ویسے شخص کی جستجو کی جو آپ کے بارے میں صحیح رپورٹ دے سکے حسن اتفاق سے ابوسفیان اس وقت غزہ میں موجود تھے اور تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے، ان کو شاہی دربار میں لایا گیا، بادشاہ کے سوالات ایک ایسے دانشمند واقعہ اور تجربہ کار شخص کے سوالات تھے جو ناپختہ مذاہب انبیاء کے خصائص اور سیرت ان کی قوموں کا ان سے معاملہ اللہ تعالیٰ کی سنت سے بخوبی واقف ہو، ابوسفیان نے بھی قدیم عربوں کی طرح اس شرم سے کہ لوگ ان کو غلط بیانی کرنے والا نہ کہیں، ان سوالات کا بالکل صحیح صحیح جواب دیا۔

یہ مکالمہ درج ذیل ہے :-

ہرقل : ان کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان : وہ ہم میں عالی نسب سمجھے جاتے ہیں۔

ہرقل : کیا جو بات وہ کہتے ہیں ان سے پہلے بھی کسی نے کہی تھی۔

لہ منہ امام احمد ج ۲ ۳۹۹

ایوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ایوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا صاحب اثر لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے یا کمزوروں نے؟
ایوسفیان: کمزوروں نے۔

ہرقل: ان کے سپروں بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ایوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے
پھر بھی جاتا ہے؟

ایوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا ان کے اس دعوے سے پہلے بھی تم نے کبھی ان پر بھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟

ایوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد و قرار کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں؟

ایوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں

وہ عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟

ہرقل: تم لوگوں نے ان سے کبھی جنگ بھی کی؟

ایوسفیان: ہاں!

ہرقل: نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ایوسفیان: جنگ کا پانسہ ہمارے اور ان کے درمیان پلٹتا رہتا ہے کبھی ہم غالب

اُتے ہیں، کبھی وہ۔

ہرقل: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟

الوسیفیان: وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک

نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

ہرقل نے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ ہم نے تم سے ان کے نسب کی بابت دریافت

کیا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں شریف النسب ہیں، پیغمبرِ ہمشیہ اچھے ہی خاندانوں میں پیدا ہونے

ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ

کیا تھا، تو تم نے کہا کہ نہیں، اگر ان سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ

اسی کی نقل کر رہے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ

گزر رہا ہے تم نے کہا نہیں، اگر کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ اپنے خاندان کا بادشاہ

کے طالب ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اس دعوے سے پہلے بھی کبھی

جھوٹا کہتے تھے، تم نے کہا نہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ناممکن تھا کہ وہ لوگوں سے تو

جھوٹ نہ بولیں اور اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ

مشرقاہ و بااثر لوگ ان کے شیع ہیں یا غریب اور کمزور، تم نے کہا کمزوروں نے ہی ان کی

پیروی کی ہے، پیغمبروں کے (ابتدائی) پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے

تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، تم نے کہا کہ بڑھتے

جاتے ہیں، ایمان کا یہی معاملہ ہے (کہ بڑھتا جاتا ہے) یہاں تک کہ کمال کو پہنچ

جائے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہو جاتا

ہے، تم نے کہا نہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے جب لوں کو اس کی چاشنی حاصل

ہو جاتی ہے تو وہ نکلتا نہیں ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد و پیمانہ کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، تم نے کہا نہیں، پغمبر اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرتے، اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کیا سمجھتے ہیں، تم نے بتایا کہ وہ تم کو دیکھتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور تم کو نبیوں کی پوجا سے روکتے ہیں، نماز، سچائی، پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو عنقریب اس وقت جہاں میرے قدم ہیں وہاں تک ان کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو حیرت و خیال تھا کہ ایک پغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر میں وہاں جا سکتا تو ضرور ان کی ملاقات کے لئے جانا، اور اگر میں ان کے پاس نہ جاتا تو ان کے پاؤں دھونا ہرقل نے ارکان سلطنت اور اعیان قوم کو محل میں طلب کیا، اور دروازے بند کروائے، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر اس نے کہا: اے اہل روم! کیا تم خیر و فلاح چاہتے ہو؟ اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک باقی رہے اگر ایسا ہے تو تم اس نبی کے ہاتھ پر ایسا لے آؤ، حاضرین تیزی سے دروازوں کی طرف بھاگے تو ان کو بند پایا، جب ہرقل نے ان کی برہمی دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان کو واپس لاؤ، اور کہا کہ ابھی میں نے جو بات کہی تھی وہ اس لئے کہی کہ اپنے دین پر تمہاری مضبوطی کا امتحان لوں، میں نے یہ دیکھ لیا تو سب نے اس کے سامنے پیشانی ٹیک دی اور اس سے خوش ہو گئے۔

غرض ہرقل نے سعادت و نجات کا یہ زریں موقع کھو دیا اور اس ابدی دولت پر فانی سلطنت کو تریح دی، جس کا انجام یہ ہوا کہ عہد فاروقی میں اس کو اس سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔

اریسی کون تھے؟

”اریسین“ یا ”یریسین“ کا لفظ روایات کے اختلاف کے باوجود صرف اس خط میں آیا ہے جو ہنقل کے نام لکھا گیا، اس کے علاوہ جنتی مکاتیب سلاطین کو آپ نے روانہ فرمائے کسی میں یہ لفظ ہمیں نہیں ملتا، علماء حدیث اور علماء لغت کا اس لفظ کے اصلی مفہوم کے بارے میں خاصا اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ ”اریسین“ ”اریسی“ کی جمع ہے اور وہ خدنگاروں، شاگرد پیشہ اور کاشنکاروں کے لئے آتا ہے۔

ابن منظور نے بھی ”لسان العرب“ میں اس کو کاشنکاروں کے ہم معنی قرار دیا ہے اور اس کو امام لغت ثعلبی نے نقل کیا ہے ابن الاعرابی کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے بھی اس مادہ کے یہی معنی لکھے ہیں اور ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”میرے نزدیک اریس سردار اور بڑے کو کہتے ہیں جس کے حکم کی تعمیل کی جائے اور جب وہ اطاعت چاہے تو اس کی اطاعت کی جائے“

اس موقع پر ایک پڑھا لکھا آدمی جس کی ان ملکوں کے خصائص و حالات پر نظر تھی، یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر اریسین سے مراد کاشنکار تھے تو شہنشاہ ایران کسریٰ پرویز اس کا زیادہ سخت تھا کہ اس کو ان کے بارے میں اس کی ذمہ داری سے آگاہ کیا جاتا اور یہ لفظ اس خط میں آتا جو کسریٰ کے نام بھیجا گیا، اس لئے کہ

لہ دیکھیے شرح مسلم للنووی اور مجمع بحار الانوار از علامہ محمد طاہر طبری۔

لہ دیکھیے ”لسان العرب“ مادہ ”اریس“۔

کاشتکاروں کا طبقہ سلطنتِ ساسانی میں بازنطینی سلطنت کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور نمایاں تھا، اور ایران کی قومی آمدنی اور ذرائعِ معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا، جیسا کہ ازہری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ابن منظور نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:-

”سوادِ عراق کے لوگ جو کسریٰ کے دین پر تھے، زراعتِ پیشہ اور کاشتکار تھے، اہلِ روم ساز و سامان کی تیاری اور صنایع کا پیشہ کرتے تھے، اور اس لئے وہ مجوس کو ارسین کہتے تھے، ارسین کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کے معنی کاشتکار کے ہیں عرب بھی ایرانیوں کو ”فلاحين“ کاشتکار کے لقب سے یاد کرتے تھے۔“

ان سب وجوہ سے ہمارے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے کہ ارسینجی مراد اریکی مصری (ARIUS, 280-336) کے پیرو ہیں، جو ایک ایسے مستقل مسیحی فرقہ کا بانی تھا، جس نے مسیحی عقائد اور اصلاح کے شعبہ میں ایک خاص کردار ادا کیا، اس فرقے نے بازنطینی سلطنت اور مسیحی کلیسا کو عرصہ دراز تک پریشان رکھا تھا، اریوس ”وہ شخص ہے، جس نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور خالق و مخلوق (عیسائیوں کے الفاظ میں) ”باپ بیٹے“ کے درمیان فرق کرنے کی دعوت دی، اس نے اس موضوع پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھول دیا اور عیسائی معاشرہ میں صدیوں تک یہی موضوع رہا، اس کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ زمین پر ظاہر ہو، اس لئے اس نے حضرت مسیح کو قوت اور

کلام الہی سے بھر دیا خدا کے بنیادی صفات میں وحدانیت اور ابدیت ہے اور اس نے اپنی ذات سے براہ راست کسی کو پیدا نہیں کیا (جنا نہیں) بیٹا خود "خدا" نہیں ہے بلکہ امر رب کی حکمت کا ایک منظر ہے، اور اس کی الوہیت اضافی ہے نہ کہ مطلق۔

جیمس میکینن (JAMES-MACKINON) اپنی کتاب "مسیح قسطنطین تک" میں

لکھتا ہے :-

"ارپوس" کا اصرار تھا کہ تنہا اللہ کی ذات قدیم ہے، ازلی ابدی ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے جو عیسیٰ کو عدم سے وجود میں لایا، اس لئے بیٹا ازلی نہیں ہے، اللہ ہمیشہ سے باپ نہیں ہے، چنانچہ ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ عیسیٰ کا وجود ہی نہ تھا، بیٹا اپنی ایک مستقل حقیقت رکھتا ہے، جس میں اللہ اس کا شریک نہیں، وہ تبدیلیوں اور انقلابات سے متاثر بھی ہوتا ہے، اور وہ صحیح معنی میں خدا کہلانے کا مستحق نہیں ہاں اگر کائنات قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن وہ بہر حال ایک کامل مخلوق ہے۔"

دوسری طرف اسکندریہ کا کلیسا چوتھی صدی عیسوی میں حضرت مسیح کی الوہیت کا مطلق طریقے سے قائل تھا، اور اس کے نزدیک نفاق و مخلوق اور باپ عیسیٰ کی تفریق نہ تھی۔ اس کو مصری کلیسا کے لاٹ پادری الیکزینڈر (ALEXANDER) نے ۳۲۵ء میں اسکندریہ کے کلیسا سے بے دخل کر دیا، ارپوس شہر چھوڑ کر چلا گیا، لیکن اس کی بے غلی

لہ تفصیل کے لئے دیکھیے، انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق، جلد ۱۰ مقالہ (ARIANISM) ص ۷۷،

سے بچھڑا ختم نہیں ہوا، تہنشاہ قسطنطین نے اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش کی، لیکن اس کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی، ۳۲۵ء میں اس نے نیقیہ NICAEA میں ایک کانفرنس بلائی جس میں دو ہزار تیس پادری شریک ہوئے، تہنشاہ کارنجان الوہیت مسیح کی طرف تھا، اس لئے اس نے اریوس کے خلاف فیصلہ دیا، اس کے باوجود نائندو کی اکثریت اریوس کی موافقتی اور صرف تین سو اٹھارہ پادری بادشاہ کے ساتھ تھے تاہم اس نے اریوس کو ایلیریا (ILLYRIA) میں جلا وطن کر دیا، اور اس کی سب تحریریں جلا دی گئیں، جس کے پاس اس کی کوئی تحریر تھی اس کو سخت سزا دی جاتی لیکن ان کوششوں سے اریوس کی اہمیت اور لوگوں میں اس کی ہر نوع زبردستی اور قبولیت ختم نہ کی جاسکی۔ آخر کار قسطنطین ہی کو اپنا رویہ نرم کرنا پڑا، اور اس نے اس کے عقیدہ سے پابندی اٹھالی، اپنے سب بڑے حریف و رقیب ایلیگزینڈر کی موت اور اس کے جانشین ATHANASIUS کی جلا وطنی کے بعد اریوس اسکندریہ پھر واپس لایا گیا، قریب تھا کہ قسطنطین اس کو مصری کلیسا کا سربراہ مقرر کر دے اور اس کا مذہب قبول کر لے لیکن موت نے اس کا موقع نہیں دیا۔

”ڈریس“ نے اپنی کتاب ”مورخہ مذہب سائنس“ میں لکھا ہے کہ تیرہ مسیحی مجالس نے پونٹھی صدی عیسوی میں اریوس کے خلاف فیصلہ دیا تھا، پندرہ مسیحی مجالس نے اس کی تائید کی تھی، سترہ مسیحی مجالس نے پورائے ظاہر کی وہ اس کی رائے کے بہت قریب تھی، اس طرح ۴۵ مسیحی مجالس اس مسئلہ پر غور و فیصلہ کرنے کے لئے منعقد کی گئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسیحی دنیا میں پچھتی صدی سے قبل عقیدہ تثلیث کا عام رواج نہیں ملتا، کیونکہ تھوکلک نائیکلوپوڈیا میں آتا ہے کہ:-

عقیدہ تثلیث کی تشکیل جدید اور اس کے راز سے پردہ صرف انیسویں صدی کے نصف ثانی میں ہی اٹھ سکا، مطلق عقیدہ توحید پر اگر کوئی گفتگو کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسیحی تاریخ کے آغاز سے پچھتی صدی کی آخری چوتھائی تک متعلق ہو جاتا ہے یہ کہ ایک معبود کے تین مظاہر ہیں، مسیحی دنیا میں یہ نظر پر اسی مخصوص تاریخی واقعہ میں پھیلا تھا!

یہ عقیدہ و دعوت الوہیت مسیح کی کھلی ہوئی دعوت کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہی، کبھی اس کا پلڑا ابھاری ہوتا، کبھی اس کا، باز، نسطینی مملکت کی مشرقی ریاستوں میں عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد اریوس کے عقیدہ کی حامل تھی، یہاں تک کہ تھیوڈوسس THEOSODIUS THE GREAT نے قسطنطنیہ میں عیسائی کانفرس طلب کی، جس نے الوہیت مسیح اور ان کے خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدہ کو باقاعدہ منظور کر لیا، اور اس کے اعلان کے بعد اریوس عقیدہ کی دعوت ختم ہو گئی، اور یہ تحریکی نظروں سے اوجھل ہو گئی، تاہم عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے بعد بھی اس سے وابستہ رہی، اور یہ لوگ "فرقہ اریسیہ" یا "اریسین" کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس لئے قابلِ ترحیح اور قرین قیاس یہی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ سے "فان تولیت فان علیک اثم الاریسین" سے مراد یہی ہے، اس لئے کہ اس وقت کی مسیحی دنیا میں جس کی زمامِ قیادت عظیم باز نسطینی مملکت کے ہاتھ میں تھی

اور جس کا سربراہ ہرقل تھا، یہی فرقہ نسبتاً توحید کا حامل اور اس پر اب تک قائم تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عسراول کے بعض جلیل القدر علماء اسلام نے بھی ایسی ہی ججٹا کا اظہار کیا ہے امام طحاویؒ (م ۳۲۱ھ) اپنی کتاب "مشکل الآثار" میں لکھتے ہیں :-

بعض مخالف آگاہ علماء نے بیان کیا ہے کہ ہرقل کی جماعت میں ایک فرقہ تھا جس کو "اریسیہ" کہتے تھے، یہ توحید الا اور حضرت مسیحؑ کی عبدیت کا قائل تھا، انصاری مسیحؑ کی ربوبیت کے بائے میں جو کچھ کہتے تھے، یہ فرقہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا، یہ دین مسیحؑ پر قائم تھا، اور انجیل میں جو کچھ تھا، اس پر عمل پیرا تھا، انصاری اس آگے بڑھ کر جو کچھ کہتے تھے، وہ اس پر ایمان نہ رکھتا تھا اگر یہ بات صحیح ہے تو اس فرقہ کو "اریسیوں" فرقہ کے ساتھ اور "اریسین" نصب اور جبر کے ساتھ کہنا دونوں جائز ہے، جیسا کہ علماء حدیث کا خیال ہے۔

اسی کے قریب رئے امام نوویؒ (م ۷۶۷ھ) نے بھی ظاہر کی ہے، وہ کہتے ہیں :-
 "دوسرا قول یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ میں جو عبد الرحمن اریس کے ماننے والوں میں تھے جس کی طرف اروسیت کو منسوب کیا جاتا ہے۔"

مکاتیب بنام امراء عرب

امراء عرب میں آپ نے منذر بن سادوی (حاکم بحرین) جعفر بن ابیہن،

لہ مشکل الآثار ج ۲ ص ۳۹۹ ۴۰۰ یہ امام نووی کی فروگزاشت معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ ظہور اسلام سے تین سو برس قبل اس کا وجود تھا، اور اس کا نام بھی کوئی اسلامی عربی نام نہ تھا۔

۳ شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۹۵ بحرین نجد کے اس خطہ کو کہتے ہیں جس کا نام اب "الاحساء" ہے، حضرت ابو عبیدہ کی قیادت میں جو لشکر بھیجا گیا تھا، اور جبریں (باقی صفحہ پر)

عبد بن الجندب ازدی (امراء عمان) اور حوذہ بن علی (حاکم پیامہ) اور حارث بن
شمز انسانی کے نام مکاتیب ارسال کئے، منذر بن ساوی نیز جندب کے دونوں
بیٹوں جیفرا اور عبد نے اسلام قبول کر لیا، حوذہ بن علی حاکم پیامہ نے رسول اللہ ﷺ

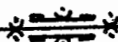
(باقی صفحہ ۲۰۲ کا) عظیم پھل کے ہاتھ آنے کا واقعہ پیش آیا، وہ اسی سمت روانہ کیا گیا تھا، اور احادیث
صحیحہ میں اس موقع پر البحرین“ ہی کا لفظ آتا ہے، یہیں سے بڑی مقدار میں مال غنیمت بھی آیا تھا،
جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے اب یہ نام یہاں سے منقل ہو کر جزیرۃ العرب کے اس حصہ کی طرف منتقل
ہو گیا، جو خلیج کی ریاستوں میں ایک ریاست ہے جو بحرین کے نام سے مشہور ہے اس کے زیادہ تر باشندے
بنی عبد القیس، بنی بکر بن وائل اور تمیم کے قبائل سے تھے ان کتابت کی تحریر کے وقت وہاں کا
والی اور حاکم منذر بن ساوی تھا، جو بنی تمیم کے قبیلہ کافر تھا، ان کتابت کے فن کے لئے جو
لوگ و امراء عرب اور رؤساء قبائل کو تحریر کئے گئے اور ان کے نام بروں اور کتب الیم
کے باب میں حلوات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب: اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین“

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تالیف امام محمد بن طولون دمشقی (۸۸۰-۹۵۳ھ)
طبع مؤسسۃ الرسالۃ۔ لے مؤرخین کے یہاں اسے معلوم ہوتا ہے کہ الجندب کسی خاص شخص
کا نام نہیں تھا، وہ ایک لقب تھا جس کے معنی اہل عمان کی زبان میں سزا یا مذہبی پیشوا کے تھے ان میں
اول الذکر بادشاہ عمر میں اپنے بھائی سے بلا تھا (ملاحظہ ہو نہایت الادب“ و تالیف العرب قبل الاسلام“)
لے (حوذہ بن علی الحنفی) پیامہ کا بادشاہ تھا اور دین عیسائیت پر تھا، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ
عمر کو اسی کے پاس بھیجا تھا، پیامہ کے حرد اس وقت مشرق میں بحرین سے ملتے تھے اور عرب میں حجاز سے
جاتے تھے پیامہ کے مقامات میں (منفوخ) بھی ہے جو عسائی جاہلی شاعر کا وطن ہے رسول اللہ ﷺ نے
علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو حنیفہ وہاں نے نمایاں قبائل میں تھے انھیں میں سلیم بن حبیب (باقی صفحہ ۲۰۲)

علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کو اقتدار میں شریک کیا جائے، آپ نے انکار فرمایا اور اس کے بعد جلد اس کی موت ہو گئی۔

غزوہ بنی لحيان اور غزوہ ذی قرد

صلح حدیبیہ (۶۲۸ء) اور غزوہ خیبر کے درمیان، غزوہ بنی لحيان اور غزوہ ذی قرد واقع ہوئے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے گئے، اور ابن کنتوم کو مدینہ کا والی مقرر کیا، پہلے غزوہ کا سبب واقعہ حج کے افراد حبیب بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے خون کا مطالبہ و جواب تھا، اور دوسرے کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگل میں چرنے والی اونٹنیوں پر مشرکین کی غارتگری، بنی غفار کے ایک آدمی کا قتل اور ان کی بیوی کا اغوا تھا۔



(باقی صفحہ ۲۰۵ کا) پیدا ہوا تھا جن کا لقب دعوائے نبوت کی وجہ سے کذاب پر گیا۔ ۳۰ تاریخ طبری ج ۳ ص ۸۵۸

بلہ زاد المعاد ج ۲ ص ۵۵ صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع کی روایت جسے ابن حجر نے فتح الباری میں ترجیح دی ہے، اصحاب سیرت فقہ ہیں کہ غزوہ ذی قرد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا ہے۔

۳ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۹-۲۸۹

غزوة خيبر (۱۰۰)

الشركة العام

اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں بیعت رضوان کے شرکاء کو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد کو اپنی خواہش نفس اپنی رائے اور فہم پر مقدم رکھا تھا، فتح قریب اور مال کثیر کی بشارت دی اور ارشاد ہوا:-

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ

(اے پیغمبر) جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے

خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) معلوم کر لیا، ان پر تسلی نازل فرمائی

ان کے دلوں میں بھلاہ اس نے

فَمَا أَقْرَبًا وَ مَعَانِهِ كَثِيرٌ

انہیں جلد فتح عنایت کی، اور بہت سی نعمتیں جو انہوں نے

تَأْخُذُ وَ هَذَا وَ كَانَ اللَّهُ

عَزِيزًا حَكِيمًا (سورۃ التفتح ۱۸)

حاصل کریں اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ان فتوحات کا مقدمہ اور پیش نیمہ غزوہ خیبر تھا، "خیبر" ایک یہودی آبادی تھی جس میں بڑے مستحکم قلعے تھے، یہ یہود کا جنگی مستقر اور جزیرۃ العرب میں ان کا آخری قلعہ تھا، یہ یہودی مسلمانوں کے خلاف برابر لڑتے دو انہوں میں صرف رہتے اور اس بات کو کسی وقت نہ بھولتے کہ ان کے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کیا ہوا ہے وہی سب کچھ ان کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے، وہ قبیلہ عطفان کے ساتھ مل کر بدرِ ظہیم پر حملہ کی سازش کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارادہ فرمایا کہ اب ان سے اور ان کی سازشوں سے نجات حاصل کر لی جائے، اور اس محاذ کی طرف

لے ان قلعوں میں نام، قوم، اور حسن الشہ، حسن نظاۃ، حسن السلام، حسن الطیر، حسن الکثیر زیادہ مشہور تھے، یعقوبی نے لکھا ہے کہ خیبر میں پچیس ہزار جنگجو موجود تھے (ج ۲ ص ۵۶ منقول از کتاب "صحابہ و تابعین" از مولوی مجیب الترمذی، ناشر دار المصنفین اعظم گڑھ)

۱۱؎ مشہور اگرچہ مشرق
W. MONTGOMERY
اپنی کتاب
"MOHAMMAD PROPHET AND
STATESMAN"
WATT

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بحیثیت پیغمبر اور سیاستدان میں لکھتا ہے کہ خیبر کے یہود اور خاص طور پر قبیلہ بنی نضیر کے وہ سردار جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے دل میں سخت کینہ رکھتے تھے، یہی لوگ تھے جنہوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو اپنی دولت کے ذریعہ اکٹرا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر لشکر کشی کی (۱۸۹۱ء لندن ۱۹۶۷ء) اس غزوہ کا مقصد صرف یہودیوں کی اس قوت کا توڑنا ہی نہیں تھا جو خیبر میں مجتمع ہو گئی تھی بلکہ حجاز و نجد کے درمیان شمال اور جزیرۃ العرب کے وسط کے ایک بڑے طاقتور قبیلہ عطفان کی طرف سے بھی اطمینان حاصل کرنا تھا جو عربی قبائل کا ایک نہایت جنگجو اور طاقتور مجموعہ تھا، اس کی طرف سے اطمینان کے بغیر کہہ کی طرف باطمینان فوج کشی

اطمینان اور کیسویٰ حال ہو یہ علاقہ مدینہ کے شمال مشرق میں شرمیل کی مسافت پر واقع تھا۔

لشکرِ اسلام نبی کی قیادت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے نکل کر مدینہ میں ذی الحجہ کا پورا ہیبتہ اور محرم کا کچھ حصہ قیام فرمایا اور اس کے بعد خیبر کی طرف رخ کیا۔

عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ تھے اور یہ جزیرہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

والله لولا الله ما اهندينا ولا تصدقنا ولا صلينا

خدا یا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ خیرات دیتے نہ روزہ رکھتے۔

انّا اذا قوم بغوا علينا

ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہم پر یورش کرتی ہے اور آمادہٴ فساد ہوتی ہے

تو ہم اس سے صاف انکار کرتے ہیں۔

فأنزلن سكينۃ علينا

تو ہمارے اوپر سکینت کا نزول فرما اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو چمکے رکھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ایمانی لشکر کو لے کر یہاں تشریف لائے، ان کی

تعداد ایک ہزار چار سو تھی، اور ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے، آپ نے اس کو اس میں

شرکت کی اجازت نہ دی جو حدیبیہ کے موقع پر سچھے رہا تھا، ان صحابیات کی

تعداد جو مریضوں کے علاج و معالجہ از خمیوں کی مرہم پٹی اور پانی وغذائے انتظام

لہ سیرت ابن کثیر ج ۳، ۳۲۵-۳۲۵ و صحیح مسلم باب غزوة خیبر بعض الفاظ اور اشعار کے اختلاف کے ساتھ

کی ذمہ دار تھیں، پیش تھی۔

آپ نے رجیع کے مقام پر پوجہ پودا اور قبیلہ غطفان کے درمیان واقع تھا، لشکر کو بڑاؤ کا حکم دیا، مقصد یہ تھا کہ ان کے اولیٰ خیمبر کے درمیان سلسلہ رسد ہو، اصلتا ختم ہو جائے، اس لئے کہ وہ ان سے ملے ہوئے اور ان کے حمایتی تھے، نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور یہ لوگ ان کی حمایت اور مدد نہ کر سکے، اپنے گھربار اور کاروبار میں لگے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خیمبر کے لئے انھوں نے راستہ صاف کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے لئے غذا فراہم کرنے کا حکم دیا تو صورت ستو حاصل کیے جا سکے، چنانچہ اسی پر اتفاق کیا گیا، جب آپ خیمبر کے سامنے تشریف لائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی فتح خیمبر کا سوال کیا، اور اس جگہ کے شر سے اور یہاں کے لوگوں کے شر سے پناہ مانگی، آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو رات کو حملہ نہ کرنے، بلکہ صبح تک انتظار کرتے اگر اذان کی آواز آپ کے کانوں میں آتی تو آپ توقف فرماتے اور حملہ نہ کرتے، اسی طرح آپ نے یہاں بھی رات گزاری، صبح ہوئی تو اذان کی آواز نہ سنائی دی، یہ دیکھ کر آپ نے حملہ کی نیت سے پیش قدمی کی، راستہ میں خیمبر کے کسان مزدور اپنے بچاؤ کے اور جھاپے لئے نظر آئے، جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر کو دیکھا تو انھوں نے نعرہ لگایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور لشکر آگیا، اور راہ فرار اختیار کی، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا "اللہ اکبر، خربت خیمبر" اللہ کی شان خیمبر برباد ہوا "انا اذنا ناساحة قوم فساء صباح المنذرين" ہم جب کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان کی صبح بُری ہوتی ہے۔

لہ ابن کثیر ج ۲ ۳۲۵-۳۲۶ نیز صبح بخاری باب غزوة خیمبر باختصار۔

(ان کی شامت آجاتی ہے) جنھیں پہلے ہی ڈرایا اور آگاہ کیا جا چکا ہے۔

مظفر و منصور قائد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خیبر کے قلعوں کی طرف توجہ کی اور ایک ایک کر کے ان قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا، ان قلعوں میں ایک قلعہ ایسا تھا، جو نامور یہودی شہسوار مرحب کا تخت گاہ تھا، اس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سزایا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں کے لئے بہت سخت و دشوار گزار ثابت ہو رہا تھا، اور ان کا قابو اس نہیں چل پاتا تھا، حضرت علیؑ کی آنکھیں اس وقت آتش ہو کر آئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کل پرچم وہ شخص لے گا، جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبت ہے، اس کے ذریعہ یہ قلعہ فتح ہوگا" اس منصبِ عظیم کے بڑے بڑے صحابہ امیدوار تھے اور ہر شخص یہ خیال کرتا کہ شاید اس کو یہ سعادت حاصل ہو، آپؐ نے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا، ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی، وہ آئے تو آپؐ نے اپنا مبارک ثعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا، اور ان کے حق میں دعا کی وہ اسی وقت ایسے اچھے ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو درد ہی نہ تھا، آپؐ نے پرچم ان کے حوالے کیا، انھوں نے کہا کہ کیا یہود سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہاں سے روانہ ہو، یہاں تک کہ ان کے سامنے پڑاؤ ڈالو پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور اللہ تعالیٰ

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۹-۳۳۰ ۵ روایات کے متبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا

نام قلعہ قنوص تھا۔ ۳ صیح بخاری صیح مسلم باب غزوة خیبر"

کا اس سلسلہ میں ان پر جو سختی ہے اس سے ان کو آگاہ کرو، خدا کی قسم اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

شیر خدا اور ایک نامور یہودی شہسوار کا مقابلہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پرچم اسلام اور لشکر اسلام کے ساتھ خیبر پہنچے تو نامور یہودی شہسوار "مرحبا" رجز پڑھتا ہوا مقابلہ پر آیا، اس سے آپ کے دُور ہوا ہاتھ ہوئے۔

حضرت علیؑ نے پہلے اس پر ایک ہی سخت ضرب لگائی جو اس کے خود اور سر کو پھاڑتی چلی گئی، اور داڑھ تک اتر گئی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ محمد بن مسلمہؓ نے بھی اس موکر میں اپنی ہمت اور بہادری کے جوہر دکھائے اور متعدد شہسواروں اور پہلوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

محنت کم، اجرت زیادہ

خیبر کے ایک حبشی غلام نے جو اپنے مالک کی بکریاں چرانے پر مامور تھا یہ دیکھا کہ اہل خیبر نے ہتھیار اٹھائے ہیں اور جنگ کے لئے تیار ہیں تو اس نے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟

لے صحیح بخاری باب "غزوة خیبر" نیز صحیح مسلم و نسائی، سرخ اونٹ عرب میں بڑی دولت اور ایک نایاب چیز سمجھی جاتی تھی۔ لے بعض اہل سیر نے یہ واقعہ قلعہ ناعم کی فتح کے سلسلے میں نقل کیا ہے اور بعض نے قلعہ قنوص کے سلسلے میں بخاری میں اس کے مختلف حکوے آئے ہیں مگر قلعہ کے نام کا تعین نہیں ہے، ابن ہشام وغیرہ میں محمد بن مسلمہؓ کو مرحبا کا قاتل بتایا گیا ہے لیکن صحیح مسلم کی روایت میں حضرت علیؑ کے نام کی تصریح اور ان کے رجز یہ اشعار بھی مذکور ہیں (مسلم حدیث نمبر، ۸۰ کتاب الجہاد والیسر)

انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص سے جنگ کرتے جا رہے ہیں جو نبوت کا مدعی ہے، نبوت کے
 ذکر نے اس کے دل پر خاص اثر کیا وہ اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کس چیز
 کی دعوت دے رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اور یہ کہ
 تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں خدا کا رسول ہوں، اور اللہ کے سوا
 کسی کی عبادت نہ کرو، غلام نے کہا کہ اگر میں یہ گواہی دوں اور اللہ عزوجل پر ایمان
 لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری اس عقیدہ پر موت آئی تو تمہارے لئے
 جنت ہے، وہ عین کراہت ہے، آیا اور پھر کہنے لگا، اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں
 امانت ہیں (ان کا کیا ہوگا)؟ آپ نے فرمایا تم ان کو حصہ اے کے میدان میں لے جا کر چھوڑ دو
 اللہ تمہاری یہ امانت ادا کرے گا، اس نے یہی کیا، خدا کا کرنا کہ یہ بکریاں اپنے مالک کے
 پاس خود واپس چلی گئیں، اور یہودی کو علم ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو چکا ہے، اس موقع
 پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب فرمایا، ان کو نصیحت
 فرمائی، اور جہاد کا شوق دلایا، جب نونوں فریق برسرِ بیکار ہوئے تو تہذیبِ اسلام
 میں سیاہ قام غلام بھی تھا، مسلمان اسے اٹھا کر اپنے خیمہ میں لائے، بعض روایتوں میں
 آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامیانہ پر نظر ڈالی پھر اپنے اصحاب کرام کی
 طرف رخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس غلام کے ساتھ بہت اکرام
 کا معاملہ فرمایا، اور اس کو خیر بہیم نچایا، میں نے دیکھا کہ اس کے سر ہانے جنت کی
 دو سویریں موجود ہیں، حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا!

آپ کی رفاقت میں نے اس لئے نہیں کی تھی

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ایمان لایا اور آپ کی اتباع و پیروی قبول کی، اور کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپ نے اس کو بعض صحابہ کرام کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کا خیال رکھیں، غزوہ خیبر کے موقع پر کچھ مال غنیمت آپ نے تقسیم فرمایا، یہ اعرابی اس وقت چراگاہ میں گیا ہوا تھا، جب وہ واپس آیا تو اس کو حصہ رسد می دیا گیا، اس نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے اس کو بتایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے، وہ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ تمہارا حصہ ہے" اس نے کہا کہ میں اس کی خاطر آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے آپ کی اتباع کی تھی کہ مجھے اس جگہ — اپنے خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا — دشمن کا کوئی تیر لگے، میری موت ہو جائے اور میں جنت میں پہنچ جاؤں، آپ نے فرمایا: "اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کرے گا"

خیبر کے موقع پر جب دشمن سے جنگ ہوئی، اور شہداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو اس میں یہ خوش نصیب بھی تھا، آپ نے دریافت فرمایا کیا یہ وہی شخص ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے سچائی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبہ مبارک میں اس کو کفن دیا، پھر اس کی نماز جنازہ

پڑھی اور اس کے لئے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ تیرا یہ بندہ تیرے راستے میں ہجرت کے لئے نکلا تھا، یہ تیری راہ میں شہید ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔"

خیبر میں قیام کی مشروط

غرض اس طرح یکے بعد دیگرے قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا گیا، اور کئی کئی دن مسلسل جنگ اور محاصرہ میں گزرنے لگے، یہاں تک کہ اس صورت حال سے عاجز ہو کر یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صلح کی پیشکش کی، لیکن آپ کا ارادہ ان کو وہاں بے دخل اور جلا وطن کرنے کا تھا، انھوں نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو آپ اسی جگہ قیام کی اجازت دے دیجئے، زمین کی دیکھ بھال اور کھیتی باڑی میں ہم مشغول رہیں گے، اس لئے کہ آپ لوگوں سے زیادہ ہم اس فن سے واقف ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو کاشتکاری کا تجربہ نہ تھا، اگر وہ یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو سارا وقت اسی کی نذر کرنا پڑتا، چنانچہ آپ نے خیبر میں قیام کی اجازت ان کو اس مشروط پر دے دی کہ تمام پیداوار غلہ اور پھلوں کا آدھا مسلمانوں کو ملے گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک چاہیں گے معاہدہ کو برقرار رکھیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیداوار کی تقسیم کے لئے ان کے پاس عبداللہ بن واہب رضی اللہ عنہ کو بھیجا کرتے تھے، وہ اندازہ کر کے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے پھر ان کہتے کہ ان میں جو حصہ چاہیں لیں، وہ لوگ دیکھ کر کہتے کہ اسی ادا (انصاف) پر آسمان اور زمین تقسیم ہوئیں۔

۱۳ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۹۵ ۱۴ زاد المعاد ج ۱ ص ۳۹۵-۳۹۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں

سنن ابی داؤد باب المساقاة ۱۵ فتوح البلدان از بلاذری ص ۳۲۷

مذہبی رواداری اور کشادہ قلبی

غزوہ خیبر میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اس میں تورات کے متغذ نسخے تھے، یہودیوں نے درخواست کی کہ وہ ان کو عطا کر دیئے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ سب صحیفے ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفسون اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دل میں کس درجہ احترام تھا، آپ کی اس رواداری اور فراخ دلی

کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا، وہ آپ کے اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتے کہ

آپ نے ان کے مقدس صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا، جن سے

ان کی بے محرمی لازم آتی ہو، اس کے مقابلہ میں ان کو یہ واقعہ بھی خوب یاد

ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو تسخیر کیا تو انھوں نے ان

مقدس صحیفوں کو آگ لگا دی اور ان کو اپنے پاؤں سے روندنا اسی طرح

متعصب نصرانیوں نے اندلس میں یہود پر مظالم کے دوران تورات

کے صحیفے نذر آتش کئے، یہ وہ عظیم فرق ہے جو ان فاتحینِ رحمن کا بھی

اوپر ذکر گندا ہے) اور اسلام کے نبی کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے۔

جعفر بن ابی طالبؑ کی آمد

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالبؑ

لے تاریخ اچھیس ج ۲ ص ۶۱۱ لکھتا ہے تاریخ الیہود فی بلاد العرب ص ۱۱۱

اور ان کے رفقاء آپ سے آکر لے، آپ کو اس سے بے حد مسرت ہوئی، بہت بشتا
اور شوق کے ساتھ آپ نے ان کا استقبال کیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور فرمایا
”مجھ میں نہیں جانتا کہ کس چیز سے میں زیادہ خوش ہوں، خیر کی فتح سے یا جعفرؓ
کی آمد سے!“

یہود کی ایک مجرمانہ سازش

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا، اسلام میں کم کی یہودی
بیوی زینب بنت حارث نے آپ کو زہر ملا کر ایک ٹھنی ہوئی بکری کا تحفہ دیا، پہلے
اس نے دریافت کیا کہ اس کا کون سا حصہ آپ کو زیادہ مرغوب ہے، آپ نے فرمایا
دست، یہ سن کر اس نے دست میں خاص طور سے زہر ملا یا، آپ نے جب دست سے
کچھ حصہ ٹوڑ کر نوش فرمایا تو خود اس گوشت نے آپ کو اطلاع دی کہ اس میں
زہر ملا ہے، چنانچہ آپ نے اسی وقت اس لقمہ کو اگل دیا۔

اس کے بعد آپ نے یہودیوں کو حج کیا، اور فرمایا کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا تم
صحیح صحیح جواب دو گے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس بکری میں
زہر ملا یا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ملا یا ہے، آپ نے فرمایا کہ تم کو اس پر کس چیز
نے آمادہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے سوچا کہ اگر آپ (نعموز بانشر) جھوٹے ہیں
تو آپ سے جھپٹی مل جائے گی، اور اگر واقعی نہیں ہیں تو زہر آپ پر اثر نہ کرے گا، اس کے
بعد اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر کیا گیا، اس نے بھی

اعترافِ مجرم کر لیا اور کہا کہ میں نے آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر تمہیں قابو نہیں دے سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجازت چاہی کہ اس عورت کو قتل کر دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، اس وقت آپ نے اس سے کوئی تعزیر نہیں کیا، اور اس کو کوئی سزا نہ دی، اور نہ قتل کرنے کی اجازت دی، بعد میں جب اس زہر خورانی کے نتیجے میں بشر بن البراء بن معرور کا انتقال ہو گیا، جو اس کھانے میں شریک تھے، تو اس کو قتل کر دیا گیا۔

غزوہ خیبر کے اثرات

غزوہ خیبر اور اس میں مسلمانوں کی شاندار فتح کا عرب کے ان قبائل پر جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، بہت خوشگوار اثر پڑا، ان کو خیبر میں یہودیوں کی جنگی طاقت ان کی دولت مندی و فائز البالی، غذائی اشیاء کی فراوانی، سامانِ جنگ کی کثرت قلعوں کے استحکام اور حملہ آور فوجوں اور تجربہ کار ہرنیوں کے لئے اس کے سخت او دشوار گزار اور ناقابلِ تسخیر ہونے کا بخوبی اندازہ تھا، اور یہ معلوم تھا کہ ان میں ”مَرْحَب“ اور حارث ابی زینب جیسے تجربہ کار شہسوار اور تربیت یافتہ ماہرینِ جنگ موجود ہیں، چنانچہ اس فتح نے ان کے تمام اندازے غلط ثابت کئے، اور ان کے عزائم اور بعد کے واقعات پر اس کا گہرا اثر پڑا۔

ڈاکٹر اسمیر ایل ولفسون غزوہ خیبر اور تاریخ اسلام پر اس کے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

لہ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے مختصر اس روایت کو نقل کیا ہے: (باب الشاة التی سمت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بخیبیر)

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں غزوہ خیبر کی بہت بڑی اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ عرب کے تمام قبیلے بہت فکر مندی کے ساتھ اس نتیجے کا انتظار کر رہے تھے، اور اس کا فیصلہ انصار و یہود کی تلوار کی جھنکار پر ہونا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے دشمن جو عرب کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں تھے، اس غزوہ سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے“

مالِ غنیمت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہوئے تو آپ نے فِدک (جو ایک آباد قصبہ اور حجاز کے بالائی حصہ میں دوسرے قصبات اور قریوں کی طرح ایک مستقل ریاست تھی) کی طرف توجہ فرمائی یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصف نصف پر مصاحت کرنی چاہی، آپ نے ان کی پیشکش کو قبول فرمایا، اس سے جو حاصل ہوتا آپ اس کو اپنے اور مسلمانوں کے مفاد میں جہاں مناسب سمجھتے تقسیم فرمادیتے۔^۱ اس کے بعد آپ نے ادی القریٰ تشریف لے گئے، خیبر اور تنبؤ کے درمیان ایک نوآبادی تھی جس کو یہود نے اسلام سے قبل آباد کیا تھا، اور اس نے ان کے مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی، عرب کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ آکر شامل ہو گئے تھے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی، اور ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے، تو ان کا مال و جان سب محفوظ رہے گا، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔

۱۔ تاریخ الیہود فی بلاد العرب ص ۱۶۱۔ اس قصبہ کی آبادی یہودی بنی مرہ اور بنی سعد بن کر کے قبائل کے افراد پر مشتمل تھی۔ (نہایت الأثر - ۲۰۹/۱۷)۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ولدی القریٰ اس وادی کو کہتے ہیں جس میں بہت سے گاؤں ہوں، یہاں عرب اور یہودی آباد تھے، اس کا شمار جزیرۃ العرب کے سرسبز و شاداب علاقوں میں ہے، اس میں چشمے اور کنوئیں بھی پائے جاتے ہیں۔

اس غزوہ میں کئی مقابلے ہوئے، جن میں زبیر بن العوامؓ کی بہادری کے جوہر ظاہر ہوئے اور فتح و کامیابی کا سہرا ان کے سر پہا چنانچہ دوسرے ہی روز سے یہود نے جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا، وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیا، مسلمانوں کو ان غزوات میں بڑا مال غنیمت ہاتھ لگا اور بہت وافر سامان ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ساری دولت کو صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیا، آراضی اور کھجور کے باغات یہود کے ہاتھ میں چھوڑے گئے اور ان پر معاملہ ہو گیا۔

جب تیماء کے یہودیوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر، اہل فدک و ادی القریٰ سے یہ معاملہ فرمایا ہے تو انھوں نے آپ سے مصالحت کر لی اور ان کا مال و جائیداد انہی کے قبضے میں رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

مہاجرین کی پاک نفسی و احتیاط

جب مسلمان مدینہ واپس آ گئے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے وہ عطیات واپس کرنا چاہے جو انھوں نے ان کی پریشاں حالی اور سخت زمانہ میں انھیں کھجور کے درختوں اور باغوں کی شکل میں دیئے تھے، اس لئے کہ خیبر میں وہ خود صاحب جائیداد ہو گئے تھے اور ان کے پاس بھی باغات تھے، ام سلمہؓ نے جو انس بن مالک کی والدہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں کچھ کھجور کے درخت پیش کئے تھے، آپ نے اپنی آزاد شدہ باندی ام ایمنؓ کو عنایت فرمائی تھی، فدک کے حاصل ہونے کے بعد آپ نے ام سلمہؓ کو یہ درخت واپس فرمائیے۔

لہٰذا ادی القریٰ اور ثما کے دربان شام سے قریب تر ایک قصبے قدیم زمانہ میں شام سے آنے والے حاج کے راستے میں پڑتا تھا، یہیں سوال (یہودی شاعر) کا مشہور قولہ الابن القریٰ کہتے ہیں، واقعہ تھا کہ زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰۵ تلخیص کے ساتھ۔

تھے اور اُم ایمن کو کھجور کے ہر درخت کے بدلے میں باغِ فدک سے دس درخت عنایت فرمائے۔
 خیر کے بعد بھی بہت سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر بھیجے اور
 جلیل القدر صحابہ کو اس کا اہمیت فرمایا، ان میں سے کچھ سرلوہ میں جنگ ہوئی اور کچھ میں جنگ
 کی نوبت نہیں آئی۔

عمرۃ القضاء

دوسرے سال ۶۱۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان عمرۃ القضاء
 کی نیت سے تشریف لے چلے قریش نے کوئی مزاحمت نہیں کی، آپ کو مکہ جانے دیا اور اپنے
 گھروں میں تانے ڈال کر جل قبیقان پر چلے گئے، آپ نے تین روز وہاں قیام فرمایا، اور عمرہ
 سے فراغت کی، اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:-

| | |
|--|---|
| لَقَدْ صَدَقَ اللهُ رَسُولَهُ الرُّسُلَا | بے شک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) |
| بِالْحَقِّ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الْمُسْتَعِدَّ لَكُمْ | صحیح خواب کے کھایا کہ خدا نے چاہا تو |
| إِنْ شَاءَ اللهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ | مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور |
| رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ | اپنے بال کتر و اگر اسن امان داخل ہو گئے |
| فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ | اگرسی طرح کا خون نہ کر گئے جو بات |
| مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتَمَا قُرَيْبًا | تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی، |
| (سورة الفتح - ۲۷) | سو اس نے اس پہلے ہی جلد فتح کر دیا۔ |

لہذا العادج اصلاحاً، مسلم نے اس قصہ کو مفصل طور پر کتاب الجہاد والیر میں باب (۱۰) المہاجرین

الی الانصار مناشئہم من الشجر والقریبین استغنا عنہا بالفتح، درج کیا ہے ای قرینہ اور ضمیر کی فتح کا ہی
 ذکر ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرماد العادج اصلاحاً ۴۰-۴۱ ص ۳۱ صحیح بخاری (باب عمرۃ القضاء)

لڑکیوں کی پرورش و تربیت میں مقابلہ اور حقوق میں مساوات

اسلام کے اثر سے ان لوگوں کے دل و دماغ میں انقلابِ عظیم واقع ہو چکا تھا وہ لڑکی جو پہلے خاندان کے لئے اور اشراف و رؤساء قوم کی نگاہ میں باعثِ تنگدماغی تھی (اور بعض قبیلوں میں اس کو زندہ دگر کر دینے تک کارواج تھا) آج ایسی عزیز و محبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لئے آپس میں مقابلہ کی ذہرت آجاتی تھی، مسلمان سب برابر تھے، اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے، کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلتِ علمی و عملی اور کسی معقول بنیاد پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی "امامہ" چچا چچا پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے ہوئی، حضرت علیؑ نے اسے لیا اور حضرت فاطمہؑ کے حوالے کیا اور کہا کہ۔ دیکھو۔ یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علیؑ، زید و جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی، حضرت علیؑ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، یہ میری چچا زاد بہن ہے، حضرت جعفرؑ نے کہا کہ میری بھی چچا زاد بہن ہے، اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زیدؑ نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؑ کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بیٹی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اور خالہ ماں کی جگہ پر ہوتی ہے، اس لئے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، حضرت علیؑ سے آپ نے بطور دلداری فرمایا کہ تم میرے ہوا و میں تمہارا ہوں، حضرت جعفرؑ سے فرمایا: تم میری وصورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو، حضرت زیدؑ سے ارشاد ہوا کہ: تم میرے بھائی ہوا اور میری بیوی ہو۔

لے صحیح بخاری کتاب المغازی باب "عمرة القضاء"

غزوة موتہ

(جمادی الاوّلیٰ شہ)

مسلمانوں کے سفیر کا قتل اور اس کا ثنا خانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدیؓ کو اپنے مکتوب عالی کے ساتھ بصری کے حاکم شرجیل بن عمرو اقسائی کے پاس بھیجا جو رومی سلطنت کے تابع تھا، شرجیل نے حکم دیا کہ ان کو باندھ دیا جائے، اس کے بعد ان کو سامنے بلوا کر شہید کر دیا، سفراء اور قاصدوں کے قتل کرنے کا کبھی بھی دستور نہ تھا، خواہ کتنا ہی شدید اختلاف ہو یا خط کا مضمون کتنا ہی ناگوار ہو، یہ ایسا واقعہ تھا کہ جس سے شیم پوتی کسی طرح جائز نہ تھی، یہ عام قاصدوں اور سفیروں کے لئے خطرہ کی بات اور مکتوب اور صاحب مکتوب دونوں کی اہانت تھی، اس لئے اس طرح کی گستاخی کرنے والے کی سرکوبی اور مظلوم کا بدلہ ضروری تھا، تاکہ کسی کو آئندہ اس کی

لہ موتہ مشرق اردن کے شہر کر کے جنوب میں بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے مدینہ اور موتہ کا فاصلہ تقریباً گیارہ سو کلومیٹر کا ہے، اس فاصلہ کو مسلمانوں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر اس طرح طے کیا کہ اس کا سلسلہ بالکل منقطع ہو چکا تھا، مرکز سے خبر رسائی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا اور پورا سفر گویا دشمنوں کے جبرٹوں کے درمیان تھا۔ لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۱۷

جبرأت نہ ہو سکے ہسراء کا خون اس طرح ارزاں نہ ہو اور اس قسم کا المناک واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔

رومی قلمرو میں پہلی اسلامی فوج

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہو چکی تو آپ نے ایک لشکر نصیری بھیجے کا ارادہ فرمایا یہ واقعہ مجادی الاولیٰ ۵ھ کا ہے۔

تین ہزار مجاہدوں پر مشتمل ایک فوج اس کے لئے تیار ہوئی، آپ نے باوجود اس کے

کہ اس لشکر میں بڑے بڑے حلیل القدر اور عالی مرتبہ انصار و مہاجرین موجود تھے، زید بن

حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا، جو آزاد کردہ غلام تھے، اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت

فرمائی کہ اگر وہ شہید یا زخمی ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر مقرر کیا جائے، ان کے

ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آئے تو عبد اللہ بن رواحہ کو امیر مقرر کیا جائے، جب روانگی

کا وقت قریب ہوا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ امراء کو رخصت

کیا، اور ان کو اپنا سلام پیش کیا، ان کے سامنے ایک طویل اور پر مشقت سفر تھا، اور

ایسے دشمن سے واسطہ تھا، جس کو اس زمانہ کی سب سے بڑی سلطنت کی پشت پناہی حاصل تھی۔

یہ اسلامی فوج روانہ ہوئی اور آگے بڑھ کر اس نے مقام "معان" پر پڑاؤ ڈالا

یہاں مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ہر قتل بقاء میں ایک لاکھ رومی فوج کے ہمراہ مقیم

ہے، اور اس کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں عرب قبائل، نجم، جذام، بلقین، بہراؤ

بلی آٹے ہیں، مسلمانوں نے دو راتیں اس مقام "معان" پر گزاریں اور صورت حال

پر غور کرتے ہے، رائے ٹھہری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خطر روانہ کیا جائے اور دشمن کی تعداد سے آپ کو مطلع کر دیا جائے، پھر یا تو آپ ہمارے لئے گمگم روانہ فرمادیں یا مقابلہ کا حکم فرمائیں تو اس کی تعمیل کی جائے۔

ہم دشمن سے تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں لڑتے

اسی موقع پر عبداللہ بن رواحہ نے مجاہدین اسلام کو بہتت دلائی اور کہا کہ خدا کی قسم آج تم اس چیز کو ناگوار اور تلخ محسوس کر رہے ہو جس کے لئے تم نکلے تھے، اور جو تمہاری دلی مراد تھی یعنی شہادت انہوں نے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ تعداد اور قوت کی بنیاد پر نہیں کرتے ہم تو اس کا مقابلہ اس میں کی طاقت سے کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا ہے، اس لئے چل کھڑے ہو اور یاد رکھو، دونوں صورتوں میں ہمارا فائدہ ہے جیت ہو تب بھی اور شہادت ہو تب بھی، میں کرب لوگ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے۔

مجاہدین سرکیف

جب اسلامی لشکر بقاء کے قریب پہنچا تو رومیوں اور عربوں کا ایک لشکر حرار ان کے سامنے تھا، ایشکر "مشارف" کے مقام پر تعینات تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر یہ قریب ہوا، مسلمانوں نے ایک گاؤں میں جس کا نام موتہ تھا، مورچہ سنبھال لیا اور جنگ کا آغاز ہو گیا۔

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

پرچم ہاتھ میں لئے تھے) جنگ کا آغاز کیا اور آخر کار شہید ہوئے، نیز وہ ان کے
 سارے جسم کو پھینکی کر دیا، ان سے پرچم جھرنے لے لیا، اور رات بے رہے جب لڑائی
 کا دباؤ بڑھا تو گھوڑے سے اتر گئے اور اس کی اگلی ٹانگیں کاٹ دیں، اور
 پیادہ پارہنا شروع کیا، اتنے میں ان کا داہنا بازو کٹ گیا، انھوں نے پرچم
 اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا، یاہاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو پرچم کو انھوں نے اپنے دونوں
 زخمی اور کٹے ہوئے بازوؤں سے جکڑ لیا، یہاں تک کہ شہادت سے سرخرو ہوئے،
 اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی، ان کے سینے اور بازوؤں کے درمیان اور
 سامنے کے حصہ میں نوٹے زخم تھے، جو تلوار اور نیزہ کے تھے، کوئی زخم پشت کی طرف
 نہ تھا، عرض اس طرح یہ باہمت نوجوان جنت کی نعمتوں کے ترانے گانا بولا اور
 دشمن کی کثرت تعداد اور قوت و شوکت اور سامان اور دنیا کی ظاہری زیب و زینت
 کو پیروں سے روندنا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا۔

جعفر کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن رواحہ نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا اور
 آگے بڑھے انھوں نے بھی اپنا گھوڑا چھوڑ دیا، اسی درمیان میں ان کے ایک چچا زاد
 بھائی ایک ہڈی جس میں ذرا سا گوشت لگا ہوا تھا لے کر آئے اور کہا کہ اس کو
 پیٹ میں ڈال لو تا کہ کچھ تو انائی آجائے تم نے کئی روز سے کچھ کھایا نہیں ہے،
 عبداللہ ابن رواحہ نے ان ہی کے ہاتھ سے ذرا گوشت اپنے منہ میں لیا، پھر اس کو
 پھینکے یا تلوار اپنے ہاتھ میں لی، آگے بڑھ کر دشمن سے دو دو ہاتھ کئے، اور

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵ باختصار ۱۵ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۷۴ و زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵

صحیح بخاری میں ہے کہ تم نے ان کو مفتولین میں دیکھا تو ان کے جسم پر نوٹے سے اوپر زخم کے
 نشان نظر آئے، جو نیزہ اور نیزہ کے تھے (باب غزوة موتہ)

حضرت خالد بن ولیدؓ کی ماہرانہ قیادت

ان کے بعد لوگوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت پر اتفاق کر لیا اور انھوں نے پرچم اسلام اپنے ہاتھ میں لیا، وہ بہت بہادر اور جنگ سے واقف اور تجربہ کار شخص تھے، انھوں نے اسلامی لشکر کو جنوب کی طرف موڑ لیا، دشمن شمال کی طرف چلا گیا، دوسری طرف رات نے اپنے سیاہ پردے ڈال دیئے، اور دونوں فریقوں نے اس فرصت کو غنیمت جانا اور ان کو سلسلہء جنگ جاری نہ رکھنے میں عافیت نظر آئی۔

یہ حقیقت ہے کہ پسپائی کا عمل (جیسا کہ عراقی جنرل شیت خطاب کہتے ہیں) پسپائی سے شکست میں بدل جانے کے احتمال کے سبب شکل ترین فوجی عمل ہوتا ہے اور شکست ایسی مصیبت ہوتی ہے جو شکست خوردہ کے لئے عموماً بڑے نقصانات کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے موتہ میں مسلمانوں کے معمولی نقصانات اس فوجی فائدہ کے مقابلہ میں ناقابل لحاظ ہیں کہ اس سے رومی فوجی طاقت، ان کی تنظیم اور اسالیب جنگ کی معلومات حاصل ہوئیں، جو بعد کی جنگوں میں مسلمانوں کے کام آئیں۔

حضرت خالدؓ نے اپنے آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد اپنے لشکر کے عقب میں

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۹ ص ۲۵۰ ایضاً ص ۲۵۰ شیت خطاب الرسول

القائد ص ۲۰۰-۲۰۱ موتہ کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM: ART. MUTA

تعیّنات کر دی، ان لوگوں نے صبح کے وقت اتنی بلند آواز سے نعرے لگائے اور شور برپا کیا کہ دشمن کے دل میں یہ بات بٹھ گئی کہ شاید مدینہ سے نئی لگ آگئی ہے، اس کی وجہ سے رومیوں پر مسلمانوں کا بڑا رعب پڑا، اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب تین ہزار کے لشکر نے یہ آفت ڈھائی ہے تو جب ان کے پاس نئی لگ پہنچ گئی ہے، جس کی تعداد اور قوت کا اندازہ ہی نہیں تو اس وقت یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا کریں گے؟ یہ سوچ کر رومیوں کی ہمت پست ہو گئی، اور انھوں نے مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی زحمت و تکلیف سے محفوظ رکھا۔

آنکھوں دکھا حال

ادھر مسلمان میدان جنگ میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے، اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں صحابہ کرام سے اس حرکت کا آنکھوں دکھا حال بیان فرما رہے تھے، انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید جعفر اور عبدالشکر بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع مدینہ خبر پہنچنے سے قبل ہی دے دی تھی، آپ نے فرمایا کہ اب زیدؓ نے پرچم لیا وہ شہید ہوئے، جعفرؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہوئے، ابن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے (اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے) یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف اللہ خالد بن الولیدؓ) نے پرچم اپنے ہاتھ میں لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی، آمین

جعفر طیار

جعفر رضی اللہ عنہ کے باپے میں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دونوں بازوؤں کے بدلہ ان کو دو شہیر عطا کئے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں پرواز کرتے ہیں، اسی لئے ان کا لقب جعفر طیار (اڑنے والے) اور ذی الجناحین (دو بازوؤں اور پرواز والے) پڑ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و دلداری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو ہمارے پاس لانا، جب وہ آئے تو آپ نے ان کو اپنے روئے انور سے ملایا، اور آپ کی آنکھوں آنسو جاری ہو گئے پھر آپ نے ان کی شہادت کی خبر سنی جب محاذ جنگ سے شہادت کی اطلاع آئی تو آپ نے اپنے گھر والوں کو فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کو لے کھانا تیار کرو اس حادثہ نے ان کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ کھانا پکانے کی طرف توجہ کریں آپ کے پہرہ مبارک سے بھی بیخ و دم کا اثر ظاہر ہوا ^۱

حملہ کرنے والے، نہ کہ بھاگنے والے

جب لشکر واپس ہوتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، بچے بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تھے آپ نے فرمایا: "بچوں کو اپنے ساتھ بٹھاؤ اور جعفرؓ کا پیچھے دیکھو" ^۱

۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب حضرت جعفرؓ کے صاحبزادے ملنے کو کہنے "اسلام علیک یا ابن ذی الجناحین" (دو پروں والے کے لڑکے تم پر سلام ہو) (باب غزوہ موتہ) و زاد المعاد ج ۱

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۸۸-۳۸۱

آپ کے پاس ان کے بچے عبدالشکر کو لایا گیا، آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا، (مسلمان چونکہ میدان جنگ سے ہٹ آنے کے عادی نہ تھے، یہ ان کے لئے پہلا واقعہ تھا) اس لئے وہ ان غازیوں پر مٹی پھینکتے تھے، اور کہتے تھے، بھاگنے والو کیا اللہ کے راستے سے بھاگے ہو؟ آپ نے فرمایا، بھاگنے والے نہیں ہیں انشاء اللہ حکم کرنے والے ہیں۔

غزوہ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان

غزوہ موتہ اور فتح مکہ کے درمیان ایک سرسبز ذات السلاسل کے نام سے جمادی الاخریٰ ۶ میں بھیجا گیا، یہ مقام وادی القریٰ کی پشت پر تھا، اور قبیلہ قضاہ کے علاقہ میں واقع تھا، اسلامی لشکر نے اس موقع پر دشمن کا پوری طرح صفایا کر دیا، دوسرے سرسبز علاقہ تھا، اس کے امیر ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، یہ جب ۶ میں بھیجا گیا، اس میں ہباج بن وانصار کے تین سو آدمی شریک تھے، اپنے ان کو ۶ قبیلہ کی سرکوبی کے لئے سمندر کے قریب روانہ فرمایا، راستہ میں ان مجاہدین کو سخت بھوک اور فاقہ کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ درختوں کے پتوں پر گزارا وقتا ہونے لگی، اس وقت سمندر نے ان کے لئے عسرنام کی ایک بہت بڑی مچھلی فراہم کر دی جس نے نصف ماہ تک ان کا کام چلایا، اس کا تیل بھی انھوں نے کھالا اور خوب فائدہ اٹھایا، اس کی وجہ سے ان کی صحت و قوت بحال ہو گئی، اور جسم ترقی تازہ ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مہمانی تھی، آپ نے اس کا کچھ گوشہ بھی نوش فرمایا۔

لہ بروایت امام احمد بن حنبل ۱۵۰۰ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۰۰ صحیح بخاری میں یہ روایت "باب غزوة ربهت البحر" میں بیان کی گئی ہے۔

فتح مکہ

(رمضان ۱۰۸۰ھ)

فتح مکہ کا پس منظر

جب دینِ حق اور مسلمانوں کی دینی تربیت کی بنیادیں خدا کے حکم سے اچھی طرح مستحکم ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزما لیا اور ان کے دلوں اور یکتوں کا پورا امتحان کر لیا، قریش کے ظلم و سرکشی، قبولِ حق سے انکار، راہِ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے اور مسلمانوں کو مسلسل ایذا پہنچانے اور طرح طرح کے الزامات لگانے اور تانے کا جام لبریز ہو گیا، بلکہ چھلکنے لگا تو مشیتِ الہی کا فیصلہ ہوا کہ اب اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مکہ میں فاتح بن کر داخل ہوں، کعبہ کو بتوں کی آلائش جھوٹ اور فحش کلامی کی گندگی و ناپاکی سے پاک و صاف کریں، مکہ کو اس کی پُرانی حیثیت اور مرتبہ پر واپس لائیں، بیت اللہ کو پوری انسانیت عامہ کے لئے مستترتیب ہدایت و برکت بنائیں اور اس کے فیضانِ رحمت کو دنیا کے تمام انسانوں کے لئے عام کر دیں۔

بنی بکر اور قریش کی عہد شکنی

اللہ تعالیٰ نے اس فتح میں کے لئے خاص اباب پیرا فرمائے اور خود قریش کو نادانستہ طور پر اس کا باعث اور محرک بنا دیا، اور ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا، جس نے فتح مکہ کو نہ صرف جائز بلکہ ناگزیر اور ضروری کر دیا **وَيَذَرُ مَا فِيهَا وَاللَّهُ حَمِيدٌ مُمْدِدٌ** (اور اللہ تعالیٰ کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کے لشکر میں۔) صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی ایک فتح تھی کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پناہ میں آنا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو شخص قریش کی پناہ او عہد قبول کرنا چاہے وہ اس میں آزاد ہوگا، چنانچہ بنو بکر نے قریش کو ترجیح دی اور ان کی حمایت اور پشت پناہی قبول کی اور خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور پشت پناہی پسند کی۔

بنو بکر اور خزاعہ میں بہت پرانی دشمنی تھی، اور انتقامی کارروائیوں کا ایک سلسلہ جاری تھا، اور بعثت کے پہلے سے تھا، اسلام نے اگر ان دونوں کے درمیان ایک یو آر کھڑی کر دی، اور اس معاملہ کے سوا کسی اور چیز پر غور کرنے کی فرصت لوگوں کے پاس نہ ہوئی، جب یہ صلح ہوئی اور یہ دونوں قبیلے دو مخالف کیمپوں میں تقسیم ہو گئے، تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت جان کر خزاعہ سے اپنا حساب بے باق کرنا چاہا، بنو بکر کے کچھ لوگوں سے ساز باز کر کے خزاعہ پر اس وقت شیخوں مارا جب وہ پانی کے ایک چشمہ کے پاس مقیم تھے، لڑائی ہوئی اور خزاعہ کے

منعہر آدمی مارے گئے۔

قریش نے بنی بکر کی ہتھیاروں سے مدد کی، اور رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، قریش کے بڑے سردار اس جنگ میں شریک ہوئے، یہ لوگ خزاعہ کو دھکیلتے ہوئے حرم تک پہنچ گئے، حرم پہنچ کر قریش کے بعض لوگوں نے کہا، اب ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں، اپنے معبود کا خیال کرو، اپنے معبود کا خیال کرو، جو اب ملا کر آج کے دن کوئی معبود نہیں، بنی بکر آج بدلہ چکا لو اس کے بعد تمہیں موقع نہیں ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد

اس موقع پر عمرو بن سالم انحرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر بے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ اشعار پڑھے، اور اس میں آپ کے اور خزاعہ کے درمیان جو عہد و پیمان تھا، اس کا واسطے دے کر آپ کی حمایت و اعانت کے طالب ہوئے، نیز آپ کو اس کی اطلاع کی کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے، اور آپ کے عہد نامہ اور بیٹاق کو ختم کر دیا ہے، اور اس حالت میں جب وہ پانی پر تھے، انھوں نے ان پر شجوں مارا، اور رکوع و سجود کی حالت میں ہم لوگ قتل کئے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کو فرمایا: عمرو بن سالم! تمہاری ضرورت مدد ہوگی۔

آخری طور پر اتمامِ حجت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس خبر کی مزید تصدیق کر لی جائے،

تاکہ قریش کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات باقی نہ رہے، آپ نے ان کے پاس ایک آدمی کو بھیجا، اور اس کو یہ ہدایت کی کہ ان کے سامنے تین صندوقیں رکھے، ایک یہ کہ وہ خراجہ کے مقتولین کا "خون بہا" دیں، یا جس نے اس معاہدہ کو توڑا ہے، اور خراجہ پر حملہ کیا ہے، اس سے بے تعلقی کا اعلان کریں، یہ لوگ بنی بکر کی شاخ بنو نفا سے تعلق رکھتے تھے، یا پھر جیسا انھوں نے کیا ہے، وہی ان کے ساتھ کیا جائے گا، ان کے بعض سرداروں نے کہا کہ ہاں ہم برابر کا جواب پسند کریں گے، اس طرح قریش کی ذمہ داری سے مسلمان بری الذمہ ہو گئے، اور ان پر حجت قائم ہو گئی۔

معاہدہ کی تجدید کے لئے قریش کی کوشش

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ البوسفیان معاہدہ کی توثیق اور اس کی مدت میں توسیع کے لئے تمھارے پاس آئے ہیں، اور ایسا ہی ہوا قریش نے جو کچھ کیا تھا، اس سے ان کو ایک قسم کا اندیشہ لاحق ہوا، اور اس سخت جواب کو ناپسند کیا، جو بعض کم عقل لوگوں نے دیا تھا، اور ان کو اس پر چھینٹا دیا، انھوں نے البوسفیان ہی کو اس معاہدہ کی توثیق اور اس کی مدت میں توسیع کے لئے روانہ کیا، ماں باپ اور اولاد پر حضور کو توجیح

البوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے مدینہ آئے تو اپنی لڑکی

لہ زرقانی نے مواہب میں ابن عازم سے ابن عمر کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ چون جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے لئے بھیجا تھا، ان کا نام صفحہ تھا، اور قریش کے جس شخص نے اس کا جواب دیا تھا اس کا نام قرظ بن عمرو تھا، (دیکھئے شرح المواہب اللدنیۃ للزرقانی ج ۲ ص ۳۲۹)

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۳۲ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۹۵-۲۹۶

ام حبیبہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہؓ) کے گھر گئے، اور آپ کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا، لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روک دیا، انھوں نے کہا کہ بیٹی! میں نہیں سمجھا یا کہ تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اصلی بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ مشرک تباہ کیا کہ ہیں میں یہ نہ نہیں کرتی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھیں انھوں نے جواب دیا، یا خدا کی قسم ہم سے جدا ہونے کے بعد تم تو بہت بدل گئیں۔

ابوسفیان کی پریشانی اور ناکامی

اس کے بعد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، اور آپ سے گفتگو کی، لیکن آپ نے ان کو کوئی جواب نہ دیا، پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے، اور ان سے خواہش کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی طرف سے بات کر لیں، انھوں نے جواب دیا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتا، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم ان سب کو پہلے نے پھسلانے کی انھوں نے کوشش کی، لیکن ان حضرات میں سے کسی نے بھی اس کی ہامی نہ بھری، اور کہا کہ مسئلہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ ہم لوگ بول نہیں سکتے، ان کی جبرانی اور پریشانی اس قدر بڑھی کہ انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تم اپنے اس بچے کو (یہ کہنے ہوئے)

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۴۲ ویرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۹۶ اصل عربی کے الفاظ ہیں "واللہ

لقد اصابت بجدی شری" یعنی نیا دین قبول کرنے کے بعد نواب پہچان ہی نہیں پڑتیں، اور

اپنے دین و ایمان کے سامنے اپنے باپ کا بھی کچھ خیال نہیں۔

انہوں نے حضرت حسن بن علیؑ کی طرف اشارہ کیا جو پانچ سال کے خورد سال بچے تھے اور کھیل رہے تھے) اشارہ کر سکتی ہو کہ یہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے فریقین میں بیچ بچاؤ کر دیا، یہ کہہ کر وہ قیامت تک کے لئے عربوں کا سردار بن جائے گا، انہوں نے جواب دیا کہ میرا بچہ ابھی اس قابل نہیں ہوا (کہ ایسے اہم معاملات میں دخل دے اور فریقین میں بیچ بچاؤ کرے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی مرضی کے خلاف کوئی بھی صلح صفائی پر آمادہ نہیں کر سکتا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی پریشانی دیکھی، اور ان کو اندازہ ہوا کہ وہ کس کرب اور مصیبت میں ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت کوئی چیز بھی تمہارے کام آسکتی ہے تم نبی کنانہ کے سردار ہو کھڑے ہو اور خود لوگوں میں صلح صفائی کراؤ، پھر اپنے گھر کی راہ لو انہوں نے جواب دیا کہ کیا تمہارے خیال میں اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا بخیر میں تو ایسا نہیں سمجھتا لیکن میں تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں دیکھتا، یہ سن کر ابو سفیان سجد میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا لوگو! میں نے صلح کرا دی اس کے بعد اونٹ پر سوار ہوئے اور اپنا راستہ لیا۔ جب قریش نے یہ قصہ سنا تو کہنے لگے تم تو کوئی بات لے کر نہیں آئے، یہ کارروائی نہ ہمارے لئے مفید ہے نہ تمہارے لئے۔

مکہ کی تیاری اور حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم فرمایا، اور اس کا

اہتمام کیا کہ ساری باتوں کو خفیہ رکھا جائے، اس کے بعد آپ نے اپنی مکرروانگی کا اعلان کیا، اور لوگوں کو تیار رہنے اور سامان تیار رکھنے کی ہدایت کی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اے اللہ! اس کا انتظام فرما دے کہ قریش کا کوئی جاسوس اور مخبر اپنا کام نہ کر سکے اور ہم اچانک قریش کے سر پر پہنچ جائیں۔

مدینہ کا اسلامی معاشرہ بہر حال ایک انسانی اور بشری معاشرہ تھا، اور اس میں انسانی جذبات و احساسات اور خواہشات کی زندہ حقیقت اور واقعات کی وہ جھلکیاں موجود تھیں، جو کسی زندہ، فطری اور غیر مصنوعی معاشرہ میں ہوتی ہیں، اس لئے وہ صحیح کام بھی کرتے تھے، اور ان سے غلطیاں بھی ہوتی تھیں، ہو سکتا ہے وہ اپنے فیصلوں اور اقدامات میں بعض اوقات کسی تاویل سے بھی کام لیتے ہوں، اور اس تاویل میں وہ حق پر بھی ہوں، دراصل یہ ان تمام انسانی معاشرہوں کا خاصہ ہے، جن میں آزادی اور باہمی اعتماد کی فضا پائی جاتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کے کسی اقدام کو غلط سمجھتے تو ان کے لئے عذر تلاش کرتے، اور ان کے ساتھ رعایت و تسامح کا معاملہ فرماتے، ان غلطی کرنے والوں کے لئے آپ کا سینہ مبارک بہت گنہگار تھا، اور ان کی فضیلت اور دوستی و جہاد میں ان کے کارناموں اور اسلام کے لئے ان کی سابقہ خدمات کا آپ کو ہمہ وقت احساس رہتا تھا، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام نے ایسے کتر بلکہ نادر واقعات بھی محفوظ کر دیئے ہیں، جو بجا آئے خود ان کتابوں کی امانت و دیانت اور حق گوئی اور انصاف پسندی کی شہادت اور سند ہیں۔

ان واقعات میں حاطب ابن ابی بلنتہ کا واقعہ بھی ہے یہ ان لوگوں میں ہیں، جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے، روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ روانگی کے ارادے سے صحابہ کرام کو باخبر کیا، اور خاموشی کے ساتھ اس کی تیاریاں شروع ہو گئیں تو حاطب بن ابی بلنتہ نے ایک خط لکھا جس میں ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع تھی، انہوں نے یہ خط ایک عورت کے حوالہ کیا، اور اگر وہ اس کو بچھاؤت قریش تک پہنچائے تو اس کے لئے کچھ معاوضہ کا بھی وعدہ کیا، اس نے اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپایا اور روانہ ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غیبی طریقہ سے اطلاع ملی تو آپ نے حضرت علی و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم لوگ جاؤ جب تم روضۃ النخل (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) کے قریب پہنچو گے تو تم کو وہاں ایک مسافر عورت ملے گی جس کے پاس قریش کے نام یہ خط ہوگا، یہ دونوں گھوڑے دوڑانے ہوئے وہاں پہنچے اسی جگہ یہ عورت ان کو ملی، انہوں نے اس کو سواری پر سے اتارنے پر مجبور کیا اور کہا کہ تمہاریے پاس کوئی خط ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، انہوں نے اس کے سامان و اسباب کی تلاشی لی، لیکن کچھ نہ ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط نہیں ہو سکتی، نہ ہم غلط کہتے ہیں، بخدا تجھے یہ خط نکالنا پڑے گا، ورنہ ہم تیری جانمہ تلاشی لیں گے، جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ اس پر اڑے ہوئے ہیں تو اس نے کہا کہ منہ اُدھر کر لو، انہوں نے منہ اُدھر کر لیا، اس نے اپنے جوڑے کو کھول کر یہ خط نکالا، اور ان کے حوالے کیا،

یہ دونوں حضرات خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، یہ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا، جس میں قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو طلب فرمایا انھوں نے حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ سے نہ فرمائیں، خدا کی قسم میں اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں نے اپنا دین تبدیل کیا ہے نہ اپنی وفاداری، لیکن میرا قریش سے ویسا تعلق نہیں، جیسا ان مہاجرین کا ہے، جن کی ان میں قرابتیں اور خاندانی تعلقات ہیں، جو ان کے عزیزوں کے پشت پناہ بن سکتے ہیں، میرا معاملہ یہ ہے کہ میں صرف ان کا حلیف ہوں، میرے گھر کے لوگ اور بچے تو وہاں ہیں، لیکن ان کو خاندانی طور پر کوئی حمایت و پشت پناہی حاصل نہیں، میں نے سوچا کہ جب مجھے یہ چیز حاصل نہیں ہے تو میں ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس سے میرے خاندان کے لوگ محفوظ رہیں، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا یا رسول اللہ مجھے اجازت دے دیجئے، میں اسی وقت اس کی گردن اڑا دوں، اس لئے کہ اس نے

لہ حاطب ابن ابی بلتعہ کا تعلق قبیلہ نخع سے تھا، جو شمالی حجاز اور شام کے عربی قبائل میں سے ہے، وہ قریش میں کس کے حلیف تھے، اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں، ایک یہ کہ وہ بنی اسد ابن عبد العزیٰ کے حلیف تھے، کوئی ان کو حضرت زبیرؓ کا حلیف بتاتا ہے، کسی کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عبد المطلب کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (ملاحظہ ہو الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ للعلامة احمد بن محمد العسقلانی ج ۱ ص ۳۱۰)

شہور روایت کے مطابق مقوقس شاہ مصر کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر وہاں گئے تھے، مرزبان نے تمم الشعراء میں ان کو جاہلیت میں قریش کے شہسواروں اور شعراء میں شمار کیا ہے، مدائنی کے بیان کے مطابق ۳۳ھ میں زمانہ خلافت حضرت عثمانؓ میں ان کا انتقال ہوا۔

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے اور منافق لوگوں میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بدر میں شریک تھے، اور عمر تمہیں کیا معلوم کہ یہیں اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو مخاطب کر کے فرمادیا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہارے سب قصور سزا کر دیئے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مدینہ سے روانہ ہوئے لشکر اسلام دس ہزار صحابیوں پر مشتمل تھا "مر الظهران" میں آکر اس نے منزل کی، اس نقل و حرکت سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو بالکل بے خبر رکھا، اور وہ خوف و بے یقینی اور انتظار کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو گئے۔

پروانہ معانی

راستہ میں آپ کو آپ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان (ابن الحارث بن عبدالمطلب) ملے آپ نے ان سے منہ پھیر لیا، اس لئے کہ انھوں نے آپ کو بڑی ایذا پہنچائی تھی، اور آپ کی سبوحی تھی، انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس باب کا شکوہ کیا، انھوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روع مبارک کے سامنے کی طرف آؤ، اور وہ کہو جو برادرانِ نبوی نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا "تَاٰلِهٖ لَقَدْ اٰتٰرَاكَ اِلٰهًا عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ" (خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے، اور بے شک ہم خطاکار تھے) اس لئے کہ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ اچھی اور نرم بات کہنے میں آپ سے

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۷۷، صحاح میں بھی یہ قصہ مروی ہے ترجمہ کے وقت صحیح بخاری کے الفاظ پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ ۱۷ باب غزوة الفتح فی رمضان، صحیح بخاری، ۳ سورہ یوسف، ۹۱۔

کوئی بڑھ جائے، انھوں نے یہی کیا اور سامنے آ کر یہ آیت پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَنْزِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ بِمَغْفِرَةِ اللَّهِ لَكُمْ وَهُوَ أَذْهَمُ الشَّجِيئِينَ ۝ (آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم ہے) اس کے بعد بہت اچھے اور راسخ مسلمانوں میں ان کا شمار ہوا لیکن اسلام لانے کے بعد کچھ بھی انھوں نے شرم کے مارے آپ سے آنکھیں چار نہیں کیں۔

ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ آگ کے الاؤ روشن کئے جائیں، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی، اسی وقت ابوسفیان بن حرب جاسوسی کی غرض سے اوہ حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ادھر سے گزرے اور ان کے منہ سے نکلا کہ اس شان کا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، حضرت عباسؓ (بن عبدالمطلب) اس سے پہلے ہجرت کر چکے تھے، اور اس لشکر میں موجود تھے انھوں نے ابوسفیان کی آواز پہچانی، اور کہا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تشریف فرما ہیں، کل قریش کا انجام کتنا ہولناک ہوگا، پھر یہ سوچ کر کہ کوئی مسلمان ان کو دیکھے گا تو فوراً ان کا کام تمام کر دے گا، اپنے خچر کے پیچھے انھیں بٹھایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان پر پڑی تو آپ نے فرمایا ابوسفیان! تمہارا بھلا ہو، کیا ابھی تک اس کا

وقت نہیں آیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟
 انھوں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلیم اور کتنے کریم ہیں
 اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی
 اور معبود کا وجود ہوتا تو آج میرے کچھ کام آتا، آپ نے فرمایا ابوسفیان! خدا نہیں
 سمجھ دے کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ میں اللہ کا
 رسول ہوں؟!

ابوسفیان نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور
 کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے، اس بارے میں
 مجھے ابھی کچھ شبہ ہے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا: ”بندۂ خدا قبل اس کے کہ تمہاری گردن تلوار
 سے اڑا دی جائے اسلام قبول کرو، اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، میں کر ابوسفیان اسلام لائے اور
 شہادت دے کر اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے۔“

معافی کی صدائے عام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی اور امن و حفاظت کا دائرہ اس
 روز وسیع فرما دیا کہ ابن کعبہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہو سکتا تھا جو خود معافی
 و سلامتی کا خواہشمند نہ ہو اور اپنی زندگی سے سزا ہو، آپ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان

کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اس کو پناہ ملے گی، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا، وہ محفوظ ہے جو مسجد (حرام) میں داخل ہوگا اس کو امن ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شکر کو ہدایت فرمائی کہ مکہ داخل ہونے وقت صرف اس شخص پر ہاتھ اٹھائیں جو ان کی راہ میں حائل ہو اور ان کی مزاحمت کرے، آپ نے اس کا بھی حکم فرمایا کہ اہل مکہ کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے مثلہ میں مکمل احتیاط برتی جائے، اور اس میں مطلق دست درازی نہ کی جائے۔

ابوسفیان فتح کے جلوس کا نظارہ کرتے ہوئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں اسلامی دستوں کی پیشقدمی کا نظارہ ہو سکے۔ یہ فاتحانہ دستے سمندر کی اوچوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے، مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گذر رہے تھے، جب کوئی قبیلہ گذرنا تو ابوسفیان عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا نام دریافت کرتے، اور کہتے کہ مجھے اس قبیلہ سے کیا سروکار ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ایک مسلح دستے میں تشریف لائے، جو سبز معلوم ہو رہا تھا، یہ مہاجرین و انصار کا ایسا آہن پوش دستہ تھا کہ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔

ابوسفیان نے مینظر دیکھ کر کہا کہ خدا کی شان! عباسؓ یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے

لہ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۹۰ یہ روایت صحیح بخاری میں مختصر طور پر آئی ہے، باب ابن

رکز النبی الرأیة یوم الفتح! لہ ایضاً۔

جواب یہ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہاجرین و انصار کے جلو میں تشریف لے جائے ہیں انھوں نے کہا ان میں سے کسی کو اس سے پہلے یہ طاقت اور شان و شوکت حاصل نہ تھی، خدا کی قسم اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کا اقتدار آج کی صبح کتنا عظیم ہے انھوں نے کہا کہ ابوسفیان نے نبوت کا معجزہ ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اے قریش کے لوگو! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی طاقت کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں جس کا تم کو کبھی تجربہ نہ ہوا ہوگا، اب جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے گا اس کو امان دی جائے گی لوگ یہ سن کر کہنے لگے، اللہ تم سے سمجھے تمہارے گھر کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہم سب کو اس میں پناہ مل سکے؟ پھر انھوں نے کہا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا اس کو امان ملے گی جو مسجد (مسجد حرام) میں چلا جائے گا، اس کو امان ملے گی، چنانچہ لوگ منتشر ہو گئے، اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہوئے۔

نیاز مندانہ، نہ کہ فاتحانہ داخلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ سر مبارک عبدیت تو اصح کے غلبہ سے بالکل جھک گیا تھا قریب تھا کہ آپ کی ٹھوڑی اونٹنی کے کجاوہ سے لگ جائے آپ داخل ہوتے وقت سورۃ فتح پڑھ رہے تھے۔

لہ ایضاً ص ۴۰ و زاد المعاد ج ۱ ص ۲۲۲ لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۵۴ صحیح بخاری میں معاویہ بن

قرۃ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن اس حالت میں دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی پر تشریف رکھتے تھے، اور سورۃ فتح ترجیح کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے۔

مکہ کے اس فاتحانہ داخلہ میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب و جگر اور روحانی و سیاسی مرکز تھا) عدل و مساوات تو واضح اور اظہارِ عبدیت کا کوئی انداز نہ تھا جس کو آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو، اس لئے کہ جو آپ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) حضرت زید کے صاحبزادہ تھے، آپ نے اپنی سواری کے پیچھے جگہ دی بنی ہاشم اور انشرف قریش میں سے جن کی بڑی تعداد وہاں موجود تھی، یہ شرف کسی کو حاصل نہ ہوا، یہ واقعہ جمعہ کی صبح ۲۱ رمضان کا ہے۔

فتح کے روز ایک شخص نے آپ سے گفتگو کی تو اس پر کیسی طاری ہو گئی، آپ نے فرمایا ڈرو نہیں اطمینان رکھو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا لڑکا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔

معافی و رحم کا دن ہے خونریزی کا نہیں

جب سعد بن عبادہ جو انصار کے دستہ کے امیر تھے، ابوسفیان کے پاس سے گزرے، انھوں نے کہا "اليوم يوم المصمة، اليوم تستعمل الكعبة، اليوم اخل الله قريشا" (آج گھمسان کا دن ہے اور خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہو گا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کیا ہے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستہ میں ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انھوں نے آپ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے سنا سعد نے ابھی کیا کہا؟ آپ نے فرمایا کیا کہا ہے؟ انھوں نے وہ سب دہرا دیا، سعد کے جملہ کو آپ نے ناپسند فرمایا اور فرمایا "اليوم يوم"

لہ ابن کثیر ج ۳ ص ۵۵۵ صحیح بخاری کتاب المغازی "باب حجة الوداع"

المرحمة اليوم بيزادته قریشا، ويعظم الله الكعبة“ (ہمیں آج تو رحم
 ومعانی کا دن ہے آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزت عطا فرمائے گا، اور کعبہ کی عظمت بڑھائے گا)
 آپ نے حضرت سعدؓ کو بلوایا اور اسلامی پرچم ان سے لے کر ان کے صاحبزادے
 قیسؓ کے حوالہ کیا، آپ نے یہ خیال فرمایا کہ ان کے صاحبزادے کو پرچم دینے کے
 معنی یہ ہوں گے کہ گویا پرچم ان سے واپس نہیں لیا گیا ہے۔

اس طرح ایک حرف کی تبدیلی (الملحمة کے بجائے المرحمة فرمادینے) اور
 ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے تبدیل کر دینے سے (جن میں سے ایک باپ کا ہاتھ
 تھا، دوسرا بیٹے کا) آپ نے سعد بن عبادہ (جن کے ایمانی اور مجاہدانہ کارنامے
 اظہر من الشمس تھے) کی ادنیٰ دشمنی کے بغیر ابوسفیان کی (جن کو تالیف قلب
 کی ضرورت تھی) دجوتی کا سامان ایسے حکیمانہ بلکہ منجربانہ طریقہ پر انجام دے دیا،
 جس سے بہتر طریقہ پر تصویریں آنا مشکل ہے، باپ کے بجائے ان کے بیٹے کو منصب
 عطا کر دیا جس سے ابوسفیان کے زخم خوردہ دل کی تسکین منظور تھی، دوسری طرف
 آپ سعد بن عبادہ کو بھی آزرہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتے تھے، جنھوں نے
 اسلام کے لئے بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

لہ ابن اموی نے نمازی میں اس روایت کا ذکر کیا ہے (دیکھئے فتح الباری ج ۸ ص ۸) صحیح بخاری
 میں یہ ائمہ الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس میں سعد بن عبادہ کے سوال و
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا ذکر ہے، اموی کا پورا نام بھی بن عبد بن ابان ہے اور ان کا
 شمار معتز روایۃ میں ہے جس کے لئے حدیث کی اصطلاح میں صدوق کا لفظ آتا ہے، اصحاب صحاح نے
 ان سے روایت کی ہے، ان کی وفات ۵۹۵ھ میں ہوئی ۱۷۰ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۲۲

معمولی جھڑپیں

اس موقع پر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو اور خالد بن ولید کے ساتھیوں کے درمیان کچھ جھڑپیں ہوئیں، جن میں تقریباً ایک دو تین تک رہیں مارے گئے، اس کے بعد انھوں نے شکست قبول کر لی، اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے سالاروں کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوں تو صرف اس پر ہاتھ اٹھائیں جو ان پر ہاتھ اٹھائے۔

حرم سے بتوں کی صفائی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنے مقام پر پہنچ گئے اور لوگ بھی مطمئن ہو گئے تو اس وقت آپ باہر تشریف لائے، بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں جا کر بیت اللہ کے گرد طواف کیا، اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک کمان تھی، کعبہ میں نین تسو ساٹھ بت تھے آپ اس کمان سے ان بتوں کو کونچتے تھے اور فرماتے تھے:-

جَاءَ الْمُحِقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۝ حَقٌّ أَكْبَارٌ أَوْ بَاطِلٌ مِثْلُ كَيْفِ

إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ اور باطل ٹٹنے ہی کی چیز تھی۔

(سورہ اسراء: ۸۱)

اسی کے ساتھ یہ تمام ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے جاتے۔

آپ کو کعبہ میں کچھ تصویریں اور شبہیں بھی نظر آئیں اور آپ کے حکم سے

آج حسن سلوک اور پاس وفاقا دن ہے

جب آپ نے طوائف پورا فرمایا تو عثمان بن طلحہ کو جو کعبہ کے کلید بردار تھے بلوایا کعبہ کی کلید ان سے لی دروازہ کھولا گیا، اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے، اس سے پہلے جب آپ نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک دن یہ کلید طلب فرمائی تھی تو انھوں نے سخت جواب دیا تھا، اور آپ سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ نے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا عثمان! تم یہ کلید کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اُسے دے دوں گا۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا، اگر ایسا ہوا تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت و تباہی کا ہوگا۔ آپ نے فرمایا نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے۔ یہ الفاظ عثمان بن طلحہ کے دل نشین ہو گئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

جب آپ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کبھی آپ کے دست مبارک میں تھی آپ کو دیکھتے ہی حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا، اللہ آپ پر درود و سلام بھیجے آپ سفاہیہ (پانی پلانے کا انتظام) کے ساتھ حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) بھی ہمیں عطا فرمائیں، آپ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ ان کو بلایا گیا،

لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۲۵ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب (ابن رکز النبی صلے اللہ علیہ وسلم
الرأیة یوم الفتح) لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۲۵ صحیح بخاری میں بھی یہ واقعہ آیا ہے۔

آپ نے فرمایا عثمان! بویہ تمہاری کنجی ہے، آج حسن سلوک اور پاس و فاکادن پہ
یہ کنجی لوجو تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور ظالم کے سوا کوئی تم سے اس کو
چھین نہ سکے گا۔

توحیدِ حق اور وحدتِ انسانی کا دین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کعبہ سے نکلنے کے لئے اس کا دروازہ
کھولا تو قریش پورے حرم میں صفت بستہ کھڑے تھے اور نظر تھے کہ اب آپ
کیا کرنے والے ہیں، آپ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لئے، تمام لوگ آپ
کے نیچے تھے پھر آپ نے فرمایا:-

| | |
|-------------------------|-------------------------------------|
| لا إله الا الله وحده | ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں |
| لا شريك له صدق وعده | ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے |
| و نصر عبده وهزم الاحزاب | اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد |
| وحده، الاكل مأثرة ومال | کی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست |
| ودم فهو تحت قدحى هاتين | دی، یاد رکھو کہ تمام مغاخر، تمام |
| الاسدانة البيت وسقاية | انتقامات، خون بہا، سب میرے |
| الحجاج، يا معشر قریش | قدموں کے نیچے ہیں، صرف کعبہ کی |
| إن الله قد اذهب عنكم | تولیت اور حجاج کی آب رسانی |
| نفخة الجاهلية وتعظمها | اس سے مستثنیٰ ہیں، اے قوم قریش |

بالآباء الناس من آدم وادم
اب جہالت کا غرور اور نسب کا
من تواب۔
افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ
آدم کی نسل سے ہیں اور آدم نسی
سے بنے تھے۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ
لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت
سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنا
تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور
خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا
وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، جسے خدا
سب کچھ جاننے والا (اور) سب خبر دلا

(سورہ حجرات ۱۳)

نبی رحمت

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد
فرمایا، اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟
انہوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس و شریف بھائی
ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا میں تم سے
وہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لَا تَشْرِيْتِ عَلَيْكُمْ اِلٰهًا اِذْ هُمْ بِهَا
فَاَنْتُمْ اَطْلَقْتُمْ عَلَيْهِ
آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم
سب آزاد ہو۔

اس کے بعد آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں قریش
کے سب سرداران اور اشراف نے یہ اعلان سنا اور وادی مکہ اذانِ حق سے گرج اٹھی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام بانی (بنت ابی طالب) کے گھر تشریف لے گئے
عقل فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے شکرانہ میں آٹھ کھتیں صلاۃ الفتح (فتح کی ناز) کی ادا فرمائی۔

حدود شرعیہ کے اجراء میں کوئی امتیاز روا نہیں

بنی مخزوم کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا، اس غزوہ میں چوری کی اس کی
برادری کے لوگ سامہ بن زید کے پاس اس خیال سے کہ وہ رسول اللہ کو بہت عزیز
ہیں حاضر ہوئے اور سفارش کرنا چاہی، انھوں نے جب اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ کے رونے مبارک کا رنگ بدل گیا، آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے
اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد میں کسی حد کے متعلق بات کر لے ہو اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض
کیا یا رسول اللہ آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں شام کے وقت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے خطاب فرمایا پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی
جو اس کی شان کے لائق ہے پھر فرمایا:-

اما بعد! تمہارے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے تھے کہ ان میں سے جب کوئی
شرعی اور ذمی حیثیت آدمی چوری کرتا تھا، تو وہ اس کو چھوڑ دیتے تھے ضعیف و کمزور

لہذا طلحہ ماجہ ۱/۲۲۳، صحیح بخاری باب (منزل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لیا الفتح) و زاد المعاد
ج ۲۲۵

شخص چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میرا س کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ پھر اس کے بعد اپنے حکم دیا کہ اس عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ گئے، خلوص دل سے اس نے اس عمل بد سے توبہ کی اس کے حال اس قدر گئے اور اس شادی بھی کر لی۔

اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

جب فتح مکمل ہو گئی اور سب لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان عطا فرمائی ہوئے تو آدمیوں کے جن کے قتل کا حکم ہوا خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے اندر تھے ان میں کوئی وہ تھا، جو اسلام لانے کے بعد زندہ ہو گیا، کسی نے فریب دے کر کسی مسلمان کو قتل کیا تھا، کسی نے آپ کی بیچو کو تفریح طبع کا سامان بنایا تھا، اور اس کو لوگوں میں پھیلاتا تھا، ان میں عبد اللہ بن سعد بن ابی اسرح بھی تھا جو زندہ ہو گیا تھا، عکرمہ بن ابی اہل تھا، جو اسلام کے غلبہ اور اس کے دور دورہ سے نفرت کی بنا پر اور جان کے خوف اپنا وطن چھوڑ کر گریں چلا گیا تھا، اس کی بیوی نے اس کے فرار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان طلب کی آپ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ روئے زمین پر آپ کے بزرگین دشمن کا لڑکا ہے، اس کو امان دی اور خوشی اور استقبال میں اس طرح اس کی طرف نپکے کہ چادری بھی جم اٹھر سے ہٹ گئی تھی۔ عکرمہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرت ہوئی، اسلام میں ان کو کھانا مقام حاصل ہوا، از تداد کی جنگوں اور شام کے معرکوں میں انھوں نے بڑی خدمات انجام دیں۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا ابی دنا حمزہ کے قاتل

لہ بخاری و سلم، دیکھئے بخاری میں (باب مقام ابی صلی اللہ علیہ وسلم بمکہ من الفتح)

(جبرائیلؑ کے غلام) وحی بھی تھی، جن کا خون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح کر دیا تھا، لیکن وہ اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔ ان میں ہتبار بن الاسود بھی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پہلو پر نیزہ سے حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ اونٹ سے ایک چٹان پر گر پڑیں اور اسقاط حمل کا واقعہ پیش آیا، اس کے بعد وہ بھاگ گیا، بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا، اور سارہ اور ڈو ایک درگاہ والیوں (جو آپ کی بھویں کہے گئے اشعاً کو گاتی تھیں) کے سلسلے میں بھی آپ سے امان چاہی گئی، آپ نے ان دونوں کو امان دیا اور وہ دونوں مسلمان ہو گئیں۔

ہند بنت عتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ

مگر میں ایک صحیح آپ سے اسلام پر بیعت کرنے کے لئے اکٹھا ہو گیا، آپ ان کو بیعت کرنے کے لئے کوہ صفا پر تشریف لائے اور وہاں بیٹھ کر ان سے اللہ و رسول کی سمع و طاعت پر (جہاں تک ان کے اندر اس کی قوت ہو) بیعت لی۔

جب مردوں کو بیعت کر کے آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے عورتوں سے بیعت لی، ان میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھیں، وہ نقاب میں تھیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھوں نے جو کچھ کیا تھا اس کی وجہ سے اپنے کو ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی، ہند نے کہا خدا کی قسم آپ ہم سے وہ اقرار لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔

”اور چوری نہ کروگی“ ہند نے پھر کہا کہ میں نے ابوسفیان کے مال میں کچھ تھوڑا
تھوڑا لیا ہے، میں نہیں جانتی تھی کہ ایسا کرنا حلال ہے یا حرام، ابوسفیان نے یہ سن کر جو
اس وقت موجود تھے کہا کہ جہاں تک گذشتہ کا تعلق ہے تم اس سے آزاد ہوو تمہارے
لئے حلال ہے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم غنیمت کی بیٹی ہند
ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، آپ جو کچھ گذشتہ قصور سرزد ہوئے ہیں ان کو معاف
کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، پھر آپ نے فرمایا ”اور زنا نہ کروگی“ اس نے
کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟
اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا ”اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی“ اس نے انہوں کو کہا
جب تک وہ بچے رہے ہم نے انہیں پالا جب بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کیا
اب آپ جانیں اور وہ جانیں!

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کوئی کھلا ہوا بہتان نہ باندھوگی، ہند نے کہا، بخدا
بہتان تراشی بہت معیوب اور قبیح بات ہے اور بعض مواقع پر چشم پوشی اور درگزر کیا دیکھتا
آپ نے فرمایا ”اور میری نافرمانی نہ کروگی“ اس نے کہا ہاں اچھی باتوں میں!

تمہارے ہی ساتھ جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنے ہے

جب اللہ تعالیٰ نے مکہ سے روانے اللہ کے رسول کے لئے کھول دیئے جو آپ کی
جائے پیدائش اور ملی وطن تھا تو انصائی نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا دل و وطن فتح فرما دیا ہے، اب آپ یہیں قیام

لے لیتے ہیں کثیر ج ۳ ص ۵۱، ۵۲ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۵-۱۰۳ ابن کثیر کے سوا دیگر مصادر سے مولیٰ اضافہ
کے ساتھ۔

فرمائیں گے، مدینہ واپس نہ ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا بات کہتے تھے، اس بات کو ان کے سوا کوئی اور نہ جانتا تھا، یہ لوگ اس پر بہت شرمندہ ہوئے اور آخر میں اعتراض کر لیا، آپ نے فرمایا "معاذ اللہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، جینا بھی تمہارے ساتھ ہے اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے!"

دشمنوں نے آنکھیں بچھائیں اور فاسق و فاجر متقی و پرہیزگار بن گئے!

فضالہ بن عیمر کی نیت خراب ہوئی اور اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوان میں مشغول ہوں تو اس وقت وہ کام کر لیا جائے جو کسی متقی سے نہیں ہو سکا تھا، جب وہ اس ارادے سے آپ کے قریب آیا تو آپ نے اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا فضالہ! اس نے کہا جی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا کہ تمہارے دل میں اس کو کیا آ رہا تھا، اس نے کہا کچھ نہیں اللہ کو یاد کر رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسنے پھر فرمایا، اللہ سے معافی چاہو، پھر اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اس کا دل اسی وقت پرسکون ہو گیا، فضالہ بیان کرتے تھے کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے ہٹایا یہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں میرے لئے آپ سے زیادہ محبوبے کی اور تمہارے انھوں نے کہا کہ اس کے بعد میں اپنے گھر کی طرف چلا راستہ میں مجھے وہ عورت ملی جس سے میں کچھ باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا کہ اے فضالہ بیٹھیں کچھ بات کریں، فضالہ کا جواب تھا، اللہ اور اسلام اب اس کی اجازت نہیں دیتا۔

جاہلیت کے آثار اور بت پرستی کے نشانات کا خاتمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے چاروں طرف جتنے بت تھے، ان کو ختم کرنے کے لئے سراپا بھیجے اور یہ سارے کے سارے بت پاش پاش کر دیئے گئے، ان میں "لات و عزیٰ" اور "منات" کے بت بھی شامل تھے، اس کے بعد آپ کے منادی نے مکہ میں اعلان کر دیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے گھر کے ہر بت کو توڑ دے، آپ نے اصحاب کرام میں سے کچھ آدمیوں کو مختلف قبائل میں بھیجا اور انھوں نے وہاں جا کر بت شکنی کا مقدس فریضہ انجام دیا۔

جرید روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک بت خانہ تھا جس کا نام "ذوالخلصہ" تھا، اسی طرح "الکعبۃ الیمانیہ" اور "الکعبۃ الشامیہ" کے نام سے بت خانے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم اس ذوالخلصہ کو پاش پاش کر کے مجھے راحت نہ پہنچاؤ گے؟ جرید کہتے ہیں کہ میں ڈیڑھ سو شہسواروں کو لے کر (جو احمص کے تھے) اور یہ لوگ شہسوار بنائے جاتے تھے) وہاں گیا، اس بت کو بھی توڑ ڈالا اور جتنے لوگ اس وقت اس بت کے پاس حاضر تھے، ان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، اس کے بعد میں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر سنائی آپ نے ہمارے لئے اور احمص کے لئے دعا فرمائی!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کھڑے ہو کر اس کی حرمت و عظمت کا اعلان کیا اور ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر

ایمان لایچکا ہے یہ جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی شخص کے لئے یہاں ایسا کرنا جائز تھا اور نہ میرے بعد کبھی کسی کے لئے جائز ہوگا اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے۔

فتح مکہ کے اثرات

فتح مکہ کا عربوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر پڑا اللہ تعالیٰ نے ان کے دل قبول اسلام کے لئے کھول دیئے اور انھوں نے وفوں اور جماعتوں کی شکل میں لکھنؤ کی بکثرت اسلام قبول کرنا شروع کیا، کچھ ایسے قبیلے تھے، جو قریش کے ساتھ کسی نہ کسی معاہدہ سے وابستہ تھے اور اس معاہدہ کی پابندی ان کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن رہی تھی، کچھ قبیلے قریش سے ڈرتے تھے اور قریش کی بڑائی و عظمت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی، جب انھوں نے دیکھا کہ خود قریش نے اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور تسلیم خم کر دیا ہے تو ان کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا، اور یہ رکاوٹ دور ہو گئی۔ بعض قبیلے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ مکہ میں کوئی ظالم و جاہل داخل نہیں ہو سکتا ہے، اس کو بُری نیت سے فتح کر سکتا ہے، ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے سامنے واقعہ قبیل پیش آیا تھا، اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ابراہیم کا کیا انجام ہوا، وہ کہتے تھے جانے دو، ان کے اور ان کی قوم کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں، اگر وہ ان پر غالب آئے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ نبی برحق ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر مکہ کو فتح فرمایا اور قریش خواستہ یا

لہ زاد المعاد ج ۱، ۲۲۵-۲۲۶، ص ۲۲۶ صحیح بخاری روایت عمرو بن سلمہ عن ابی نضال نقلاً عن ابی بکر (من الفتح)

نخو استہ اسلام کے سامنے تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تو عربوں کا اسلام کی نظر ایسا رجوع عام ہوا کہ اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ان کی بڑی بڑی جماعتیں اور قبیلے آپ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنے نصیبِ شخصتہ کو سیدار کرتے اسی موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:-

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحِ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا
جب اللہ کی مدد آپہنچی اور فتح
(حاصل ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ
لوگ غول کے غول خدا کے دین میں
داخل ہو رہے ہیں۔ (سورۃ النصر-۱-۲)

کسین امیر

مکہ کو الوداع کہنے سے پہلے آپ نے عتاب بن اُسید کو مکہ کے معاملات اور حج کے انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے امیر مقرر کیا، ان کی عمر اس وقت بیس سال کے لگ بھگ تھی، حالانکہ ان سے زیادہ سن رسیدہ بزرگ اور اربابِ فضل و کمال اس وقت موجود تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ عہدے اور منصبِ اہمیت اور قوت و صلاحیت کی بنیاد پر ملتے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ان کو اس عہدے پر بدستور باقی رکھا۔

۱۵ استفادہ از "رحمۃ للعالمین" مؤلف مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری؟

۱۵ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۴ ۱۵ الاصابۃ واسد الغابۃ۔

غزوة حُنین

(شوال ۶۱۰ھ)

شمع اسلام کو پھونکوں سے بچانے کی ایک وزنا کا کوشش
 جب فتح مکہ کی تکمیل ہو گئی اور لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں اسلام
 قبول کرنا شروع کیا تو اس وقت گرد و پیش کی آبادی نے اسلام اور مسلمانوں کے
 خلاف اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا یہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے مقابلہ اور جزیرۃ العرب میں اسلام کے فروغ اور اشاعت کو روکنے کی ایک باوسانہ
 کوشش تھی۔

ہوازن کا اجتماع

قبیلہ ہوازن قریش کے بعد نبرد و کی طاقت سمجھی جاتی تھی ان کے اور
 قریش کے درمیان رقابت اور مقابلہ کا جذبہ پہلے سے موجود تھا چنانچہ قریش نے
 اسلام کی اُچھرتی ہوئی طاقت کے سامنے ہتھیار رکھ دیئے اور اپنی شکست تسلیم
 کر لی لیکن ہوازن نے اپنا تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ اس کے اندر یہ جذبہ
 اور شوق پیدا ہو گیا کہ اسلام کی بیخ کنی کا سہرا اُس کے سر بندھے اور عرب میں

اس کے اس کارنامہ کی شہرت ہو اور لوگ کہیں کہ جو کام قریش نہ کر سکے، اس کو ہوازن نے کر دکھایا۔

قبیلہ کے سردار مالک بن عوف النصری نے اعلان جنگ کیا، خود ان کے قبیلہ ہوازن کے ساتھ پورے قبیلہ ثقیف اور قبائل "نصر و حثم" اور سعد بن بکر نے ان کی آواز پر لبیک کہا، کعب اور کلاب نے ان کی حمایت نہیں کی، سب نے مل کر صف آرائی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش قدمی کا پروگرام بنایا اور مال و متاع، عورتیں اور بچے لشکر کے ساتھ رکھے تاکہ گھروالوں کی عزت و ناموس کے خیال سے وہ پامردی سے مقابلہ کریں اور راہ فرار اختیار نہ کر سکیں۔

اس معرکہ میں دُرید بن الصتمہ بھی شریک تھا، جو ایک سن رسیدار تجربہ کار شخص تھا، اہل رہبت عقلمند اور صائب الرائے سمجھا جاتا تھا، ان کا یہ لشکر "اوطاس" میں اُترا، حالت یہ تھی کہ اونٹوں کی بلبلاہٹ گدھوں، بچروں کی چیخ بکار بکریوں کے میلنے اور بچوں کے رونے چلانے سے لشکر کے اندر ایک شور برپا تھا، مالک بن عوف (سردار قبیلہ) نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ تم مسلمانوں کو دیکھنا تو اپنی تلواروں کے نیام توڑ دینا اور ایک ساتھ پوری طاقت سے حملہ کرنا۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے دو ہزار مسلمان تھے جن میں سے کچھ لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے، کچھ لوگوں کے ابھی اسلام قبول کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اس کے علاوہ آپ کے اصحاب کرامؓ اور فدائیانِ اسلام کی

۱۵ قبیلہ ہوازن کے علاقہ میں طائف کے نزدیک ایک مقام ہے جہاں غزوہ حنین پیش آیا۔

دس ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی، جو مدینہ سے آپ کے ساتھ نکلے تھے، اس طرح ان کی تعداد اب تک کے تمام غزوات سے زیادہ تھی، یہ دیکھ کر کچھ مسلمان کہنے لگے کہ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھا سکتے، کثرت تعداد پر ان کو ایک طرح کا ناز سا ہو گیا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے (باوجود اس کے کہ وہ مشرکین میں سے تھے) کچھ زبیں اور ہتھیار وغیرہ مستعار لئے اور ہوازن کے موکر کی نیت سے تشریف لے چلے۔

اب بت پرستی واپس نہیں آسکتی خواہ کسی شکل میں ہو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لشکر میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو ابھی ابھی تازہ تازہ جاہلی زندگی کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے تھے، قصہ یہ تھا کہ عرب میں بعض قبائل کو ایک بڑے اور سرسبز درخت سے جس کا نام "ذات النواط" تھا خاص عقیدت تھی، وہ اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، قربانیاں کرنے تھے، اور ایک دن اس کے نیچے قیام کرتے تھے، چنانچہ جب دوران سفر میں یہ درخت انھیں نظر آیا تو جاہلیت کی ان قدیم رسموں اور باتوں کو یاد کر کے اور ان زیارت گاہوں کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بے ساختہ کہنے لگے یا رسول اللہ! جیسا ان لوگوں کا "ذات النواط" تھا، ویسا ہی ایک ہمارے لئے بھی مرکز عقیدت تجویز فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ سن کر فرمایا، الشراکیر! اس کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم نے مجھ سے ایسی فرمائش کی ہے، جیسے موسیٰ کی قوم (یہود) نے موسیٰؑ سے کی تھی اور کہا تھا "اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ" (آپ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسے ان کے بہت سے معبود ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ تم بڑی جہالت کی باتیں کرنے والی قوم ہو) پھر آپ نے فرمایا "بے شک تم اپنی پیشرو قوموں کی ایک ایک بات اور طریقہ کی پیروی کرو گے"۔

وادی حنین میں

جب سلمان وادی حنین میں پہنچے تو سوال کی دس تا بیخ (سہ) تھی، انھوں نے صبح کے دھند لکے میں نشیب کی طرف اتنا شروع کیا ہوا زن ان سے پہلے اس وادی میں پہنچ چکے تھے اور اس کی گھاٹیوں، تنگ راستوں اور آڑوں میں کین گاہیں اور روڑے بنا لئے تھے، مسلمانوں کو صرف اتنا نظر آیا کہ انھوں نے ان کو اپنے تیروں پر رکھ لیا ہے اور تلواریں بے نیام ہیں انھوں نے ایک ساتھ اور ایک وقت میں بھر پور حملہ کیا، وہ مانے ہوئے تیر انداز تھے۔

اکثر مسلمان اس اچانک حملے سے گھبرا کر پیچھے کی طرف پلٹے کوئی کسی کو دیکھتا نہ تھا کہ وہ کہاں ہے، یہ ایک خطرناک اور فیصلہ کن لمحہ تھا، اور قریب تھا کہ جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے خلاف پلٹ جائے، پھر اس کے بعد ان کو سنبھلنے اور اپنا مرکز قائم رکھنے کی بھی گنجائش

۱۔ سورۃ الاعراف - ۱۳۸ ۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۴۲، اصل روایت صحاح میں بھی ہے۔

۳۔ ابن ہشام ص ۲۴۲-۲۴۳ ۴۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴۶

نہ رہے یہاں جو کچھ ہوا وہ غزوہٴ احد سے بہت مشابہ تھا، جب یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور وہاں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔

دشمنوں کی شہادت اور ضعیف الایمان لوگوں کی لغزشیں

مکہ کے اکھڑ لوگ جو آپ کے ہمراہ اس لشکر میں تھے اور جن کے دلوں میں ابھی ایمان اترانہ تھا، ہزیمت کی شکل دیکھ کر مختلف باتیں کرنے لگے، دلوں کا چھپا ہوا کینہ اس وقت ان کی زبانوں پر آ گیا، انھوں نے کہا اب سمندر سے ادھر ان کی ہزیمت کا سلسلہ ختم نہ ہوگا، بعض لوگ کہنے لگے آج ان کا جاوٹ ٹوٹ گیا۔

فتح اور سکینت

مسلمانوں کو جس قدر نادید اور تنبیہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھی وہ ہو گئی اور کثرت تعداد پر خوش ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح کی صلاحات کے بعد پھر شکست کی تلخی کا مزہ بھی چکھایا تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو اور فتح سے ان کے اندر کوئی اتر اہٹ اور ہزیمت سے کسی قسم کی مایوسی پیدا نہ ہو تو اس پھر ان کو حملہ کی پوزیشن میں پہنچا دیا، اور اپنے رسول اور تمام مسلمانوں پر ایک قسم کی سکینت نازل فرمائی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے سفید رنگ خچر (شہباء) پر اپنی جگہ اسی طرح بے غور و بے تردد تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ ہاجرین، انصار اور اہل بیت کے بہت کم افراد باقی رہ گئے تھے، عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

۱۰۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ۲۴۲-۲۴۳ اختصار کے ساتھ۔

آپ کے حجر کی لگام تھامے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے۔

انا النبي لا كذب _____ انا ابن عبد المطلب

میں پیغمبر صادق ہوں _____ میں فرزند عبد المطلب ہوں

اس حالت میں جب مشرکین کے دستے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمنوں کی آنکھوں میں دوڑا اس طرح پھینک دی کہ وہ ان کی آنکھوں میں بھری۔ جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر شخص اپنی فکر میں ہے تو ارشاد ہوا کہ عباس یہ آواز دو کہ "يا معشر الانصار يا اصحاب السمره" (اے انصار اے "بول" کے درخت والو) انھوں نے سنتے ہی کہا البیک البیک ان کی آواز بہت بلند تھی جب ان کی آواز کسی آدمی تک پہنچی تو وہ اسی وقت اپنے اونٹ سے کود پڑا اور اپنی تلوار اور ڈھال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو جاتا، جب ایک جماعت اس طرح تیار ہو گئی تو انھوں نے کفار سے مقابلہ شروع کر دیا اور دونوں فریق گتھے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستہ کے ساتھ بندی پر تشریف لائے آپ نے دیکھا کہ دونوں فریق برسرِ بیکار ہیں میٹر دیکھ کر آپ نے فرمایا اب تورگرم ہو گیا ہے (زور کارن پڑا ہے) اس کے بعد آپ نے کچھ کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں برابر دیکھتا رہا کہ دشمن کی تیزی ماند پڑ رہی ہے اور وہ پسپا ہوتے نظر آ رہے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری (باب قوله تعالى اذ اعجزتكم عن القتال) اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ابو بھیان بن امارت آپ کے سفید حجر کی باگ تھامے ہوئے تھے یہ روایت صحیح مسلم باب غزوة حنین میں بھی ہے ۲۔ اس سے مراد وہ درخت ہے جس کے نیچے انھوں نے حدیبیہ میں بیعت و صلح کی تھی عربی میں بول کے درخت کو سمرۃ کہتے ہیں اس لئے اصحاب سمرۃ کا لقب لگایا۔ ۳۔ تیسرا ہجرت نام ۴۔ صحیح ابی الویس تورگرم ہو گیا ہے اس موقع پر اس عربی محاورہ کا استعمال سب سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے ہوا ہے ۵۔ صحیح مسلم

دونوں فریق اچھی طرح لڑے اور اچھی شکست کھا کر لوگ پوری طرح واپس بھی نہیں ہوئے کہ ان کے قیدی جن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر نظر آئے، اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کے فرشتے نازل فرمائے اور پوری وادی اُن سے بھر گئی، اس طرح ہوازن کی شکست اتمام تک پہنچی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ
كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ أُحَیْمَرٍ إِذْ أَخْرَجْتُمْ
كُرُوكُمْ فَلَمْ تَفْنَوْا عَنْكُمْ شَيْئًا
وَمَوَاطِنَ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَنَ
كُؤِيبَتٍ تُمْرُ وَيَلِيغُ مَدْيَنَ بِرِيبٍ
تُمْرَ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا
وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلَكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

(سورۃ التوبہ - ۲۵-۲۶)

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ
عربوں کے سینہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو آگ سُلگ رہی تھی وہ

لے سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۵ لے ایضاً ص ۴۴۹ صحیح مسلم میں کتاب الجہاد والسیر
کے تحت غزوة حنین کے باب میں یہ واقعہ با تفصیل بیان کیا گیا ہے۔

غزوہٴ حنین کے بعد ٹھنڈی پڑ گئی، اس لئے کہ اس لڑائی نے ان کی باقی ماندہ طاقت بھی ختم کر دی اور ان کے ترکش کے سارے تیر بیکار کر دیئے، ان کی جمعیت ذیل اور پراگندہ ہو گئی، اور ان کے دل قبولِ اسلام کے لئے کھل گئے۔

اوطاس میں

ہوازن کی شکست کے بعد ان کے ایک گروہ نے جس میں سردار قبیلہ مالک بن عوف بھی تھا، طائف میں جا کر پناہ لی، اور وہاں اپنے کو قلعہ بند کر لیا ایک دوسرے دستہ نے جبلِ کُرّ اوطاس میں پڑاؤ ڈال دیا، ان کے تواق کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سرتیہ ابو عامر الاشعری کی سرکردگی میں روانہ فرمایا جس نے ان سے جہاد کیا اور ان کی شکست دی، حنین کا مالِ غنیمت اور باندیاں وغیرہ آپ کے پاس پہنچیں تو آپ نے ان سب کو حیرانہ بھجوا دیا اور ان کو وہاں حفاظت و حراست میں کر لیا گیا۔
غلاموں اور باندیوں کی تعداد چھ ہزار تھی، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ، اس کے علاوہ چار ہزار اوقیہ چاندی، اس میں شامل تھی، یہ سب بڑا مالِ غنیمت تھا جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہٴ حنین میں اپنے اصحاب کرام اور فقہائے جہاد کو حکم صادر فرمایا کہ کسی بچہ عورت، مرد، یا غلام پر جو کام کاج کے لئے ہونا تھنا نہ اٹھایا جائے، آپ نے ایک عورت کے قتل پر جو حنین میں ماری گئی، تائیف کا اظہار فرمایا۔

۱۵ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۱ ۱۶ حیرانہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق راستہ پر ایک اہم منزل ہے۔

۱۷ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۵۹ ۱۸ سیرت ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۸

غزوة طائف

(شوال ۱۰ھ)

ثقیف کے باقی ماندہ دستے

ثقیف کے باقی ماندہ دستے طائف چلے آئے، اور یہاں آکر شہر کے دروازے بند کر لئے، قلعہ کے اندر انہوں نے ایک سال کے غلہ کا انتظام کر لیا، اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سرکوبی کے ارادہ سے طائف کی طرف تشریف لے چلے اور اس کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا لیکن مسلمان اس میں داخل نہ ہو سکے اس لئے کہ تمام دروازے پہلے ہی سے بند کر لئے گئے تھے، ثقیف نے مسلمانوں پر سخت تیر اندازی شروع کی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تیر نہیں ٹڈیوں کا شکر ان پر ٹوٹ پڑا ہے، ثقیف کے لوگ اچھے تیر انداز سمجھے جاتے تھے۔

طائف کا محاصرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر لشکر کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور کوئی پچیس تیس دن تک ان کا محاصرہ رکھا، اس درمیان میں ان سے سخت لڑائی ہوتی رہی اور دونوں طرف سے خوب تیر اندازی ہوئی، اس محاصرہ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار مخفی (ایک قسم کی توپ) استعمال کی، محاصرہ بہت سخت تھا، مسلمانوں کے کئی آدمی کفار کے تیروں سے شہید ہوئے۔

میدان جنگ میں رحم ولی

جب محاصرہ اور جنگ نے طول کھینچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیظ کے انگوڑے کاغذ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا، انہی کاغذ پر ان کی معیشت کا سارا دار و مدار تھا، لوگوں نے ان کو کاٹنا شروع کیا تو انھوں نے آپ سے درخواست کی، اللہ کے لئے اور رشتہ کا خیال کر کے ان کاغذ کو چھوڑ دیں، آپ نے فرمایا، بے شک میں اس کو اللہ کے لئے اور رشتہ کی بنیاد پر چھوڑتا ہوں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نادی کروادی کہ جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے، چنانچہ بیپکار سن کر دشمن سے کچھ اور آدمی نکلے جن میں ابو بکر بھی تھے، جو حدیث کے ایک بڑے راوی اور عالم صحابی ہیں، آپ نے ان سب کو آزاد فرمایا اور ہر آدمی کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی، یہ بات طائف والوں کو بہت گراں گذری۔

محاصرہ کا خاتمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف فتح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے

لے بیٹ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۳-۲۸۸ باختصار ۱۵ ثابہ قبیلہ بنی سعد کی طرف اشارہ ہو جس میں آپ نے اپنی رضاعت کے دن گزارے تھے ۱۶ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۷ بروایت ابن اسحاق۔

نہیں ہوا، اس لئے آپ نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ واپسی کا اعلان کر دیں انہوں نے واپسی کا اعلان کیا تو لوگوں میں بہت شور ہوا، اور وہ کہنے لگے کہ ہم بغیر طائف فتح کئے کیسے چلے جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا قتال کے لئے چلو، انہوں نے قتال کا آغاز کیا اور اس کے نتیجے میں ان کو سخت چوٹیں پہنچیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ہم کل صبح انشاء اللہ واپس چلیں گے مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سفر کی تیاری کر کے روانہ ہونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔

حُنین کے باندی غلام اور مال غنیمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حبرانہ میں قیام کیا اور ہوازن کو اس کا موقع دیا کہ دس دس دن کے اندر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، پھر آپ نے مال غنیمت کو تقسیم فرمایا، فرمایا گیا، اور ٹولفہ انقلوب (یعنی وہ لوگ جن کو دل داری اور نالیفہ قلب کے لئے حصہ دیا جاتا تھا) کا حق سب سے پہلے آپ نے عنایت فرمایا، ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں زید و معاویہ کو آپ نے دل کھول کر عنایت فرمایا، حکیم بن الحرام، نضر بن الحارث، علماء بن الحارثہ اور ان کے علاوہ سردارانِ قریش کو بھی بہت قیامی کے ساتھ اور کثیر مقدار میں عطا فرمایا پھر آپ نے

لے حوالہ سابق — صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ تھوڑے حذوف و اضافہ کے ساتھ آیا ہے

ہنسنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ کل جب آپ کے لئے کہا گیا تھا تو لوگوں کو تردد ہوا اب جب چشمِ نیم ہونچے تو خوشی خوشی تیار ہو گئے، آپ کو فطرت انسانی کی اس نیرنگی پر ہنسی آئی۔

عام مالِ غنیمت منگوایا اور تمام لوگوں کو طلب فرما کر ان میں اس کو تقسیم کر دیا۔

انصار کی محبت اور ان کا ایثار

اس تقسیم پر جس میں قریش کے سزا روں اور رؤفہٗ القلوب کا بہت بڑا حصہ تھا، اور انصار کا بہت معمولی، کچھ انصاری نوجوانوں میں چرمیگوئیاں شروع ہو گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر انصار کو ایک احاطہ میں جمع کیا اور ان کے سامنے ایک ایسا ٹوٹرا اور طافٹور خطبہ دیا کہ ان کے دل کے تار جھنخنا اٹھے آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور محبت و شوق کا ایک چشمہ ان کے دلوں میں ابل پڑا۔

آپ نے فرمایا "کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم سب گمراہ تھے، پھر میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی، تم غریب اور مفلس تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں دولت مند کیا، تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا؟"

ان سب نے جواب دیا "اللہ اور اس کے رسول کا فضل و احسان سب سے زیادہ ہے، جب وہ خاموش ہوئے، آپ نے فرمایا:-

اے انصار! کیا تم مجھے اس سوال کا جواب دو گے؟ انھوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ! ہم اس بات کا آپ کو کیا جواب دے سکتے ہیں؟ سارا فضل و احسان اللہ اور اس کے رسول کا ہے!"

آپ نے فرمایا "نہیں! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم جو کہو گے سچ ہوگا،

اور میں اس کی تائید کروں گا کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کو سچا تسلیم کیا۔ سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی آپ کو لوگوں نے بے خانماں کر دیا تھا، ہم نے آپ کو پناہ دی آپ کا ہاتھ خالی تھا، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی اور آپ کی تسلی و غمخواری کی۔

پھر آپ نے ان کی طرف رخ کر کے ایک ایسی بات فرمائی جس میں ناز و اعتماد بھی تھا، اور اس تقسیم و عطا کے فرق کی حکمت بھی بیان کر دی گئی تھی۔

آپ نے فرمایا: "اے جماعت انصار! کیا دنیا کی چند روزہ سرسبزی و شادابی کے لئے جو میں نے ان کی تالیفِ قلب کے لئے انھیں دی ہے تاکہ وہ اس کی وجہ سے اسلام پر ثابت قدم رہیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا، تمہارے دل کے اندر میرے بارے میں کچھ خیال آتا ہے؟"

پھر اس کے بعد آپ نے ان سے ایک ایسی بات کہی جس کو سن کر وہ اپنے قابو میں نہیں رہے، اور ایمانی محبت کے سونے ان کے دلوں میں بے ساختہ پھوٹ پڑے۔
آپ نے فرمایا:۔

"اے جماعت انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے ساتھ بھیڑ اور بکریاں لے کر آئیں اور تم اپنے خیموں میں اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر جاؤ (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم جس چیز کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے وہ اس کے پاس بہتر ہے، جو وہ لے کر جائیں گے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصاری کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ کسی ایک راستہ اور وادی میں چلتے اور انصار کسی دوسری وادی میں تو میں انصار

ہی کی وادی میں چلتا، انصار تو شعار (استر) ہیں (وہ کپڑا جو جسم پر براہ راست ہوتا ہے) دوسرے لوگ تار ہیں (یعنی وہ کپڑے جو اوپر ہوتے ہیں اور جسم سے مس نہیں کرتے) لے اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما! بین کر تمام انصاری بے ساختہ رو پڑے اور ان کی داڑھیاں آنسوؤں کی گھٹکیں وہ کہنے لگے ہم اس پر راضی اور خوش ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حصہ اور نصیب میں آئیں!

قیدیوں کی واپسی

ہوازن کا ایک وفد جو چودہ آدمیوں پر مشتمل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملا، اور آپ سے درخواست کی کہ ازراہ احسان آپ ان قیدیوں اور مالِ ایتنا کو انھیں واپس فرمادیں آپ نے فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ کون کون ہیں، مجھے سب سے زیادہ وہ بات پسند ہے، جو سچی ہو، اب یہ بتاؤ کہ تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں تمہیں زیادہ محبوب ہیں یا تمہارا مال و اسباب؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے آپ نے فرمایا: کل صبح کی نماز کے بعد تم لوگ کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ ہم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمانوں کو سفارشی بنا کر پیش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے غلام باندی

لے اصل روایت صحیحین میں ہے، صاحب زاد المعاد نے اس روایت کو زیادہ جامع اور مفصل بیان میں بیان کیا ہے اور ہم نے اسی کو نقل کر دیا ہے، دیکھیے صحیح بخاری باب غزوة الطائف۔

واپس فرمادیں، جب آپ نے نماز صبح سے فراغت کی تو انھوں نے کھڑے ہو کر ایسا ہی کہا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حصہ اور بنی عبد المطلب کے حصہ میں جو کچھ ہے، وہ تمھارے حوالے ہے، دوسرے لوگوں سے میں تمھارے لئے سفارش کرتا ہوں اس پر مہاجرین و انصار نے کہا، ہمارے حصہ کا جو کچھ ہے، وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہے؟

بنی تمیم، بنی خزاعہ، اور بنی سلیم کے نین آدمی اپنے حصہ سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے ان کا انتظار بھی کیا اور ان کو اختیار دیا لیکن انھوں نے اپنی اولاد اور بیویوں کے برابر کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا، اس لئے اگر کسی کے پاس ایسے قیدی ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے دینا چاہے تو اس کا راستہ کھلا ہوا ہے، اور اگر اپنے حق کو چھوڑنا نہ چاہے تو یہ ان کو دے دے اس شخص کو ہر حصہ کے بدلے میں چھ حصے اس پہلے مال غنیمت سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عنایت فرمائے گا۔

لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہم خوش دلی سے حاضر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کون اس پر راضی ہے، اور کون راضی نہیں ہے، اس وقت تم لوگ ایس جاؤ، تمھارے سردار اور چودھری تمھارے صحیح صحیح معاملہ سے ہمیں آگاہ کریں، غرض سب نے ان کی عورتوں اور بچوں کو واپس کر دیا اور ایک شخص بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہا، ہر قیدی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پونشاک بھی عطا فرمائی۔

لے زاد المعاد ج ۱ ص ۲۹۱ صحیح بخاری میں یہ واقعہ قول اللہ تعالیٰ "وَيَوْمَ هَمَّ بَنِي إِدِ أَنْ يَجْتَمِعُوا

الآیہ " میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ آیا ہے۔

نرم دلی اور کریم النفسی

مسلمانوں نے اس ہنگامے میں دوسرے غلاموں باندیوں کے ساتھ جو تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی ان میں حلیمہ سعدیہ کی لڑکی شہناؤ بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں، سلمان ان سے واقف نہ تھے، اس لئے انھوں نے لے جانے میں سختی سے کام لیا، انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمھارے سردار کی دودھ شریک بہن ہوں، انھوں نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا اور ان کو آپ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ نے فرمایا اس کی پہچان کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! جس وقت میں آپ کو گود میں لے تھی، آپ نے میری پیٹھ میں دانسی کاٹ لیا تھا، اس کا نشان موجود ہے، آپ نے نشان پہچانا، اپنی چادر مبارک ان کے لئے پھیلا دی اور ان کو اس پر بٹھایا، اور ان کو اختیار دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم چاہو تو بہت محبت اور عزت کے ساتھ میرے ساتھ رہ سکتی ہو، اور اگر چاہو تو میں تحائف و سامان کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں، اور تم اپنے قبیلے میں پہنچ جاؤ، انھوں نے کہا کہ آپ مجھے جو کچھ فرمائیے، غایت فرمادیں اور مجھے میری قوم میں ایسے فرمادیں، آپ نے انھیں عطا فرمایا، اور انھوں نے اسلام بھی قبول کر لیا، آپ نے نین غلام ایک باندی اور کچھ بکریاں انھیں عطا فرمائیں۔

عمرہ حجراتہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ عنین سے فارغ ہوئے اور

جو ان میں غلاموں اور مال غنیمت کی تقسیم کا کام مکمل ہو گیا تو آپ نے عمرہ کے لئے احرام باندھ لیا، یہ اہل طائف کا بیعت تھا، اور مکہ سے ایک منزل پر تھا، عمرہ سے فراغت کے بعد آپ مدینہ تشریف لائے، یہ ماہ ذی قعدہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے۔

اپنی رضا و رغبت سے

جب سلمان طائف سے واپس آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو
 "ابنوں تائبوں عابدوں اور بنا حامدوں" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ
 تعقیف کے لئے بد دعا کریں؟ آپ نے دعا کی کہ "اے اللہ تعقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہاں لے
 عروہ بن مسعود الثقفی مدینہ پہنچنے سے قبل راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 ملے اور اسلام لائے اور وہیں سے اسلام کی دعوت دینے کے لئے اپنی قوم میں واپس گئے
 ان کو اپنی قوم میں بہت قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور وہ بہت
 ہر د عزیز اور محبوب تھے، لیکن جب انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنے قبیلہ کو
 اسلام کی دعوت دی تو ان کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا، اور انھوں نے جام شہادت
 نوش کیا۔

ان کے قتل کے بعد تعقیف نے کئی ماہ توقف کیا اور آپس میں شورہ کرنے کے بعد
 اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ صورت حال میں ان سب عربوں سے لڑنے کی ان میں طاقت
 نہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور اسلام کے صلے میں
 ہو چکے ہیں چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا طے کیا۔

۱۷ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۵۵ صحیح بخاری باب غزوة الحدیبیہ۔

بُت پرستی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور رعایت نہیں

یہ لوگ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں ان کے لئے خیمہ لگوایا، انھوں نے اسلام قبول کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کے خاص بُت "لات" کو تین سال تک آپ نہ توڑیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور وہ برابر ایک ایک سال نیچے اترتے رہے اور آپ انکار فرماتے رہے آخر بات یہاں تک پہنچی کہ ان کے آنے کے ایک ماہ بعد تک اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے آپ نے انکار فرمایا اور دو افراد ابوسفیان اور غزیرہ بن شعبہ (جو اسی قبیلہ کے تھے) کو حکم دیا کہ وہ دونوں جا کر اس بُت کو پاش پاش کر ڈالیں پھر انھوں نے درخواست کی کہ نماز سے ان کو معاف کر دیا جائے آپ نے فرمایا "جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں"

جب وہ اپنے کام سے فانی ہوئے اور اپنے وطن کا رخ کیا تو آپ نے ان کے ساتھ ابوسفیان اور غزیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھی روانہ فرمایا، غزیرہ نے بُت شکنی کا فرض انجام دیا، اس کے بعد اسلام ثقیف میں عام ہو گیا، اور اہل طائف کا ایک ایک آدمی اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوا۔

کعب بن زہیر کا قبول اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے، تو آپ کی

خدمت میں کعب بن زہیر (جو شاعر بھی تھے اور شاہزادہ بھی) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے آپ کی بہت ہی سچائی کی تعریف کی لیکن پھر زمین ان پر تنگ ہوئی اور وہ خود اپنے سے بیزار ہونے لگے تو ان کے بھائی مجیر نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تائب اور نادم ہو کر حاضر ہوں اور اسلام لے آؤں، انھوں نے ان کو ڈرایا کہ اگر ایسا انھوں نے نہ کیا تو ان کا انجام بہت بُرا ہوگا، اس پر انھوں نے آپ کی مدح و منقبت میں وہ مشہور قصیدہ کہا جو قصیدہ بانٹ سعاد کے نام سے مشہور ہے۔

غرض وہ مدینہ آئے اور صبح کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد تشریف فرما تھے، خدمت مبارک میں حاضر ہوئے آپ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں دے دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صورت آشنا نہ تھے، چنانچہ انھوں نے کہا کہ کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ سے امان کا خواستگار ہے کیا آپ اس کی توجہ قبول کریں گے؟

یہ سن کر ایک انصاری اس کی طرف لپکے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اللہ کے دشمن سے نرت لینے دیں، میں اسی وقت اس کی گردن مار دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے دو توبہ کر کے اور اپنی حرکتوں سے باز ہو کر یہاں آئے ہیں، پھر کعب نے اپنا مشہور قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا مطلع یہ ہے :-

بانٹ سعاد فقلبی الیوم متبول

متیمم لثہا لم یقدا مکبول

سعاد جدا ہو گئی، میرا دل آج مرین محبت ہے اور اس کے پیچھے ایسا گرفتار ہے، جس کپڑوں میں پیڑی ڈال دی گئی ہے اور اس کو دبا کر انے کی خاطر فدیہ بھی نہیں دیا گیا۔

پھر اس قصیدہ کا مدحیہ شعر پڑھا:-

ان الرسول لنورٍ يستضاء به

مُهتدٌ من سيوف الله مسلول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اُجالا ہے اور وہ

اللہ کی ایک تیز و بے نیام تلوار ہیں۔

یہ شعر سن کر آپ نے اپنی چادر مبارک اُتار کر ان کو عطا فرمائی۔



لہ زاد المعاد ج ۱ ص ۲۶۸-۲۶۸

قطلائی نے مواہب میں ابو بکر بن الانباری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب وہ اس شعر پڑھنے لگے تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اُتار کر ان پر ڈال دی یہ وہی چادر ہے جس کو حضرت معاویہ نے دس ہزار

دیناڑیں خریدنا چاہا لیکن انھوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے لئے کسی کو بیچ

نہیں دے سکتا، گوئیے انتقال کے بعد ان کے ورثاء سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بیس ہزار دے کر

حاصل کر لیا وہ کہتے ہیں کہ یہ وہی چادر ہے جو سلاطین اسلام کے پاس رہی (الزرقانی علی اللواہب ج ۱ ص ۲۶۸)

غزوة تبوک

(رجب ۹ھ)

غزوة تبوک کا نفسیاتی اثر اور اس کے اسباب

دشمن کے دل میں رعب و ہیبت قائم کرنے اور ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے میں (جو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسلام کا شعلہ بھڑک کر غم قریب بھیج جائے گا، یا وہ بادل کے ایک ٹکڑے کی طرح ہے جو دیکھتے ہی دیکھتے چھٹ جائے گا) غزوة تبوک کا وہی اثر پڑا جو فتح مکہ کا پڑا تھا، یہ غزوة دراصل اس زمانے کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی سلطنت سے ٹکراؤ کے مترادف تھا، جو عربوں کی نگاہ میں بڑی پُر ہیبت اور عظیم سلطنت تھی، چنانچہ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ رومی شہنشاہ ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو کیا اہمیت دی اور اس سے وہ کتنا متاثر ہو تو ان کی زبان

لہ تبوک مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان نصف فاصلہ پر ہے اور اہل کے جنوب شرق میں واقع ہے، باقوت نے عجم البلدان میں البوزید کے حوالے سے لکھا ہے کہ تبوک حجر اور شام کی سرحد کے درمیان حجر سے چار منزل پر واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ اصحاب الایکبرین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بخت ہوئی تھی، یہیں آباد تھے، انتہی تبوک بحر قلزم سے چھ منزل کے فاصلہ پر تھی، اور شروی دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے (از مدارۃ المعارف البستانی باختصار) اس وقت یہ ایک ہم سعودی چھاؤنی ہے، نجد مدینہ کے انتظامیہ (امارت) کے ماتحت ہے، جس کا فاصلہ مدینہ سے سات سو کلومیٹر ہے

یہ فقرہ نکلا (اور جس کو پڑھ کر ہرقل نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ جزیرۃ العرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے) ”محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ تو زور پر لگا گیا ان سے یہ رومیوں کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا، وہ کہتے ہیں جسے مجھے برابر یقین رہا کہ وہ غالب آئیں گے یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈالا“

عرب اس زمانہ میں رومیوں سے جنگ اور ان پر حملہ آور ہونے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، بلکہ ان کو خود اندیشہ تھا کہ کہیں انھیں کی طرف سے ان پر حملہ نہ ہو جائے، اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ اپنے کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی طرف توجہ کرے، اور ان کو اپنا نشانہ بناوے، مدینہ کے مسلمانوں پر جب کوئی ناگہانی آفت آتی اور کوئی بڑا خطرہ درپیش ہوتا تو ان کا ذہن زیادہ سے زیادہ عثمان کی عیسائی عرب ریاست کی طرف منتقل ہوتا تھا، جو رومی شہنشاہ قیصر کے ماتحت تھی۔

واقعہ ایلاہ میں جو شہر میں پیش آیا تھا، حضرت عمر کے الفاظ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے ایک انصاری دوست تھے، جب میں غیر حاضر ہوتا تو وہ مجھے رو دانتا، جب وہ غیر حاضر ہوتے تو میں ان کو خبریں پہنچاتا، اس زمانے میں ہم لوگ عثمان کے ایک بادشاہ سے بہت خوف زدہ تھے، جس کے متعلق یہ چرچا تھا کہ اس کا ارادہ ہم پر حملہ کرنے کا ہے، ہمارے دل میں ہر وقت اسی کا خیال رہتا تھا، اسی اثناء میں میرے انصاری دوست آئے اور انھوں نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا اور

لے ابو سفیان نے آپ کے لئے ابن ابی کبشہ کا لفظ طرز استعمال کیا تھا، ابو کبشہ کے متعلق دو قول ہیں، ایک یہ کہ خزاعہ کا کوئی شخص تھا جس نے اپنے زمانہ میں بت پرستی چھوڑ دی تھی، دوسرے یہ کہ آپ کے اجداد مداری میں کوئی اس نام کا گدرا ہے (صحیح بخاری لاوار)

کہنے لگے کھولو کھولو! میں نے کہا کیا غسانی نے حملہ کر دیا؟

اس وقت رومی سلطنت کا اقبال بام عروج پر تھا، اس کی فوجوں نے ہرقل کی قیادت میں ایرانی فوجوں کو تہس نہس کر دیا تھا، اور ایرانی مملکت میں اندر تک داخل ہو گئیں تھیں، چنانچہ اس زبردست اور غیر معمولی فتح کی خوشی میں اور اس کے شکرانہ کے طور پر ہرقل نے جمح سے ایلیا تک ایک زبردست فاتح کی جینٹیلیٹی شاہانہ جلوس میں سفر کیا، یہ ہجرت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے، ہرقل اس وقت اس صلیب کو اٹھائے ہوئے تھا، جو اس نے ایرانوں سے حاصل کی تھی، سارا راستہ قالین خالیچوں اور فرس و فروش سے آراستہ تھا، ہر طرف گل پاشی ہو رہی تھی، اور وہ اس فرس پر چل رہا تھا، اس شاندار فتح پر دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے رومیوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے، اس غزوہ کے ذریعہ جس کا عربوں کے دل و دماغ پر گہرا نقش تھا، اللہ تعالیٰ نے شام پر حملہ کا راستہ ہموار کر دیا، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا، لیکن اس کی بنیاد اسی غزوہ میں پڑ چکی تھی۔

یہ غزوہ کیسے پیش آیا، اس کے بارے میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ رومی عرب کی شمالی سرحدوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں، ابن سعد اور ان کے شیخ واقعی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبطیوں سے یہ خبر ملی کہ ہرقل نے اپنے سپاہیوں کی ایک سال کی خوراک کا انتظام کر لیا ہے، اور ان کے ساتھ خم، جذام، عالمہ اور غسان اور نیز عرب کے اور فاتح قبائل کو

لے بخاری نے اس واقعہ کو سورہ تحیم کی تفسیر میں اور سلم نے کتاب اطلاق باب (بیان ان تجیہ امرأۃ

لابکون طلاقاً) نقل کیا ہے، صحیح مسلم کتاب جہاد و السیر (کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرقل بیعہ الی الاسلام)

شامل کر لیا ہے اور ان کے دستے بے بقاؤ، تک پہنچ بھی چکے تھے۔

اس روایت سے قطع نظر کہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس غزوہ کا اصل مقصد پڑوسی حکومت کو خون زدہ کرنا تھا جس سے مرکز اسلام اور اسلام کی بڑھتی ہوئی آواز ابھرتی ہوئی دعوت اور اس کی روز افزوں قوت و طاقت کو نقصان پہنچ جائے گا اندیشہ تھا، اس غزوہ کے ذریعہ اس حکومت کو یہ آگاہی دینی تھی کہ وہ مسلمانوں پر ان کی سرزمین کے اندر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرے، اور ان کو نعمتِ تریا مالِ مفت نہ سمجھے جس شخص کا یہ حال ہو وہ اتنی عظیم شہنشاہی پر حملہ نہیں کر سکتا، اور نہ اس کی سرحد میں داخل ہو کر اس کے لئے کوئی چیلنج یا خطرہ بن سکتا ہے، اس کی پشت پر وہی حکمت کا فرما تھی جس کا ذکر قرآن مجید نے غزوہ تبوک کے سلسلہ میں کیا ہے۔

| | |
|--|------------------------------------|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا | مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو |
| الَّذِينَ يُلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ | جو تمہارے آس پاس پھیلے ہوئے |
| وَلْيُعِدُّ قَائِدُكُمْ عِلْفَةً | ہیں اور چاہئے کہ وہ جنگ میں تمہارا |
| وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ | سخنی محسوس کریں اور جان رکھو کہ |
| (سورۃ توبہ - ۱۲۳) | خدا پر سبیزگاروں کے ساتھ ہے۔ |

یہ مقصد اس غزوہ سے پورا ہو گیا، رومیوں نے اس کا جواب کسی جوابی حملہ اور پیش قدمی فوجی نقل و حرکت اور سرگرمی سے نہیں دیا، بلکہ انہوں نے اس کھلے ہوئے چیلنج کے مقابلہ میں ایک طرح کی سپائی اور خاموشی اختیار کر لی اور اس نوزائیدہ طاقت کا جتنا اندازہ انہیں اس وقت ہوا اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

دوسرا فائدہ جو اس جزا تمندانہ غزوہ (جس میں پورا خطہ مولیا گیا تھا) سے حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ وہ جزیرۃ العرب کے ان قبائل نیزان فاتح اور با افتدار قبائل (جو رومی شہنشاہ سے متعلق اور اس کے ماتحت تھے) کے دلوں پر مسلمانوں کا عجب وداب قائم ہو گیا، اور اس کے ذریعہ ان کو یہ موقع ملا کہ وہ دین اسلام کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں، اور مجسوس کر سکیں کہ وہ کوئی پانی کا ٹبیلہ نہیں ہے، جو تھوڑی دیر کے لئے سطح آب پر اُبھرتا ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتا ہے، اس کا مستقبل پورے طور پر روشن ہے، اور شاید ان قوموں کو اس کے ذریعہ اسلام میں داخلہ کا کوئی موقع مل سکے جو خود ان کی سرزمین اور ان کے وطن میں ظاہر ہوا ہے، ان لوگوں کے ذکر میں جو اس غزوہ میں نکلے تھے، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:-

وَلَا يَكْفُرُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ
 الْكٰفِرَ وَلَا يَكْفُرُونَ مِنْ عَدُوِّ
 نَبِيًّا اِلَّا كَتَبَ لَهُمْ مِنْ عَمَلٍ
 صٰلِحٍ- (سورۃ توبہ - ۱۲)

جو قدم بھی وہ دشمن کے خلاف راہ خدا میں اٹھاتے ہیں وہ کافروں کے لئے غیظ و غضب کا باعث اور جو نقصان بھی وہ کفار کو پہنچاتے ہیں وہ ان کے لئے عمل نیک ثابت ہوتا ہے۔

رومیوں کو غزوہ مومنہ ابھی تک اچھی طرح یاد تھا، جس میں ان کی پوری تسلی و تشفی نہیں ہو سکی تھی، اور جس میں ہر فریق نے سلامت واپسی ہی کو غنیمت سمجھا تھا، اور اس کی وجہ سے بازنطینی سلطنت اور اس کی زبردست افواج کا جو عرب عربوں کے دل پر تھا وہ بہت کمزور ہو گیا۔

مختصر یہ کہ اس غزوہ کی سیرت نبوی اور دعوتِ اسلامی کی تاریخ میں خصوصی

اہمیت ہے اور اس سے ان مقاصد کی تکمیل ہوئی جو مسلمانوں اور عربوں کے حق میں بہت دور رس تھے اور جن کا تاریخ اسلام کے تسلسل اور آئندہ پیش آنے والے واقعات پر گہرا اثر پڑا۔

غزوہ کا زمانہ اور وقت

یہ غزوہ رجب ۹ھ میں پیش آیا، سخت گرمی کے موسم میں جب کچھ روز زیادہ ہو گئے تھے اور سایہ خوشگوار معلوم ہونے لگا تھا، آپ نے اس کے لئے بہت طویل سفر کا ارادہ فرمایا چونکہ بے آب و گیاہ میدانوں کو عبور کرنا تھا، اور سخت دشمن کا مقابلہ درپیش تھا، اس لئے

لہ غزوہ نبوک کی اس تاریخ کا تعلق شمسی حساب بہت دشوار ہے جس میں مدینہ سے نبوک کے لئے روانگی ہوئی، بعض سیرت نگاروں نے ماہ ذی الحجہ ۹ھ کے مطابق قرار دیا ہے، مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب کی جدید مفتح النقیوم سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ان میں علامہ شبلی خصوصیت کے قابل ذکر ہیں، لیکن ائمہ کے داخلی شواہد اور حدیث صحیح کی تصریحات جو فقہین اور دوسرے اصحاب صحاح و سنن سے ثابت ہیں ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ غزوہ گرمیوں کے زمانے میں ہوا، کعب بن مالک کی حدیث میں صفا آتا ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزاہا فی حر شدید حین طابت الثمار والظلال" اسی اس سلسلہ میں معیار و میزان بنانا چاہئے اور وقت کی جو تحدید یاں سے مطابقت نہ رکھتی ہو اسے ناقابل اعتبار سمجھنا چاہئے، موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب زہری سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، "خروجت کی راتوں اور سخت گرمی میں جبکہ لوگ نخلت انوں میں رہنا پسند کرتے تھے (یہ غزوہ پیش آیا) اس سے زیادہ واضح مناقضین کا وہ قول ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ براءۃ میں کیا ہے اور پھر اس کا رو کیا ہے "وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْلَا دُكَاؤُا يُفْقَهُونَ" (انھوں نے کہا کہ اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو (اے پیغمبر) جو) دوزخ کی آگ کی گرمی تم اس سے کہیں زیادہ گرم ہوگی اگر وہ سمجھتے ہوں۔ التوبہ۔ ۸۱)

آپ نے مسلمانوں کو پہلے ہی آگاہ فرمادیا تھا کہ آپ کو کس فتح پر جانا ہے تاکہ وہ اس کے لئے اچھی طرح تیاری کر لیں یہ زمانہ سخت عسرت اور قحط سالی کا تھا۔ منافقین اس موقع پر مختلف بہانے اور عذر کر کے گھڑ بیٹھے تھے ان کو طاقتور اور خطرناک دشمن کے خوف، سخت موسم، جہاد سے عدم دلچسپی اور دین حق میں شک و شبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و ہم رکابی سے باز رکھا، ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ
خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
فَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْعَدُوِّ قُلْ
تَارِكِيهِنَّ أَشَدُّ حَرًا وَكُلُّنَا
يَقْتُمُونَ ۝

جو لوگ (غزوہ تبوک) میں بچھے رہ گئے
وہ پیغمبر خدا کی مرضی کے خلاف بیٹھے
رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو
نا پسند کیا کہ (خدا کی راہ) میں اپنے مال
اور جان سے جہاد کریں اور (اور وہ)
بھی کہنے لگے کہ گری میں مت بھگنا
(ان سے) کہہ دو کہ دونوں کی آگ اس سے
کہیں زیادہ گرم ہے کاش یہ (اس
بات کو) سمجھتے۔

(سورۃ توبہ - ۸۱)

جہاد اور روانگی لشکر میں صحابہ کا ذوق و شوق اور جذبہ مبالغت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کی بہت اہتمام سے تیاری فرمائی اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، آپ نے اہل ثروت کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی

لہذا خود از حدیث کعب ابن مالک (صحیحین)

چنانچہ دولت مند طبقہ کے بہت سے افراد اس موقع پر سامنے آئے اور انھوں نے ایمان و احتساب کے جذبہ سے اس میں حصہ لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پورے لشکر کو جس کو ہمیشہ العسکر کہا جاتا ہے سامان فراہم کرنے کی ذمہ داری لی اور ایک ہزار دینارا اس پر خرچ کئے ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، بہت سے صحابہ نے جو استطاعت نہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست کی، آپ نے اس کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان سے معذرت کر دی، اس محرومی کا ان کو اس درجہ قلق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس فریضہ کو ساقط فرما دیا، اور ارشاد ہوا:-

| | |
|---|--|
| وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا | اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں |
| لِعَمَلِهِمْ قُلْتُمْ لَا أُجِدُّ مَأْتًا | پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ |
| أَمْ مَلِكُمْ عَلَيْهِ تَوَكَّلُوا | ان کو سواری دو اور تم نے کہا کہ میرے |
| وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ اللَّيْلِ | پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو |
| حَزَنًا أَنْ لَا يُجِيبُوا مَا | سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس |
| يُفِيقُونَ - (سورہ توبہ - ۹۲) | غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود |
| | نہ تھا ان کی آنکھوں کی آنسو بہ رہے تھے |

کچھ مسلمان وہ تھے جن کو بغیر کسی شہر یا تردد کے صرف غم و اوارادہ کرنے میں دیر لگی اور وہ اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔

شکرِ اسلام کی تبوک کی طرف روانگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینہ سے تبوک کے لئے

روانہ ہوئے اس سے پہلے کسی غزوہ میں اتنی بڑی تعداد شریک نہ تھی، آپ نے
 ثنینۃ الوداع میں لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کی ہدایت کی اور محمد بن مسلمہ الانصاریؓ کو مدینہ کا
 حاکم مقرر کیا، اہل بیت کے لئے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا، اور جب انھوں نے منافقین
 کی افواہوں اور چوسکیوں کا آپؐ کو ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم
 میرے لئے ایسے چوسکیے موسیٰؑ کے ساتھ ہارن تھے، ہاں یہ بات کبیرے لبہ کوئی نبی نہیں ہوگا
 آپ اس شکر کے ساتھ ”حجر“ اور قوم ثمود کی سرزمین میں اترے اور صحابہ کرامؓ
 سے فرمایا کہ یہ ان کی سرزمین ہے جن پر عذاب نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ جب
 ان لوگوں کے مکانات میں جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، داخل ہونے لگے تو روتے ہوئے داخل ہو
 اس ڈر سے کہ ہمیں تم کو بھی وہ مصیبت نہ آئے جو ان پر آئی تھی، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ
 یہاں کا پانی نہ پینا، اور نہ نماز کے لئے اس پانی سے وضو کرنا، اگر آتما تم نے اس پانی سے
 گوندھ لیا ہو تو اسے اونٹوں کو کھلا دو، اور خود اس میں سے ذرا سا بھی نہ کھاؤ،
 جب لوگوں کو پانی کی بہت تنگی ہوئی تو انھوں نے آپ سے اس کی نکایت کی
 اور اپنی دشواری بیان کی آپ نے دعا فرمائی، اور اس دعا کی برکت اللہ تعالیٰ نے بادل
 بھیجا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنی ضرورت کا پانی اکٹھا بھی کر لیا۔

رومیوں سے عربوں کا خوف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لے جا رہے تھے تو کچھ منافقین،

۱۔ صحیح بخاری باب (غزوہ تبوک) ۵۷ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۷ و سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۷

صحیحین میں بھی اسکا کہ ہم معنی روایا آئی ہیں۔ ۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۷

آپ کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی الاصفہانی
رومیوں کی جنگ اتنی ہی آسان ہے جتنی کہ اپنے ملک کے عرب قبائل سے خدا کی قسم ہم
دیکھ رہے ہیں کہ کل یہ سب رسیوں سے جکڑے پڑے ہوں گے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایلیہ کے حاکم میں صلح

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچ گئے تو ایلیہ کا حاکم یوحنا بن
روہب جو سرحدی علاقوں کے حاکم میں سے تھا، آپ کی خدمت میں آیا اور آپ سے
صلح کرنی اور جزیہ آپ کو پیش کر دیا۔ جرباء اور ذرح کے لوگ بھی آئے اور
آپ نے ان کو امان کی تحریکھدی، جس میں حدود کی ذمہ داری پائی اور بری
و بگری راستوں کی حفاظت اور فریقین کی سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی! رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اکرام بھی فرمایا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ واپسی

اس موقع پر رومیوں کی پسائی اور سرحد پار کر کے فوج کشی کا خیال ترک کر دینے
کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اور آپ نے بھی اس کو مناسب نہیں
سمجھا کہ ان کے ملک میں گھس کر ان کا تعاقب کیا جائے اس غزوہ سے جس مقصد کا
حصول پیش نظر تھا وہ حاصل ہو چکا تھا، البتہ ابید بن عبد الملک الکنزی نصرانی

نے جو دوتہ ابجد ل کا حاکم اور رومی فوجوں کا پشت پناہ تھا، اس کی طرف سے حملہ کی ضرورت اطلاع ملی، آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا، حضرت خالد نے اس کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے اس کا خون معاف کیا اور جزیرہ پارس سے مصالحت کر لی اور اس کو آزاد کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں کئی راتیں گزاریں پھر مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔

ایک غریب مسلمان کے جنازہ میں

عبداللہ ذوالجبار دین کی وفات تبوک میں ہوئی یہ اسلام قبول کرنے کے لئے کوشاں تھے، لیکن ان کی قوم ان کو اس سے باز رکھتی تھی اور ان کو طرح طرح سے سنا یا جانا تھا، آخر کار انھوں نے ان کو ایک کھردری چادر میں چھوڑ دیا، اس کے سوا ان کے

لہ دوتہ ابجد ل ایک آباد گاؤں تھا، جہاں اعرابی خرید و فروخت کے لئے جایا کرتے تھے، روزانہ سے یہ مقام ویران اور غیر آباد ہو گیا تھا، اکید نے آکر اس کو نئی روٹی دی اور رتیوں کی شاکت وہاں شروع کی، چنانچہ اس کے بعد اعرابیوں نے وہاں آنا جانا پھر شروع کر دیا، اس گاؤں کو ایک قدیم قبیلہ گیسر ہوئے ہے، قبیلہ کے اندر ایک مستحکم قلعہ ہے جس کو شمال کے اعرابیوں میں خاصی شہرت حاصل ہے، اس کی وجہ سے اس مقام کو فوجی اہمیت بھی حاصل رہی، اس کے زیادہ تر باشندے قبیلہ کے متعلق ہیں، اکید اپنے

آپ کو اس زمانہ کے دنوں کے مطابق نیک بادشاہ کہلوانا تھا، اہل دوتہ اس زمانہ میں نصرانی مذہب

پر تھے (دیکھئے تاریخ العرب قبل الاسلام، از ڈاکٹر حواد علی) ۲۰ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲۷
 ۵۲۷

پاس کوئی سبز پوشی کا کپڑا نہ تھا، وہ بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے جب آپ کے قریب ہوئے تو یہ چادر بھی پھٹ گئی، اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے، انھوں نے ایک ٹکڑے سے لنگی کا کام لیا، اور دوسرے ٹکڑے کو اوڑھ لیا، اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسی دن سے ان کا لقب 'ذوالبجادیں' پڑ گیا۔

جب تنوک میں ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے رات کی تاریکی میں ان کے جنازہ کی شایعیت کی ان میں سے کسی کے ہاتھ میں مثل تھی جس کی روشنی میں یہ لوگ چل رہے تھے، قبر تیار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بدولت قبر میں اترے حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نعش کو قبر میں اتارا، آپ فرماتے اپنے بھائی کو اور نیچے میرے قریب کرو، دونوں نے ان کو نیچے کی طرف لٹکایا، جب آپ نے ان کو بھر میں لٹا دیا تو فرمایا "اللهم انی امسیت راضیاً عنہ فارض عنہ" (اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا) عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے تمنا کی کہ کاش کہ اس قبر میں میں ہوتا۔

کعب بن مالک کا ابتلاء اور ان کی کامیابی و سُرخ روی

جن لوگوں کی اس غزوہ میں شرکت نہ کر کہ وجہ کوئی شبہ یا سوہنہ نہیں تھا، شریک نہ ہو سکے ان میں کعب بن مالک، ہرارة بن الربیع اور ہلال ابن امیہ بھی تھے یہ لوگ سابقین اولین میں سے ہیں، اسلام کے لئے انھوں نے بیش قیمت خدمات

انجام دین تھیں اور راہ حق میں سخت تکلیفیں اٹھائیں تھیں مرارة بن الربیح اور بلال بن
 امیہ جنگ بدر میں بھی شریک تھے، غزوات سے فرار یا پیچھے رہنا ان کی فطرت اور
 عادت سے دور تھا، اس کو حکمت الہی کے سوا کسی چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، ایسا
 مقصود ان کا امتحان ان کے نفوس کا تزکیہ اور مسلمانوں کی تربیت تھا، یہ صرف
 سہل انگاری ارادہ کی کمزوری اور اسباب و سائل پر ضرورت سے زیادہ اعتماد اور
 پوری سنجیدگی اور نشاط و سرگرمی کے ساتھ اس معاملہ پر غور نہ کرنے کا نتیجہ تھا، اور
 یہ وہ چیز ہے جس نے بہت سے مردانِ خدا کو جو ایمان اور خدا و رسول کی محبت میں
 دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم تر نہ تھے، بارہا نقصان پہنچایا ہے اور یہی وہ مکنت
 ہے جس کی طرف اس جماعت کے تیسرے شخص کعب بن مالک نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔
 ”میں روزانہ اس ارادہ سے نکلتا کہ میں سفر کا ضروری سامان لے لوں اور ان کے

ساتھ روانہ ہو جاؤں، لیکن بغیر کچھ کئے واپس آجاتا، پھر میں اپنے دل میں کہتا کہ مجھے
 دقت کیا ہے، جب چاہوں گالے لوں گا (پیسے میرے پاس ہیں سامان بازار میں موجود)
 میں اسی لیت لوں گا کہ کوچ کی گھڑی آگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
 مسلمان روانہ ہو گئے اور میں نے ابھی تک کچھ سامان ہی نہیں کیا تھا، میں نے کہا چلو
 میں آپ کی روانگی کے ایک دو دن بعد ہی روانہ ہو جاؤں گا اور راستہ میں قافلہ میں
 شامل ہو جاؤں گا، ان سب کی روانگی کے بعد بھی میں سامان تیار کرنے کے لئے نکلا
 لیکن پھر بھی کچھ کئے بغیر واپس آ گیا، دوسرے دن بھی یہی ہوا، مجھ پر ایسی ہی طاری رہی
 اور انھوں نے اپنے قدم تیز کر دیئے اور لڑائی کا معاملہ بہت آگے نکل گیا، میں نے اس کے
 بعد بھی ارادہ کیا کہ اب بھی مدینہ سے روانہ ہو کر ان کو پالوں گا، میں نے ایسا ہی

کیا ہوتا لیکن اس کی بھی توفیق نہ ہوئی!

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کے ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اسلام سے وفاداری، اور مصیبت و راحت ہر حالت میں ثابت قدمی کا نازک امتحان لیا، وہ لوگوں کی عزت و تعظیم اور جفا و بے نیازی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ و التفات، اور اعراض و بے توجہی دونوں حالتوں میں ایسے مخلص و جاں نثار ثابت ہوئے جس کی نظیر مذہبی معاشروں اور جماعتوں کی تاریخ میں (جو ایمان و عقیدہ اور محبت و جذبات پر قائم ہوتی ہیں) ملنی مشکل ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت سچ بولے اور جو کچھ حقیقت تھی بے کم و کاست بیان کر دی جب لوگ باتیں بنا کر معافی حاصل کر رہے تھے، انھوں نے اس وقت خود اپنے خلاص گواہی دی، جب منافقین اپنے آپ کو اس سے ہر طرح بری قرار دے رہے تھے۔

وہ اپنی طویل اور بلیغ و مؤثر روایت میں اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ سب پیچھے رہنے والے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور میں کھا کھا کر آپ سے اپنے لئے عذر بیان کرنے لگے، یہ کوئی اتنی سے اوپر اذیت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ان کی ظاہری باتوں کو قبول فرمایا، ان سے رحمت لی اور ان کے لئے مغفرت طلب فرمائی، ان کے بھیدوں اور دلی رازوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا، جب میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے حغلی کی مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا، پھر فرمایا، آؤ، میں نے کہا

اور آپ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا، آپ نے مجھ سے پوچھا، تم کس وجہ سے پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے اپنی سواری نہیں خریدی تھی میں نے کہا جی ہاں بخدا ایسا ہی ہے، خدا کی قسم اگر میں آپ کے بجائے اس وقت اہل دنیا میں سے کسی شخص کے پاس ہوتا تو میں سمجھتا کہ میں کچھ عذر کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاؤں گا، میرے اندر بات کرنے اور اپنی بات ثابت کرنے کا سلیقہ بھی ہے، لیکن بخدا مجھے یقین ہے کہ میں اگر کج جھوٹ بول کر آپ کو راضی کروں گا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر میں سچ بول کر آپ کو کسی قدر آزر دہ کروں گا تو اس میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی امید ہے، خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے، اور خدا کی قسم جس وقت میں پیچھے رہ گیا تھا، اس سے زیادہ میں کبھی صحت مند اور فانیخ ابال نہ تھا!

بالآخر وہ ہونا ک گھڑی آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان سے بات کرنے کی ممانعت فرمادی، مسلمان تو سبھی طاعت کے پتیلے تھے، چنانچہ سب نے ان کا نہ کہ شئی اختیار کر لی، اور بالکل بدل گئے، حتیٰ کہ ان کی نگاہ میں زمین آسمان بھی بدل گئے، معلوم ہوتا تھا کہ یہ وہ زمین ہی نہیں ہے، جو پہلے تھی، اس حال میں ان کی پچاس راہیں گذریاں، جہاں تک مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ کا تعلق ہے، وہ دونوں ننھک ہار کے اپنے گھڑ پیڑے، اور دو تے لے، کعب بن مالک ان سب سے زیادہ جوان اور طاقتور تھے، وہ باہر نکلتے تھے، مسلمانوں کے ساتھ ناز پڑھنے تھے، بازاروں میں آتے جاتے تھے، لیکن کوئی شخص ان سے گفتگو کرنے کا روادار نہ تھا۔

لیکن ان تمام باتوں نے محبت اور وفاداری کے اس رابطہ اور رشتہ پر کوئی اثر

انہیں ڈالاجوان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قائم تھا، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شفقت بھی کم نہ ہو سکی جو ان کے حال پر تھی بلکہ اس سرزنش اور تنبیہ نے ان کی اس محبت دل کی پیش اور درد و سوز کو اور بڑھا دیا وہ کہتے ہیں:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونا اور آپ کو سلام کرتا اس وقت آپ نماز سے فراغت کے بعد اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے میں اپنے دل میں سوچتا کہ آپ نے سلام کے جواب میں اپنے لب مبارک کو جنبش دیا ہے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا اور نگھیوں سے آپ کو دیکھتا رہتا جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو اس وقت آپ میری طرف انقلا کرتے جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ عراض فرماتے: "غرض دنیا ان کے لئے بدل گئی اور اب ایک ایسے شخص نے بھی ان سے منہ پھیر لیا جس پر ان کو بڑا ناز و اعتماد تھا، وہ بیان کرتے ہیں:-

"لوگوں کی جفا سے میرے لئے یہ عرصہ بہت طویل اور شاق ہو گیا، آخر میں دیوار چاند کرالوقتادہ کے احاطہ میں پہنچا، وہ میرے چچا زاد بھائی بھی تھے اور مجھے سب سے زیادہ عزیز و محبوب تھے، میں نے ان کو سلام کیا تو خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا، میں نے کہا الوقتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، اس پر کبھی وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ یہی بات کہی اور ان کو اللہ کا واسطہ دیا، وہ خاموش رہے، پھر اتنا کہا کہ "اللہ ورسولہ أعلم" اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس پر میری آنکھوں سے

بے ساختہ آنسو بہنے لگے، میں اسی وقت مڑا اور دیوار بچاند کر واپس چلا گیا! معاملہ ہمیں ختم نہیں ہوا بلکہ اس کئی مقاطعہ کا اثر ان تینوں کی بیویوں تک پہنچا اور ان کو حکم ملا کہ وہ اپنی بیویوں کو علیحدہ کر دیں چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ عشق و وفا اور استقامت منابت قدمی کے اس امتحان کا سب سے نازک مرحلہ اس وقت آیا جب غسان کے بادشاہ نے ان کے اس محبت و تعلق کو خریدنا چاہا، یہ خیال ہے کہ یہ وہ بادشاہ ہے جس کا مصاحب ندیم بنا اور اس کی مجلس میں حاضر ہونا بڑا اثرنٹ سمجھا جاتا تھا، اور اس میں پوری زقاہت چلتی تھی، اور جس کے عرب شعراء برسوں سے گیت گاتے تھے، بادشاہ کا قاصدان کے پاس ایسے وقت پہنچا جب وہ سخت ذہنی و قلبی پریشانی، لوگوں کی بے تعلقی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مخی کے شدید ابتلاء میں تھے، اس نے ان کو شاہ غسان کا خط دیا جس کا مضمون یہ تھا:۔

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ولی نعمت نے تمہارے ساتھ جفا کا معاملہ کیا ہے، اللہ نے تمہارے لئے ذلت اور ضائع ہونے کی جگہ مقرر نہیں کی ہے تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے!“

اس خط سے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے دل میں غیرت و حمیت کی ایک کچی کوڑی گئی اور ان کی محبت اور جوش مارنے لگی، وہ ایک نور کے پاس گئے اور خط اس میں پھینک دیا۔ جب ان تینوں صاحب ایمان بہنوں کا امتحان مکمل ہو گیا، قرآن مجید نے ان کا

لے حدیث کعب بن مالک صحیح بخاری ص ۱۷۵ دیکھئے آل جفنة کی منقبت میں حسان بن ثابتؓ کا مشہور قصیدہ جس کے دو شعر ہیں:۔

يَوْمًا يَجْلِي فِي الزمان الاول
بَرَدًا يُصَفِّقُ بِالرَّحْمِيَةِ السَّلَم

اللہ در عصایۃ ناد قتمہم
یسقون من ورد البریعی علیہم

ذکر کر کے ان کو تقواء دوام عطا کی اور ان کے واقعہ نے مسلمانوں کے لئے ابدالآبات تک ایک سبق اور سامانِ عبرت و نصیحت فراہم کر دیا، اور ان کی ایمانی قوت اور حُرینِ اسلام کا پورا اثبات مل گیا، اور باوجود اس کے کہ زمین اُن پر اپنی کشادگی کے باوصف تنگ ہو چکی تھی بلکہ خود ان کے نفس ان کے لئے تنگ تھے، ان کے پیر چارہ حق سے ایک لمحہ کے لئے نہ ہٹے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی قبولیت کا اعلان فرمایا، اور صرف ان کی توبہ کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کہیں اس سے تنہائی اور احساسِ کہتری محسوس نہ کریں اور یہ بتان کے لئے آگشتِ نئی کا باعث نہ بنے بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین اور ہاجرین و انصار کی توبہ کا بھی ذکر کیا، جو اس غزوہ میں پیش پیش تھے، اس کا مقصد ان کا اعزاز و اکرام، ان کی تسکینِ خاطر، لوگوں کی نگاہ میں ان کی قدر بڑھانا اور ان کی شان دو بالا کرنا تھا۔

| | |
|--|---|
| لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ | بے شک خدا نے پیغمبر پر اپنی توبہ کی اور |
| وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ | ہاجرین اور انصاریوں کو جو باوجود اس کے |
| اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن | کر ان میں سے بعضوں کو دل پھر جانے کو |
| بَعْدَ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ | تھے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ |
| مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ | بے پھر خدا نے ان پر اپنی توبہ فرمائی |
| رُؤُوفٌ رَحِيمٌ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ | بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے اور |
| الَّذِينَ خَلَفُوا مِنْهُمْ إِذَا مَا | ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ لتوی |
| عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ | کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین |
| وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ | |

لہ جو ایک معروف و مسلم حقیقت تھی، اور جس کی بظاہر (چندوں) ضرورت نہ تھی۔

وَعَلَّمُوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ
إِلَّا إِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ

باہود فراخی کے ان پرتنگ ہو گئی
اور ان کی جانیں بھی ان پر دو بھر
ہو گئیں اور انھوں نے جان لیا کہ خدا
(کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ
نہیں پھر خدا نے ان پر بہرانی کی تاکہ
توبہ کریں بیشک خدا تو قبول کرنے والا بہر مانگ

(سورہ توبہ - ۱۱۷ - ۱۱۸)

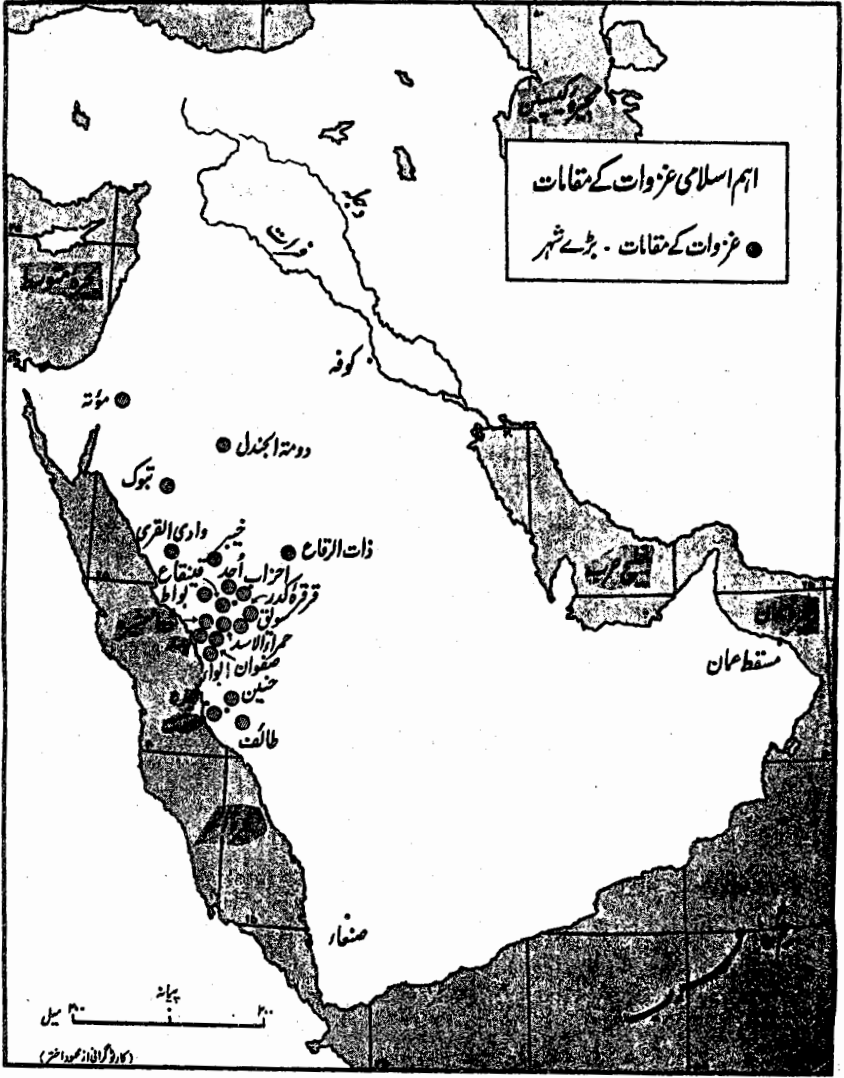
غزوات پر ایک نظر

غزوہ تبوک کے ساتھ جو ہجرت کے نویں سال رجب میں پیش آیا غزوات نبوی
(جن کی تعداد نائیس ہے) نیز دوسرے سرایا اور چھاپوں (جن کی تعداد ساٹھ بتائی
گئی ہے) اور کچھ میں قتال کی نوبت بالکل نہیں آئی) کا سلسلہ ختم ہوا۔

ان تمام غزوات و سرایا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بھیجے گئے
جتنا خون بہایا گیا جنگوں کی پوری تاریخ میں ہیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی
ان تمام غزوات کے مقتدرین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں
دونوں فریق شامل ہیں، لیکن اس قلیل تعداد نے انسانوں کو خون کی جس ارزانی سے
اور بے عزتی و بے آبروئی سے بچایا اس کا مکمل جائزہ اور سروے مشکل بلکہ ناممکن ہے
اس کے نتیجے میں ہزیمۃ العرب کے اطراف میں اس قدر امن و اطمینان کی فضا
قائم ہو گئی کہ ایک مسافر خاتون جبرہ سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی

لہ تحقیق ابن تیم (زاد المعاد) عراقی جنرل اور مشہور مصنف محمود شہت خطاب کی تحقیق میں ان غزوات کی
تعداد جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیادت فرمائی اٹھائیس ہے (تاریخ حبش النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
لہ مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں یہی تعداد لکھی ہے جو کہ ہم نے مطالعہ اور ذمہ دارانہ تحقیق

اہم اسلامی غزوات کے مقامات
 ● غزوات کے مقامات - بڑے شہر



اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈرنہ ہوتا، ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کرتی اور اس کو کسی کا خوف نہ ہوتا، اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ پورے جزیرۃ العرب میں قتل و غارتگری، انتقامی کارروائیوں، خانہ جنگیوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا، اور بڑی بڑی حکومتوں کے کارواں بھی بڑے غیر معمولی پہرہ، حفاظتی بند و بست اور ماہر بہروں کی مدد سے چلتے تھے۔

یہ عزوات قرآن مجید کے دو حکیمانہ اصولوں پر مبنی ہیں ایک "الْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (فتنہ انگیزی قتل سے بڑھ کر ہے) دوسرے "وَلَكُمْ فِي الْفِصَاحِ مِثَاقٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ" (اے عقل والو! تمہارے لئے بدلہ اور قصاص ہی میں سامانِ زندگی ہے) ان کی وجہ سے نوع انسانی کا بڑا وقت بچا اور اصلاح حال اور خطرات کے سدباب کی ان طویل کوششوں اور مسلسل محنتوں کی ضرورت نہ پڑی جو اکثر بے نتیجہ رہی ہیں اس کے علاوہ ان عزوات پر جن اخلاقی تعلیمات اور شفقتانہ و ہمدردانہ ہدایات کا سایہ اور پرنوٹ تھا، اس نے ان کو انتقامی کارروائی اور غصہ کی آگ بجھانے کے بجائے تادیبی کارروائی اور ہدایت و فلاح کا سامان کرنے کا ذریعہ بنا دیا تھا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کو یہ ہدایت دیتے :-

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں اللہ کے نام پر قتال کرنا اور اللہ ہی کے راستے میں سے قتال کرنا جس نے اللہ کے ساتھ کفر اختیار کیا، غداری نہ کرنا، مالِ غنیمت کی چوری نہ کرنا کسی بچے، عورت اور ازکار رفتہ کو بڑھے یا کسی مجذوم میں بیٹھے ہوئے کو نشانہ گیر کو

۱۔ صحیح بخاری باب (علامات النبوة) ۲۵ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۸۱

۲۔ سورۃ البقرۃ - ۱۹۱ ۳۔ سورۃ البقرۃ - ۱۷۹

قتل نہ کرنا، کسی کھجور کو ہاتھ نہ لگانا، کسی درخت کو نہ کاٹنا، کسی عمارت کو نہ گرانے،

جہاں تک اس جنگی کارروائی کی کامیابی اور سرعت کا تعلق ہے اس کا اندازہ

اس سے ہو سکتا ہے کہ دس سال کی مختصر مدت میں جزیرۃ العرب کا تقریباً ۲۷ میل

مربع روزانہ اسلام کے زیر نگیں آتا گیا، مسلمانوں کے جانی نقصان کو دیکھا جائے تو

ہیبتہ پر ایک آدمی کا اوسط پڑتا ہے، دس سال مکمل نہیں ہونے پائے تھے کہ

دس لاکھ مربع میل اسلام کے زیر اقتدار آچکے تھے۔

اس کا موازنہ دو عالمی جنگوں (جس میں پہلی جنگ ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء میں ہوئی

تھی، دوسری ۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی) سے کیجئے تو آپ کو اس فرق کا صحیح اندازہ ہوگا۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے فاضل اور محقق مقالہ نگار نے اس موضوع پر

جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلی عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد

چونتھ لاکھ تھی، دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور

چھ کروڑ کے درمیان تھی۔

ان دونوں جنگوں نے جیسا کہ سب جانتے ہیں انسانیت کی کوئی خدمت انجام

نہیں دی اور انسانی سوسائٹی کو ان سے تھوڑا یا بہت کسی درجہ میں فائدہ نہیں پہنچا۔

قرون وسطیٰ کی تحقیقاتی عدالتوں (INQUISITION) اور کلیسا کے ظلم و ستم اور مذہبی

استبداد کا جو لوگ نشانہ بنے ان کی تعداد بھی ایک کروڑ بیس لاکھ تک پہنچتی ہے۔

۱۰ واقعہ بروایت زید بن ارقم بسلسلہ غزوہ موتہ ۱۰ء ان حلوات میں جنرل محمد اکبر خا

کی کتاب حدیث دفاع سے فائدہ اٹھایا گیا ہے ۱۰ جلد ۱۹ ص ۹۶۶ ۱۰ ایضاً ص ۱۰ (ایڈیشن ۱۰)

اسلام میں پہلا حج

حج ۹ھ میں فرض کیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا اور مسلمانوں کو حج کرانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی ہر شکرین بھی اپنے حج کے تقاضات میں تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ سے تین سو آدمیوں کا قافلہ حج کے لئے روانہ ہوا۔

اس وقت سورۃ برأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی آپ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا کہ سورۃ برأۃ کی ابتدائی آیات اور ان کے احکام کو لے کر وہاں جاؤ اور قربانی کے روز جب سب لوگ نبی میں جمع ہوں یہ اعلان کروں کہ جنت میں کوئی کافر نہیں داخل ہوگا، اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا، اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکتا، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کا کوئی معاہدہ ہو تو طے شدہ میعاد تک اس کی پابندی کی جائے گی، حضرت علیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اڈھنی پر روانہ ہوئے اور راستہ میں حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے انھوں نے پوچھا کہ امیر مویا ہوں کہنے لگے مامور ہوں، پھر دونوں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کے انتظامات میں مشغول ہو گئے، جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور ہدایت کے مطابق ان سب باتوں کا اعلان کیا۔

۱۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حج ۹ھ میں فرض ہوا، شیخ محمد الحنفی نے اپنی کتاب "تاریخ

التشریح الاسلامی" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، دیکھیے ص ۵۷۵ ۵۷۶ ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲۲

۲۔ زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵ ۵۲ ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲۳-۵۲۶

وفود کا سال

(۹-۱۰ھ)

مدینہ میں وفود کی مسلسل آمد اور عرب کی زندگی پر اس کا اثر

پہلے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے مکہ فتح فرمایا، پھر غزوہ تبوک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضور واپس ہوئے، اس سے قبل آپ دنیا کے سلاطین و امراء کے نام اپنے مکاتیب ارسال فرما چکے تھے، جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، ان مکاتیب کا بعض بادشاہوں نے خوشدلی اور احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کیا، بعض نے نرمی اور عقولیت کے ساتھ اس کا جواب دے دیا، بعض لوگ تردد اور خوف کی حالت میں رہے اور کچھ نے اس کو گستاخی کے ساتھ رد کر دیا، اور اس کے ساتھ اہانت اور تکبر کا معاملہ کیا، اور اس کی پاداش میں بلا کسی تاخیر کے اس کو اپنے ملک اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا، یہ وہ واقعات تھے، جن کا چرچا سارے عرب میں تھا، اور یہ جگہ اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔

مکہ کی فتح سے (جو جزیرۃ العرب کا روحانی و اجتماعی پایۂ تخت تھا) سردارانِ قریش کے قبولِ اسلام اور دینِ حق کے سامنے مزاحمت و سرکشی کے سبب بڑے قلعہ کے انہدام کا ان لوگوں پر گہرا اثر پڑا جو لوگوں کی کیفیت میں تھے، یا اسلام کی ناکامی کا

خواب دیکھ رہے تھے، ان واقعات نے ان کے اور اسلام کے درمیان وہ قدیم رکاوٹ دور کر دی اور ان کے اوپر قبول اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ بہت کم رہ گیا، مشہور محدث علامہ محمد طاہر مٹھی (م ۹۸۶ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب "مصحح بحار الانوار" میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"یہ سال آمدِ وفود کا سال تھا، عرب قبائل نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا تھا، اس لئے کہ وہی لوگ سب کے پیشوا تھے، اور بیت اللہ کے ذمہ دار تھے، جب انہوں نے اسلام کے سامنے اپنا تسلیم ختم کر دیا، کہ فتح ہو گیا اور قبیلہ ثقیف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے محسوس کر لیا کہ اب ان کے اندران کے مقابلہ کی طاقت نہیں اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی اور لوگ گروہ درگروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔"

ان سب باتوں کا عربوں کے دل و دماغ پر (جو بہر حال انسان تھے) قدرتی طور پر اثر پڑا اور اس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی حاضری کا ایک دروازہ کھل گیا، اور تلاشِ حقیقت میں مختلف وفود مرکز اسلام میں اس کثرت سے آنے لگے جس طرح کوئی موتی کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے سارے دلے اسلام کی آغوش میں آجائے۔ یہ وفد اپنے اپنے علاقوں اور مرکزوں میں نئی روح سے سرشار ہو کر ایمان کا نیا نشہ دعوتِ اسلام کا نیا جذبہ، شرک بت پرستی اور اس کے نشانات و علامات اور جاہلیت اور اس کے اثرات سے شدید نفرت لے کر واپس جاتے۔

ان وفد میں بنی تمیم کا بھی وفد تھا، جس میں ان کی قوم کے مشہور رؤساء و انتر شامل تھے، ان کے خطیب و شاعر اور مسلمانوں کے خطیب و شاعر میں مقابلہ ہوا اور اس میں اسلام کی اور اسلام کے خطیب و شاعر کی برتری ظاہر ہوئی، اس کو ان کے رؤسا و اشراف نے تسلیم بھی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انعامات بھی دیئے اور اچھی طرح ^{لہ} دیکھے۔

بنی عامر کا وفد بھی آیا، ضمام بن ثعلبہ بنی سعد بن بکر کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے اور داعی و مبلغ بن کر اپنی قوم میں واپس ہوئے، پہلا مکالمہ جو وہاں پہنچ کر ان کی قوم سے ہوا وہ ان کا یہ جملہ تھا "بڑا ہولناک و عزیسی" کا لوگوں نے کہا ارے کیا کہنے ہو ضمام! ابرص سے ڈرو، جذام سے ڈرو، جنون سے ڈرو، وہ کہنے لگے "تمہاری خرابی ہو، خدا کی قسم یہ دونوں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ بے شک اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے، اور ان پر ایک کتاب نازل کی گئی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے تم کو اس سے نجات دی جس میں تم لوگ مڑا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، میں ان کے پاس سے جو کچھ انہوں نے حکم دیا اور جس چیز سے منع کیا ہے وہی تمہارے لئے لے کر آیا ہوں" اس دن شام بھی نہیں ہوئی کہ ان کے محلہ میں کوئی مرد و عورت ایسا نہ تھا جو اسلام نہ لایا ہو۔

بنی حنیفہ کا وفد آیا جس میں سلیمہ کذاب بھی تھا، یہ اسلام لایا اور بعد میں

مزمہ ہو گیا اور خود نبوت کا دعویٰ دار بن بیٹھا، اسی نے فتنہ اڑنا دیا پر کیا اور اسی میں مارا گیا۔

وفد بنی طے میں نامور شہسوار زید انجیل بھی تھے جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر "زید انجیر" کر دیا اور مومنین را سخیں میں ان کا شمار ہوا۔ مشہور زمانہ سخی حاتم کے بیٹے عدی بن حاتم بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے اخلاق کریمانہ اور تواضع دیکھ کر اسلام لے آئے اور یہ کہا کہ خدا کی قسم یہ کسی بادشاہ کا انداز نہیں۔

بنی زبید کا وفد بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وفد میں عرب کے نامور شہسوار عمرو بن معدیکرب بھی تھے، کندہ کے وفد میں اشعث بن قیس شامل تھے، اُزدکا وفد بھی حاضر ہوا، اسلاطین حمیر کا قاصد بھی پہنچا اور ان بادشاہوں کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا جس میں ان کے قبول اسلام کی اطلاع تھی۔

معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو آپ نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے یمن روانہ کیا، اور ان کو ہدایت کی کہ "یسترا ولا تعسرا و بشارا ولا تنفرا" (دیکھو آسانی پیدا کرنا تنگی و سختی نہ کرنا خوشخبری دینا تنفر و بیزاری نہ کرنا)

فروہ بن عمرو الجذامی نے ایک قاصد کے ذریعہ آپ کو اپنے قبول اسلام کی خبر بھیجی، یہ رومی سلطنت کی طرف سے "معان" اور اس کے اطراف میں جتنا شامی علاقہ ہے، اس کا عامل یا گورنر تھا۔

نجران میں بنو الحارث بن کعب خالد بن الولید کے ہاتھ پر اسلام لائے

لے صحیح بخاری کتاب المغازی، باب بعث معاذ و ابی موسیٰ الی الیمنی

حضرت خالد نے وہاں قیام کر کے ان کو اسلام کی تعلیم دی اس کے بعد خالد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ نبوہ الحارث کا ایک وفد لے کر واپس آئے اور جب وہ لوگ اپنے علاقہ واپس گئے تو ان کی تعلیم کے لئے آپ نے عمرو بن حزم کو بھیجا کہ وہ سنت اور اسلام کے شعائر و آداب سے ان کو آگاہ کریں اور ان کے صدقات وغیرہ کا انتظام کریں، ہمدان کا وفد بھی خدمت میں حاضر ہوا۔

میغرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لات" بت کو توڑنے کے لئے بھیجا، انھوں نے پہلے اُس بت کو پاش پاش کیا، اس کے بعد بت خا کی چار دیواری پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ جو ان کے ساتھ تھے وہ بھی چڑھ گئے اور سنبے مل کر اس کے ایک ایک پتھر کو گرانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ زمین کے بالکل برابر ہو گیا، اسی روز یہ وفد واپس بھی آگیا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کی تعریف کی۔

عبد القیس کا وفد آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، اور ان بتوں اور ظروف کو استعمال کرنے کی ان کو ممانعت فرمائی جن میں نشہ جلدی پیدا ہوتا ہے، یہ احتیاطاً آپ نے مفسد کعبہ باب کے لئے ارشاد فرمایا، اس لئے کہ وہ لوگ اس کے بہت عادی تھے۔

اشعریین اور اہل یمن کا وفد بڑے ثرور کے ساتھ یہ شعر پڑھتا ہوا آیا
 "غداً نلقى الأحبة محمدًا وحزبہ" کل ہم محبوبوں سے ملیں گے،

لہ ابن ہشام ج ۲ ۵۶۵-۵۹۶ ۵۲ سیرت ابن کثیر ج ۲ ۶۲-۶۳

۵۳ زاد المعاد ج ۲ ۲۵ صحیحین میں یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحابؓ! آپ نے اس قدر دیکھ کر فرمایا "اتاکم اهل
 الیمن ہم ارقی اذنی و اولیہم قلوباً الایمان یمان والحکمة یمانہ" تمہارے پاس
 اہل یمان آئے ہیں جو بہت نرم و گداز دل والے ہیں ایمان تو میں کا حصہ ہے حکمت تو میں کی
 حکمت ہے۔

خالد بن الولیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے ساتھ دعوت
 اسلام کے لئے اہل یمان کے پاس بھیجا، انھوں نے وہاں چھ ماہ گزارے حضرت خالدؓ برابر ان کو
 اسلام کی دعوت دینے اور وہ قبول نہ کرتے پھر آپ نے حضرت علیؓ کو وہاں بھیجا،
 انھوں نے ان کو آپ کا خط پڑھ کر سنا یا اور پورا قبیلہ بہدان سلمان ہو گیا حضرت علیؓ نے آپ کو
 ان کے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا خط پڑھا تو سجدہ
 میں گر پڑے پھر سر مبارک اٹھایا اور فرمایا، سلامتی ہو بہدان پر سلامتی ہو بہدان پر۔

مزینہ کا وفد چار سو آدمیوں کے ساتھ آیا، نجران کے عیسائیوں کا بھی ایک وفد
 جس میں ساٹھ سوار تھے، اس میں ان کے اثرائت و سربر آوردہ لوگوں کی تعداد
 چوبیس تھی، اس میں ان کے بڑے پادری اور عالم ابو حارثہ بھی تھے رومی بادشاہ
 ان کا بڑا اعزاز کرتے تھے، ان کی ہر طرح مالی مدد کرتے تھے، اور ان کے لئے گرجے تعمیر
 کرتے تھے، ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں بکثرت آیات نازل ہوئیں۔

اہل نجران کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب بھیجا اور ان کو اسلام
 کی دعوت دی، انھوں نے یہ مکتوب پڑھا تو ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

لے صحیح بخاری باب قدم الاشرعین ماہل الیمن" ایک روایت میں الفقہ بیان کا بھی اضافہ ہے نبی

دین کی کج بین کا حصہ ہے لے زاد المعاد ج ۲ ص ۱۷۱ از صحیح بخاری لے تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد ج ۲

روانہ کیا، اور اس نے بہت سے سوالات آپ کے سامنے رکھے، ان کے سوا لوگ جواب میں سورہ آل عمران کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مبارکباد کی دعوت بھی دی لیکن خوف کی وجہ سے فتر جیل اس پر تیار نہیں ہوا، دوسرے روز یہ لوگ پھر خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نے ان کو ایک تحریر دی، ان پر نوح لکھا یا اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ یہ کہہ بھیجا کہ ہذا ائمن ہذا الامة یہ اس امت کے امین ہیں۔ وفد نجیب کی آمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی، آپ نے ان کی بڑی عزت اور خاطر داری کی انھوں نے آپ سے مختلف چیزوں کے بارے میں سوا ل پوچھے، آپ نے یہ سارے جوابات ان کو لکھوا کر دے دیئے، پھر وہ آپ سے قرآن و سنت کے بارے میں بہت سی باتیں پوچھنے لگے، اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی، آپ نے حضرت بلالؓ کو ہدایت کی کہ ان کی بھی طرح اہتمام سے ضیافت و ہمانداری کریں، یہ لوگ چند روز آپ کی صحبت میں رہے اور زیادہ قیام نہ کر سکے، ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس وجہ سے اتنی جلدی کر رہے ہیں، کہنے لگے ہم اپنے لوگوں میں جا کر بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہم نے کیسے کی، آپ سے ہماری کیا کیا باتیں ہوئیں، اور آپ نے کیا جواب دیا، اس کے بعد وہ لوگ واپس ہو گئے، پھر شاہکے حج میں منیٰ میں وہ آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے۔

ان وفد میں بنی قریظہ، بنی اسد، یہرہ اور عذرہ کے وفد بھی تھے، یہ سب لوگ اسلام لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فتح شام کی بشارت دی، ان کو

لہ مبارکباد کی حقیقت و تفصیل کے لئے آل عمران کی آیت ۱۱۰ کی تفسیر میں ملاحظہ ہو، اس کی شرح ہم مشائخ امام بخاری نے فضائل بخاری کے باب میں اس واقعہ کو مختصر بیان کیا ہے، ۳۷ زاد المعاد ۲

کاہن عورتوں کے پاس جانے اور ان سے قسمت کا حال پوچھنے سے منع فرمایا، جو قربانیاں وہ کرتے تھے، ان سے بھی انھیں منع کیا، اور فرمایا کہ صرف عید الاضحیٰ کی قربانی ان کے لئے جائز ہے، بلی، ذی مرہ اور خولان کے وفد بھی حاضر خدمت ہوئے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خولان کے بیت کے باڑے میں جس کی وہ پیش کرتے تھے دریافت فرمایا، انھوں نے جواب دیا کہ آپ کو مبارک ہو آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کے اللہ تعالیٰ نے اس کو بدل دیا ہے البتہ کچھ پرانے لوگ کچھ بڑی بوڑھی عورتیں اب بھی اس کو اپنے سینے سے لگائے ہوئی ہیں، جب ہم واپس جائیں گے تو انشا اللہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے، محارب اور غسان اور غامد و منج کے وفد بھی آپ کے پاس حاضر ہوئے۔

یہ وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین سیکھتے، دینی معلومات اور دین کی سمجھ حاصل کرتے، مسائل معلوم کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا شاہدہ کرنے اور آپ کے اصحاب کرام کی صحبت و معیت ان کو نصیب ہوتی، اکثر مسجد نبوی کے صحن میں ان کے لئے خیمہ لگا دیا جاتا، وہ وہاں رہتے، قرآن مجید سنتے، مسلمانوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ان کے دل میں کچھ آتا وہ بڑی سادگی اور صفائی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے، اور آپ بڑی بلاغت اور حکمت کے ساتھ اس کا جواب عنایت فرماتے اور قرآن مجید سے استشہاد کرتے، اس سے ان کا ایمان ٹختہ ہوتا اور قلبی اطمینان نصیب ہوتا۔

ایک جاہل بُت پرست اور نبی ہادی کا مکالمہ

کنانہ بن عبد یاسیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو مکالمہ ہوا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے :-

کنانہ :- جہان تک زنا کا مسئلہ ہے ہم لوگ اکثر مجرماً اور غیر شرعی شہوتیں ہیں اس لئے یہ ہمارے لئے ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- وہ تم پر حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَقْرَبُوا
الزَّانِيَةَ إِنَّهَا كَانَتْ فَاحِشَةً وَمَعَسَاءً سَبِيْلًا (ترجمہ :- اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی
اور بُری راہ ہے۔ سورہ اسراء - ۳۲)

کنانہ :- سو دیکھ کے باپے میں جو آپ کہتے ہیں تو بہار اسارا مال سودھی سودھی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- اصل سرمایہ راس مال لینے کا نہیں حق ہے اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(ترجمہ :- مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو)

کنانہ :- یہاں تک شراب کا تعلق ہے تو وہی تو ہماری زمین کا پھوٹ ہے اور ہمارے لئے بہت ضروری ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا
كُلَّهُمْ قَلِيلًا (ترجمہ :- اے ایمان والو! شراب اور جو اور بت اور پاسے (ریب)

ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچنے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ المائدہ - ۹۰)

لے غالباً یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں کثرت سے سفر کرتے تھے۔ ۱۶ سورۃ البقرہ - ۲۶

کنانہ :- زبہ بنت کے باپے میں آپ کیا کہتے ہیں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- اس کو توڑ ڈالو۔

کنانہ اور اس کے ہمراہی بنا کر زبہ کو معلوم ہو جائے کہ آپ اس کو توڑ دینا چاہتے ہیں تو وہ اپنے سب بچاریوں کو ختم کرے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ابن عبد یاسیل! تمہاری خیرابی ہو، تم کس قدر جاہل ہو، زبہ ایک پتھر کے سوا کیا ہے؟ کنانہ اور اس کے ہمراہی :- ابن خطاب! ہم تمہارے پاس نہیں آئے ہیں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے کہا آپ اس کو توڑ ڈالیں ہم اس کو کبھی نہیں توڑ سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :- میں کسی آدمی تمہارے ہاں بھیج دوں گا، جو تمہارے لئے یہ کام کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت کی اجازت دی اور ان کا پورا اکرا کیا انھوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ہمارے لئے ہماری قوم کا کوئی امیر بنا دیجیے آپ نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرما دیا، یہ ان سب میں سب سے زیادہ فوج تھے، لیکن علم دین ان کی دلچسپی آپ کے علم میں تھی، انھوں نے وہاں جانے سے قبل قرآن مجید کی کچھ سورتیں بھی یاد کر لی تھیں۔
وفد کی آمد کا یہ سال عرب میں بخت پرستی اور بت پرستوں کے استیصال کا سال تھا۔
زکوٰۃ و صدقات کی فرضیت

ہجرت کے پانچویں سال زکوٰۃ فرض ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امراء و عمال کو ان تمام علاقوں میں جہاں اسلام پہنچ چکا تھا، روانہ فرمایا۔

حَجَّةُ الْوِدَاعِ

(ذی الحجہ ۱۰ - فروری ۶۳۲ء)

حجۃ الوداع اور اس کے وقت کا انتخاب

جب نبیتِ الہی کی تکمیل ہو گئی، امت کے نفوس بُت پرستی کی آلودگیوں اور جاہلیت کی عادتوں سے پاک اور ایمان کی روشنی سے متور ہو گئے اور ان کے دل کی سرد انگلیٹھیوں میں شوق و محبت کی چنگاریاں پیدا ہو گئیں، بیت اللہ بھی بتوں اور بتوں کی گندگی سے پاک و صاف ہو گیا، مسلمانوں کے اندر (جن کو حج بیت اللہ کے لیے بہت عرصہ ہو گیا تھا) حج کا نیا شوق پیدا ہو گیا، اور محبت اور عشق کا جام نہ صرف لبریز ہوا بلکہ چھلکنے لگا، جدائی کی گھڑی بھی بہت قریب آگئی، اور حالات کا تقاضہ ہوا کہ امت کو وداع کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو (سلسلہ میں) حج کی اجازت عطا فرمائی، اسلام میں یہ آپ کا پہلا حج تھا۔

حجۃ الوداع کی دعوتی، تبلیغی اور تزیینی اہمیت

آپ مدینہ سے اس غرض سے روانہ ہوئے کہ حج بیت اللہ کر دیں گے، مسلمانوں سے ملیں گے، ان کو دین کی تعلیم دیں گے اور نماز، حج سکھائیں گے، حق کی نہادویں

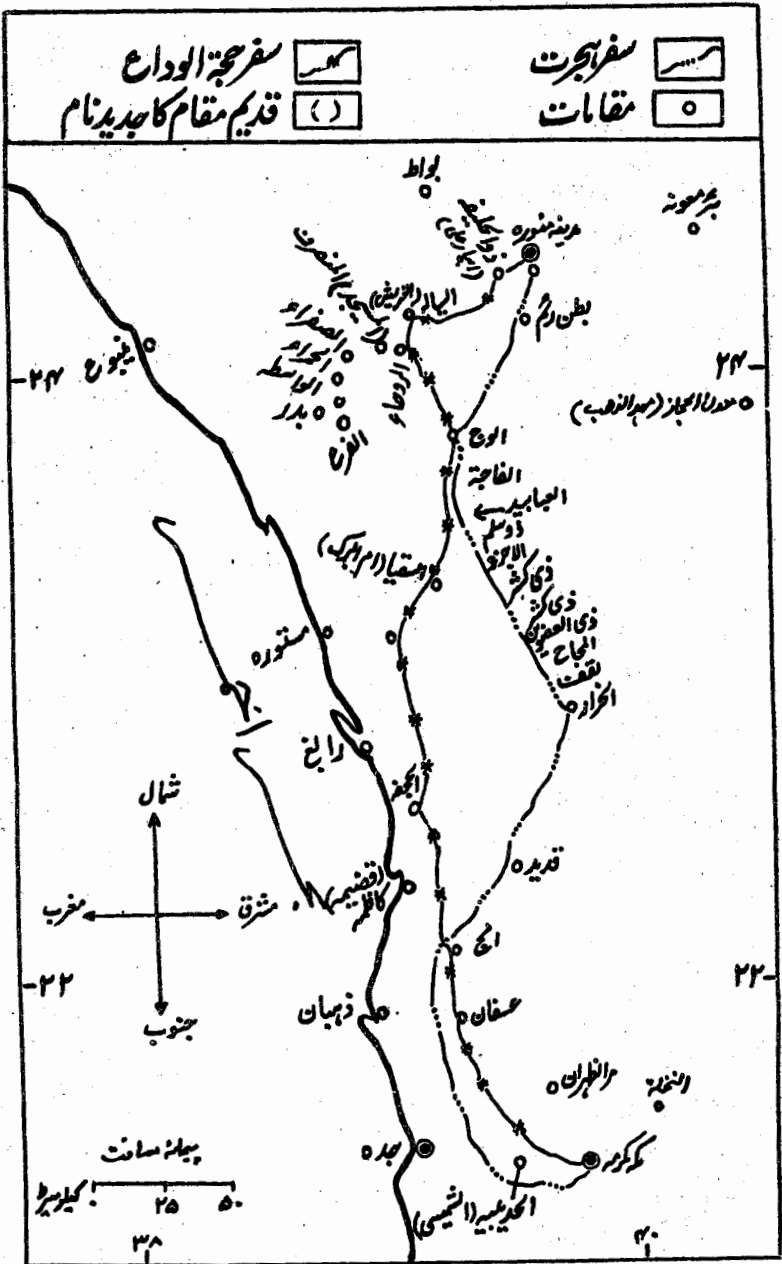
اپنا فرض ادا کریں گے، مسلمانوں کو آخری نصیحتیں اور وصیتیں کریں گے، ان سے عہد و پیمانہ لیں گے، جاہلیت کے آخری آثار و نشانات کو مٹائیں گے اور قدروں کے پامال کریں گے، یہ حج ہزار و عطا، اور ہزار دریں و تعلیم کا قائم مقام تھا، یہ دراصل ایک چلنا پھرنا مدرسہ ایک متحرک مسجد اور ایک گشتی چھاؤنی تھی، جہاں ایک جاہل علم سے آراستہ ہوتا، غافل اپنی غفلت سے بیدار ہونا، سست و کاہل چست و چالاک اور کمزور طاقتور بنتا، ایک ابر رحمت سفر و قیام ہر حالت میں اور ہر وقت ان پر سایہ فگن رہتا، یہ رسول اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی محبت و شفقت اور آپ کی تربیت اور نگرانی و رہنمائی کا ابر رحمت تھا۔

حجۃ الوداع کا تاریخی ریکارڈ

صحابہ کرام جیسے ثقہ اور عادل راویوں نے اس سفر کے نازک سے نازک گوشوں اور پہلوؤں اور اس کے چھوٹے چھوٹے واقعہ کا ایک ایسا ریکارڈ بہا کے لئے محفوظ کر دیا ہے جس کی مثال نہ سلاطین و امراء کے سفر ناموں میں ملتی ہے، نہ علما و مشائخ کی سرگذشتوں میں۔

لہٰذا ان روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ آپ نے احرام کے وقت کس قسم کی خوشبو استعمال کی، ہدیٰ کا اشعار کیا (زخم لگایا) تو اس کا نشان کس جانب تھا؟ کس مقام پر پھینکا گیا؟ کس مقام پر آپ کو ایک شکار کئے ہوئے گوز کا ہڈی پیش کیا گیا، یہاں تک کہ منیٰ کی شب میں ہم غیر میں نانپ کے نکلنے اور اس کے بچ کر نکل جانے کا واقعہ بھی مذکور ہے، آپ نے جن لوگوں کو اس سفر میں اپنے ساتھ سواری پر سوار کیا (یا وجود کیہ ان کی تعداد اور تمیز تک پہنچتی ہے) ان کے (باقی دیکھیں)

حضور صلوات اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت و سفر حجۃ الوداع کے راستے اور ان کے مقامات



حجۃ الوداع کا اجمالی جائزہ

ہم اس سفرِ حج کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں جس کو حجۃ الوداع "حجۃ البلاغ" اور حجۃ التمام کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ ان سب کا جامع ہے بلکہ اس سے بھی سوا ہے آپ کے ساتھ اس سفر میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابی شریک تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیسے کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور (ذی قعدہ ۱۰ھ میں) لوگوں کو اس کی اطلاع کر دی کہ آپ حج کے لئے جانے والے ہیں یہ سن کر لوگوں نے آپ کے ساتھ حج میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس کی خبر مدینہ کے اطراف میں بھی پہنچی اور وہاں سے لوگ جو حج جو حج مدینہ حاضر ہوئے راستہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس قافلہ میں شامل ہوتے گئے کہ

(باقی صفحہ کا) نام ہی ہے کہ اس حجاج کا نام بھی مذکور ہے جس نے بال بنائے کی سعادت حاصل کی، ثمرے مبارک تقسیم کئے تو اس کی کبھی تفصیل موجود ہے کہ اسی طرف کے بال کن لوگوں کو عطا ہوئے اور باقی جانے کن لوگوں کو تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حجۃ الوداع و جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤلف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاغذ ہلوی رحمہ اللہ نیز مقدمہ کتاب ازراقم سطور (طب بیروت) لے ہم نے اس شخص میں علامہ ابن القیم کی نفیس کتاب "زاد المعاد" سے استفادہ کیا ہے جنہوں نے اس موضوع کا روایات تالیخ اور فقہ کی روشنی میں پورا استیعاب کیا ہے۔ لہذا ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار سے ایک لاکھ تیس ہزار تک بتائی گئی ہے۔

ان کا شمار مشکل ہے، خلقت کا ایک عجم تھا، جو آگے پیچھے دہیں بائیں حد تک آگے
آپ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا، آپ مدینہ سے دن میں ظہر کے بعد
۲۵ رزی قعدہ کو سنیچر کے دن روانہ ہوئے، پہلے ظہر کی چار رکعتیں آپ نے
ادا فرمائیں اس سے پہلے خطبہ دیا اور اس میں احرام کے واجبات سن بیان فرمائے۔

پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، لا شَرِيكَ
لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لا شَرِيكَ لَكَ" "بِحَمْدِ انْ اَفَاظِ
مِنْ كَيْفِي اِخْتِصَارًا (کبھی فرط شوق سے حدت و اضافہ کرتا) آپ اس پر کوئی نکیر
نہ فرماتے تلبیہ کا سلسلہ آپ نے برابر جاری رکھا اور "عَرَجَ" میں پہنچ کر پڑاؤ
کیا، آپ کی سواری اور حضرت ابوبکرؓ کی سواری ایک تھی۔

پھر آگے روانہ ہوئے اور "الانباء" پہنچے، وہاں سے چل کر وادی عسفَا
اور سرف میں پہنچے، پھر وہاں سے روانہ ہو کر "ذی طوی" میں منزل کی اور سنیچر کی
رات وہاں گذاری، یہ ذی الحجہ کی چأز تالیج تھی، فجر کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی
اسی روز غسل بھی فرمایا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مکہ میں آپ کا داخلہ دن میں
بلندی کی طرف سے ہوا، وہاں سے چلتے ہوئے، آپ حرم شریف میں داخل ہوئے
یہ چاشت کا وقت تھا، بیت الشرف نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا "اللَّهُمَّ زِدْنِيكَ
هَذَا تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً" (اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت و شرف
تعمیم و تکریم اور رعب و ہیبت میں اور اضافہ فرما) دست مبارک بلند کرتے

تکبیر کہتے اور ارشاد فرماتے "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيْتُنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ"
(اے اللہ آپ سلامتی ہیں، آپ ہی سے سلامتی کا وجود ہے، اے ہمارے رب ہم کو سلامتی

کے ساتھ زندہ رکھ۔)

جب حرم شریف میں آپ داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے کعبہ کا رخ کیا، حجِ اسود کا سامنا ہوا تو آپ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کا بوسہ لیا پھر طواف کے لئے دائیں طرف رخ کیا، بیت اللہ آپ کی بائیں طرف تھا، اس طواف کے پہلے تین شوط میں آپ نے رمل کیا۔

آپ تیز چل رہے تھے، قدموں کا فاصلہ مختصر ہوتا تھا، اپنی چادر آپ نے اپنے ایک شانہ پر ڈال لی تھی، دوسرا شانہ مبارک کھلا ہوا تھا، جب آپ حجِ اسود کے سامنے گذرتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی چھڑی سے استلام کرتے، جب طواف سے فراغت ہوئی تو مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَالتَّحَدُّثُ دَائِمٌ مَّقَامِ ابْنِ اِهْمَ مُصَلًّى" اس کے بعد یہاں دو گھنٹیں پڑھیں، نماز سے فارغ ہو کر پھر حجِ اسود کے قریب تشریف لے گئے اور اس کا بوسہ لیا پھر صفا کی طرف اس دروانے سے چلے جو آپ کے مقابل تھا، جہاں قریب آئے تو فرمایا:

«إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ اُبْدًا اَبَدًا بِاِذْنِ اللَّهِ بِهِ» (صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔)

پھر آپ اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ آپ کو نظر آنے لگا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کبریا کی کا اعلان کیا۔

لہ رمل کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہونا کہ مسائل حج کی کتابیں ۱۷۵ جس کو اصطلاح میں اضطیاع کہتے ہیں تفصیل کے لئے مسائل حج کی کتابیں دیکھی جائیں ۱۷۵ عمدۃ بقوہ ۱۱۵

لا إله الا الله وحده لا شريك له
 لؤلؤ الملك وله الحمد وهو
 على كل شيء قدير لا اله الا الله
 وحده لا شريك له ونصر
 عبدا وهزم الأحزاب
 وحده۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کتنا
 ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا
 سب ملک اور بادشاہی ہے اور اسی
 کے لئے ساری حمد و تعریف ہے اور
 وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی
 معبود نہیں وہ کتنا ہے اس کا کوئی
 شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا
 کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور تمام
 جماعتوں اور گروہوں کو ہانک دیا۔

مکہ میں آپ نے چار روز سنیچر، دو شنبہ، منگل، بدھ قیام فرمایا، جمعرات کے روز
 دن نکلے ہی آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے آئے، ظہر و عصر کی نمازیں
 یہیں ادا فرمائیں اور رات بھی یہیں بسر کی، یہ جمعہ کی رات تھی، جب آفتاب نکل آیا تو
 آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ لگایا جا چکا
 ہے، چنانچہ آپ ہی میں اترے، جب زوال کا وقت ہو گیا تو اپنی اونٹنی "قضاواہ"
 کو تیار کرنے کا حکم دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر عرفہ کے میدان کے وسط میں آپ
 نے منزل کی، اور اپنی سواری ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک ہتھم باتشان خطبہ دیا،
 جس میں آپ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا اور شرک و جہالت کی بنیادیں
 منہدم کر دیں، اس میں ان تمام حرام چیزوں کی آپ نے تحریم فرمائی جن کے حرام
 ہونے پر تمام مذاہب اقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں، ناسی خون کرنا، مال غصب کرنا

اور آبروریزی کرنا، جاہلیت کی تمام باتوں اور مرد و وجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کر دیا، جاہلیت کا سودا گل کا کل آپ نے ختم فرما دیا، اور اس کو بالکل باطل قرار دیا، عورتوں کے ساتھ خشن سلوک کی تلقین کی اور ان کے جو حقوق ہیں نیز ان کے ذمہ جو حقوق ہیں ان کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق خوراک اور لباس نان نفقہ ان کا حق ہے۔

امت کو آپ نے کتاب اللہ کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کی وصیت کی اور ارشاد فرمایا کہ "جب تک وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے مگر انہوں نے آپ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپ کے بائے میں سوال ہوگا اور وہ اس کے جواب دہ ہوں گے اس موقع پر آپ نے تمام حاضرین سے دریافت فرمایا کہ وہ آپ کے متعلق کیا کہیں گے اور کیا گواہی دیں گے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام حق لے کر آئے ہیں پھونچا دیا، اپنا فرض پورا کیا، اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، میں نے آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور زمین بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا اور ان کو حکم دیا کہ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک یہ بات پہنچا دے۔

جب آپ خطبہ پورا فرما چکے تو آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر آپ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، اسی طرح عصر کی بھی دو ہی رکعت پڑھی، یہ جمعہ کا روز تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی سواری پر تشریف لے گئے، اور موقع پر آئے، یہاں کہ لہ و قوت کی جگہ جہاں آپ نے دینکے حافرائی تھی وہ جگہ اب بھی عرفات میں معروف و مشہور ہے۔

آپ اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے، اور غروب آفتاب تک دعاء و مناجات اور الکل ملک کے حضور تضرع و انتہال اور اپنی عاجزی و بے چارگی کے اظہار میں مشغول رہے، دعائیں آپ اپنا دست مبارک سینے تک اٹھاتے تھے، جیسا کہ کوئی سائل اور مسکین مانِ شبینہ کا سوال کر رہا ہو، دعایہ تھی:۔

| | |
|-----------------------------|---------------------------------------|
| اللهم انك تسمع كلامي وتري | اے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میری |
| مكاني وتعلم سريري وعلايتي | جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور |
| لا يخفي عليك شيء من أمري | ظاہر کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی |
| أنا اليائس الفقير المستغيث | بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ |
| المستجير والوجل المشفق | ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، |
| المقرء المعترف بذنوبي | پناہ بھو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں |
| أسألك مسألة المسكين | ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا |
| وابتهل اليك ابتهال | ہوں، اعتراف کرتے والا ہوں، |
| المدنّب الذليل وأدعوك | تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے |
| دعاء الخائف الضريب من | بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے |
| خضعت لك رقبته | گڑا گڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار |
| وفاضت لك عيناه وذلل | گڑا گڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا |
| جسده ورغم أنفه لك | ہوں جیسے خوف زدہ آفت زبیرہ |
| اللهم لا تجعلني بد عائنك | طلب کرتا ہوں، اور جیسے وہ شخص طلب |
| رب شفيا ولكن لي رؤؤ فأرهميا | کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے |

یا خیرالمستولین
 ویا خیرالمعطین۔
 جھکی ہو اور اس کے آنسو بہ رہے
 ہوں اور تن بدن وہ میرے آگے
 فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے
 سامنے رگڑ رہا ہو اے رب تو مجھے اپنے
 سے دعا مانگنے میں ناکا نہ رکھ اور میرے
 حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا
 ہو جائے سب مانگے جانے والوں سے
 بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے۔

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: **یَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ**
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپ
 عرف سے روانہ ہو گئے اور اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا، آپ منات اسکون
 ووقار کے ساتھ آگے چلے اونٹنی کی مہار آپ نے اس طرح سمیٹ لی تھی کہ قریب تھا کہ
 سر آپ کے کجاوہ سے لگ جائے، آپ کہتے جاتے تھے کہ لوگو! اسکون اور اطمینان کے
 ساتھ چلو، راستہ بھر آپ تبلیغ کرتے جاتے، اور جب تک مزدلفہ نہ پہنچ گئے، یہ سلسلہ
 جاری رہا، وہاں پہنچتے ہی آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان
 دی گئی، آپ کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب
 کی نماز ادا فرمائی جب لوگوں نے سامان اتار لیا تو آپ نے عشا کی نماز بھی ادا فرمائی
 پھر آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور فجر تک سوئے۔

ناز فجر اول وقت ادا فرمائی، پھر سواری پر بیٹھے اور شعرا الحرام آئے اور قبلہ رو ہو کر دعاء و تضرع تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، یہ طلوع آفتاب سے پہلے کی بات ہے، پھر آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سواری پر آپ کے پیچھے تھے، آپ برا بھلا میں مشغول ہے، آپ نے ابن عباس کو حکم دیا کہ میری جوار کے لئے سات نکر یاں چن لیں جب آپ وادی محشر کے وسط میں پہنچے تو آپ نے اونٹنی کو تیز کر دیا اور بہت تجلّت فرمائی اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں تک کہ منی پہنچے اور وہاں سے حجرۃ العقیقہ تشریف لائے، اور سواری پر طلوع آفتاب کے بعد میری کی اور تلبیہ موقوف کیا۔

پھر منی واپسی ہوئی، یہاں پہنچ کر آپ نے ایک مبلغ خطیبہ یا جس میں آپ نے یوم النحر کی حُرمت سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر یکہ کی افضلیت و بیزری کا ذکر کیا اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ان پر واجب قرار دی، پھر آپ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنے مناسب اعمال حج آپ سے معلوم کر لیں، آپ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا جو ایک دوسرے کی گردن مالتے رہتے ہیں، آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہنچا دی جائیں اس خطیبہ نے آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اعبدوا ربکم و صلوا علیکم
اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت

وصوہوا شہرکم و اطیعوا
کی نماز پڑھو ایک مہینہ (رمضان)

اُمّکم تندخلوا الجنة کاروزہ رکھو اور اپنے اولی الامر
کی اطاعت کرو، اپنے رب کی
جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اس وقت آپ نے لوگوں کے سامنے الوداعیہ کلمات بھی کہے اور اسی وجہ
سے اس حج کا نام ”حجۃ الوداع“ پڑا۔

پھر آپ منیٰ میں ”منحہ“ تشریف لے گئے، اور زمرہؓ اور نٹ اپنے دست مبارک سے
ذبح فرمائے جتنے اونٹ آپ نے ذبح کئے وہی تعداد آپ کی عمر تشریف کے برسوں کی بھی اتنی
تعداد کے بعد آپ نے توقف کیا، اور حضرت علیؓ کو اللہ وجہہ سے کہا کہ تلو میں جتنے
باقی ہیں وہ پورے کریں، عرض جب آپ نے قربانی مکمل کرنی تو آپ نے حجا کو طلب
فرمایا، اور حلق کروایا، اور اپنے موئے مبارک قریب کے لوگوں میں تقسیم فرمادیئے پھر سواری
پر کمرہ روانہ ہوئے، طوافِ افاصلہ کیا جس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں پھر بزمِ زمنا
کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا، پھر اسی روز منیٰ واپسی ہوئی
اور شب وہیں گزاری، دوسرے دن آپ زوالِ آفتاب کا انتظار کرتے رہے،
جب زوال کا وقت ہو گیا تو آپ اپنی سواری سے اتر کر می جمار کے لئے تشریف
لے گئے جمرہٴ اولیٰ سے آغاز فرمایا، اس کے بعد جمرہٴ وسطیٰ اور جمرہٴ عقبہ کے قریب جا کر
رمی کی منیٰ میں آپ نے دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا،
دوسرا قربانی کے دوسرے روز۔

یہاں آپ نے توقف فرمایا، اور ایام تشریق کے تینوں دن کی رمی مکمل کی،
پھر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور سحر کے وقت طوافِ وداع کیا، اور لوگوں کو نینار کا

حکم فرمایا، اور مدینہ روانہ ہو گئے یہ

جب آپ غدیر خم پہنچے تو آپ نے ایک خطبہ دیا اور حضرت علیؑ کی فضیلت بیان فرمائی، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

من كنت مولا فاعلى مولا

جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو

اللهم وال من والى وعاد

محبوب ہونا چاہئے اے اللہ جو علی

من عاداه

سے محبت رکھے تو بھی اسی سے محبت

رکھ اور جو ان سے عداوت رکھے

اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

جب آپ ذوالحلیفہ آئے تو رات ہمیں بسر کی، سواد مدینہ پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے تین باتیں کہی اور ارشاد فرمایا :-

لا اله الا الله وحده

خدا بزرگ و بزر ہے اس کے سوا

لا شريك له له الملك وله

کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک

الحمد وهو على كل شئ قدير

نہیں اس کی سلطنت ہے

لہ یہ حصہ زاد المعاد سے اخضر کے ساتھ لیا گیا ہے، ج (۱۸-۲۷۹) ان مباحث کو چھوٹا دیا گیا ہے جن پر مصنف نے زیادہ توسع و تفصیل سے کام لیا ہے اسی طرح فقہاء و محدثین کے اختلافات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں ۱۷۰ غدیر خم کو اور مدینہ کے درمیان ہے، تحفہ اور اس میں ڈومیل کا فاصلہ ہے۔ ۱۷۱ بروایت امام احمد اور نسائی، اس خطبہ کے ارشاد فرمانے کا ایک خاص سبب یہ تھا کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کی آپ سے (بیجا) شکایت کی تھی اور ان کو آپ سے کبیرگی ہو گئی تھی، بعض ایسے لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے، جو کہ میں ان کے ساتھ تھے اور حضرت علیؑ کے اس رویہ سے جو انسان پر مٹی تھا، ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے، ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۷۱

ائبون تائبون، عابدون
 ساجدون، لوبنا حامدون
 صدق الله وعده ونصر
 عبده وهزم الأحزاب
 وحده۔
 اسی کے لئے مرج و تائش ہے وہ
 ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آئے ہیں
 توبہ کرتے ہوئے، فرما بندگانہ،
 زمین پریشانی رکھ کر اپنے پروردگار
 کی مرج و تائش میں مشغول ہو کر،
 خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے
 بندہ کی نصرت کی اور نام قبائل
 کو تنہا شکست دی۔

آپ مدینہ طیبہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔

سخنہ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

یہاں پر ہم اس خطبہ کا پورا متن دے رہے ہیں، جو آپ نے عرفہ کے روز دیا
 تھا، اسی طرح ایام تشریق کے درمیان جو خطبہ آپ نے دیا تھا، اس کا بھی پورا متن
 یہاں پیش کیا جا رہا ہے، اس لئے کہ یہ دونوں عظیم الشان خطبے اپنے اندر صد درجہ
 سامانِ موعظت رکھتے ہیں، اور کثیر فوائد پر مشتمل ہیں۔

خطبہ عرفہ

ان دماءکم و اموالکم تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح

حرام علیکم کحرمة یومکم هذا
 فی شہرکم هذا، فی بلدکم هذا
 ألا! إن کل شیء من أمر
 الجاهلیة تحت قدمی
 موضوع، ودماء الجاهلیة
 موضوعة، وإن اول دم
 أضعه من دماء نادام ابن
 ربیعۃ بن العارث کان
 مسترضعاً فی بنی سعد فقتلته
 هذیل، وریا الجاهلیة
 موضوع، واول ریا أضح
 من ریاناربا العباس بن
 عبد المطلب، فإنه موضوع
 کلہ، فانقوا اللہ فی النساء
 فانکم اخذتموهن بامانة
 اللہ، واستحللتم فروجهن
 بکلمة اللہ، ولکم علیہن
 أن لا یوطئن فرشکم أمداً
 تکرهونه، فإن فعلن ذلك
 حرام ہے جس طرح یہ دن اس
 ہینہ میں اور اس شہر میں حرام
 ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ ہر جاہلی امر
 باطل ہے اور جاہلیت کے تمام
 خون (یعنی انتقامی خون) باطل
 کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے میں
 (اپنے خاندان کا خون) ابن
 ربیعہ بن العارث کا خون باطل
 کر دیتا ہوں، جس نے بنی سعد میں
 پرورش پائی اور اس کو ہڈیل نے
 قتل کر ڈالا، جاہلیت کے تمام
 سود بھی باطل کر دیئے گئے اور
 سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود
 عباس بن عبد المطلب کا سود
 باطل کرتا ہوں، یہ سب کا سب
 باطل ہے، عورتوں کے معاملہ میں
 خدا سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ
 کی امانت کے طور پر حاصل کیا
 ہے اور ان کی شرمگاہوں کو

فاضر بوہن ضربا خیر مبرح
 ولہن علیکم رزقہن وکسوتھن
 بالمعروف، وقد ترکت
 فیکم مالہم تفضلوا بعدہ
 ان اعتصمتم بہ کتاب
 اللہ وانتم تسئلون عنی
 فماذا أنتم قائلون؟ قالوا:
 نشہد انک قد بلغت
 وادیت ونصحت، فقال
 باصبغہ السبابة یرفعہا
 الی السماء ویسکبہا الی
 الناس اللهم اشہد ثلاث
 مرات.

الشرکی بات کے ساتھ حلال سمجھا
 ہے اور تمہاری طرف سے ان پر
 یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمہارے
 بستر پر کسی غیر کو (جس کا انام کو
 گوارا نہیں ہے) نہ آنے دیں اگر
 وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار
 مارو جو نمودار نہ ہو، اور ان کا حق
 تمہارے اوپر یہ ہے کہ ان کو معقول
 طریقہ پر ان کی خوراک اور پوشاک
 کا انتظام کرو، میں تم میں ایک چیز
 چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو
 مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے وہ چیز
 کیا ہے؟ کتاب اللہ، تم سے خدا
 کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا
 تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے
 عرض کی ہم کہیں گے کہ آپ نے
 خدا کا پیغام پہنچا دیا، اپنا فرض

لہ مسلم، البوداؤد وغیرہ بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ، یہ روایت حضرت جعفر صادق

حضرت محمد باقر سے اور وہ حضرت جابر سے کرتے ہیں۔

اداکر دیا، آپ نے شہادت کی
انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور
تین مرتبہ فرمایا: اے خدا لوگو کو رہنا!

ایام تشریق کے وسط میں جو خطبہ آپ نے دیا تھا، اس کا متن یہ ہے:-

اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا

ہمینہ اور کون دن ہے؟ اور تم کس

شہر میں ہو؟ لوگوں نے جواب دیا:

یہ دن بڑا بلا شرمّت اور یہ ہمینہ

بڑا قابل احترام ہے، اور یہ

شہر شرمّت والا ہے تو آپ نے

فرمایا تمہارا خون، تمہارا مال اور

تمہاری عزتیں اسی طرح قیامت

تک حرام ہیں جس طرح یہ دن،

یہ ہمینہ اور یہ شہر ہے، پھر

فرمایا، سنو مجھ سے وہ باتیں سنو

جس سے تم صحیح زندگی گزارو گے

خبر و ظلم نہ کرنا، خبر از ظلم نہ کرنا،

خبر و ظلم نہ کرنا، کسی مسلمان شخص

کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں

یا ایہا الناس اهل تدارون

فی ای شہر انتم و فی ای یوم

انتم و فی ای بلد انتم؟

فقالوا: فی یوم حرام، و بلد

حرام، و شہر حرام، قال: فکی

دماکم و اموالکم و احرانکم

علیکم حرام کحرمة یومکم

هذا فی شہرکم هذا و فی

بلدکم هذا الی یوم تلقونہ

ثم قال: اسمعوا منی تعیشوا،

ألا لا تظلموا و إلا لا تظلموا

ألا لا تظلموا و أنہ لا یمل

مال امرئ مسلم إلا بطیب

نفس منہ، إلا و إن کل

دم و مال و ما أثرۃ کانت

فی الجاہلیۃ تحت قدمی
 ہذا الی یوم القیامۃ،
 وان اول دم یوضع دم
 ربیعۃ بن الحارث بن
 عبد المطلب کان مسترضعا
 فی بنی لیت فقتلته ہذیل
 ألا وان کل سربانی الجاہلیۃ
 موضع وان اللہ عزوجل
 قضی ان اول سربا یوضع
 سربا العباس بن
 عبد المطلب، لکم رؤوس
 اموالکم لا تظلمون ولا
 تظلمون، ألا وان الزمان
 ہاں اگر وہ راضی ہو تو کوئی حرج
 نہیں (ہر خون ہر مال جو جاہلیت
 سے چلا آنا تھا اقیامت وہ باطل
 ہے اور سب سے پہلا خون جو باطل
 کیا جاتا ہے وہ ربیع بن الحارث
 بن عبد المطلب کا خون اس نے
 بنی لیت میں پرورش پائی تھی اور
 ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا،
 جاہلیت کے تمام سو بھی باطل
 کر دیئے گئے، اور اللہ تعالیٰ نے
 فیصلہ فرمادیا کہ جو سب سے پہلا سو
 باطل کیا جائے وہ عباس بن
 عبد المطلب کا سو ہے، تمہارا

لہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں ربیعہ کے بجائے ابن ربیعہ کے لفظ آئے ہیں، اور
 وہی مراد بھی ہیں، اس لئے کہ ربیعہ بن الحارث جو آپ کے رشتہ کے بھائی تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت تک بقید حیات تھے، جن روایات میں دم ربیعہ
 ابن الحارث کے الفاظ آئے ہیں، ان کی تاویل کی جا سکتی ہے، کہ وہ اپنے بیٹے حارث مقتول
 کے ولی الدم اور شرعاً و قانوناً اس کے مطالبہ کا استحقاق رکھتے تھے، اس لئے ان کا نام بیگیا۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۸ ص ۱۸۳)

قد استدار كهيئته
 يوم خلق السموات
 والارض، ثم قرأ:
 "إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ
 عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا
 فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
 أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ اللَّهُ
 الْعَزِيزُ فَلَا تَطْلُمُوا
 فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ" أَلَا
 لَا تَرْجِعُوا بَعْدَىٰ كُفَّاءًا
 يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ
 بَعْضٍ، أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ
 قَدِ ابْتَدَأَ بِكُم يَوْمَ
 الْاِحْتِشَامِ لَمَّا كُنْتُمْ
 الْمُسْلِمُونَ، وَلَكِنَّهُ فِي
 التَّحْرِيشِ بَيْنَكُمْ،
 وَانْقَوَى اللَّهُ فِي النَّسَاءِ
 فَانْهَىٰ عَنِ الْفَوَاحِشِ
 لِيُحْشَرَ عَلَيْهَا الْفَاحِشُونَ
 لَا يَمْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ شَيْئًا،

اس المال تمھارے لئے محفوظ
 ہے اس میں نہ تم کسی پر ظلم کرو گے
 نہ تمھارے اوپر ظلم کیا جائے گا
 ابتداء میں خدا نے جب آسمان
 وزمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھر کہ
 آج اسی نقطہ پر آ گیا پھر آپ نے
 یہ آیت تلاوت فرمائی خدا کے
 نزدیک پہنچنے لگتی ہیں (بارہ) میں
 یعنی اس روز (سے) کہ اس نے
 آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کہ
 خدا میں (بیس کے) بارہ پہنچنے
 (کھے ہوئے) ہیں ان میں سے
 چار پہنچنے ادب کے میں یہی دین
 (کا) بیدھارا استہ ہے تو ان
 (پہنچوں) میں (تعالیٰ نام حق سے)
 اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا" ہاں ابیرے
 بعد کا فرہی نہ ہو جانا کہ خود
 ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو
 اور ہاں! شیطان بھی اس سے

وان لهن علیکم حقاً،
ولکم علیهن حقاً ان
لا یوطئن فرشکم أحداً
غیرکم، ولایأذن
فی بیوتکم لأحد یتکوهونہ
فان خفتن نشوزھن
فعضوھن وایھروھن
فی المضاجع واضربوھن
ضرباً غیر مبرح ولھن
رزقھن وکسوتھن بالمعروف
وانما اخذتموھن بأمانة
اللہ، واستحلتم فروجھن
بکلمة اللہ عزوجل
الاول من کانت عنده
امانة فلیؤدھا الی من
اتتمنہ علیھا وبسط
ییدیہ، وقال الابلہل
بلغت؟ الابلہل بلغت
ثم قال! لیبیلخ الشاهد

ایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے
والے اس کی پریشانی کریں لیکن
وہ تمہارے درمیان رختہ انداز
کرے گا، عورتوں کے معاملہ میں
خدا سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارا
دست نگر نہیں، وہ اپنے لئے خود
کوئی اختیار نہیں رکھتیں، اور
ان کا تم پر حق ہے، اور تمہارا
ان پر کہ وہ تمہارے علاوہ تمہارے
بستر پر کسی کو آتے نہ دیں اور نہ
ایسے شخص کو تمہارے گھر آنے دیں
جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر تم ان کی
نافرمانی سے خون محسوس کرو تو
انہیں نصیحت کرو، اور ان کو
ان کی نوابگاہوں میں پھینکو
اور ہلکی مار مارو اور انہیں کھانے
پر طے کا حق معلوم طریقہ پر حاصل
ہے، تم نے انہیں خدا کی امانت کے
طور پر حاصل کیا ہے، اور ان کا ناموں کے

الغائب، فاتہ رب مُبَلِّغ
 اسعد من سامعہ۔
 اللہ کے نام سے حلال کیا ہے آگاہ
 ہو جاؤ جس کے پاس کوئی امانت
 ہو وہ صاحب امانت کو واپس
 کرنے اذنا فرمانے کے بعد آپ نے
 اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا
 کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا کیا
 میں نے پیغام پہنچا دیا؟ پھر فرمایا
 جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں
 تک یہ بات پہنچا دیں کیونکہ بہت سے
 غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ
 خوش بخت ہوتے ہیں۔



وَفَات

(ربیع الاول ۱۱۰۰ھ)

تبلیغ دعوت اور اجرائے شریعت کا نقطہ عروج اورصالِ حق کی تیاری

جب دین نقطہ عروج اور منتہائے کمال کو پہنچ گیا، اور یہ آیت نازل ہو گئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (اور) آج ہم نے تمہارے لئے

وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی

وَوَضَّيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے

دین کا۔ (سورہ ائمہ - ۳) لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام ہدایت لوگوں کو پہنچا دیا، امانتِ الہی

پے کم و کاست پہنچا دی اور راہِ حق میں قربانی اور جانفشانی کا حق ادا کر دیا، اور

ایک ایسی امت تیار کر دی جو نبوت کی ذمہ داریوں کو (منصبِ نبوت پر فائز ہو کر)

انجام دے سکتی تھی اور اس کو اس دعوت کا علمبردار اور اس دین کو تحریک سے

محفوظ رکھنے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ تَامِرُونَ بِالْعُرْوَةِ
(مومنو! جنتی امتیں) یعنی قومیں
لوگوں میں پیدا ہوئیں) تم ان سب کا

وَتَهَوُّونَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
 بِهتزاز ہو کر نیک کام کرنے کو کہتے ہو
 بِإِذْنِهِ - (سورہ آل عمران - ۱۱۰)
 اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور
 خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی (جو اس دین کی اساس اور ایمان
 یقین کا سرچشمہ اور منبع ہے) حفاظت اور بقا کی ذمہ داری بھی لے لی اور فرمایا :-
 إِنَّا نَحْنُ مُنْتَلِكُ الذِّكْرَ وَنُنَالُهُ
 بے شک یہ (کتاب) نصیحت میں
 لِنَحْفِظَهُ - (سورہ حجر - ۹)
 نے اُتاری ہے اور ہمیں اس کے
 نگہبان ہیں۔

دوسری طرف اس نے اس دین کی طرف لوگوں کے رجوع عام اور بڑی بڑی
 جماعتوں اور قبیلوں کے قبول اسلام سے اپنے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور پورے
 عالم میں اس کے فروغ اور اشاعت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور صاف نظر آنے لگا
 دیکھتے ہی دیکھتے یہ دین دنیا کے سارے مذاہب پر غالب آجائے گا سورہ نصر
 میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اشارہ بھی فرما دیا ہے :-

إِذْ جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
 وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
 فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
 بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ
 إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
 جب اللہ کی مدد پہنچی اور فتح (صال
 ہو گئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے
 غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں
 تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح
 کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک
 وہ معاف کرنے والا ہے۔
 (سورہ نصر - ۱-۳)

قرآن مجید کا دور اور اعتکاف میں اضافہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف میں اس قدر اضافہ فرمادیا کہ ہر سال آپ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی، آپ نے بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔

حضرت جبریلؑ رمضان کی ہر شب میں آپ سے آگرتے اور آپ ان کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتے تھے، لیکن اس سال آپ نے فرمایا کہ اس مرتبہ وہ ایک کے بجائے دو بار آئے ہیں، اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تقاء رب اور وصالِ حق کی اجازت عطا فرمائی جن سے زیادہ اس کی ملاقات کا شوق و اشتیاق اور کسی کو نہیں ہو سکتا تھا، اللہ تعالیٰ کو بھی اس تقاء کا اشتیاق تھا، اور آپ کو بھی اس کا قاہنہ درجہ شوق اور آرزو تھی۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو جن سے بڑھ کر آپ کا چاہنے والا رہے زمین پر کوئی اور نہ تھا، آپ کی خبر وفات سننے اور اس صدمہ عظیم کو برداشت کرنے کے لئے جس سے کوئی چارہ نہ تھا، پہلے سے تیار کر دیا تھا، اس سے پہلے غزوہٴ احد میں ان کو آپ کی شہادت کی اچانک خبر ملی تھی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شیطان کی سازش اور کھیلائی ہوئی افواہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی حیاتِ طیبہ

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب المناقب، باب علامات النبوة۔

اور صحبت سے فائدہ اٹھانے کا ایک موقع عطا فرمایا ہے اگرچہ یہ حادثہ بہر حال کسی نہ کسی روز پیش آنے والا ہے چنانچہ اللہ کا ارشاد ہوا کہ :-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ
أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ
فَلَنُيَسِّرَنَّ اللَّهُ شَيْئًا
وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ.
(سورہ آل عمران - ۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف
(خدا کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی
بہت سے پیغمبر ہو گئے ہیں بھلا
اگر ان کی وفات ہو جائے یا شہید
کر دیئے جائیں تو تم اٹے پاؤں پھر
جاؤ گے؟ (یعنی تہمت ہو جاؤ گے) او
جولے پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان
نہیں کر سکے گا اور خدا شکر گزاروں
کو (بڑا) ثواب دے گا۔

یہ اولین مسلمان جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین تربیت فرمائی تھی اور ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا، اور دنیا کے دور دراز گوشوں اور دور افتادہ قوموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے عظیم اور مقدس کام میں ان کو مشغول کر دیا تھا، اس بات کا پورا یقین رکھتے تھے کہ آپ کسی نہ کسی دن اس عالم فانی کو چھوڑ کر ان سے جدا ہو جائیں گے اور اپنی اس طویل محنت قربانی کا بہترین ثمرہ اور جزاء حاصل کرنے کے لئے اپنے رب کے حضور حاضر ہو جائیں گے، جب "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے سمجھا لیا کہ یہ آیت جدائی کی گھڑی کا پیش خیمہ اور اعلان ہے اس لئے کہ نبوت کا کام پایہ تکمیل تک

پہنچ چکا ہے اور خدا کی نصرت اور فتح آپ کی ہے۔
 جس وقت آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" نازل ہوئی تو اس وقت
 بہت سے جلیل القدر صحابہ نے محسوس کیا کہ آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔

لقاء مولیٰ کا شوق اور دنیا کو وداع

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں
 جن سے اشارہ ملتا تھا کہ آپ کی وفات کے دن قریب ہیں، اور آپ اس سفر کے لئے تیار
 اور الرفیق الاہلی سے ملنے کے متعلق ہیں، آپ نے اُحد کے شہداء کے لئے اٹھ سال
 کے بعد اس طرح دعا کی کہ جیسے آپ قریب اپنے اصحاب کرام سے جدا ہونے والے
 ہیں، جیسے کوئی زندوں اور مردوں کو رخصت کرنے والا کرتا ہے۔

پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارے آگے جانے والا ہوں اور
 تم پر گواہ ہوں، اب تم سے ملاقات حوض (کوثر) پر ہوگی میں اپنے کو اس مقام پر کھڑا
 ہوا دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی انجیاں دے دی گئی ہیں مجھے یہ ڈر نہیں کہ
 تم میرے بعد شریک کرنے لگو گے، مگر میں اس سے ڈرتا ہوں کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے
 آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو اور جی گذشتہ قومیں ہلاک ہوئی تھیں تم بھی ہلاک ہو جاؤ۔

لہٰذا ابن عباس کہتے ہیں کہ جہاں تک میں جانتا ہوں اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مراد
 ہے امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب اذکاء صاء فصلوا لله والفقہ
 نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے (اس سورہ میں) اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے (دیکھئے
 تفسیر ابن کثیر) لہٰذا دیکھئے ابن کثیر ج ۴ ص ۴۱۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۰ (اس سورہ میں) اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے (دیکھئے
 حجة العقبہ کے قریب تک کریم لوگوں نے فرمایا مجھ سے بنا سیکھ جیسا کہ اس کتاب میں اس سال کے بعد مجھ کا متنی ہے

علالت کا آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت ماہِ صفر کے آخر میں پیدا ہوئی، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ نصف شب کو ”جنت البقیع“ تشریف لے گئے، اور اہل قبو کے لئے دعائے مغفرت کی، پھر اپنے گھر تشریف لے آئے، جب صبح ہوئی تو اسی روز سے علالت شروع ہو گئی۔^۱

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے واپس آئے تو آپ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں سخت درد تھا میں کہہ رہی تھی کہ میرے سر میں کتنی تکلیف ہے، آپ نے فرمایا نہیں میرے سر میں کتنا درد ہے عائشہ میرے سر میں کتنی تکلیف ہے، علالت میں ترقی ہوئی، اس وقت آپ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، آپ نے تمام ازواجِ مطہرات کو طلب فرمایا، اور ان سے اجازت چاہی کہ آپ بیماری کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گذاریں انہوں نے اس کو بخوشی منظور کیا، آپ گھر کے دو افراد کے سہارے جن میں ایک فضل بن عباس^۲ اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، وہاں سے تشریف لے چلے، سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے، اسی طرح آپ حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ اس مرض میں جس میں آپ کی وقفا ہوئی،

۱۔ احادیث کے نسخ اور قولِ راجح کی بنیاد پر یہی معلوم ہوتا ہے، اور اغلب ہے کہ یہ دو شبہ کا

دن تھا۔ ۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲۲ و ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۳ ۳۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۳۳

۴۔ صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته)

یہ فرماتے تھے کہ عائشہؓ میں اس کھانے کی تکلیف اتنی محسوس کرتا ہوں جو میں نے
خیبر میں کھایا تھا، اس وقت اس زہر سے میری رگ (ابہر) کٹ رہی ہے۔

آخری شکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک شکر کا امیر
بن کر شام بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ ان کے گھوڑے ”بلقا“ اور داروم کی سرزمین تک
ضرور جائیں جو ارض فلسطین کا حصہ ہے۔

اس لشکر میں آپ نے مہاجرین و انصار کے چیدہ اور برگزیدہ اصحاب کو
شامل فرمایا جن میں سب سے نمایاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے ان کو سخت بیماری
کی حالت میں وہاں پہنچنے کا حکم دیا، اس وقت اسامہ کا لشکر ”جوف“ میں خیمہ
انداز تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اسامہ کے لشکر کی پیش قدمی
مستوی نہیں کی بلکہ اس پر پورا پورا عمل کیا۔

جلسہ اسامہ سے آپ کی دلچسپی و اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ لوگ جلسہ اسامہ کے معاملہ میں کسی قدر

لے صحیح بخاری، معلقاً (باب من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ) حافظ بیہقی نے حاکم سے اور انھوں نے

زہری سے بھی اس کو روایت کیا ہے، دیکھیے ابن کثیر ج ۲ ص ۴۲۹، ۴۳۰، ابہر اس رگ کو کہتے ہیں جو پیٹھ

سے نکل کر دل سے مل جاتی ہے، وہ اگر کٹ جائے تو آدمی مر جاتا ہے، ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۲، ابن کثیر ج ۲

سستی سے کام لے رہے ہیں اس سے پہلے لوگوں نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں کہ ایک نوجوان لڑکے کو جلیل القدر صحابہ، ہماجرین و انصار کا امیر بنا یا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی درد کی حالت میں سر پر ٹپی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے، پہلے اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا بیان کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر فرمایا کہ لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو، اگر آج تم ان کی امارت کے بارے میں جھگڑائی کرتے ہو تو کل تم نے ان کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، بے شک وہ امارت کے لائق اور اس کے مستحق ہیں جیسے ان کے والد اس کے مستحق تھے، اتنا فرما کر آپ منبر سے نیچے اتر گئے اور لوگ تیزی کے ساتھ تیار ہو کر پیشہ مشغول ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت پہلے سے بہت بڑھ گئی، دوسری طرف اسامہ اس لشکر کو لے کر روانہ ہو گئے، اور مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر "جرموف" میں اپنا پڑاؤ ڈالا، تاکہ باقی لوگ جو آنا چاہتے ہیں وہ سب یہاں مجتمع ہو جائیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت علیل تھی اور اسامہ اور ان کے سب ساتھی وہاں لے کے ہوئے تھے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ آپ نے اسی مرض میں مسلمانوں کو وصیت کی کہ وہ اس لشکر کو اسی طرح روانہ کریں جیسے آپ ان کو روانہ فرمایا کرتے تھے، اور "جزیرۃ العرب" میں دو مذہب باقی نہ چھوڑیں، اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مشرکین کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۶۵ نیز صحیح البخاری کتاب المغازی باب "غزوہ زید بن حارثہ" اس میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر تم آج ان کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم نے ان کے والد کی امارت پر طعن کیا تھا، اور خدا کی قسم وہ امارت کے مستحق تھے اور مجھے محبوب تھے، اور ان کے بعد میرے بہت محبوب لوگوں میں ہیں۔ ۲۔ دیکھئے صحیح بخاری باب (مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

مسلمانوں کے لئے دعا اور ذاتی سرملذی شوق اور تکر سے دو پہنے کی آگاہی
 علالت کے دوران کچھ صحابہ کرام حضرت عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے آپ نے
 ان کا مجبوشی سے استقبال کیا اور ان کے لئے ہدایت، نصرت اور توفیق کی دعا فرمائی
 پھر آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ
 کو اپنے بچہ تمہارا نگران بناتا ہوں، میں اس کی طرف سے تم کو کھلا ہوا ڈرانے والا اور
 آگاہی دینے والا ہوں، دیکھنا اللہ کی سیٹیوں اور اس کے بندوں میں تکر اور برتری کو
 اختیار نہ کرنا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اور تمہارے لئے پہلے ہی فرما دیا ہے:-

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا
 لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا
 فِي الْأَرْضِ وَلَا فِسَادًا
 وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝
 وہ (جو) آخرت کا گھر ہے) ہم نے
 اُسے اُن لوگوں کے لئے (نیا) کر رکھا
 ہے جو ملک میں برتری اور فساد کا
 ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک)
 تو پر ہیزگاروں ہی کا ہے۔
 (سورہ قصص - ۸۳)

پھر آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:-

الَّذِينَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى
 لِّلْمَثَلِ الْأُولَىٰ
 دوزخ میں نہیں ہے؟
 (سورہ زمر - ۶۰)

دنیا سے بے تعلقی اور مال کے بچ جلنے سے کراہت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے مرضِ وفا

میں ایک مرتبہ دریافت فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! اُس سونے کو کیا کیا؟ وہ پانچ سے سات یا نو کے درمیان اشرفیاں لائیں آپ ان کو لے کر اپنے ہاتھ سے اٹتے پلٹتے اور فرماتے! میں ان کے ساتھ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا، جاؤ ان سب کو راہ خدا میں خیرات کرو۔

نماز کا اہتمام اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں اضافہ ہوا اور طبیعت زیادہ بھاری ہو گئی تو آپ نے اسی حالت میں دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھی؟ ہم نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے فرمایا میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، لوگوں نے تعمیل کی آپ نے غسل فرمایا، پھر آپ نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی، جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ کیا سب نے نماز پڑھی، لوگوں نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ! سب لوگ آپ کے منتظر ہیں، تمام لوگ اس وقت مسجد نبوی میں خاموش بیٹھے ہوئے نماز عشاء کے منتظر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیغام کہلوایا کہ وہ نماز پڑھائیں، حضرت ابو بکر بہت رقیق القلب شخص تھے، انھوں نے کہا عمر! تم نماز پڑھاؤ، انھوں نے کہا آپ اس کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ ان دنوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس فرمایا

لہ حدیث کے اصل الفاظ ہیں ”ما اذن محمد باللہ عزوجل لولقیہ وھذہ عندہ“ ”حرک انظلی ترجمہ ہوا، محمد کا اللہ کے ساتھ کیا گمان ہوگا جب اُس سے ملاقات ہوگی، اس حالت میں کہ یہ اشرفیاں اس وقت اس کے پاس تھیں۔ سنہ امام احمد ۶/۲۹۷

اور ڈو آدمیوں کے سہارے سے جن میں ایک عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے علی
 کم الشکر وچہ تھے، ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے، جب حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو
 دیکھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ سے ان کو ہدایت کی کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں اور
 ان دونوں حضرات سے آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کو ابو بکرؓ کے پہلو میں بٹھادیں حضرت
 ابو بکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے اور آپ نے بٹھ کر نماز ادا فرمائی!

ام الفضل بنت الحارث روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم
 کو مغرب کی نماز میں سورۃ "والمرسلات" پڑھتے سنا، اس کے بعد آپ کو کسی نماز کی امامت
 کی نوبت نہ آئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا!

خطبۃ الوداع

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں منبر پر بیٹھ کر جو کلمات ارشاد فرمائے
 اور اس حالت میں فرمائے کہ آپ کے سر مبارک پر کپڑا بندھا ہوا تھا، اس میں ایک موقع
 پر آپ نے یہ بھی فرمایا: "إن عبدا من عباد الله خيرة الله بين الدنيا وبين
 ما عندها فاختار ما عند الله" (اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ
 نے دنیا اور اللہ کے پاس جو چیز ہے کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا اختیار دیا تو اس نے
 جو کچھ اللہ کے پاس ہے اُسے اختیار کیا) حضرت ابو بکرؓ ان الفاظ کے معانی سمجھ گئے
 اور انھوں نے محسوس کیا کہ یہ دراصل آپ نے اپنے لئے کہا ہے، یہ خیال کر کے وہ روپڑا
 اور کہا "ہمیں، ہماری جانیں اور اولاد سب آپ پر فدا ہیں!"

لے صحیح بخاری (باب مرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم ووفاته) ۱۷۱ احادیث کے جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

آپ نے فرمایا "ابو بکرؓ ٹھہرو! جلدی نہ کرو، بلاشبہ کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے، جتنا ابو بکرؓ نے کیا ہے اور اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست و محبوب) بنانا تو ابو بکرؓ کو اپنا خلیل بنانا لیکن اسلام کا تعلق اور اسلام سے محبت سب سے افضل ہے؛

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "مسجد کا ہر دریچہ جس سے میرا منہ ہوتا ہے بند کر دو" صرف نوحۃ ابو بکرؓ کو باقی چھوڑ دو؛

انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

حضرت ابو بکرؓ و حضرت عباس رضی اللہ عنہما ایک بار انصار کی ایک مجلس سے گزریے انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ روئے ہیں انھوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس میں یاد آ رہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ باہر تشریف لائے آپؐ نے سر مبارک کو اپنی چادر کے حاشیے سے لپیٹ لیا تھا، آپؐ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اس دن کے بعد پھر آپؐ کو منبر پر جانے کا موقع نہیں آیا، پھر آپؐ نے

۱۷ صحیح بخاری کتاب الصلاة، باب الخوف والمرئی الصلاة" ۱۷ یہاں پر نوحۃ کا لفظ آیا ہے جو

چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں ۱۷ صحیح بخاری کتاب الصلاة، باب الخوف والمرئی الصلاة؛

۱۸ قول راجح یہی ہے کہ یہ آپؐ کا وہی آنحضرتؐ ہے، جو حجرات کے روزِ ظہر کی نماز کے بعد آپؐ نے

دیا تھا، اس لئے کہ حدیث کے راوی جو انس بن مالکؓ نہیں کہتے ہیں آپؐ منبر پر چڑھے اور اس دن کے

بعد پھر آپؐ کو منبر پر جانے کا موقع نہیں آیا، پھر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جو اس کی شان

کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جو اس کی شانِ عالی کے لائق ہے اس کے بعد ارشاد ہوا:
 میں تم کو انصار کے ساتھ (حسن سلوک کی) وصیت کرتا ہوں، وہ جم و جان
 کی طرح ہیں؛ اور میرے متمد اور رازدار ہیں، ان پر جو ذمہ داری تھی اس کو انہوں نے
 پورا کیا، ان کا جو دوسروں پر حق ہے، وہ باقی ہے، اس لئے ان کے اچھے اور صالح
 لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے جو لوگ قصور وار ہوں ان سے درگزر کرنا۔

مسلمانوں کی صفت بستہ جماعت پر آپ کی آخری نگاہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما پر ہاتھ پڑھاتے رہے، دو شبہ کے دن وہ لوگ نماز فجر میں
 صیغے باندھے کھڑے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ
 اٹھایا، اور کچھ دیر آپ مینظر دیکھتے رہے کہ مسلمان اپنے رب کے حضور کس طرح حاضر
 ہیں، آپ کی دعوت اور جہاد و سعی کیا رنگ لائی ہے، اور یہ امت کس طرح تیار
 ہوئی ہے، جو نماز سے اس درجہ تعلق رکھتی ہے، اور اپنے نبی کی موجودگی اور غیر موجودگی
 دونوں حالتوں میں اسی جوش و نشاط اور سرور و شوق کے ساتھ بارگاہِ الہی میں
 دست بستہ حاضر ہے، یہ جو شکوہ نظر اور اس کا میا بی کو دیکھ کر جو آپ سے پہلے کسی نبی یا
 داعی کو نصیب نہیں ہوئی تھی، آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، اور آپ کو اس کا اطمینان
 ہوا کہ اس دین اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس امت کا تعلق دائمی اور پائدار ہے جو
 آپ کی وفات کے بعد بھی قائم رہے گا، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس بات

لے صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبلوا من

عسنتھم و تجا و ذاعن مسیئھم

کس درجہ مسرت ہوئی ہوگی، یہ منظر دیکھ کر روئے انور فرط مسرت سے دکھنے لگا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیان فرماتے ہیں کہ:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ عائشہؓ کا پردہ کھولا اور کھڑے ہوئے ہمیں برابر دیکھتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کا روئے مبارک ورق مصحف ہوا پھر آپؐ مسکرائے اور سنس پڑے، ہمیں یہ خیال ہوا کہ کہیں ہم لوگ بھی خوشی کی وجہ سے آزمائش میں نہ پڑ جائیں اور بے قابو ہو جائیں، ہمیں یہ بھی گمان ہوا کہ شاید آپؐ نماز کے لئے باہر تشریف لانے والے ہیں آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کرو، اس کے بعد آپؐ نے پردہ گرا دیا، اور اسی دن آپؐ کی وفات ہوئی“

قبروں کی پرستش اور ان کو عبادت گاہ و مسجد بنانے کی مذمت و نعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ یہ تھے ”قاتل اللہ الیہود والنصارا المتخذوا قبور انبیائہم مساجد، لا یقین دینان علی ارض العرب“ (اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنا لیا، ہر زمین عرب میں بیک وقت دو مذہب نہ رہیں۔)

حضرت عائشہؓ و حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک سیاہ دھاری دارچادراپ پر پڑی ہوئی تھی آپؐ اس کو کبھی پہرہ مبارک پڑالتے، جب تکلیف ہونے لگتی تو اس کو ہٹا دیتے، اسی حال میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ”یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو

لہ صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته) ۱۷۰۰ بروایت مؤطا امام مالک بن کثیر ج ۲ ص ۱۷۰

عبادت کا ہیں بنایا" آپ مسلمانوں کو اس سے خبردار فرماتے تھے:

آخری وصیت

وفات کے قریب آپ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی "الصلاة وما ملکت ايمانكم" (دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں اور غلاموں کا) یہ آپ برابر فرماتے رہے، یہاں تک کہ زبان سے ان الفاظ کا ادا کرنا مشکل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ "آپ نے اس موقع پر نماز اور زکوٰۃ اور ماتحتوں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ "میں آپ پر نحوذین پڑھ کر دم کرنے لگی، کہ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا "فی الرفیق الاعلیٰ۔ فی الرفیق الاعلیٰ" (سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس، سب سے اعلیٰ رفیق کے پاس)۔

اسی وقت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں (سیلو کی) ترقواز شاخ تھی، آپ نے اس کو ایک نظر دیکھا، میں نے خیال کیا کہ شاید آپ کو اس کی ضرورت ہے، چنانچہ میں نے وہ ان سے لے کر پتے وغیرہ جھاڑ کر مسواک تیار کی اور آپ کو پیش کیا، آپ نے اس سے بہت اچھے طریقے سے مسواک کی، جیسے آپ کبھی فرمایا کرتے تھے، پھر مجھے واپس کرنے لگے لیکن وہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

۱۵۔ بیہقی واحمد (ابن کثیر السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۴۳) ۱۶۔ امام احمد (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۳)

۱۷۔ سیرت ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۴ نیز صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

فرماتی ہیں کہ ”آپ کے سامنے پانی کا کٹورہ تھا، آپ اپنے ہاتھ پانی کے اندر ڈالتے اور
 چہرہ پر پھیر لیتے اور اس کے بعد فرماتے ”لا الہ الا اللہ ان للموت لسکرات“ (اللہ کے سوا
 کوئی معبود نہیں ہے، تنگ سکرات موت برحق ہے، پھر آپ نے بائیں انگلی اور پراٹھائی، اور
 فرماتے ”لکے فی الرفیق الاعلیٰ... فی الرفیق الاعلیٰ“ (سب سے اعلیٰ اور تر رفیق کے پاس)
 یہاں تک کہ روح مبارک نے عالم بالا کا رخ کیا، اور آپ کا ہاتھ پانی میں ایک طرف جھک گیا
 حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس وقت جدائی کی گھڑی تزیب آئی تو اس وقت
 آپ کا سر سیری ران پر تھا، ایک گھڑی کے لئے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو
 ہوش آگیا، اور آپ نے گھر کی چھت کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور فرمایا ”اللهم الرفیق
 الاعلیٰ“ (بے شک سب سے اعلیٰ اور تر رفیق کے پاس) یہ وہ آخری الفاظ تھے
 جو رحلت کے وقت آپ کی زبان مبارک سے نکلے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس حال میں تشریف لے گئے!
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا تو اس وقت پورا
 جزیرۃ العرب آپ کے زیر نگیں تھا، دنیا کے سلاطین، امراء پر آپ کا جلال و وعب تھا،
 آپ کے اصحاب کرام آپ پر اپنی جان و اولاد اور مال و متاع سب نثار کرنے پر تیار رہتے
 تھے، اس سب کے باوجود آپ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ نے ایک نیا ریا دہم ایک
 غلام یا اونٹنی اور کوئی چیز بھی اپنے پیچھے نہیں چھوڑی، صرف آپ کا ایک سفید خچر تھا،
 آپ کے ہتھیار تھے، اور ایک قطعہ زمین جس کو آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

لہ صحیح بخاری، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته“ ۱۷۱۱ ایضاً

آپ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس
تینس^۳ صاع جو پرہن رکھی ہوئی تھی اور آپ کے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ آپ اسے دے کر
زرہ کو چھڑا سکتے یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ نے اپنے مرض وفات میں چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا، آپ کے پاس
سات یاچھ دینار تھے، حضرت عائشہ رضہ کو حکم ہوا کہ ان کو بھی صدقہ کر دیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
وفات اس حالت میں ہوئی کہ میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار
کھا سکتا، البتہ ذرا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا، میں نے اسی میں سے کچھ کھایا
وہ بہت دن چلا یہاں تک کہ میں نے ایک دن اس کی ناپ تول کی، بس اسی کے بعد وہ ہو گیا
آپ کی وفات دو شنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو زوال کے بعد ہوئی، اس وقت

عمر تشریف پندرہ سال تھی، یہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تاریک و روشنت ناک دن ہے
بڑا صدمہ اور ابتلاء اور پوری انسانیت کا سب سے بڑا سانحہ تھا، جس طرح آپ کی ولادت
باسعدت کا دن انسانیت کا سب سے مبارک روشن اور تابناک دن تھا، حضرت انس
والوسیع رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مدینہ تشریف لائے تھے تو مدینہ کی ہر چیز آپ کی آمد سے روشن اور نور ہو گئی تھی، جس دن آپ کی
وفا ہوئی، اس دن اس کی ہر چیز تاریک ہو گئی، ام ایمن بھی روز ہی نہیں لوگوں نے سبب پوچھا
تو انھوں نے جواب دیا کہ بے شک مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے

۱۔ ایضاً ۱۱ھ یعنی ۶۳۰ء السیرۃ الخلیفہ ج ۳ ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲

تشریف لے جائیں گے، لیکن میں اس باپ پر درہا ہوں کہ وحی کا سلسلہ ہم سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا!

صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی وفات کی خبر کس طرح سنی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر صحابہ کرامؓ پر پہلی بن کر گئی اس کی وجہ ان کا وہ عائق تھا نہ تعلق تھا، جس کی نظر نہیں، وہ آپؐ کے سایہ شفقت میں اس طرح رہنے کے عادی ہو گئے تھے جس طرح بچے ماں باپ کے آغوشِ محبت میں رہتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لحاظ سے ان پر جتنا بھی اثر پڑا کم تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ
 (سورہ توبہ - ۱۲۸)

(لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہے تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہے) اور) مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

ان میں سے ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ آپؐ کی نگاہِ لطف و کرم میں سے زیادہ محبوب اور موردِ لطافت و کرم ہے، بعض صحابہ کو اس پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ اقمہ پیش آیا، ان میں پیش پیش حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے ایسے شخص پر جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی بہت نکیر کی وہ مسجد نبوی میں آئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت تک نہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ منافقوں کو ختم نہ کر دے گا!

حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ کن اور جرأت مندانہ قدم

ان حالات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی نیابت و خلافت اور عزیمت و حکمت کے موقف کے لئے تیار کیا تھا) جیسے عالی حوصلہ اور عزیمت کے پہاڑ کی ضرورت تھی، جو اپنی جگہ سے جھینٹ بھی نہ کرے، ابو بکر صدیقؓ کو (جو مقام شیخ (مضافات مدینہ) میں تھے) اطلاع ہوئی تو اسی وقت تشریف لائے (بخاری صفحہ ۶۷) اور مسی نبوی کے دروازے پر ایک لمحہ کے لئے رکے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے، پھر وہ کسی طرف ملتفت ہوئے بغیر یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے آپ پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی، انھوں نے ذرا سی چادر سر کاٹی اور جھک کر روئے مبارک کا لوسہ لیا اور کہا، بیڑاں باپ آپ پر قربان! موت کا مزہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مفرد کر دیا تھا، آپ نے چکھ لیا، اب آپ کو کبھی بھی موت کی تکلیف نہ ہوگی، اس کے بعد انھوں نے چادر سے آپ کے روئے مبارک کو اسی طرح چھپا دیا، اس کے بعد مسی نبوی میں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ کلام اس وقت تک جاری تھا، انھوں نے کہا عمر! ذرا ٹھہرو، لیکن جوش کلام میں انھوں نے ان کی بات نہیں سنی، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ خاموش نہیں ہوئے ہیں تو صحیح کی طرف متوجہ ہو کر انھوں نے اپنی بات شروع کی، لوگوں نے جب ان کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے رخ پھیر کر ان کی بات سنی شروع کر دی، حضرت ابو بکرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا:۔

”لوگو! اگر کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا تھا تو (اس کو معلوم

ہو جائے کہ) بلاشبہ ان کی وفات ہو گئی اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو (اطمیناً رکھے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن
مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى
أَعْقَابِكُمْ مَن يَنْقَلِبْ
عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَن يَصِّرَ اللَّهُ
شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ
(سورۃ آل عمران ۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو صرف
(خدا کے) پیغمبر ہیں ان پہلے بھی بہت
پیغمبر ہو گئے ہیں بھلا اگر ان کی وفات
ہو جائے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم
اپنے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ)
اور جو اپنے پاؤں پھر جائے گا تو خدا
کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور
خدا شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔

جو لوگ اس موقع پر حاضر تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے ان کا بیان ہے کہ
"خدا کی قسم جب حضرت ابو بکر نے یہ آیت تلاوت کی تو ایسا محسوس ہوا کہ یہ آیت بھی
نازل ہوئی ہے اور حضرت ابو بکر نے ان کے منہ کی بات کہہ دی "حضرت عمرؓ بیان کرتے
ہیں کہ میں نے جب ابو بکرؓ کو آیت تلاوت کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر بے ساختہ زمین پر گر گیا
میرے پیروں کی طاقت تم ہو چکی تھی اس وقت گویا مجھے عظیم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا
حضرت ابو بکرؓ کی بیعت خلافت
اس کے بعد تمام مسلمانوں نے سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر خلافت

لے سیرت ابن ہشام ج ۲ ۶۵۵-۶۵۶ صحیح بخاری "باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته" میں
پوری تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

بیعت کی اس تجلیت کا مقصد یہ تھا کہ شیطان کو ان کے دلوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے اندر رخنہ پیدا کرنے کا موقع نہ ملے اور نفسانی خواہشات سر نہ اٹھا سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری سفر پر اس حال میں روانہ ہوں کہ مسلمان ایک رشتہ میں منسلک اور پوری طرح متحد اور ہم رنگ ہم آہنگ ہوں ان کا امیر موجود ہو اور ان کے سارے معاملات کی دیکھ بھال کر رہا ہو حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا کام بھی امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے ہاتھوں انجام پائے۔

مسلمانوں نے اپنے رسول کو کس طرح الوداع کہا؟

اس کے بعد لوگ پرسکون ہو گئے اور تخیّر اور صدمہ کا اثر بدی کی طرح چھٹ گیا اور وہ ان کاموں اور ان فرائض کی تکمیل میں مشغول ہو گئے، جو آپ نے ان کو تعلیم فرمائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور تکفین کا کام آپ کے اہل بیت نے انجام دیا۔ اس سے فراغت کے بعد آپ کے جنازہ مبارک کو گھر ہی میں رکھ دیا گیا، اس موقع پر حضرت ابو بکر نے کہا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نبی کا بھی انتقال ہو اس کو اسی جگہ دفن کیا گیا، جہاں اس کا انتقال ہوا تھا، چنانچہ آپ کا بستر مبارک جس پر آپ کی وفات ہوئی تھی، اٹھا دیا گیا، اور ٹھیک اس کے نیچے قبر کھودی گئی، ابو طلحہ انصاری نے یہ کام انجام دیا۔

اس کے بعد لوگوں نے جماعتوں کی شکل میں حاضر ہونا شروع کیا، ایک جماعت آتی اور نماز جنازہ ادا کرتی اس کے بعد دوسری جماعت آ کر نماز پڑھتی، پہلے مرد داخل ہوتے رہے، اس کے بعد عورتوں کو داخلہ کی اجازت دی گئی، عورتوں کے بعد بچوں کو

اجازت ہوئی اور انھوں نے بھی آپ کی نماز جنازہ پڑھی لوگوں کسی کو ان نمازوں کا لام نہیں بنایا۔
یہ واقعہ سہ شنبہ کے دن کا ہے۔

یہ مدینہ کا ایک غلگین دن تھا، جب حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی تو حضورؐ کو یاد کر کے بے ساختہ رونے لگے اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اس منظر سے مسلمان جو پہلے ہی سے غمزدہ تھے اور گہرے سوچ و غم میں ڈوب گئے، ان کے کان اس اذان کو اس حال میں سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دریاں تشریف فرما تھے۔ آج صورت بالکل مختلف تھی۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی تھیں، کتنی سخت مصیبت تھی، جب ہم کو یہ مصیبت یاد آتی ہے تو ہر مصیبت اس کی وجہ سے بچ اور اس سے معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا تھا، اے لوگو! تم میں سے (راہ اہل ایمان میں سے) کسی کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس مصیبت کے لئے جو اس کو دوسرے کے انتقال سے پیش آرہی ہے، اس مصیبت سے تسلی حاصل کرے جو میری وفات سے اس کو پیش آئی ہے، اس لئے کہ میری امت میں کسی شخص کو میری وفات کے صدر سے بڑھ کر کوئی مصیبت پیش نہ آئے گی۔

جب تدفین سے لوگ فارغ ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَخْتَفُوا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّوَلَّى
انس اکبیا تھا کسے دلوں نے یہ گوارا
کر یا کہ جسد مبارک پر مٹی ڈالو۔

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۶۳ ۲۔ طبقات ابن سعد (السيرة النبوية لابن كثير ج ۲ ص ۵۱۶)

۳۔ السيرة النبوية لابن كثير ج ۲ ص ۵۱۶-۵۳۹ ۴۔ الاصلح ج ۲ ص ۵۲۹ از ابن ماجہ۔

۵۔ صحیح بخاری (باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته)

ازواجِ مطہرات و اولادِ اطہار

ازواجِ مطہرات

آپ کی ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا ہے یہ آپ کی نبوت سے قبل جب ان کی عمر چالیس سال تھی آپ کی زوجیت میں آئیں حضرت خدیجہ نے آپ کی نبوت کے بعد پیش آنے والی مشکلات میں آپ کی پوری مدد کی اور جہاد و قربانی میں آپ کی رفاقت و شرکت فرمائی اور اپنی ہمدردی و محبت اور اپنے مال و دولت ہر طریقہ سے آپ کی تسلی و تسکین کا سامان فراہم کیا، ان کی وفات ہجرت کے تین سال قبل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد (سیدنا ابراہیم کو چھوڑ کر) حضرت خدیجہ سے ہے آپ تعریف اور احسان شناسی کے ساتھ ان کا ہمیشہ ذکر فرماتے رہے کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بکری ذبح کی جاتی تو آپ اس کے مختلف حصے علاحدہ کر کے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس بھجواتے لے

ان کی وفات کے کچھ دن بعد سوڑہ بنت زمرہ کو آپ کی رفیقہ حیات بننے کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو آپ کی بہت عزیز و محبوب بیوی تھیں، اُمت کی خواتین میں فقہ و علم دین میں کوئی ان کا ہم پایہ

انہ فقہ علیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر اتنا زور نہ لگا نہیں آیا، جتنا خدیجہ پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں۔

نہ تھا، اکابر صحابہ مختلف مسائل میں ان سے رجوع فرماتے تھے اور ان کا فتویٰ اور رائے چاہتے تھے اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اس کے بعد زینب بنت خزیمہ سے شادی ہوئی جو شادی کے دو ماہ بعد وفات پا گئیں، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجہ بنیں ان کی وفات ازواج مطہرات میں سب کے بعد ہوئی، پھر آپ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی یہ آپ کی پھوپھی اُمیمہ کی صاحبزادی تھیں، اس کے بعد آپ نے جویریہ بنت الحارث سے شادی کی جو قبیلہ بنو المصطلق سے تعلق رکھتی تھیں، پھر ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور اس کے بعد قبیلہ بنی النضیر کے سردار محیی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، محیی بن اخطب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمرانؓ کی اولاد میں تھے، اس کے بعد میمونہ بنت الحارث الہمالیہ سے شادی ہوئی، ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں انھیں کو یہ بشارت حاصل ہوا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی ازواج مطہرات میں سے نو موجود تھیں، حضرت خدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہ کا آپ کی حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہو گیا تھا، یہ سب حضرت عائشہؓ کو مستثنیٰ کر کے شادی شدہ تھیں۔

آپ کی وفات کے وقت آپ کی دو باندیاں موجود تھیں، ایک ماریہ بنت شمعون جو مصر کے قبطی خاندان کی فرد تھیں جن کو مصر کے حاکم مقوقس نے آپ کی

خدمت میں پیش کیا تھا، اور جو آپ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؑ کی والدہ تھیں، دوسری قبیلہ بنی النضیر کی خاتون ریحانہ بنت زیدہ تھیں، اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے ان کو آزاد فرما دیا، اور پھر ان کو اپنی زوجیت میں قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے بعد ان ازواج مطہرات سے شادی مسلمانوں پر حرام قرار دی، اس لئے کہ وہ اہل ہات المؤمنین کا درجہ رکھتی تھیں، اس تعلق (زوجیت کے ساتھ) اس مقدس اور نازک رشتہ کی پوری حفاظت و رعایت نہیں ہو سکتی تھی، جو اُمت کو اپنے نبی سے (دائمی طور پر) ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا
رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكَحُوا
أَزْوَاجَهُمْ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا
إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ
عَظِيمًا (احزاب-۵۳)

اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر
خدا کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کا
بیویوں سے کبھی ان کے بعد
نکاح کرو، بے شک یہ خدا
کے نزدیک بڑے گناہ کا کام

ہے۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

علماء کا اس بات پر گلی اتفاق ہے کہ آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے لئے آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہے، اس لئے کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ وہ آپ کی بیبیاں اور اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

۱۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ بنی قریظہ میں سے تھیں ۱۵ ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۴-۶۰۵

۲۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۶۰۳ (دارالاندلس)

تعدد ازدواج پر ایک نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کا ایک حصہ تہجد میں گزارا، پچیس سال کی وہ مدت ہے، جو نوجوانی کا خاص زمانہ ہوتا ہے، آپ کا اہل لفظ انسانیت کی پرورش ہوئی تھی، تہذیب و تمدن کے امراض اور عیوب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی تھی، شہسواری اور مردانگی کی اعلیٰ صفات سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا، جن کی عربوں کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، اور جن کو علم النفس اور اخلاقیات کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں۔

آپ کے بدترین دشمنوں کو بھی اس زمانہ میں (جو نبوت سے قبل آپ کا بہت اہم اور نازک دور تھا) آپ پر حروت گیری اور انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ ملا نہ آپ کی نبوت کے بعد آج تک کسی نے اس سلسلہ میں آپ پر نکتہ چینی کی، آپ طہارت و عفت، پاکیزگی قلب و نظر، معصومیت و طہارت کی اعلیٰ مثال تھے، اور ہر اس کمزوری سے بہت دور تھے، جو آپ کے شایان شان نہ تھی۔

پچیس سال کی اس عمر میں آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں، چالیس سال کی ان کی عمر تھی، اس سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں، صاحب اولاد تھیں، پھر مشہور قول کے مطابق آپ کے اور ان کے بیٹے پندرہ سال کا فرق تھا۔ اس کے بعد دوسری شادی آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت کی جبکہ آپ کی عمر مبارک پچاس سال سے زیادہ

ہو چکی تھی، ان کے شوہر کا جہنہ میں ایک مہاجر مسلمان کی حیثیت سے انتقال ہو گیا تھا، آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی دوشیزہ اور غیر شادی شدہ خاتون سے نکاح نہیں فرمایا، اس کے علاوہ جتنی شادیاں آپ نے فرمائیں، اس میں دین اور دعوت دین کی کوئی مصلحت، فراخ قلبی و عالی ظرفی، مکامِ اخلاق، ملازوں کا کوئی مفاد عام یا کسی بڑے اجتماعی خطرہ اور فساد کا سدباب آپ کے پیش نظر تھا۔ رشتوں اور ازدواجی فراہمتوں کی عربوں کی قبائلی اور سماجی زندگی میں جس قدر اہمیت ہے، اتنی کسی اور سوسائٹی اور سماج میں نہیں ہے، اس لئے یہ شادیاں اور زنی قرائتیں، اسلامی دعوت اور اسلام کے مثالی معاشرہ کی تالیخ، خون بہانے سے حفاظت اور عربی قبائل کے ضرر سے بچاؤ کا ایک بڑا ذریعہ تھیں۔

مزید یہ کہ ان ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کی زندگی کوئی عیش و آرام مرقا الحالی یا لذتِ کام و دہن کی زندگی نہ تھی، جو تعدد ازدواج میں بہت لوگوں کے پیش نظر رہتا ہے، وہ اس درجہ زہد و تقشف اور ایثار و قناعت کی زندگی تھی، جس کی استطاعت قدیم اور جدید دور کے بڑے سے بڑے حوصلہ مند اور اولوالعزم افراد اور نامور زہاد میں بھی نہیں ہے، اس کی کچھ جھلکیاں اور نمونے اخلاق و شمائل کے حصے میں پیش کیے جائیں گے تاہم ایک انصاف پسند شخص کے لئے قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ
 إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
 وَزِينَتَهَا مَتَاعًا لِّئِنْ أُمَّتَكُمْ
 لَعَلَّكُمْ تُرِيدُونَ

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہدو کہ
 اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی
 زینت و آرائش کی خواہتگاہ تو لوگو!

وَأَسْرَحْتَ لَنْ سَرَاهَا جَبِيلًا ۝
 وَإِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ
 أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُمْ
 أَجْرًا عَظِيمًا ۝
 (سورۃ احزاب - ۲۸-۲۹)

میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح
 سے رخصت کر دوں اور اگر تم
 خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت
 کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار
 ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی
 ہیں ان کے لئے خدا نے اجر عظیم
 تیار کر رکھا ہے۔

اس عالی مقصد پاکیزہ جذبہ پاک و صاف ذہن اور عمیق و حکیمانہ تربیت
 کا اثر یہ تھا کہ ان سب ازواجِ مطہرات نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور ادنیٰ درجہ کے
 تردد کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو ترجیح دی، مثال اور نمونہ کے طور پر
 حضرت عائشہؓ کا وہ جواب کافی ہے، جو اس سلسلہ میں انہوں نے دیا، آپ نے
 یہ آیت ان کے سامنے تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دیکھو جلدی نہ کرنا اپنے
 والدین سے مشورہ ضرور کر لینا، انہوں نے جواب دیا، بھلا اس معاملہ میں بھی والدین
 سے مشورہ کی ضرورت ہے؟ مجھے تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر مطلوب ہے،
 وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویوں نے ایسا ہی کیا۔

تعدد ازدواج اور اس کے نفسیاتی، اقتصادی اور اجتماعی اثرات اور تقاضوں
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کی عظیم ذمہ داری، جہد و مجاہدہ کی زندگی
 اور مسلمانوں کے اہم ترین امور سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں کیا، بلکہ اس سے آپ کی
 لہ صحیح بخاری بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۱۱ صحیح بخاری ابن ابی حاتم واحمد۔

سرگرمی و اولوالعزمی اور قوت و نشاط میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ازواجِ مطہرات تبلیغِ اسلام اور تعلیمِ دین کے مقصدِ عظیم میں آپ کی معاون و مددگار تھیں وہ عزرائل میں آپ کے ہمراہ رہتی تھیں، زخمیوں کا علاج معالجہ اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، آپ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کا ایک نہائی حصہ اور اس کے علاوہ اور بہتے احکام و تعلیمات ازواجِ مطہرات ہی کی رہنمائی منت ہیں اور مسلمانوں نے ان کو باقاعدہ ان سے سیکھا، یاد کیا، اور دوسروں کو بنایا اور سکھایا ہے۔

اس سلسلہ میں صرف حضرت عائشہؓ کا نام لے لینا کافی ہے، جن کے متعلق فنِ علم الرجال اور طبقات کے امام ذہبی (م ۴۳۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب ”تذکرۃ المحققان“ میں لکھا ہے کہ:-

”وہ فقہائے صحابہ میں بھی سب سے ممتاز تھیں، فقہائے صحابہ مسائل میں ان سے رجوع کرتے تھے، قبضہ بنت ذویب سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ مسائل سے سب سے زیادہ واقف تھیں، اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حدیث کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس کا علم ضرور ہوتا“

لہٰذا تعدد ازواج اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں اور اس کے متعلق حالات اور تقاضوں پر مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی نفیس کتاب ”رحمۃ اللعالمین“ کی دوسری جلد میں بہت اچھی روشنی ڈالی ہے (دیکھئے ص ۱۲۱-۱۲۲) مصر کے مشہور فاضل عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب ”عبقریۃ محمد“ میں ”تعدد ازواج“ اور اسباب تعدد زوجات کے عنوان کے تحت اچھا کلام کیا ہے۔

حسانِ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حلال و حرام، فرائض
 و احکام، اشعار و تاریخ عرب اور انساب سے ان سے زیادہ کسی کو واقف
 نہیں پایا!

جہاں تک مکارمِ اخلاق، عالی ہمتی، ثبوت و سخا، بہمردی و محواری اور شفقت
 و دلداری کا تعلق ہے، اس کے متعلق جتنا بھی کہا جائے کم ہی ہوگا، اس سلسلہ میں وہ
 روایت کافی ہوگی، جو ہشام نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ
 عنہ نے حضرت عائشہؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے نجد ایک ہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ
 حضرت عائشہؓ نے اہل حاجت پر اس کو تقسیم کر کے فایغ ہو گئیں ان کی باندی نے
 کہا کہ اگر آپ اس میں ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو اچھا تھا، کہنے لگیں کہ
 تم نے اس وقت یاد نہ دلا دیا؟ اس وقت حضرت عائشہؓ روزہ سے تھیں۔

اس مسئلہ نے مغرب کے بہت سے اہل فکر اور متشرقین کے ذہن و دماغ کو ابھارا
 رکھا ہے، اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے مالکِ عرب میں وہ اسلامی شریعت
 میں ازواجی زندگی کے مخصوص نظام کو مغربی تصورات اور حالات و عادات اور
 رسم و رواج کا پائیدار بنانا چاہا ہے، انھوں نے مغرب کے پیمانوں کو جو ایک خاص
 تہذیب اور سوسائٹی کی پیداوار ہیں، اس صورت حال پر مسلط کرنے کی کوشش
 کی ہے، جو فطرتِ سلیم اور عربی ماحول کے عین مطابق تھی، اور جس کے پیچھے مختلف
 اخلاقی اور سماجی مصالح کارفرما تھے، اور جس کی خدا کی طرف سے اجازت بھی تھی،

۱۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ۲۷۰-۲۸۰، شاخ کردہ دار احیاء التراث العربی۔ ۱۷ ایضاً ص ۲۸

۱۷ ایضاً۔ اضافہ از روایت ام ذرہ۔

یہ دراصل مغربی طرز فکر اور مغربی مصنفین کی کتابوں کا ایک بہت کمزور پہلو ہے کہ وہ پہلے مغرب کو میزان قرار دیتے ہیں، پھر ہر اس چیز کے خلاف جو اس کے خلاف ہو، بے رحمی سے فیصلے صادر کرتے ہیں، وہ خود ایک مسئلہ کھڑا کرتے ہیں، جس کی کوئی بڑی بنیاد نہیں ہوتی پھر اس کو حل کرنے کے درپے ہوتے ہیں، یہ ان کے قومی تکبر اور مغرب کے دل پسند افکار و تصورات کی حد سے بڑھی ہوئی تقدیس کا نتیجہ ہے۔

انگریز مصنف مسٹر بوڈلی (R. V. C. BODLEY) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مسئلہ میں اس مغربی احساس اور طرز فکر پر بہت حراست و انصاف سے تنقید کی ہے، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازدواجی زندگی کو نہ تو مغرب کے پیامہ سے جانچنے کی ضرورت ہے اور نہ ان رسوم و قوانین کے نقطہ نظر سے جنہیں عیسائیت نے جنم دیا ہے، یہ لوگ نہ مغربی تھے نہ عیسائی، بلکہ وہ ایک ایسے ملک میں اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جبکہ ان کے اپنے ضابطہء اخلاق کا ہی چلن تھا، اس کے باوجود امریکہ اور یورپ کے ضابطہء اخلاق کو عربوں کے ضابطہء اخلاق سے بہتر سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، مغرب کے پاس مشرق کو دینے کے لئے بہت کچھ ہے، لیکن اپنے طریقہ زندگی کو بہتر اور اپنے ضابطہء اخلاق کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لئے تو انہیں بھی بہت چھان بین کرنے کی ضرورت ہے، لہذا انہیں دوسروں کے مذہب و تمدن پر نکتہ پیلانی کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔“

اس کے علاوہ تعدد از دواج کی وہ قباحت جو آج مغرب میں ایک بدیہی حقیقت بن گئی ہے، اور اہل مغرب نے اس کو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا ہے، کوئی ایسی قباحت نہیں جو صدیوں اور نسلوں تک قائم رہے، یہ نہ طے شدہ علمی اصولوں پر قائم ہے، نہ انسان کی فطرت سلیم کے مطابق ہے، یہ دراصل ایک خیالی اور جذباتی قباحت ہے، جو پرجوش اور طاقتور پروپیگنڈہ اور شہیرے کے بل پر قائم ہے، اور اس کا پورا امکان ہے کہ زمانہ کی رفتار اور اقتصادی، سماجی اور تربیتی رجحانات اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ نہ صرف اس کا زور کم ہو جائے بلکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

ایک مغربی مصنف (ALWIN TOFFLER) نے اپنی نئی کتاب (FUTURE SHOCK) میں جس نے مغرب کے علمی حلقوں میں ایک محل چا دی ہے، اس ذہنی و سماجی تبدیلی کی طرف اشارے بھی کئے ہیں، جس کا مستقبل قریب میں امکان ہے۔

آپ کی اولاد و احفاد

حضرت خدیجہؓ سے آپ کے ایک صاحبزادے القاسم پیدا ہوئے، ان ہی کے نام پر آپ کی کنیت تھی، ان کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا، اس کے بعد بالترتیب حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں، صاحبزادوں میں، حضرت عبداللہؓ، حضرت طیبؓ اور حضرت طاہرؓ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے ان کو تین شمار کیا ہے، لیکن علامہ ابن القیم کی تحقیق یہ ہے کہ طیبؓ و طاہرؓ عبداللہؓ کے لقب تھے،

یہ سب اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی تھیں، آپ نے ان ہی کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ جنت میں عورتوں کی سرزادوں کی، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس بات سے اُسے تکلیف ہوتی ہے، اس سے مجھے ہوتی ہے، اہل بیت میں سب سے پہلے آپ ہی اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور آپ سے جا ملیں۔

مارقیہؓ سے آپ کے ایک صاحبزادے ابراہیمؓ ہوئے، ان کی وفات بھی بچپن میں اس وقت ہوئی جب وہ اپنے پالنے میں تھے، ان کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے:۔

تدمم العین ویجزن القلب
ولانقول ما یسخط الرب
وانابک یا ابراہیم لمحزون
آنکھیں اشک بار ہیں اور دل
بجور لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے
جو رب کو ناراض کرنے والی ہو، اے
ابراہیمؓ! ہم تم پر غمزدہ ہیں۔

ان کے انتقال پر سوچ گ رہن ہو گیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ ابراہیمؓ کے انتقال کی وجہ سے سوچ گ رہن ہو گیا ہے، آپ نے اس موقع پر صحابہ کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمایا، اور کہا کہ سوچ اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دو نشانی ہیں، جن کو کسی کی موت سے گ رہن نہیں ہوتا۔

لہ زاد المعاد ۲۵۱-۲۶ لہ جامع الترمذی ج ۲ ص ۴۲ لہ تنفق علیہ۔

لہ صحیح مسلم بروایت اسماء بنت زید بن اسکن تفضیل کے ساتھ ۵۵ صحیح مسلم کتاب الکسوف۔

غالیانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کا استنبصال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اہتمام کے ساتھ صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے خطاب فرمایا، اور اس کی وضاحت فرمائی کہ سوچ اور چاند کے گہرن اور کائنات کی کسی تبدیلی کو کسی کی موت و حیات سے کوئی تعلق نہیں، خواہ اس کا کچھ رتبہ ہو اور اس کو کسی بڑی سے بڑی محبوب شخصیت سے نسبت ہو، یہ عمل وہم پرستی بلکہ غالیانہ خوش عقیدگی اور شخصیت پرستی کی جڑ کا ٹٹا ہے، دنیا کا کوئی دائمی کوئی پیشوا، کسی تحریک کا علمبردار کسی انسانی جماعت کا قائد ہوتا تو کم سے کم درجہ یہ تھا کہ اگر اس خیال کی تردید نہ کرتا تو خاموش رہتا کہ یہ بات ہماری تحریک کے مفاد میں جاتی ہے، میں نے تو کہلوائی بھی نہیں، خود بخود لوگوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ سوچ گہرن پیغمبر خدا کے فرزند عزیز کے انتقال پر ہوا ہے اس کی تردید کچھ ضروری نہیں ہے۔

یہی فرق ہے پیغمبر اور غیر پیغمبر میں کہ سیاسی ذہن رکھنے والے جن واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں (خواہ وہ واقعات غیر اختیاری طریقہ پر پیش آئے ہوں) پیغمبر عقیدہ کا فساد اور دین کا نقصان گوارا نہیں کرتا، وہ ان سے فائدہ اٹھانا حرام اور منصب نبوت کے منافی سمجھتا ہے، اس موقع پر اگر آپ خاموشی اختیار فرماتے تو اس سے دنیا میں کوئی عظیم فساد برپا ہونے والا نہیں تھا، لیکن اس سے عقیدہ توحید پر اثر پڑنا، اور شخصیت پرستی اور تصرف الکائنات کے امکان کا دروازہ کھل جانا اور یہ ذہن انسانی کا وہ انحراف تھا، جو بہت خطرناک ہے، اور ایک نبی برحق کے لئے اس کا علاج اور سدباب ضروری تھا۔

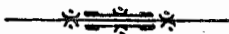
حضرت زینبؓ کے جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے ابو العاص بن ربیع کی زوجیت میں تھیں، ایک صاحبزادے ہوئے جن کا نام علی تھا، اور ایک صاحبزادی جن کا نام امامہ تھا، حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے ہوئی اور ان سے ایک لڑکے عبد اللہ ہوئے، حضرت زینبؓ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ بدر میں تھے، اور حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری میں مشغول تھے، ان کے بعد انھوں نے ان کی بہن ام کلثومؓ سے شادی کی، اسی لئے ان کا لقب ”ذوالنورین“ پر گیا، ان کی وفات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ہوئی۔

حضرت فاطمہ کی شادی ابو طالب کے صاحبزادے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم حضرت علیؓ کو مہر و جہ سے ہوئی، ان کے ایک صاحبزادے حسنؓ جن کے نام پیران کی کنیت تھی، اور دوسرے صاحبزادے حسینؓ تھے، جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”وہ اس دنیا میں میرے دو پھول ہیں، ان دونوں کے بارے میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”یہ دونوں اہل جنت میں نوجوانوں کے سردار ہوں گے“

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد میں خوب برکت عطا فرمائی، اور اسلام اور مسلمانوں کو ان سے عظیم الشان فائدہ پہنچا، ان میں بڑے بڑے سردار اور قائد، اور علم و دین اور جہاد اور زہد و تقویٰ کے امام پیدا ہوئے، اور انھوں نے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں بڑے نازک وقتوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیا اور علم جہاد بلند کیا، حضرت فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے دو صاحبزادیاں زینبؓ اور

ام کلثوم بھی تھیں، زینب کی شادی ان کے ابن عم عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوئی، جن کا عرب کے چند سخی ترین افراد میں شمار تھا، ان سے علی اور عون دو صاحبزادے پیدا ہوئے، ام کلثوم کی شادی حضرت عمر بن الخطاب سے ہوئی اور ان سے ایک صاحبزادے زید ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اولاد کا آپ کی حیات ہی میں انتقال ہوا، سوائے حضرت فاطمہؑ کے جن کا انتقال آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوا۔



اخلاق و شمائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اوصاف کریمہ اور شمائل مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اوصاف کریمہ اور شمائل شریفہ کا ذکر ہند بن ابی ہارثہ نے (جو ام المومنین حضرت خدیجہ کے فرزند اور حضرت حسن و حسین کے ماموں ہیں) بہت جامع اور بلیغ انداز میں کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی سوچ میں رہتے اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو حسین نہیں ہوتا تھا، اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے، اور اسی طرح اختتام فرماتے، آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف واضح اور دو لوگ ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار، آپ نرم مزاج و نرم گفتار تھے، درشت نوا اور بے مروت نہ تھے، نہ کسی کی اہانت کرتے تھے، اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے، نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت یاد دہانی سے

لے لینی حکمتوں کی طرح بے توجہی بے نیازی کے ساتھ ادھکے الفاظ استعمال نہ کرتے، یہاں المہین کا لفظ آپ بے جویم چیمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، اگر نہیں مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ کسی کی اہانت آپ نہ فرماتے تھے، اور اگر نہیں ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپ اپنے لئے ذلت اور تنہا پسند نہ فرماتے تھے، مطلب یہ ہے کہ نہ درشت نوا تھے نہ مکر و طبیعت کے، اگتھے کہ ہر چیز کو ادا فرماتے بلکہ ہیبت و رعب اور جلال و وقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

جاننے خواہ تھی ہی قلیل ہو کر کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے اور اس کی بُرائی نہ فرماتے
کھانے پینے کی چیزوں کی بُرائی کرتے نہ تعریف دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی،
اس پر آپ کو کبھی غصہ نہ آتا، لیکن جب خدا کے کسی حق کو یا مال کیا جاتا تو اس وقت
آپ کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی، یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ لے لیتے،
آپ کو اپنی ذات کے لئے نہ غصہ آتا نہ اس کے لئے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو
پوسے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے، جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلیٹ دیتے
گفتگو کرنے وقت دلہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے، غصہ
اور ناگواری کی بات ہوتی تو بڑے اور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے، اور اعراس
فرمالتے، خوش ہوتے تو نظریں بھٹکالتے، آپ کا ہنسنا زیادہ تر مستم تھا جس سے
صرف آپ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک و شفا تھے ظاہر ہوتے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو فرد خاندان تھے اور جن کو علم و واقفیت کے بہترین
ذرائع اور مواقع حاصل تھے اور جن کی نظریات انسانی اور اخلاق کی باریکیوں پر
بہت گہری تھی، قریب ترین اشخاص میں سے تھے اور اسی کے ساتھ وصف و بیان اور
منظر کشی میں بھی آپ کو سب سے زیادہ قدرت تھی، آپ کے ”خلع عظیم“ کے متعلق یہ کہتے ہیں۔
”آپ طبعاً بدکلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے اور تکلفاً بھی ایسی کوئی
بات آپ سے سنہ نہ نہیں ہوتی تھی، بازاروں میں آپ کبھی آواز بلند نہ فرماتے بُرائی کا
بدلہ بُرائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے، آپ نے کسی پر کبھی دست درازی
نہ فرمائی، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپ نے
کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا، میں نے آپ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی

نہیں دیکھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا، اور اس کے ناموس پر حرج آتا تو آپ اس کے لئے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سامنے ہوتیں تو ہمیشہ آسان چیز کا آپ انتخاب فرماتے، جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دو بہتے، اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے، جس سے آپ کو کچھ سروکار ہونا، لوگوں کی دلداری فرماتے، اور ان کو منفرد کرنے، کسی قوم و برادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ فرماتے اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر کرتے، لوگوں کے بائے میں محتاط تبصرہ کرتے، بغیر اس کے کہ اپنی شناخت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں، اپنے اصحاب کے حالات میں برابر خبر رکھتے، لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بائے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان کرنے اور اس کو قوت پہنچانے، بُری بات کی بُرائی کرنے اور اس کو کمزور کرنے، آپ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا، آپ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل ہونے لگیں اور آگنا جائیں، ہر حال اور ہر موقع کے لئے آپ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا، نہ حق کے معاملہ میں کوتاہی فرماتے نہ حد سے آگے بڑھتے، آپ کے قریب جو لوگ رہتے تھے، وہ سب اچھے اور منتخب ہوتے تھے، آپ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا،

جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سبکے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی، جو مخواری و بہرہ ردی اور دوسروں کی مدد اور معاونت میں سبکے آگے ہو، خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے، اور اس کا حکم بھی فرماتے اپنے حاضرین مجلس اور ہنشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور انتفات میں) پورا حصہ دیتے، آپ کا شریک مجلس یہ سمجھنا کہ اس سے بڑھ کر آپ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے، اگر کوئی شخص آپ کو کسی عرض سے بٹھا لینا یا کسی ضرورت میں آپ سے گفتگو کرنا تو نہایت صبر و سکون سے اس کی پوری بات سننے یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات کر کے رخصت ہوتا، اگر کوئی شخص آپ سے کچھ سوال کرنا اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے واپس نہ فرماتے، یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے، آپ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لئے وسیع اور عام تھا، اور آپ ان کے حق میں باپ ہو گئے تھے، تمام لوگ حق کے معاملہ میں آپ کی نظر میں برابر تھے، آپ کی مجلس علم و معرفت، حیا و شرم اور صبر اور امانت داری کی مجلس تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ کسی کے عیوب بیان کئے جاتے تھے، نہ کسی کی عزت و ناموس بر جملہ ہوتا نہ کمزوریوں کی تشریح کی جاتی تھی، سب ایک دوسرے کے مساوی تھے، اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی، اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحمہری و شفقت کا معاملہ کرنے تھے، حاجتمند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت علی مزید فرماتے ہیں :-

آپ ہمہ وقت گتادہ رُو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی نہ چلا کر بولنے والے نہ عامیانا اور مبتذل بات کرنے والے نہ کسی کو عیب لگانے والے نہ تنگ دل بخیل جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے (یعنی اس کو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً اس سے مایوس بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب بھی نہ دیتے تین باتوں سے آپ نے اپنے آپ کو بالکل بچا رکھا تھا، ایک جھگڑا، دوسرا تکبر اور نیسیرے وغیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا، نہ کسی کی بُرائی کرتے تھے نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی، جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاء، مجلس اور سب اس طرح سر جھکا لینے کے معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں اٹھی ہوئی ہیں، جب آپ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے آپ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے اگر آپ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرنا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا اور آپ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا، جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا، اور اسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اُسے سنا جاتا

لہ یعنی جلد ہر زبان بوجھنے والے بہت لطف و کرم والے اور بہت آسانی سے درگزر کرنے والے تھے، یہ بھی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی سے نزاع نہیں فرماتے تھے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون و وقار اور خشوع و خضوع ہے لہ یعنی بے حس و حرکت کہ کہیں خنبتن سے چڑیاں نہ اڑ جائیں۔

جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپ بھی تعجب فرماتے، مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپ کے اصحاب کرام ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے (تاکہ آپ پر کوئی بار نہ ہو) آپ فرماتے تھے کہ ”تم کسی حاجتمند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو“ آپ مدد و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو حد اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے، ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرمادیتے یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرمادیتے۔

آپ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ محروب ہو جاتا، آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ کا فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتا، آپ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپ سے قبل میں نے آپ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد صلی اللہ علی نبینا وسلم^ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باس جمال و کمال سے آراستہ فرمایا تھا، اور آپ کو محبت و دلکشی اور رعب و ہیبت کا حسین و جمیل پیکر بنایا تھا، ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

”آپ بہت خود دار و باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے، اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پُر شکوہ، آپ کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دکھتا تھا؟“

لہ اقتباس از شمائل ترمذی علیہ السلام بروایت ہند بن ابی ہالہ (شمائل ترمذی)

براعبن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قدر تھے، میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ قبا میں دیکھا، اس سے اچھی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی،“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”آپ میانہ قدر تھے، طول کی طرف کسی قدر اٹل، رنگ نہایت گورا، ایش مبارک کے بال سیاہ، دہانہ نہایت متناسب اور حسین آنکھوں کی پلکیں دراز جوڑے شانے،“ آخر میں کہتے ہیں کہ ”میں نے آپ جیسا آپ کے پہلے یا آپ کے بعد بھی نہیں دیکھا،“ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے حریر و دیباچ کو بھی آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا، نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی،“

تعلق مع اللہ

باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالت محبوبیت اور بن انتخاب سے نوازا تھا، اور آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے تھے، آپ عبادت میں سب سے زیادہ کوشاں اور اس کے سب سے زیادہ شائق اور شاق تھے۔

مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (نفل) میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ آپ کے قدم مبارک پر دم آگیا، عرض کیا گیا کہ آپ کے نواگلے پچھلے گناہوں کی معافی ہو چکی ہے، میں نے کہا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بنوں؟

لہ متفق علیہ ۳۵۰ الادب المفرد للبخاری باب (۱۰) اذ التفت التفت جیسا ۱۰۰ متفق علیہ

(البخاری فی کتاب المناقب در باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کتاب الفضائل) ۱۰۰۵۱۰۰

امام بخاری نے سورة الفتح کی تفسیر میں اور سلم، ترمذی اور نسائی نے ”باب حیاء اللیل“ میں نقل کیا،

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک آیت میں پوری رات گزار دی۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور ایک آیت میں صبح کر دی وہ آیت تھی

إِنْ تَعْلَمَ لَهُمْ فَاتَهُمْ عِيَادُهُ
وَإِنْ تَخْضَرَّ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ - ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک
وہ تیرے بندے ہی اور اگر رحمت
فرمادے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت عائشہؓ یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ آپؐ جب روزے رکھتے تو اس کی کثرت دیکھ کر ہم لوگ کہتے کہ اب شاید آپؐ ہمیشہ روزہ ہی سے رہیں گے جب روزہ سے نہ ہوتے تو ہم سوچتے کہ شاید آپؐ روزہ نہ رکھیں گے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں اگر کوئی آپؐ کو قیام میں مشغول دیکھنا چاہتا تو دیکھ سکتا تھا اور اسی طرح نیند کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو بھی دیکھ سکتا تھا۔
عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپؐ نماز میں مصروف ہیں اور گریہ کی وجہ سے آپؐ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی ہے جیسے دیکھی ابل رہی ہو۔

آپؐ کو نماز کے سوا کسی اور چیز سے تسلی نہ ہوتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ نماز کے بعد بھی آپؐ نماز کے شائق اور نظر میں آپؐ ارشاد فرماتے تھے جعل قرة عینی

لہ تزدی لہ نسائی نے اس کو باب زید لآئین میں اور ابن ماجہ نے باب ماجاء فی القراءۃ باللیل میں درج کیا ہے لہ یہ سب فعلی روزوں کے متعلق ہے لہ صحیح بخاری باب (قیام اللیل صلی اللہ علیہ وسلم ونومہ کتاب التہجد) ۵۷ شامل تزدی۔

فی الصلاة: (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔)

صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ جب کوئی پریشانی کی بات دیش ہو تو آپؐ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے!

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جب بھی رات کو تیز ہوا میں چلتیں تو آپؐ مسجد میں پناہ لیتے یہاں تک کہ ہوا ختم جاتی، اگر فلک میں کوئی تغیر مثلاً سورج گرہن یا چاند گرہن رونما ہوتا تو آپؐ نماز کی طرف رجوع فرماتے اور اس سے پناہ حاصل کرتے یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جاتا اور مطلع صاف ہو جاتا، آپؐ نماز کے ہر وقت مشتاق رہتے اور اس کے بغیر آپؐ کو اطمینان و سکون حاصل نہ ہوتا، اور جب تک نماز پڑھ نہ لیتے آپؐ کی بے کلی اور بے چینی برقرار رہتی، کبھی آپؐ اپنے مؤذن بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے بلال! نماز کا اہتمام کرو، اور ہمارے سکون کا سامان کرو!

آپؐ کی نگاہ میں متلذع دنیا کی حیثیت اور اس کے آپؐ کی بے غنتی جہان تک دہم و دینار اور دنیا کے مال و متاع کا تعلق ہے الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ اور اعلیٰ درجہ کی قادر الکلامی بھی آپؐ کی نگاہ میں اس کی صحیح حیثیت کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتی، اس لئے کہ آپؐ کے ایمانی اور ربانی مدرسہ کے پورے شاگرد اور عرب عجم میں ان کے شاگردوں کے شاگرد اور خوشہ چیں بھی دہم و دینار کو خرف ریزوں اور ٹھیکروں سے زیادہ وقت نہیں دیتے تھے اور ان کی زاہدانہ زندگی

لہ فسائی (کتاب عشرة النساء۔ باب حب النساء) لہ ابوداؤد لہ طبرانی

لہ ابوداؤد (کتاب الادب باب۔ فی صلاة العتمة)

متاع دنیا کی بے وقعتی دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنے کا شوق اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دینے کا ذوق، قدر کفایت پر نزاعت اور شان بے نیازی و استغناء کے جو واقعات تاریخی طور پر ثابت ہیں ان سے عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے جب آپ کے غلاموں کے غلاموں کا یہ حال ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود بدولت صلے اللہ علیہ وسلم جو ان سب کے امام و رہنما اور رہ خیر و صلاح اور فضیلت و تقویٰ میں ان کے مڑتی اور معلم تھے ان کا حال اس معاملے میں کیا ہوگا؟

اس لئے اس سلسلے میں ہم صرف ان چند روایات کا ذکر کرتے ہیں جو صحابہ کرام کی زبان سے ہم تک پہنچی ہیں اس لئے کہ واقعات سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نہیں اور ان سے زیادہ صحیح اور بلیغ ترجمانی کسی عبارت آرائی سے نہیں ہو سکتی۔ آپ کا ماٹور و مشہور قول جس پر آپ حوت بحت عامل تھے اور جو آپ کی پوری زندگی کا مرکزی نقطہ اور محور کہا جاسکتا ہے یہ ہے:-

اللهم لا عیش الا عیش
لے اللہ اصل زندگی تو آخرت
الآخرۃ۔
کی زندگی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے:-

مالی و اللدنیاء وما انا والذنیاء
میرا دنیا سے کیا سروکار میرا
الاکراکب استنطل تحت
'دنیا سے واسطہ اتنا ہی ہے جیسے
شجرۃ ثم راح و ترکھا۔
کوئی مسافر راہ میں تھوڑی دیر کے لئے

لہ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لئے عبد اللہ بن المبارک کی کتاب الزہد ابن الجوزی کی "صفة الصفة" اور ابی نعیم کی "حلیۃ الاولیاء" کا مطالعہ مفید ہوگا لے مندرجہ ذیل داؤد الطیالسی

کسی درخت کے سایہ میں دم لے لے
پھر اپنی راہ لے اور اس کو چھوڑ کر
چلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک مرتبہ چٹائی پر اس حالت میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ کے پہلو میں اس کے نشانات پڑ گئے تھے، یہ نظر دیکھ کر ان کی آنکھیں آنکھیاں ہو گئیں، آپ نے دریافت فرمایا، کیا بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں، اور عیش کسریٰ اور قیصر کر رہے ہیں، ایسے کہ آپ کا چہرہ شرم ہو گیا، اور آپ نے فرمایا، "ابن الخطاب! کیا تمہیں کچھ شک ہے؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا، "یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا کی زندگی کے سائے مزے ہیں، دیدیئے گئے ہیں، آپ وہ طرز معیشت یا وہ معیار زندگی نہ صرف اپنے لئے ناپسند فرماتے تھے بلکہ اپنے اہل بیت کے لئے بھی اس کے روادار نہ تھے، چنانچہ آپ کی دعا تھی اللہم اجعل رزق آل محمد رزق بقدر ضرورت ہو، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں، "قسم اس کی جس کے قبضے میں ابوہریرہ کی جان ہے، اللہ کے نبی اور ان کے اہل بیت کبھی متواتر تین دن گہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھاسکے، یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمایا!"

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، ہم اہل بیت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آ جانا اور ہمارے گھر میں چوہا نہ جلتا،

لے حدیث کا پورا متن صحیحین میں ملاحظہ فرمائیں، لے متفق علیہ صحیح بخاری (کتاب الرقاق)

صحیح مسلم (کتاب الزہد) لے بخاری و احمد روایت احمد، صحیح مسلم، کتاب الزہد۔

صرف کھجور اور پانی پر بہاری گزربسہ ہوتی تھی۔

آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپ کے پاس اتنا نہ تھا کہ آپ اس کو چھڑا سکتے، یہاں تک کہ اسی حال میں آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ نے حجۃ الوداع اس حال میں کیا کہ حدنگاہ تک مسلمان نظر آ رہے تھے، پورا جزیرۃ العرب آپ کی زیر نگین تھا، اور کیفیت یہ تھی کہ آپ ایک نہایت خستہ حال کجاوہ پر تھے، آپ پر صرف ایک چادر پڑی ہوئی تھی، جس کی مالیت چار درہم سے زیادہ نہ تھی، اس وقت آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو۔

حضرت ابو ذرؓ سے آپ نے ایک موقع پر فرمایا: مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، او تین دن گزر جائیں اور اس میں سے ایک تینار بھی میرے پاس باقی رہے، سوائے اس کے کہ کسی دینی کام کے لئے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں میں اس کو اس طرح اور اس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹا دوں۔

جاہلین عبد اللہ رضی اللہ عنہم راوی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں نہیں کہا، "ہو، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی اور داد و بخشش میں تیز ہول سے زیادہ تیز رفتار تھے۔

لہ متفق علیہ علیہ ترمذی علیہ شمائل ترمذی بروایت النسخ علیہ متفق علیہ علیہ الفاضل بخاری کے ہیں، کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما أحب أن لی أحدنا ذهباً، ہ بخاری کتاب الادب (باب من اخلق) لہ حدیث کا پورا ریاق صحیحین میں ملاحظہ کریں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے کچھ سوال کیا تو آپ نے اس کو بکریوں، بھیرٹوں کا پورا کٹہہ عطا فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا، وہ یہ سب بکریاں لے کر اپنی قوم میں واپس آ گیا اور کہنے لگا لوگو! اسلام لے آؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح دے دلا ہے ہیں کہ جیسے ان کو فقر و فاقہ کا ڈر ہی نہ ہو، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں نوٹے ہزار درہم پیش کئے گئے، یہ رقم ایک چٹائی پر ڈال دی گئی اور آپ نے کھڑے ہو کر اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، اور کسی سائل کو بھی آپ نے واپس نہ فرمایا، یہاں تک کہ سارا ڈھیلا صیرم ہو گیا!

خلق خدا کے ساتھ

لیکن اس ذوقِ عبادت، دنیا اور سامانِ دنیا سے بے تعلق، کمالِ نیکوئی اور تعالیٰ کی طرف رجوعِ کامل اور اس کے حضور آہ و نزاری اور دعا و متاجات آپ کی خدمتِ نبویؐ، حسنِ اخلاق، ہنفت و ملاحظت و دلداری و دلنوازی اور ہر شخص کو اس کا جاننا و حق دینے اور اس کے مرتبہ و حیثیت کے مطابق سلوک کرنے میں کوئی فرق نہ آتا تھا، اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اس طرح جمع کرنا کسی دوسرے شخص کے لئے نامکن ہے آپ فرماتے تھے:-

لو تعلمون ما أعلم لضمکتہم جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم جان لیتے تو

قلیلا و لیکتم کثیرا لہ بہت کم بہنتے اور بہت زیادہ برکتے۔

آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فرائحِ دل، نرم طبیعت اور خاندانی محاط سے

سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرام سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے، بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے ان سے باتیں کرتے ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی و خوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد باندیا مسکین اور یتیم سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے، آپ کو کبھی صحابہ کرام کی مجلس میں پھیلے ہوئے نہیں دیکھا گیا تاکہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو۔

عبداللہ بن احارث روایت کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خندہ رو اور مستبکم کسی کو نہیں دیکھا" جابر بن سمرہ راوی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں سو بار سے زیادہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب کرام ایک دوسرے سے اشعار سن رہے ہیں اور نالہ ہیں اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ بھی کر رہے ہیں اور آپ ساکت ہیں یا کبھی کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو ان کے ساتھ آپ کبھی ہنسم فرماتے ہیں؟

شہید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیۃ بن الصلت کے اشعار سننے کی فرمائش کی، چنانچہ میں نے آپ کو اس کے اشعار سنائے، آپ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے اور لطف و عنایت کے پیکر تھے، انسانی جذبات اور لطیف احساسات آپ کی سیرت میں بہترین اور حسین ترین شکل میں جلوہ گر تھے، انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے، میرے دونوں بیٹوں (حسن

۱۔ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (روایت ابو نعیم، اہل بیت) ۲۔ شمائل ترمذی ۳۔ الادب المفرد
لیخاری ص ۱۰۸

وحسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ وہ دوڑے ہوئے آتے تو آپ ان دونوں سے منہ ملاتے اور ان کو اپنے سینے سے لگا لیتے۔ ”وآپ نے ایک مرتبہ اپنے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بلا یا وہ دوڑتے ہوئے آئے، اور آپ کی گود میں گر پڑے، پھر آپ کی یش مبارک میں اپنی انگلیاں ڈالنے لگے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دہن مبارک کھول دیا، اور وہ اپنا منہ آپ کے دہن مبارک میں ڈالنے لگے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہیں کہ ”زید بن حارثہ (جو آپ کے غلام تھے) مدینہ آئے تو اس وقت آپ گھر پر تشریف فرما تھے، وہ گھر پر آئے اور دروازہ پر دستک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، آپ اس وقت پورے کپڑوں میں ملبوس نہ تھے، چادر جسم مبارک سے گری جا رہی تھی، ان کو دیکھ کر آپ نے معانقہ فرمایا اور بوسہ لیا۔“

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپ کو یہ پیغام کہلوایا کہ میرے بچہ کا دم واپس ہے، آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئیں، آپ نے ان کو سلام کہلوایا اور فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہے، جو اس نے لیا، اور اسی کے لئے ہے، جو اس نے عطا کیا، ہر چیز اس لئے یہاں نامزد اور مقرر ہے، پس چاہئے کہ صبر سے کام لیں، اور اجر و ثواب کی نیت اور امید رکھیں، انھوں نے آپ کو قسم دلائی کہ آپ ضرور تشریف لائیں، آپ کھڑے ہوئے اور ہم سب آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب آپ وہاں بیٹھے تو بچہ گود میں آپ کے پاس لایا گیا،“

لہ بروایت ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين، ص ۱۷۱، المفرد بخاری

آپ نے اس کو اپنے آغوش مبارک میں لے لیا، اس وقت اس کی سانس اکھڑ سکی تھی یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، سعد نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رحم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔

جب بدر کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کٹی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کراہ سنی تو آپ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، انصار کی یہ رحم دلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ حضرت عباسؓ اور دیگر قیدیوں میں فرق رکھا جائے، انصار نے یہ دیکھ کر کہ حضرت عباسؓ کی مشکیں کھولنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے، یہ خواہش کی کہ ان کا ذریعہ بھی چھوڑ دیا جائے، ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ خوش ہوں لیکن آپ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔ ایک عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں ہم تو ان کو پیار نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل سے رحم نکال لیا ہو تو میں تمھارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" آپ بچوں پر بہت شفیق تھے، اور ان سے بہت نرمی اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ "آپ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا، جو کھیل رہے تھے آپ نے ان کو سلا کیا۔"

لے صحیح بخاری کتاب المصنئین باب عبادة الصبيان نیز کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یغذیب المیت بکاء أهله" ۱۱۱ فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۵ (مصری ایڈیشن) ۱۱۱ بروایت عائشہ صحیح بخاری (کتاب الادب باب رحمة الولد) ۱۱۱ صحیح بخاری (کتاب الاستئذان)

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے لے رہتے تھے، میرے ایک چھوٹے بھائی سے آپ فرماتے ابو عبید، تم سیر کیا ہو؟^۱
مسلمانوں پر آپ بے حد مہربان تھے اور ان کے احوال کی بہت رعتی فرماتے تھے، انسانی طبائث میں گناہٹ اور ذمی طور پر سبت سختی یا تعطل پیدا ہونا انتہا ہی اس کا برابر کا مظاہرہ تھے۔

حضرت عبدالشرین سعودی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو وعظ و نصیحت فرماتے تھے، وہ وقفوں کے ہاتھ ہوتی تھی، اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اندر گناہٹ نہ پیدا ہونے لگے، نماز بنے اس قدر تعلق اور شغف کی کے باوجود آپ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے آپ نے خود یہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو۔^۲
عبدالشرین سعودی راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں (اپنے محلہ کی) صبح کی نماز میں محض اس لئے نہیں پہنچتا کہ فلاں صاحب بہت طویل نماز پڑھتا ہے، اس کے بعد جو وعظ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ غصہ کی حالت میں میں نے کسی اور وعظ میں آپ کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا تم میں وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تنفر کرتے ہیں، تم میں سے جو نماز پڑھائے اس کو چاہئے کہ مختصر پڑھے، اس لئے کہ نمازیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے اور ضرورت والے بھی۔^۳

۱۔ چھوٹی پڑیا جس سے بچے اکثر کھیلے ہیں۔ ۲۔ الادب المفرد ص ۳۵ صحیح بخاری کتاب الصلاة

(باب من اخذ الصلاة) ۳۔ صحیح بخاری کتاب الصلاة (باب تخفيف الامام القراءة)

اَللّٰهُ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ
اَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب - ۶)

نہی مسلمانوں کے لئے ان کی جانوں
سے زیادہ دوست اور شفیق ہیں۔

اس لئے جس مسلمان کا انتقال ہو اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ، قریبی
رشتہ داروں کا حق ہے، وہ جو بھی ہوں، اگر اس کے ذمہ کچھ قرض اور زمین جائیداد
رہ جائے تو میرے پاس آئے، اس کا والی اور ذمہ دار میں ہوں!

اعتدالِ فطرت اور سلامتِ ذوق

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور اعلیٰ درجہ کی طبعی خلقی
موزونیت سے نوازا تھا، وہ آنے والی صدیوں اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لئے
معراجِ کمال ہے، اور اس کو ہم اعتدالِ فطرت، سلامتِ ذوق، لطافتِ شعور، توازن
و جامعیت اور افراط و تفریط سے پرہیز سے تعبیر کر سکتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ
عنها بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں کسی ایک کو
ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ کا
خائبہ نہ ہو، اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے!

آپ تکلفات، ضرورت سے زیادہ زہد و تقشف، نفس کے جائز حقوق سے
رُوگردانی سے بہت دور تھے، حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا
”دین آسان ہے، اور جو بھی دین سے زور لٹائی کرے گا، دین اس پر غالب آئے گا،
اس لئے میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ چلو، قریب کے پہلوؤں کی رعایت کرو، اور انبساط کرو“

لہٰ اَيْضًا ۱۵ صحیح مسلم (باب بماعتہ صلے اللہ علیہ وسلم ثلاثام)

اور صبح و شام اور کسی قدر زاری کی شب کی عبادت سے تقویت حاصل کرو! آپ نے یہ بھی فرمایا "ٹھہرو" اتنا ہی کہ جتنا کرنے کی تمہارے اندر طاقت ہو اس لئے کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تو نہیں تھکے گا تم ہی تھک جاؤ گے" ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا دین سب سے زیادہ محبوب ہے آپ نے فرمایا "الحنيفية السمحة" (سہولت و خلوص والا دین ابراہیمی) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باللہ و سختی سے کام لینے والے اور بال کی کھال نکالنے والے ہلاک ہوئے" آپ نے اپنے بعض صحابہوں کو جب کسی جگہ تعلیم اور وعظ و نصیحت کے لئے بھیجا تو ان سے فرمایا کہ "آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، بشارت دینا اور منفرہ نہ کرنا" عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندہ پر دیکھے"۔

اپنے گھر میں اہل و عیال کے ساتھ

آپ اپنے گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے اور جیسا کہ خود حضرت عائشہؓ

صحیح بخاری کتاب الایمان باب الدین لیسرۃ اللہ الادب المفرد ص ۱۸۱ (طبع المطبعة السلفیہ)

۱۸۱ صحیح مسلم یعنی دین کے معاملات میں ایچ پیچ کرنے والے اور اس میں تشدد اور مبالغہ کرنے والے۔

۱۸۲ ترمذی نے یہ حدیث ابواب آداب میں بیان کی ہے باب (ان الشریح ان یری اثر نعمت علی عیالہ)

یعنی اللہ نے اس کو جن نعمتوں سے نوازا ہے اس کی زندگی سے اس کا اظہار ہو اور وہ حال آدمی خستہ حال

آدمی کی طرح ہے تو گویا وہ خدا کے احسان کی ناشکری کرتا ہے اور اپنے فقر کا بلا ضرورت اعلان کرتا ہے۔

نے بیان فرمایا ہے "آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود
 دوہ لیتے تھے، اور اپنا کام خود انجام دیتے تھے" آگے بیان فرماتی ہیں کہ "اپنے کپڑوں
 میں بیوند لگا لیتے تھے، جو ناگناٹھ لیتے تھے، اور اس طرح کے اور کام کرتے تھے" حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ "آپ
 گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے"
 ایک روایت میں ہے کہ "آپ اپنی جونی ٹانگ لیتے تھے، کپڑے اسی لیتے تھے،
 جیسا تم میں سے کوئی اپنے گھر میں کرتا ہے" ۱۱

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ "آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور
 سب سے زیادہ کریم تھے، اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے" ۱۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل و عیال پر شفیق و رحیم ہو" ۱۳ حضرت عائشہ رضی
 اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے سب سے زیادہ بہتر وہ ہے
 جو اپنے اہل و عیال کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل و عیال کے معاملے میں
 تم سے زیادہ بہتر ہوں" ۱۴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے
 میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا" ۱۵

۱۱ صحیح بخاری کتاب الصلاة، باب (من كان في حاجة أهله) نیز روایت احمد و عبد الرزاق.

۱۲ مصنف عبد الرزاق حدیث نمبر ۲۰۹۲ ج ۲ ص ۱۱۱ ۱۳ ابن عساکر ص ۱۵۸ سند احمد روایت ابن ماجہ و مسلم

۱۴ ابن ماجہ (باب من حاشرة النساء) ۱۵ متفق علیہ صحیح بخاری کتاب الاطعمه (باب طعام النبي صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً) نیز صحیح مسلم

خطرات اور آزمائشوں میں سب آگے اور انعام و اکرام میں سب پیچھے

اپنے اہل بیت اہل و عیال اور قرابتداروں کے ساتھ آپ کا مستقل معاملہ اور اصول یہ تھا کہ جو آپ سے جس قدر قریب ہوتا، آپ خطرات اور آزمائشوں میں اس کو اسی قدر آگے رکھتے، اور انعام و اکرام اور مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اسی قدر پیچھے رکھتے، جب عقیبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عقیبہ نے (جو عرب کے نامی گرامی بہادروں اور جنگ آزمائوں میں تھے) بدر میں تشریش کو لٹکارا اور مبارز طلبی کی تو آپ نے حمزہ، علی اور عبیدہ کو آزدی اور ان کے مقابلہ پر بھیجا حالانکہ آپ مکہ کے ان شہسواروں کی حیثیت و اہمیت سے خوب واقف تھے، مہاجرین میں متحد ایسے بہادر اور جری شہسوار موجود تھے، جو ان سے دو دو ہاتھ کر سکتے تھے، بنی ہاشم کے یہ بیٹوں افراد وہ تھے، جو خون اور رشتہ میں آپ سے سب سے قریب تھے، اور آپ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب بھی تھے، لیکن آپ نے ان کو اس خطرہ سے بچانے کے لئے دوسرے حضرات کو خطرہ میں نہیں ڈالا، اور انھیں کو مقابلہ کے لئے بھیجا، اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اس نے ان کو اپنے دشمنوں پر غالب فرمادیا، اور فتح عطا فرمائی، حضرت حمزہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما منظر و تصور اور صبح سالم واپس آئے، عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں لایا گیا۔

آپ نے جب سود کو حرام اور جاہلیت کے خون کو کالعدم قرار دیا تو اس کی ابتدا اپنے عم محترم عباس بن عبد المطلب اور اپنے بھتیجے (ربیعہ بن اسحاق بن عبد المطلب کے فرزند) سے فرمائی، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

”زمانہ جاہلیت کا سودا آج سے ختم اور کالعدم ہے اور پہلا سود جو میں تم کو دیا ہے وہ ہمارے ہاں کا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، زمانہ جاہلیت کا خون بھی کالعدم ہے اور وہ ہمارے ہی یہاں کا ربیعہ بن الحارث کے فرزند کا خون ہے!“

راجعت و آرام اور انعام و اکرام کے موقع پر آپ عام سلاطین و حکمرانوں یا سیاسی رہنماؤں کی روش اور عادت کے خلاف ان حضرات کو ہمیشہ پیچھے رکھتے تھے اور ان پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اوی ہیں کہ فاطمہؑ کو چلکی پیسے میں شقت ہوتی تھی، اسی زمانہ میں ان کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بانڈیاں آئی ہیں، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کی خواستگار ہوئیں کہ ان کو بھی ان میں سے خدمت و مدد کے لئے کوئی بانڈی عطا ہو جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دولت خانہ پر تشریف نہیں رکھتے تھے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کا ذکر کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، اس وقت ہم سونے کے لئے لیٹ چکے تھے، آپ کو دیکھ کر ہم کھڑے ہونے لگے، آپ نے فرمایا کہ رہو، یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، آپ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتاؤں جس کا تم نے سوال کیا تھا، جب تم سونے کے لئے لیٹو تو ۳۴ بار اللہ اکبر کہو، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہو، یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے، جس کا سوال تم دونوں نے مجھ سے کیا تھا۔“

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج باب عجت النبی صلی اللہ علیہ وسلم داؤد وروایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا نام بعض روایات میں لیا گیا ہے۔ ۲۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب المذنبین ان اس من الثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک دوسری روایت میں اسی واقعہ کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ خدا کی قسم اس حالت میں کہ اہل صفحہ کے پیٹ بھوک سے پٹھے سے لگ گئے ہیں! میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے! ان کو فروخت کر کے میں ان کی آمدنی ان پر خرچ کروں گا!

لطافتِ شعور اور جذبات کی بلندی و پائیزی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نبوت اور دعوتِ حق کے کارِ عظیم، انسانیت کے درد و سوز اور اُن مسلسل فکروں اور گراںباریوں کے ساتھ جن کا تخیل پہاڑوں کے لئے بھی آسان نہ تھا، لطیف انسانی احساسات اور پاکیزہ و بلند جذبات پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ ریز تھے اس غیر معمولی قوتِ ارادیٰ غیر متزلزل رائے و مسلک کے ساتھ جو انبیاء کا شیوہ اور امتیازی خصوصیت ہوتی ہے اور جو دعوتِ الی اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے راستے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کسی چیز کو کوئی وزن نہیں دیتی اور کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتی، آپ نے اپنے ان وفادار رفقاء کو اپنی زندگی کے آخری ایام تک فراموش نہیں کیا جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، اور راہِ حق میں اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا، اور اُحد کے معرکہ میں شہادت پا کر حیات جاوید حاصل کی تھی، آپ ان کا برابر ذکر فرماتے رہے ان کے لئے دعائیں کرتے رہے اور ان کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔

یہ محبت و وفا انسانی جسموں سے تجاوز کر کے ان بے جان پتھروں پہاڑوں

اور وادیوں تک میں سرایت کر گئی جہاں عشق و وفا اور قربانی و جاں نثاری کے یہ مناظر چشم فلک نے دیکھے تھے اور جن کو ان کی جائے قیام بننے کا شرف حاصل ہوا تھا، انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اُحد کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: هَذَا جَبَلٌ يُجْبِنُ وَ يُنَجِّئُ (یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) ابی حمیدؓ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس آئے جب مدینہ قریب آیا تو آپؐ نے فرمایا: هَذِهِ طَابَةٌ، وَ هَذَا جَبَلٌ يُجْبِنُ وَ يُنَجِّئُ (یہ طابہ (مدینہ طیبہ) ہے اور یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اہل اُحد کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی جابری بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصحاب اُحد کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم میری خواہش تھی کہ میں بھی شہداء اُحد کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں رہ جانا، آپؐ نے اپنے چاہنے والے چچا اور رضاعی بھائی کی شہادت کا صدمہ (جنھوں نے آپؐ کی محبت و حمیت اور اسلام کی نصرت و حمایت میں جان دی اور ان کی نفس کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کسی کے ساتھ نہ ہوا تھا) انبیاء اولوالعزم کے صبر کے ساتھ برداشت کیا، لیکن جب آپؐ اُحد سے واپس ہوتے ہوئے مدینہ تشریف لائے اور بنی عبدالاشہل کے گھر کے سامنے آپؐ گزرے، اور ان کے شہداء پر رونے کی آواز آپؐ کے کانوں میں آئی تو اس واقعے نے آپؐ کے لطیف انسانی احساسات کو چھیڑ دیا، اور آپؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں آپؐ نے فرمایا:

لے صحیح بخاری، کتاب المغازی (باب اُحد مجتبا) ۱۵ صحیح بخاری کتاب المغازی واقعہ تبوک ۱۵۸ ایضاً

”لکن حمزہؓ لایو اکی لہ“ (لیکن حمزہؓ کے لئے رونے وایاں نہیں ہیں)

تاہم یہ بشریافتہ و اعلیٰ انسانی احساسات و جذبات، نبوت اور دعوتِ اسلامی کی عظیم ذمہ داریوں اور حدودِ الہیہ کی رعایت و حفاظت پر کبھی اثر انداز نہیں ہوئے۔ سیرت نگار اور مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ ”جب سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بنی عبد اللہ اشہل کے گھر واپس آئے تو انھوں نے اپنے گھر کی عورتوں کو حکم دیا کہ تیار ہو کر جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا ماتم کریں، ان خواتین نے ایسا ہی کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کو مسجدِ نبوی کے دروازے پر رونا ہوا پایا، آپ نے فرمایا، اللہ تم پر رحم فرمائے واپس جاؤ، تمہارے یہاں آنے ہی سے غمخواری کا سامان ہو گیا“ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ”آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ سب کیا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ انصار نے اپنی عورتوں کو کس مقصد سے یہاں بھیجا ہے، آپ نے خدا کے حضور مغفرت طلب کی اچھے الفاظ سے ان کو خطاب کیا، اور فرمایا: میرا مطلب یہ نہیں تھا، میں میت پر رونا پسند نہیں کرتا، پھر آپ نے اس سے منع فرمایا“

اس سے نازک موقع اسد اللہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قابلِ حمتی کے ساتھ پیش آیا، جب مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر لیا تو دنیا ان کی نظر میں تاریک ہو گئی اور راستے مسدود نظر آئے، اُن کے لئے قدرتی طور پر مشکلات پیدا ہو گئیں، انھوں نے شام و یمن اور بعض دوسرے مقامات پر جانے کا ارادہ کیا، اُن سے لوگوں نے کہا بھلے آدمی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرنے جو آپ کے

لہ ابن کثیر ۳/۱۹۵، امام احمد نے اس کو ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، ابن کثیر کا قول ہے کہ ہذا علی شہدہ سلم
۵۲ ابن کثیر ۳/۱۹۶

دین میں داخل ہو جائے ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے مسلمان ہونے کے بعد جب وہ پہلی بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اسلام قبول فرمایا اور کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس سے ان کے دل میں خوف پیدا ہو، حضرت حمزہؓ کے قتل کا واقعہ آپ نے ان سے سنا، جب وہ سب کہہ چکے تو آپ کے اندر وہ لطیف انسانی احساس اور کیفیت ضرور پیدا ہوئی لیکن یہ خاص کیفیت اور جذبہ آپ کے منصب نبوت کے مزاج اور احساس ذمہ داری پر غالب نہیں آنے پایا کہ آپ ان کے اسلام کو قبول نہ فرماتے یا غصہ میں ان کو قتل کر دیتے، آپ نے اس کے علاوہ کچھ نہ فرمایا، بندہ خدا ابرہہ کے سامنے ڈانٹا، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری نظر تم پر نہ پڑے، وحشی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں برابر آپ کے سامنے آنے سے کترانا رہا کہ کہیں آپ مجھے دیکھ نہ لیں یہاں تک کہ ان کا وقت موعود آ گیا!

بخاری میں ہے کہ آپ کی نظر جب مجھ پر پڑی تو آپ نے فرمایا کیا تم وحشی ہو، میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا، کیا تمہیں نے حمزہ کو شہید کیا تھا؟ میں نے کہا، آپ کو جو اطلاع پہنچی ہے وہ درست ہے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو!

ان فطری و انسانی احساسات و کیفیات اور اعلیٰ و لطیف جذبات کی جھلک ہمیں وہاں بھی نظر آتی ہے، جب آپ ایک ٹی ہوئی پرانی قبر پر تشریف لے گئے،

لہ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۷ صحیح بخاری میں یہ واقعہ کتاب الغازی باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ میں بیان کیا گیا ہے۔ لہ صحیح بخاری، باب قتل حمزہ۔

اس وقت آپ پر رقت طاری ہوئی اور آپ رو دیئے، پھر آپ نے فرمایا: یہ آمینہ کی قبر ہے، یہ اس وقت کی بات ہے، جب ان کی وفات پر طویل عرصہ گزر چکا تھا۔

کرم گستری اور تحلل و بردباری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکالم اخلاق، نوازش و کرم گستری اور تواضع میں ساری انسانیت کے امام و مقتدا و پیشوا تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقِكَ عَظِيمٌ ۝

بے شک آپ بہت عظیم اخلاق کے

حامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:-

أَدَّبَنِي لِي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي۔ میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی

ہے اور بہترین فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بَعَثَنِي لِتَمَامِ مَكَانِ الْأَخْلَاقِ ۝

وَكُلِّمَ عَمَّا فِي الْأَفْعَالِ ۝

میں اس اعمال کی تکمیل کے لئے مبعوث

فرمایا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے آپ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا، انھوں نے کہا:-

كَانَ خَلْقَهُ الْقُرْآنَ ۝

آپ اخلاق میں قرآن کا ترجمہ نمونہ تھے۔

لہٰذا یہی روایت سفیان ثوری (دیکھئے ابن کثیر ج ۱ ص ۲۳) ۱۴۱۴ھ القلم ۲ ۱۳۳ شرح السنۃ و مشکاة

المصابیح ص ۱۵۵ ۱۴ ص صحیح مسلم بروایت عائشہؓ

عفو و درگزر تحمل و بردباری، کشادہ قلبی اور قوت برداشت میں آپ کا جو نفاک تھا، وہاں تک کہ اہل ذہانت کی ذہانت اور شعراء کے خیال و تصور کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اگر ان واقعات کو اس مخصوص طریقہ سے بیان نہ کیا گیا ہوتا جو شک و شبہ سے بالاتر ہے تو لوگوں کے ذہن آج اس کو قبول نہ کرتے لیکن یہ روایات اس قدر صحیح اور مسلسل اسناد اور ایک ثقہ و عادل راوی سے دوسرے ثقہ و عادل راوی تک اس انضباط و ارتباط کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور ان میں اس درجہ تو اترا پایا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ معتبر ترین تاریخی دستاویزات سے کہیں زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ اس موقع پر ہم اس سلسلے کے چند واقعات بیان کریں گے:-

آپ کی نوازش و کرم اور بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ دلدادگی اور احسان کا ایک نمونہ وہ تھا، جب منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو قبر میں اتارا گیا، آپ وہاں تشریف لائے، حکم دیا کہ اس کو قبر سے نکالا جائے اس کے بعد آپ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اپنا لعاب ذہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔

انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ اس وقت بخران کی چادر زیب تن کئے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے، راستہ میں ایک عربی آپ کو ملا اور آپ کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آپ کی گردن پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشا

۱۹۹ھ میں تبوک سے واپسی پر ماہ ذی قعدہ میں اس کی موت واقع ہوئی، الزرقانی ج ۳

۱۱۱-۱۱۳ ۱۱۵ صحیح بخاری کتاب الجنازہ تخمیں کے ساتھ۔

پڑ گئے ہیں، پھر اس اعرابی نے کہا یا محمد! اللہ کا جمال آپ کے پاس ہے وہ مجھ دینے کا حکم دیجئے، آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنسنے پھر ہدایت کی کہ اس کو دیا جائے۔^۱
 زید بن سنان (قبول اسلام سے قبل) آپ کے پاس آیا اور قرض کا مطالبہ کیا جو آپ نے اس سے لے لیا تھا، پھر اس کے بعد اس نے کپڑا کپڑا کر آپ کے شانہ مبارک سے زور سے کھینچا اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا اور سخت الفاظ میں بات کی پھر کہا کہ تم عبدالمطلب کی اولاد اڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو، حضرت عمرؓ نے اس کو بھڑکا اور سخت لہجہ میں بات کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا ہٹ کارا، آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمرؓ اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے روئے کے مستحق تھے، مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقہ سے تقاضہ کرنے کو کہتے! پھر آپ نے فرمایا کہ اس کی مدت ادا ہوئی میں ابھی تین دن باقی ہیں بہر حال آپ نے حضرت عمرؓ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا اور تین صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا کہ یہ اس کا معاوضہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اس کو خوف زدہ کر دیا تھا اور پھر یہی بات اس کے اسلام کا باعث بن گئی۔^۲

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار کہ سے انسی مسیح آدمی جبل نغمیم سے اچانک وارد ہوئے اور دھوکہ میں رکھ کر آپ کو گزند پہنچانا چاہا، آپ نے ان سب کو قید کرنا لیا، اور ان کو زندہ رہنے دیا۔^۳

لہ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یطی المألفۃ قلوبہم نیر منہ امام احمد ۳ ص ۱۵۱ الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ روایت بہیقی (تفصیل کے ساتھ) و روایت احمد ۳ ص ۱۵۳ الفاظ کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ یہ صحیح مسلم کتاب الجہاد والیر باب قول اللہ وھو الذی کتبت آیتہم عنکم

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف لشکر کشی کی راستہ میں دو پہر کا وقت ہوا اور آرام کی ضرورت محسوس ہوئی اس علاقہ میں کثرت سے جھاڑیاں تھیں، آپ ببول کے ایک درخت کے سایہ میں استراحت فرمانے لگے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکادی اور لوگ بھی منتشر ہو کر مختلف درختوں کے نیچے پناہ گیر ہو گئے، یہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آواز دی، ہم حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور میری تلوار کھینچی، میں بیدار ہوا تو یہ تلوار کھینچنے پونے میرے سر پر کھڑا تھا، اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا اللہ اس نے تلوار نیام میں کر لی، اس کے بعد بیٹھ گیا اور یہ ہے وہ شخص جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہے راوی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی مسزاندہ دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم و بردباری کا یہ حال تھا کہ تمام صحابہ کرام کا حلم بھی مل کر آپ کے برابر نہ تھا، حالانکہ سب صحابہ کرام کرام حلم و سکینت کے حامل تھے، آپ کی حیثیت ان تمام معاملات میں سب کے لئے ایک شفیع استادا اور رحم دل و مہربان مصلح و مصلحتی کی تھی، اس کا ایک نمونہ یہ ہیں حضرت ابوہریرہ کی روایت میں نظر آتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد میں

لے اس موقع پر لفظ شمارہ آیا ہے جس کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں اس نے تلوار نیام میں کر لی اور اس کے

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے تلوار کھینچی اور اس کو دیکھا (ملاحظہ ہو صحیح بخاری ج ۱۰ ص ۱۰۰)

۱۰ صحیح بخاری کتاب المغازی باب (غزوة بنی المصطلق)

پیشاب کر دیا، لوگ یہ دیکھ کر اس پر دوڑ پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اور جہاں اس نے پیشاب کر دیا ہے اس پر ایک ڈول پانی یا کچھ پانی کے ڈول بہا دو اور خیال رکھو کہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی و دشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں!

معاویہ بن الحکمؓ راوی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا کہ ایک شخص کو پھینک آئی میں نے کہا "بسم اللہ" لوگ یہ سن کر مجھے گھولنے لگے، میں نے کہا تمہاری ماں تم پر رٹے آ کر کیا ہوا ہے کہ تم لوگ مجھے اس طرح تیز لگا ہوں سے گھور رہے ہو، یہ سن کر لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے، جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں چُپ ہو گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے نہ آپ سے پہلے آپ کی طرح کوئی مڑتی اور علم دیکھا اور نہ آپ کے بعد، خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا بس یہ فرمایا کہ نماز میں عام انسانی گفتگو مناسب نہیں ہوتی، نماز صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کے لئے ہے!

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحم دل تھے آپ کے پاس کوئی ضرورت مند آتا تو آپ اس سے وعدہ ضرور کرتے اور اگر کچھ ہوتا تو اسی وقت اس کی حاجت پوری فرماتے، ایک بار نماز کھڑی ہو چکی تھی کہ ایک اعرابی آگے بڑھا اور آپ کا کپڑا بکڑ کر کہنے لگا کہ میری ایک معمولی سی ضرورت باقی رہ گئی ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں، آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے،

۱۔ صحیح بخاری (کتاب الوضو) ۱۱۱۱ مسلم باب تحمیم الکلام فی الصلاة۔

جب اس نے اپنا کام کر لیا تو آپؐ واپس تشریف لائے اور نماز ادا فرمائی۔
 آپ کے تحمل، قوت برداشت، کشادگی قلب اور صبر و عزیمت کے واقعات
 میں آپ کے خادم حضرت انسؓ کی وہ شہادت ہے جو انھوں نے اس سلسلہ میں دی ہے
 اس وقت وہ بہت کم سن تھے انھوں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی ہوں بھی نہیں کہا، اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام
 تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا؟

سعد ابن عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا
 اور میرے کپڑے پر زعفران سے ملی ہوئی خوشبو کا نشان تھا، آپ نے دیکھا تو فرمایا
 "دس دس پھینکو پھینکو" اور میرے پیٹ پر ایک چھڑی ماری جس سے مجھے
 تکلیف ہوئی میں نے کہا یا رسول اللہ تم میرا قصاص کا حق ہو گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا قصاص لے لو!

آپ کی تواضع

تواضع آپ کے اندر انتہا درجہ کی تھی اور آپ کسی چیز میں نمایاں اور ممتاز ہونا
 پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ آپ اس کو اچھا سمجھتے تھے کہ لوگ آپ کے لئے کھڑے ہوں
 اور آپ کی مدح و توصیف میں مبالغہ سے کام لیں جیسے گذشتہ امتوں نے اپنے انبیاء
 کے ساتھ کیا تھا یا آپ کو عبدیت اور رسالت کے درجہ سے بلند کریں حضرت انسؓ

لے مسلم کتاب الفضائل باب من خلق صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷۰ ایک زرد بولے جس سے کپڑا
 رنگا جاتا ہے ۱۷۰ کتاب الشفاء یہ انھوں نے محبت میں کہا تھا قصاص لینے کے لئے نہیں

فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، لیکن ہم آپ کو دیکھتے اور اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے!

آپ سے عرض کیا گیا کہ ”یا خیر البریۃ“ (اے مخلوق میں سب سے افضل) آپ نے فرمایا ”ذاک ابراہیم علیہ السلام“ (یہ ابراہیم علیہ السلام کا منقار ہے) حضرت عمر زراوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف و توصیف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو! عبد اللہ بن ابی ادنیٰ روایت کرتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کوئی تکلف اور عار نہ ہوتا تھا کہ آپ کسی غلام یا کسی بیوہ کے ہمراہ چلیں یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے“

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی اور جتنی دیر چاہتی لے جاتی!

”عدی بن حاتم الطائی جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو اپنے گھر بلایا، باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لئے پیش کیا، آپ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور خود زمین پر بیٹھ گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس سے

لے ترمذی (باب ماجاء فی کراہیۃ قیام الرجل للرجل) و بروایت منداحرج ۳ ص ۱۳۱

۱۵ مسلم کتاب الفضائل باب من فضل ابراہیم علیہ السلام ۳۵ بخاری کتاب الانبیاء ص ۱۵۷ (باب

تواضع رسول اللہ) ۵۵ منداحرج ۳ ص ۱۹۵-۲۱۵ و مجمع الفوائد ۴ کتاب النفاق باب صفات و اخلاق

میں سمجھ گیا کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں!

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہار کے عبادت فرماتے تھے، جوازہ میں شریک ہوتے تھے، گدھے پر بھی سواری فرماتے تھے اور غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے!"

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور کے خیال سے اپنی رفتار سست فرمادیتے تھے، اور اس کے لئے دعا فرماتے تھے!"

انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی او ایسے سالن چربیں کا مزہ بدل چلا ہو، مدعو ہوتے تو بھی آپ قبول فرماتے!"

ان ہی سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بندہ ہوں، بندہ کی طرح کھانا ہوں، اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں!"

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے، میں نے چمڑے کا ٹیکہ جس میں چھال بکھرا ہوا تھا آپ کو پیش کیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ٹیکہ کو میرے اور اپنے درمیان رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود گھر کی صفائی فرمایتے، اونٹ کو بانڈھ لیتے، اور اپنے جانور کو چارہ بھی دیتے اپنے خدمت گار کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور آٹا گوندھنے میں اس کا ہاتھ بٹاتے، اور بازار سے سود ابھی لے آتے!"

۱۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۲۷ ۲۔ شمائل ترمذی (باب تواضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ۳۔ التزیب

۴۔ التزیب للبخاری ص ۱۲۷ شمائل ترمذی (باب تواضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ۵۔ زاد المعاد ج ۱ ص ۱۲۷

۶۔ ۲۱۱-۲۸۹ ۷۔ الشفاء ص ۱۲۷ ۸۔ الادب المفرد ص ۱۲۷ ۹۔ کتاب الشفاء ص ۱۲۷ ۱۰۔ روایت بخاری

شجاعت، دلاوری اور شرم و حیا

آپ کی سیرت میں شجاعت و دلاوری اور شرم و حیا (جس کو بہت سے لوگ متضاد سمجھتے ہیں) کی یکساں نمود تھی جہاں تک آپ کی حیا کا تعلق ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ پر نشہ کنواری لڑکی سے زیادہ حیا دار تھے، جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو جاتا تھا شرم و حیا کی وجہ سے کسی کے روبرو ایسی بات نہ کہہ سکتے تھے، جو اس کو ناگوار ہو، چنانچہ یہ کام کسی اور کے حوالے فرماتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص تھا جس کے کپڑوں پر زردی کا اثر غالب تھا، چونکہ آپ کسی کے روبرو ایسی بات کہنا پسند نہیں فرماتے تھے، جو اس کو ناگوار ہو، اس لئے جب وہ کھڑا ہو گیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اچھا تھا اگر تم اس سے یہ کہتے کہ وہ زرد رنگ کا استعمال چھوڑ دے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ کو کسی کے متعلق کسی برائی کی اطلاع ملتی تو آپ اس کا نام لے کر یہ نہ فرماتے کہ اس نے ایسا کیا، بلکہ آپ یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا کہتے ہیں یا ایسا کرتے ہیں، آپ اس کی مخالفت تو فرماتے لیکن کام کرنے والے کا ناگوار نہ فرماتے، جہاں تک شجاعت و دلاوری کا تعلق ہے تو اس کے لئے شہید خدای تعالیٰ رضی اللہ عنہ

وجہ کی شہادت کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب زور کار ن پڑتا تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں حلقوں یا ہر آجائیں گی تو اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

لے صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لے شامل ترمذی باب

خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لے سنن ابی داؤد باب حسن العشرة۔

آپ کی پناہ لینے کے لئے ڈھونڈتے اور یہ دیکھتے تھے کہ دشمن سے آپ سے زیادہ
کوئی قریب نہیں ہے غزوہ بدر میں ہمارا یہی حال تھا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
پناہ لے رہے تھے اور آپ دشمن سے ہم سے زیادہ قریب تھے یہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
زیادہ میں جھیل سے زیادہ سخی و قیاض اور سے زیادہ شجاع و بہادر تھے، ایک رات
اہل مدینہ خوف زدہ ہو گئے، اور جھڑ سے آواز آئی تھی، اُدھر لوگوں نے رخ کیا، راستے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لاتے ہوئے ملے آپ آواز سن کر ان سے
پہلے وہاں تشریف لے گئے تھے آپ فرماتے جاتے تھے کہ ڈرو نہیں ڈرو نہیں آپ اس وقت
ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے جس پر زین بھی نہ تھا، تلوار آپ کے شانے سے لٹک
رہی تھی آپ نے گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اس کو سمندر کی طرح رواں او
تیز رفتار پایا!

غزوہ اُحدا اور غزوہ بخین میں جب بڑے بڑے بہادر اور جگمگاندہ تیر تیر ہو گئے تھے،
اور میدان خالی تھا، اس وقت بھی آپ اپنے خچر پر اسی سکون اور ثابت قدمی کے ساتھ
اپنے نفاق پر موجود تھے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بات ہی نہیں ہوئی، آپ یہ جرح بھی ٹھہرتے جاتے تھے

انا النبئی لا کذب — انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹ بات نہیں ہے — میں عبد المطلب کا فرزند ہوں

شفقت و محبت و رحمتِ عامہ

اس شجاعت و بہادری کے ساتھ آپ بے حد نرم دل تھے آپ کی آنکھیں بہت جلد

اور انکسار ہو جائیں کمزور لوگوں اور بے زبان جانوروں تک کے ساتھ آپ نرمی کا حکم فرماتے تھے،
 شتا دین اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ
 اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو ذبح کرو تو
 اچھی طرح کرو تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری پہلے تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے،
 ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک بکری زمین میں بیچ کرنے
 کے لئے لٹائی، اس کے بعد چھری تیز کرنا شروع کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر
 فرمایا کیا تم اس کو دو بار بار مارنا چاہتے ہو، اس کو لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہ کرتی؟
 آپ نے صحابہ کرام کو جانوروں کو چارہ پانی دینے کی ہدایت فرمائی اور ان کو پریشان
 کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کی ممانعت کی اور جانوروں کی تکلیف دور کرنے اور
 ان کو آرام پہنچانے کو باعثِ اجر و ثواب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا، اور اس کے
 فضائل بیان فرمائے حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص کہیں سفر پر تھا، راستہ میں اس کو
 سخت پیاس لگی، سامنے ایک کنواں نظر پڑا وہ اس میں اتر گیا جب باہر آیا تو دیکھا
 کہ ایک کتاب پیاس کی شدت سے کچھ چٹھا رہا ہے، اس نے اپنے دل میں کہا کہ پیاس
 سے جو میرا حال ہو رہا تھا، یہی اس کا بھی ہے، وہ پھر کنویں میں اتر آیا اپنے چمڑے کے
 موزے پانی سے بھرے، پھر اپنے دانتوں سے ان کو دبا یا اور اوپر آ کر کتے کو پلایا،
 اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اس کی مغفرت فرمادی، لوگوں نے
 عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ بہائم اور جانوروں کے معاملہ میں بھی اجر ہے آپ نے فرمایا:

لے سلم باب الامر باحسان الذبح (کتاب الذبح) ۱۵ طبرانی اور حاکم کا قول ہے کہ
 یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

ہر اس مخلوق میں جو ترقی نازہ جگر رکھتی ہے، اجر ہے!

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک عورت کو صرف اس بات پر عذاب دیا گیا کہ اس نے اپنی بی بی کو کھانا پانی نہیں دیا اور نہ اس کو چھوڑا کہ وہ حشرات الارض ہی سے اپنا پیٹ بھرتے!

سہیل بن عمرو (اور ایک روایت میں ہے سہیل بن الربیع بن عمرو) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسے اونٹ پر ہوا جس کی پیٹھ لاغری کی وجہ سے اس کے پیٹ سے لگ گئی تھی، آپ نے فرمایا ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت استعمال کرو تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں!

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے احاطہ میں داخل ہوئے، اس میں ایک اونٹ تھا، اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ بلبلانے لگا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لائے اور اس کے کوہان اور کنپٹیوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، اس سے اس کو سکون ہوا،

لہ صحیح بخاری کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء، وصحیح مسلم، باب فضل سقی البہائم.

۳ امام نووی بروایت مسلم ۳ ابو داؤد باب "ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب"

پھر آپ نے پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آیا، اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صیبر ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اس جانور کے معاملے میں جس کا مالک اللہ تعالیٰ نے تم کو بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ مجھ سے تنکابیت کر رہا تھا کہ تم اس کو تکلیف دیتے ہو اور ہر وقت کام میں لگائے رکھتے ہو!

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی سرسبز جگہ جاؤ تو اونٹوں کو زمین پر ان کے حق سے محروم نہ کرو اور اگر خشکے میں جاؤ تو وہاں تیز چلو، رات کو پڑاؤ ڈالنا ہو تو راستہ پر نہ ڈالو اس لئے کہ وہاں جانوروں کی آمد و رفت رہتی ہے، اور کیڑے مکوڑے وہاں پناہ لیتے ہیں!"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ آپ ایک ضرورت کے لئے وہاں سے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے، اس درمیان ہم نے ایک چھوٹی چڑیا دیکھی اس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے دونوں بچے لے لئے، وہ یہ دیکھ کر اپنے پروں کو پھیر پھراتے لگی، آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے اس کے بچے چھین کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے، پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو بچے واپس کرو، یہاں ہم نے چونٹیوں کی ایک آبادی دیکھی اور اس کو جلا دیا، آپ نے فرمایا اس کو کس نے جلا یا ہے، ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے آپ نے فرمایا کہ آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب کو ہے!"

لہ ایضاً۔ ۳۵ مسلم باب مراعاة مصلحة الدواب ۳۵ ابو داؤد کتاب الجہاد باب

کراہیۃ حرق العدو بالنار۔

خادم، نوکر اور مزدور کے ساتھ جو اور انسانوں کی طرح انسان ہیں، اور جن کا اپنے مالک اور آقا پر احسان ہے، آپ نے حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے، وہ اس کے علاوہ ہے، جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، تمہارے بھائی، تمہارے خادم اور مددگار ہیں جس کا بھائی اس کا ماتحت ہو، اس کو چاہئے کہ جو خود کھانا ہے وہی اس کو کھلائے، جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے، ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں، آپ نے فرمایا ستر مرتبہ، وہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔

کامل، عالمگیر اور لازوال نمونہ

اس فصل کا اختتام حضرت الاستاد مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ”خطبات مدراس“ کے ایک اقتباس و انتخاب پر کیا جا رہا ہے جس میں سید صاحب نے

لہ بخاری الاذنب المفرد ص ۳۳ لہ بخاری والبوداؤد لہ ترمذی والبوداؤد۔

لہ ابن ماجہ الجواب الہیون (باب اجوالاجراء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل، عالمگیر اور لافانی نقشِ حیات، آپ کی جامعیت و کاملیت اور تمام طبقات انسانی نیز ہر ماحول، ہر زمانہ، ہر پیشہ اور ہر مشغلہ، غرض ہر قسم کے حالات اور ہر سطح و معیار کے لئے آپ کی کامل و جامع رہنمائی اور اسوۂ حسنہ کی نہایت مؤثر اور طبع انداز میں تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

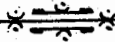
”ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر تم دولت مند ہو تو مکہ کے تاجروں و بصرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے جہان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر تم فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم انسا داوِ معلم ہو تو صفحہ کے درس گاہ کے معلمِ قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر تم واعظ و ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تم تنہائی اور لیے کسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو

مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور دیکھتے ہو تو فتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا

نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نصیر، خیر اور فدک کی زمیوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر تمہیں ہو تو عبدالرشاد آسنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچے ہو تو جلیبہ سعیدیہ کے لاڈلے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر تم سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور پنچائیوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو سجدہ کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر تم اولاد والے ہو تو خاتمہ کے باپ اور جن وحیین کے مانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کچھ بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ تمہاری سیرت کی دستگی و اصلاح کے لئے سامان تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے اس لئے طبقات انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر تلامذی کے لئے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہوتی ہے۔

کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اس کے سامنے نوح و ابراہیم،

ایوبؑ و یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود
 ہیں گویا تمام دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں، ایک ہی جنس کی
 اشیاء کی دوکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہؐ کی سیرت، اخلاق و اعمال
 کی دنیا کا سب سے بڑا بازار ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور برتنے
 کے طلب گار کے لئے بہترین سامان موجود ہے!



وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیر ہریانہ پر یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ پوری نوع انسانی خود کشی پر آمادہ نہیں کر سکتا ہے، جیسے خود کشی کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے، ساری دنیا میں خود کشی کی تیاری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس نظر اور صورت حال کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصوّر، ادیب و مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا، وہ فرماتا ہے :-

| | |
|--|---|
| وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ | اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو |
| إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُم مِّنْهَا۔ (ال عمران ۱۰۳) | جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔ |

لہ جیسے سیرت کی ایک تقریر کا آخری حصہ جس میں بعثت محمدی کے احسانات اور نبوت محمدی کے ان عطیوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخ انسانی میں انقلاب برپا کر دیا اور نوع انسانی کی قسمت بدل دی، اس کتاب کا اختتام اسی مضمون پر کیا جا رہا ہے۔ (الانبیاء - ۱۰۷)

ہمارے ٹورخوں اور سیرت نگاروں سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قابل معافی بلکہ ہمارے شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورت حال اتنی سنگین اتنی نازک اتنی اہمیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان و ادب کی بڑی سے بڑی قدرت و صلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، کوئی مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے، دور جاہلیت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی گیا وہ ایک یاد و قوموں کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بُت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم و ذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی، عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر و ظالم حکومتوں، ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا، کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور کر رہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے کچھ ننگ دل اور قسّٰی القلب لوگ اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم اور خیالی ننگ عار سے بچنے کے لئے ایک خود ساختہ تختل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادر گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی وہ دور ختم ہو چکا اب اس کو کیسے لاکر سامنے کھڑا کر دیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے دیکھا تھا، وہی اس کی حقیقت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک و قوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا، اگر کوئی مصو

ایسی تصویر پیش کرے جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نائیدگی ایک انسان کر رہا ہے، ایک حسین و جمیل سیکر، ایک فریب و تلوانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو محمود ملائکہ ہے اور مقصود آفرینش جس کے سر پر خدائے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی وص سے یہ کرۂ ارضی ایک خواہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت ہییب خندق ہے، جس کی کوئی تھاہ نہیں، وہ انسان اس میں پھلانگ لگانے کے لئے تیار رکھ رہا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آ رہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیر لوں میں غائب ہو جائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:-

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا۔
اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے
تک پہنچ چکے تھے خدائے تم کو اس سے
بچا لیا۔ (ان عمران - ۱۰۳)

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میری اس دعوت و ہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گرد و پیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گر کر آگ پر گرتے ہیں، بہ طرف سے اٹھ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہارا

کر کر پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں!

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار لگایا جائے۔ جب انسان اپنے صحیح موڈ میں آجائے گا جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائے گا تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا، جن کی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے بھی خواہوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچایا جو اس کے سر پر نیکی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی تعمیری اصلاحی کام، کوئی فلسفہ، کوئی دبستان، فکر، ان کے احسان سے شبکہ دوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہبرین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہو گئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت و رحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انھوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود ناشکی اور گواہی دی، ان کی مشکل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔ جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو کیسر فراموش کر دیتا ہے، جب انسان اپنی سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیلے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے

جسم میں ایک فرضی مددہ اور ایک لامحدود نفس آنا رہ جہم لیتا ہے، جبے نیا پر جنوں کا دورہ پڑتا ہے تو قدرتِ خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنوں کے نشتر کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جوارح پیدا کرتی ہے۔

کرتی ہے لکویت انداز جنوں پیدا

الشہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

آپ لکویت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجئے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنوں لکویت کے جنوں سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جاتا ہے تو محلہ کی نینز حرام کر دیتا ہے اور سارا محلہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ تصور کیجئے کہ جب نوع انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا توام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، انسان نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکئی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مڑا آئے لگا تھا، جو جام و سُبُو میں اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوش نامنظر میں نہیں آتا تھا، آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات، نظم و نسق اور قانون سازی اور تہذیب کے دنیا میں ڈنکے بجے، یورپ میں ٹوئینج اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اہل روما کے لئے سب سے زیادہ دھچکپ فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمیت خوردہ اور مجروح شمشیر زن GLADIATOR جانکئی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری بجی لیتا"

اس وقت روم کے خوش باش اور زندہ دل تراثی اس خوش کن نظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔
 رومی عہد کی سیانی جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا،
 انسانی ثقافت و سنگدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا، نایح اخلاق یورپ کے مصنف "یکسی" ان کھیلوں کی ہر دلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"سیانی کی یہ قبولیت و دل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ
 دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مخمخ ہو گئے تھے، اتنے کسی دوسرے ملعبہ میں
 نہ تھے، لہذا وہی دوق اکھاڑہ، امراء و اعیان دولت کی زر ق برق پوشا کیں،
 نہاشایوں کا انبوه کثیران کے ذوق و شوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں
 ایک توقع سکون خاموشی، اسی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین
 بلند ہوتی اس کی آواز سے شہر کیا معنی، مضافات شہر تک گونج اٹھے جنگ کا
 گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا عظیم المثال جوأت و بے جگری کا اظہار،
 ان میں سے ہر شئی تخیل کو مناثر کرتے کے لئے کافی ہے، اور ان کی مجموعی
 طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔

ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے،
 لیکن یہ سیلاب اتنا پُرورد تھا کہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا تھا۔

(HISTORY OF EUROPEAN MORALS. "نایح اخلاق یورپ" لہ ملاحظہ ہو یکی کی کتاب

لہ ایضاً ص ۲۳ (ترجمہ مولانا عبدالمجید دریابادی)

(BY LECKY)

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا:-
 وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ (الانبیاء۔ ۱۰۷) کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، اس تلوار کو ہٹا لیا، اور اس کو وہ نحفے عطا کئے، جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن، علم و فن اور روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہم یہاں پر آپ کے ان چن چن عظیموں کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے نوع انسانی کی ہدایت و اصلاح اور انسانیت کی تعمیر و ترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدہ توحید کی نعمت عطا فرمائی اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش عہد آفرین اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے، اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو

شاعری، فلسفہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں اور جس نے قوموں، ملکوں کو
 بارہا غلام بنایا، عناصر راجہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے اور پہاڑوں
 کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں
 زیادہ مجبور و ذلیل، بے حس و حرکت، بے جان و مردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ
 پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا،
 یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین اور مظاہر قدرت
 ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی
 پوری زندگی انھیں سے خوف و امید اور انھیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ
 بزدلی، ذہنی انتشار و ہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپ نے اس کو ایسے خالص بے آئینہ
 سہل الفہم، حیات بخش عقیدہ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات
 ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہو گیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت
 اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کار ساز حقیقی، حاجت روائے مطلق،
 اور نافع و ضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس
 نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی و عبودیت
 اور ہر طرح کے بے جانوت و رجا اور ہر طرح کے تشبہ و انتشار سے محفوظ ہو گیا،
 اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری
 دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ
 انسانی عظمت و شرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔

بشت محمدی کے بعد ہر طوت سے اس عقیدہ توحید کی (جس سے زیادہ تمام و جہول

کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار و خیالات پر اس کا کم و بیش اثر پڑا، وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ و ریشہ میں شرک اور تودہ و اکہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ پرج بس گیا تھا، کسی نہ کسی نے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور ان کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے جس سے ان پر شرک و بدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدہ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے، ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد، احساس کستری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہوئے اس عظیم اک احسان عظیم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و مینو کا مافرق تھا، وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔

ایہا الناس إنا ربکم ولحدّ
وان اباکم ولحدّ، کلکم لادم
وادم من تراب ان اکرمکم
عند اللہ اتقاکم و لیس لعلی
علی عجبی فضل الا بال تقوی۔
(سنن اعمال)

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور
تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب دلاؤ
آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ
کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزیز
وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ

پاک باز ہے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت
 نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ
 چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں دو حدتوں کا اعلان کیا گیا ہے،
 اوپر یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت
 کا قصر تعمیر کیا جاسکتا ہے، اور جس کے سایے کے نیچے انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا
 ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا
 ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کے خالق و صانع کی وحدت اور ایک
 نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے
 دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور چہانوں کا
 رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور نازوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد
 ہیں، دوسرے الفاظ میں توحیدِ رب اور توحیدِ اب کی تعلیم دی جس کو مختصر الفاظ
 میں یوں کہا جاسکتا ہے، الرب احد والاب احد، رب (پروردگار) بھی ایک ہے اور
 اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (نوڈ)
 میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا، بعض چیزیں
 ایسی ہوتی ہیں جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہو جاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ
 اس کو پردوں میں رکھ کر چھپو لینے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھپو لے تو جسم میں

لے اس مکتبہ کی تشریح میں جو تقریریں اجراء آئی تھیں، مقرر کی تصنیف "ارکان الرب" سے استفادہ

اس کا کرنت دوڑ جانا، اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے آج علم و فہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں کو جو اسلام کی دعوتِ اسلامی معاشرہ کے قیامِ مصلحین اور داعیانِ اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلابِ نگیز اور زلزله نگین اعلانِ کوروزمرہ کی حقیقت بنا دیا ہے، اقوامِ متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوقِ انسانی کا منشور (HUMAN RIGHTS CHARTER) شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساواتِ انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کو سن کر متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر موعوں کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسبِ مہ خدا سے اور پروجِ چاند سے ملایا جا رہا تھا، قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں "وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ" فرعونہ مسرینے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندو مت میں سورج ہنسی اور چندریشی خاندان موجود تھے، شاہانِ ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہلِ ایران انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پر بادشاہی کے خیمے میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان تر اور زمین مادہ ہے، ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں

آئی ہے اور شہنشاہ (مخا اول) اس جوڑے کا پلوٹھا بیٹا ہے، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و بزرگ سمجھتا تھا، اور اسی احساس بزرگی میں حج کے ایسے عمومی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھنا تھا۔

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ (الحجرات ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآن کا دیباچہ (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ

سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپ کی رحمتہ للعالمین کا تیسرا منظر اور ذریعہ انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا طہ و جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانوروں لے لے ملاحظہ ہوتا یخ چین از جیس کا کرن۔ لے ملاحظہ ہو کتب حدیث و سیرت۔

بعض مقدس حیوانات بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات والبتہ ہو گئی تھیں انسان سے کہیں زیادہ قیمتی لائق احترام اور قابل حفاظت تھے ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چرٹھاکے پڑھائے جاسکتے تھے آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھادیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی قابل احترام لائق محبت اور سخی حفاظت وجود ہے آپ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے ساری دنیا اور یہ سارا کارخانہ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے:-

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَسَاكِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا. (البقرہ ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ
پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے:-

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَخَلَقْنَاهُمْ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ
مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (الاسراء ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کے
جنگل اور دریا میں سماری اور پاکیزہ
روزی عطا کی اور اپنی بہت سی
مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ
صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب
وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے "المخلوق

عیال اللہ فاحسب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ:

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب و اختصاص کا اظہار اس زیادہ کیا ہو سکتا ہے جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا: اے فرزند آدم میں کیا ہوا تو مجھے دیکھتے نہیں آیا، بنو کہے گا، پروردگار! میں نبی عیساؑ دیکھا کر سکتا ہوں تو تورب العالمین ہے؟ ارشاد ہوگا کیا تجھے معلوم نہیں ہوا میرا فلاں بنو بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عبادت کو نہیں گیا۔ تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عبادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پانا، پھر ارشاد ہوگا اے فرزند آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، بنو عرض کرے گا پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں تو تورب العالمین ہے ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بنو نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اس کو میرے پاس پانا، اے فرزند آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بنو عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں تو تورب العالمین ہے ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بنو نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پانا، ایک اور ایسا وجہ مذہب میں کیا انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراض و اعلان پایا جا سکتا ہے اور کیا دنیا کے کسی مذہب و فلسفہ میں انسان کو یہ مقام دیا گیا ہے؟ آپ نے خدا کی رحمت و شفقت کے لئے انسانوں پر رحم و شفقت کو شرط اور اس کے سببے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا:

الرحمون یرحمہم الرحمن رحم کرنے والوں پر رحم کی رحمت ہوتی

ارحموا من فی الارض یرحمکم ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ

لہ مشکوٰۃ بروایت بیہقی۔ ۵۲ صحیح مسلم۔

من فی السماء۔

جو آسمان پر ہے وہم پر حجت نازل کریگا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدتِ انسانی کا نقشِ دلوں پر پڑھانے اور احترامِ انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہی وسیع نہیں کی گئی تھی اس وقت انسان کی حالت یہاں تک کہ انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں کی زیادہ تھی بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کرتے تھے، سکندر اٹھا اور جیسے کوئی کبڑی کھیلنا ہے ہنرستان تک چلا آیا اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے، میزراٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکا کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا تشکار کھیلنا جانا ہے ہمارے زمانہ میں بھی ڈو ڈو عالمگیر جنگیں برپا ہوئیں جنھوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور صورتِ قومی تکبر سیاسی اتانیت اقتدار کی ہوس یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا اقبال فرمائیے کہ

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے

قیامت ہے کہ انسانِ نوع کا تشکار ہی ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثتِ محمدی کے وقت نوعِ انسانی کے اکثر افراد پر فطرتِ انسانی سے بدگمانی اور ضدگی رحمتِ بابوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیا کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا ہندوستان کے قدیم مذاہب نے ناسخ و آواگون کے فلسفے کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ و اختیار کو مطلق دخل نہیں تھا اور جس کی رو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے اور عیسائیت نے انسان کی پیدائشی گنہگار

لہ البوداؤد حاتی نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

کہ وہ ربانی تم اہل زمین پر خدا ہر ماں ہوگا عرض ہیں پر

ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیح کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے تمدن دنیا کے لاکھوں کروڑوں افراد کو جو ان مذاہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے برگمائی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری طاقت و صفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ سنی کے مانند ہے جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر ہنر سے بہتر تحریر لکھی جاسکتی ہے، انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے اور اپنے اچھے یا بُرے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بنانا یا بگاڑنا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے، قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاسکے گا، اور یہ کہ اس کے حصہ میں ہی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا، اور اس کو اس کا بھروسہ دینا چاہئے گا۔

أَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَذُرْخُودَى ۝
 وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝
 وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُدْعَى ۝
 ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۝
 (انجم ۳۸-۴۱)

یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا
 بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو
 وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے
 اور یہ کہ اس کی کوشش دکھی جائے گی،
 پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو بالکل متزلزل ہو گیا تھا، وہ نئے عزم و یقین اور نئے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہو گیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کو ایک عارضی حالت قرار دیا جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے مبتلا ہو جاتا ہے۔

صلاحیت، خیر پسندی اور اعترافِ قصور و ندامت اس کی فطرت کا اہل تقاضہ اور انسانیت کا جوہر ہے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا خدا کے سامنے رُوڈھو کر اپنے اس قصور کو مٹا کر لینا اور اُسے اپنی غلطی کے ذکر کرنے کا عزم کرنا انسان کی شرافت اور آدم کی میراث ہے، اپنے دنیا کے بائوس و دل شکستہ اور گناہوں کے دلدل میں گئے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دوازہ کھولا اور اس کی اس زور و شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شجرہ کا دوبارہ زہر دہا کرنے والا کہنا صحیح ہوگا اسی بنا پر آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" کا پیغمبر اور پیغمبر بھی ہے آپ نے توبہ کو ایک عہد پوری کی بنا اور ملائی افاقہ کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ آپ نے اس کے ایسے فضائل بیان کئے اور اس کا غریب و تنابلس کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قریب در اس کی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور ناکردہ گناہ عابدوں اور نادانوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وسعت پر گنہگار کے توبہ کر سکتے اور بڑے سے بڑے گناہ سے پاک و صفا ہو جانے کے امکان کو اس دلکش اور دلنوا انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس و شیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے دامن رحمت میں پناہ لینے کی نئاد کی اور اس کے دریائے رحمت کے جوش و تلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ مجھوں نے ٹوٹے لگا گاہ وہ مطلوب سے زیادہ طالب اور ان گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم و رحیم اور قیاض و کریم ہے بلکہ (اگر یہ کہنا صحیح ہو) ان کا منتظر و مشتاق اور ان کا سچا قدر داں ہے قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے اور اس لطف و شفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔

کہہ دیجئے اے میرے وہ بند و جنوں نے

قُلْ لِيَعْبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا

اپنے حق میں زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے

عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَانْتَقَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ

بائوس نہ ہوئے رشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ

رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

يَعْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ
هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر: ۵۳)

معاف کر دیتا ہے، پے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطا کار انسانوں کے تذکرے اور سیاق و سباق میں نہیں بلکہ بلند بہمت، نیکو سیرت اور جنتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق و سباق میں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :-

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَحِجَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۗ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاذْتَعَفُوا ۗ لَئِنْ تَوْبَهُم تَفَّ وَمَن يَعْفِرْ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ تَفَّ وَلَمْ يُصِرِّ فَا حَلَىٰ مَا فَعَلُوا ۗ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۗ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَن كَفَرَ ۗ وَهُمْ مَعَافِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۗ وَجَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ فِيهَا أَشْجَارٌ حَمِيمَةٌ ۗ فِيهَا كُرْسِيُّ اللَّهِ ۗ وَسَعْدَىٰ ۗ فِيهَا جَنَّةٌ مَّا مَلَآتُ أَبْصَارَ النَّاسِ ۖ وَلَا يُفْتَكِرُ فِيهَا مِنَ الْعِلْمِ فَذَلِكُمْ أَجْرُهُمْ ۗ وَمَن يَعْزِزْ لَهُمْ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا ۗ فِيهَا جَنَّةٌ مَّا مَلَآتُ أَبْصَارَ النَّاسِ ۖ وَلَا يُفْتَكِرُ فِيهَا مِنَ الْعِلْمِ فَذَلِكُمْ أَجْرُهُمْ ۗ وَمَن يَعْزِزْ لَهُمْ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا ۗ فِيهَا جَنَّةٌ مَّا مَلَآتُ أَبْصَارَ النَّاسِ ۖ وَلَا يُفْتَكِرُ فِيهَا مِنَ الْعِلْمِ فَذَلِكُمْ أَجْرُهُمْ ۗ وَمَن يَعْزِزْ لَهُمْ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا ۗ

اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف بیکوجبر عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو آسوگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے اور وہ کہ جب کسی گھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون کسنا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے اعمال پر اڑے نہیں رہتے ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
 فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝
 (ال عمران ۱۳۳-۱۳۶)

کی طرح بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے
 نہیں بہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں
 ہمیشہ رہتے رہیں گے اور (پچھے) کام
 کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر
 کرتے ہوئے، اس نورانی فہرست کا افتتاح عابدوں زاہدوں کے بجائے ”تائبوں“
 سے فرمایا گیا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ توبہ ہے، آیت ہے:-

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ
 الذَّنْبِ كَانُوا فَاعِلِينَ
 أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
 (التوبة - ۱۱۲)

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے سحر کرنے والے
 بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سحر کرنے
 والے تریک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں
 منع کرنے والے خدا کی حدوں کی حفاظت کرنے
 والے (ہی مومن لوگ نہیں) اور (اپنے پیغمبر)
 مومنوں کو (بہشت کی) خوشخبری سنا دو۔

اس عراز اور اطہارِ اعتماد کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان ان تین صحابیوں کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا گیا جو غزوہ تبوک کے نازک وراہم موقع پر جس میں شرکت نہایت ضروری تھی (جو کسی مقبول عذر کے برہینہ میں رہ کر سخت کوتاہی کے مرتکب ہوئے تھے، تو ان کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبر اور ان ہما جو برین انصار کا ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدر نہیں ہوا تھا، تاکہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی نہتائی اور پماندگی کا لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتب سیرت، اور کتب تفسیر و حدیث، و انوار غزوہ تبوک۔

احساس نہ ہو اور وہ احساس کہتری اور انگشت نمائی کے ہر ذرغ سے بری ہو جائیں اور ان پر او
قیامت تک قرآن مجید کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل گروہ
یہی صافین المؤمنین اور مہاجرین انصار کے صفِ اول کے لوگ ہیں تو یہ کی قبولیت نائیب کی
مقبولیت اور نفسیاتی طور پر دلنوازی اور چار سازی کی اس زیادہ لطیف اور فوق مثال دینا
مذہب اور علم الاخلاق اور علم النفس کی تاریخ میں ایسی شکل ہے اسی سورہ توبہ میں رشا ہوا ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ
وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ
قُلُوبَ قَوْمٍ مِنْهُمْ لَمَّا تَمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ
إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ وَعَلَى
الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا بِحَنَى
إِذْ أَصَابَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا
رَحَبَتْ وَصَافَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ
وَوَظَنُوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ
إِلَّا إِلَيْهِ وَلَمْ تَتَابَ عَلَيْهِمْ
لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ

بے شک خدا نے پیغمبر پرہرمانی کی اور مہاجرین
و انصار پر جو باوجود اس کے ان میں سے بعضوں
کے دل پھرجائے کو تھے شکل کی گھڑی میں
پیغمبر کے ساتھ رہے پھر خدا نے ان پر ہرمانی
فرمائی بے شک کہ ان پر نہایت شفقت کرنے
والا (اللہ) مہاجرین اور قریبوں پھرجا
معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک جب
زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی
اور ان کی جانیں بھی ان پر دھرجیں
اور انھوں نے جان لیا کہ خدا کے ہاتھ سے
خود کس سوا کوئی پناہ نہیں پھرجا
ان پرہرمانی کی تاکہ توبہ کریں بے شک
خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

(التوبہ - ۱۱۷ - ۱۱۸)

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا اعلان کیا کہ رحمت الہی ہر چیز پر حاوی

اور غضب و جلال پر غالب ہے، قرآن مجید میں ہے:-

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
(الاحزاب ۵۶)

میری رحمت ہر چیز پر چادری اور محیط ہے۔

اور حدیث قدری میں ہے:-

ان رحمتی سبقت غضبی (حدیث) میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

پھر اس نے مایوسی کو بھی کفر کا، اور جہالت و گمراہی کا مراد قرار دیا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ ایک پیغمبر جوحن (حضرت یعقوبؑ) کی زبان سے کہلوا یا گیا ہے:-

إِنَّهُ لَكَائِنٌ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا
الَّذِي جَحَّتْ وَهِيَ لَوْ كَأَيُّسَ هُوسِكُنَّ
الْقَوْمِ الْكَافِرُونَ. (یوسف ۸۷)

اللہ کی رحمت وہی لوگ ایس ہو سکتے ہیں جو خدا کے حکم اور اس کی ذات و صفات سے انکار کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ایک دوسرے جلیل القدر پیغمبر (حضرت ابراہیمؑ) کا قول نقل کیا گیا ہے۔

وَمَنْ يَفْتَنُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ
إِلَّا الضَّالُّونَ (الحجر ۵۶)

اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کو کون مایوس ہو سکتا ہے؟

اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ کی فضیلت و ترغیب اور خدا کی رحمت کی وسعت و شمولیت کا اعلان و تبلیغ کر کے یاس و قنوط کی ماری ہوئی اور غضب و جلال کے اعلانات و تفصیلات (جن میں یہودی علماء اور تزارحین کتب مقدسہ اور قرون وسطیٰ کے غالی اور فطرت دشمن عیسائی زاہدن اور پادریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا) ڈری اور بھٹی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی کا پیغام دیا، اس کے تیز مردہ اور دلِ فسرہ میں نئی روح پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اور اس کو خاکِ مذلت سے اٹھا کر عزت و شرف خود اعتماد اور خدا اعتمادی کے باہم عروج پر پہنچا دیا۔

نبوتِ محمدی کا پانچواں عظیم اور ناقابلِ فراموش احسان اور ایک گراں قدر تحفہ،

دین دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے اور قدیم دینی زبان میں "نزع لفظی" ہے انسان کا اعمال و اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اہل انحصار انسان کی ذہنی کیفیت عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے جس کو اسلام کے دین شریعت کی زبان میں "نیت" کے ایک مفرد و سادہ لیکن نہایت بسیخ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے اس کے نزدیک نہ کوئی چیز "دنیا" ہے اور نہ کوئی چیز "دین" اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب، اخلاص اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل یہاں تک کہ حکومت، جنگ، نیاوی نعمتوں کے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح، طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقریباً الٰہی کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب لایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور خالص دین بن جاتی ہے اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضا الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دین دنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کمپوں، اہل دین اور اہل دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی بلکہ بڑے بڑے خانے ایک دوسرے سے متصادم اور بے دونوں کی ہم باہم متعارض تھے ان کے نزدیک دین دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی جس کے ان میں کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کر لی ہو اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں شہتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا، معاشی جدوجہد، غفلت و خدا فراموشی کے پھچھکومت و سلطنت دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کر کے اور خوف خدا سے

خالی ہوئے بغیر اور دیندار بننا تاکہ لہ دنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر یہ ہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز نعمت، ترقی اور سر بلندی طاققت حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے تمدن، ذہین، صاحب صلاحیت اور با عمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے ”دین“ کے بجائے ”دنیا“ کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن راضی کر لیا، وہ قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہو کر دنیا کے حصول و اس کی ترقی میں مشغول ہو گئی، دین، دنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور سلم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیر یا دکھا، ایسا دیر یا سمجھ کر مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر یا بندگی آزاد کر لیا، انسان پہلے بے زنجیر اور معاشرہ ”شتر پے ہمار“ ہو کر رہ گیا، دین، دنیا کی اس وئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب، اخلاق کے اثر کو محدود و کمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت و رحمت سے محروم کر دیا، بلکہ اسلحا و ولادینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا، پھر دنیا کی دوسری قومیں جو یورپ کے فکری، علمی یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس کے پیش نماں ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورت حال جس میں مذہب، اخلاق کا زوال، انفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی ہے، اسی دین، دنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپ کی رحمت لئلا یعنی کا منظر ہے کہ آپ کا مل طور پر رسول و محمد ہیں اور یہ یک وقت ”بشیر“ و ”نذیر“ ہیں، آپ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روعے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیے ہوئے

نکال کر حسن عمل، خدمتِ خلق اور حصولِ رضاءِ الہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں
 لباسِ دنیا میں درویش، قبائش، شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسیح کے جامع، رات کے
 عبادت گزار اور دن کے شہ سوار نظر آئیں گے اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس
 نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثتِ محمدی سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر
 تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان
 اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ مہیوم منزلیں اور اپنی کوششوں
 کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنائے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوتِ عمل
 صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند
 بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبہ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس
 پر بری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کا پروازِ تختل،
 نقش و نگار، رنگ و آہنگ، لذت و ذائقہ اور طبل و طاؤس، یا چوپایہ و حیوان کی تقلید سے
 بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے
 دولت مندوں اور طاقت وروں اور سرکارِ دربار کی خدمت و خوشامدِ بایے مقصد ادب
 و شاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہو رہی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کر دی، آپ نے یہ بات دل پر
 نقش کر دی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت
 و حکمت کا صحیح علم، ملکوتِ السموات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی
 دریافتِ ایمان و یقین کا حصولِ خدا کی محبت و محبوبیت اس کو راضی کرنا اور اس سے

راضی ہو جانا، اس شرت میں خدمت کی تلاش اور یافت انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت ہے اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان یقین کی دولت کے مالا مال ہونا انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال و ترقی کے ان اعلیٰ درجے تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔ آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی جس طرح بہاریا بربار کے موسم میں زمین میں روئیدگی سوکھی ٹہنیوں اور پتوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور درو دیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی کے بعد قلوب میں نئی حرارت و دماغوں میں نیا جذبہ اور سر میں نیا سودا سا گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب عجم ہر و ہر و شام، ترکستان اور ایران، عراق و خراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی غیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ و تذکرے کی کتاب میں پڑھئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر شہر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدا مست، عالی ہمت، عارف، کامل، دائمی حق اور خادم خلق، انسان دوست، ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انھوں نے

دلوں کی سردانگی ٹھیاں گر مادیں عشق الہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم و فنون کے دریا بہا دیئے
علم و معرفت کی محبت کی بھوت جگادی اور جہالت و وحشت، ظلم و عداوت کی نفرت پیر کر دی
مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے ماے اور مہلج کے تے ہوئے انسانوں کو گلے لگایا ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر جہت زمین پر ان کا نزول ہوا ہے اور ان کا شمار ناممکن ہے۔
آپ ان کی کثرت (کمیت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھے ان کی ذہنی پرواز
ان کی روح کی لطافت اور ذکاوت اور ان کے ذوق سلیم کے واقعات پڑھے، انسانوں
کے لئے کس طرح ان کا دل رقنا، اور ان کے غم میں گھٹنا کس طرح ان کی روح سلگتی تھی،
انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور
اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے، ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا
کس قدر احساس اور محکموں میں اطاعت و تعاون کا کس قدر جذبہ تھا، ان کے
ذوق عبادت ان کی قوت دعا، ان کے زہد و فقر، جذبہ خدمت اور مکام اخلاق کے واقعات
پڑھے، نفس کے ساتھ ان کا انصاف اپنا احتساب، کمزوروں پر شفقت، دوست پرورد
دشمن نوازی، ہمدردی، خلافت کے نمونے دیکھے، بعض اوقات شاعروں اور ادیبوں
کی قوت تخیل بھی ان بلندیوں تک نہیں پہنچتی، جہاں وہ اپنے جسم و عمل کے ساتھ پہنچے اگر
تاریخ کی مستند اور متواتر شہادت نہ ہوتی تو یہ واقعات قصے کہانیاں اور افسانے معلوم ہوتے۔
یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ اور آپ کی
"رحمۃ للعالمین" کا کرشمہ ہے۔

صَدَقَ اللهُ الْعَظِيمُ؛ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
(الانبیاء - ۱۰۷)

INDEX

اشاریہ
(انڈکس "نبی رحمت")

مرتبہ

محمد عیاش الدین ندوی

شخصیات

| | | (الف) |
|--------------------------------|------------------|--------------------------------------|
| ۵۵۶ | ابن ابی حاتم | سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ۱۰۲۰۲۷ |
| ۱۱۷ | ابن ابی شیبہ | ۲۳۸۰۳۷۵ |
| ۶۲ | ابن اثیر | سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳۶ |
| ۲۵۷۱۲۳۶۱۲۰۲۰۶۱ | ابن اسحاق | ۱۲۱۲۳-۹۳۰۶۹-۹۶۰۹۵۱۹۰ |
| ۳۳۵۱۳۱۷ | | ۶۲۹۰۶-۷۰۵۹۸۱۲۷۱۱۲۸۱۹۸ |
| ۳۹۷ | ابن الاعرابی | سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ۶۹-۷۱ |
| ۴۴۴ | ابن اموی | ۹۳۱۸۵-۹۶۰۶۹-۱۲۸۱۹۸ |
| ۳۸۷ | ابن تغری بردی | سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام ۶۰-۸ |
| ۴۰۲۱۲۵۷۱۲۴۴ | ابن حجر عسقلانی | (حضرت) ابو بکر صدیق ۱۵-۱۳۳ |
| ۵۰۸۱۲۴۷ | | ۱۹۰۷۱۸۲۱۸۳۱۶۲۱۶۱۱۵۷ |
| ۳۸۱۲۰۳۰۱۱۷ | ابن خلدون | ۲۱۸۰۲۱۷۱۲۱۵۱۲۱۴۱۲۱۲۰۲۱۰ |
| ۱۸۴۱۱۸۳ | ابن الذرقانی | ۲۸۸۱۸۷۱۲۸۳۱۲۵۲۱۲۵۱۲۲۰ |
| ۵۲۵۱۵۲۲ | ابن ربیع بن حارث | ۲۷۹۱۲۵۶۱۲۳۳۱۳۶۵۱۳۱۹ |
| ۴۷۹۱۲۷۱۲۴۹۱۲۵۷ | ابن رشد | ۵۳۸۱۵۳۵۱۵۱۲۱۲۹۸۱۲۸۸ |
| ۲۴۴ | ابن سیدہ | ۵۴۷-۲۹۱۵۳۹-۴۱ |
| ۴۸۲۱۳۶۹ | ابن شہاب زہری | (حضرت) ابراہیم (صاحب زادے) ۱۳۷ |
| (حضرت) ابن عباس دیکھئے عبداللہ | | ۵۶۱۰۵۵۳۰۵۵۱۰۳۹۱ |
| ۱۱۷ | ابن عبدالبر | ابراہیم احرابی ۱۳۸ |
| ۲۰۴ | ابن عدویہ | ابراہیم الشریف ۱۲۶ |
| ۵۸۵۱۲۱۶ | ابن عساکر | ابریہ ۶-۱۰۳-۱۰۳۵۸۱۰۳۵۵۱۲۸۹ |
| ۵۹۰۱۲۳۲ | (حضرت) ابن عساکر | ابن ابی بلتعہ دیکھئے طاب |
| ۶-۵۱۶-۳ | | |

۳۶۹، ۳۶۶
 ابو جهل (ابو الحکم بن ہشام) ۱۶۵، ۱۶۴
 ۲۹۲، ۲۸۸، ۲۸۳، ۱۸۱، ۱۷۷
 ۵۰۴ ابو حارثہ (پادری)
 ۲۱۰ (حضرت) ابو حذیفہؓ
 ۵۲۸ ابو حویرہ قاسمی
 ۳۱۳ (امام) ابو حنیفہؒ
 ۵۸۹ (حضرت) ابو حمیدؓ
 ۵۸۲، ۵۷۴ (امام) ابوداؤد طیالسی
 ۹۲۳
 ۳۰۶، ۳۰۲ ابودجانہ
 ۵۷۳ (حضرت) ابودرداءؓ
 ۱۹۳-۹۵ (حضرت) ابوزرقاریؓ
 ۵۷۶، ۵۷۲
 ۴۷۷ ابوزید
 ۶۰۰، ۵۴۵ (حضرت) ابوسعید خدریؓ
 ۱۱۹ (حضرت) ابوسفیان بن حارثؓ
 ۲۹۹، ۲۹۷، ۲۹۴، ۲۸۸، ۲۸۰، ۱۲۵
 ۳۳۵، ۳۲۴، ۳۲۲، ۳۱۷، ۳۱۱
 ۱، ۳۳۲-۳۲۷، ۳۹۳-۹۵، ۳۶۰
 ۲۶۲، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۳۸-۲۲
 ۵۵۲، ۴۷۸، ۴۷۷، ۴۶۷
 ۴۷۴ (حضرت) ابوسفیان ثقفیؓ
 ۴۳۹ (حضرت) ابوسفیان بن حربؓ
 ۴۴۰
 ۲۰۷-۹ (حضرت) ابوسلیمہؓ

۳۹۲ ابن عبینہ
 ۴۳۲ ابن غانڈ
 ۳۳۹ ابن الغزقہ قریشی
 ۱۲۸ ابن فورک
 ۲۴۴، ۶۸ ابن قتیبہ
 ۱۳۳، ۱۸ (امام) ابن القیم الجوزی
 ۵۱۱، ۴۹۵، ۲۷۶، ۲۵۳، ۱۳۶
 ۵۷۴، ۵۶۴، ۱۵۶-
 ۲۵۳، ۲۵۲، ۱۰۲، ۱۸۵ ابن کثیر
 ۵۹۰، ۵۵۳، ۳۹۰، ۳۵۷، ۲۶۰
 ۴۳ ابن الکلبی
 ۵۵۰، ۱۳۶ (امام) ابن ماجہ
 (حضرت) ابن مسعودؓ دیکھئے عبداللہ
 ۴۰۴ ابن کثوم
 ۳۹۸، ۳۹۷ ابن منظور
 ۲۳۲، ۲۳۰، ۱۹۷، ۱۶۲، ۱۸ ابن ہشام
 ۳۹۰، ۳۶۹، ۲۳۶
 ۱۱۹ ابن ایچ بن سعید
 ۲۰۴ (حضرت) ابوالیوب انصاریؓ
 ۲۵۵، ۲۴۸
 ابوالبصیر دیکھئے عقبہ بن ابیر
 ۴۷۶ ابوبکر بن الانباری
 ۴۶۶ (حضرت) ابوبکرؓ
 ۱۴۵، ۱۴۴ ابوجعفر محمد الباقر
 ۳۶۴ (حضرت) ابوجندل بن بہیلؓ

۵۷۸، ۵۷۷، ۵۷۶، ۵۷۵، ۵۷۴، ۵۷۳، ۵۷۲، ۵۷۱

ابوالولید دیکھے عقبن بن ربیع

۱۲۶، ۱۱۲ ابوالولید محمد الازرقی

۱۳۷ ابوبالہ

۲۱۶، ۲۱۵ (حضرت) ابوہریرہؓ

۵۹۵، ۵۸۵، ۵۸۳، ۵۷۵، ۵۷۱

۶۰، ۴۶، ۲

۲۰۸ ابوالامیہ

۳۹۰ ابی (مؤرخ)

۳۱۰ ابی بن خلف

احمد باشمیل دیکھے محمد امجد

۳۱۱، ۱۷۷، ۱۵۳ (امام) احمد بن حنبل

۵۲۸، ۵۲۰، ۴۲۸، ۳۱۳، ۱۵۲

۵۸۸، ۵۸۵، ۵۷۵، ۵۵۶، ۵۳۳

۵۹۲، ۵۹۰

۱۲۶ احمد الباعی

۲۳۱ احمد الشریف

۸۷ اخیلس

آرتھر کرسٹن سین

(ARTHUR CHRISTENSEN.)

۳۸۲، ۴۹۱، ۴۷۱، ۳۹

۴۷ اردشیر

۱۵۰ (حضرت) ارقم بن ابی الارقمؓ

۳۹۸-۴۰۱ (ARIUS) اریوس مصری

۳۹۸ ازہری

۳۷۷ ابوشہاب الدین احمد قسطلانی

۳۸۶ ابوصالح (مؤرخ)

۱۵۴، ۱۳۷، ۱۳۳، ۱۳۲ ابوطالب

۵۶۳، ۱۸۴، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۵۵-۵۷

۲۲۳ (حضرت) ابوظلمہ انصاریؓ

۶۰، ۱۷۵، ۴۹، ۳۲۶

(حضرت) ابوالعاص بن ابی ربیعؓ

۵۶۳، ۲۹۶

۴۶۴ ابوعامر الاشقر

(حضرت) ابو عبداللہ دیکھے

عثمان بن عفانؓ

۲۶۰ ابو عبیدہ

(حضرت) ابو عبیدہ بن جراحؓ

۵۰۵، ۴۲۸، ۴۰۲، ۳۶۱، ۱۵۰

۳۹۷ ابو عبیدہ (امام لغت)

۲۹۶، ۲۹۵ ابو عزیز بن عمیر

ابوعمر دیکھے سعد بن معاذؓ

۵۸۱ (حضرت) ابو عمیرؓ

۹۰ ابوالفداء

(حضرت) ابوقنادہؓ ۴۹۲، ۲۲۵

۴۷۸ ابوبکیشہ

(حضرت) ابولبابہؓ ۳۴۱، ۳۴۰

۱۹۳، ۱۸۰، ۱۵۳، ۱۲۸، ۱۱۹ ابویامب

(حضرت) ابو سعیدؓ ۲۲۰

(حضرت) ابویوسف اشعریؓ ۵۰۲، ۳۲۱، ۵۵۷

۳۸۷، ۳۸۶، ۳۷۱

آلوسی دیکھے محمود شکر

الون ٹافلر (ALWIN TOFFLER) ۵۶۰

الیاس بن مضر ۱۲۸

الیکزنڈر (ALEXANDER) ۲۰۰، ۳۹۹

(حضرت) امام بنت حمزہ ۲۲۰

(حضرت) امامہؓ (نواسی رسول) ۵۶۳

(حضرت) آمنہ (والدہ ماجدہ) ۱۲۷

۶۰۷، ۵۹۲، ۱۳۱، ۱۳۰

(حضرت) ام ایوبؓ ۲۵۶

(حضرت) ام ایمن (بکرہ حبشیہ)

۵۲۵، ۴۱۹، ۴۱۸، ۱۳۱

ام جمیل ۱۶۲

(حضرت) ام حبیبہؓ ۵۵۲، ۴۳۳

(حضرت) ام ذمیرہؓ ۵۵۸

(حضرت) ام سعدہؓ ۳۳۲

(حضرت) ام سلمہؓ ۵۵۰، ۳۵۳، ۲۰۷

۵۵۲

(حضرت) ام سلیمانؓ ۳۱۱

(حضرت) ام سلیمہؓ ۴۱۸، ۳۱۰

ام الفضل (بنت حارث) ۵۳۹

(حضرت) ام کلثومؓ (بنت الرسول)

۵۶۳، ۵۶۰

(حضرت) ام کلثومؓ (بنت فاطمہ زہرہؓ)

۵۶۲

۴۴۳ (حضرت) اُسامہ بن زیدؓ

۵۷۹، ۵۳۶، ۵۳۵، ۵۱۷، ۴۴۹

اسٹینلی لین پول

۳۴۶ (STANLEY LANE-POOLE)

اسحاق بن راہویہ ۳۱۳

اسد ۱۱۳

اسرائیل ۲۵۲

اسرائیل ولفسن (ابو ذؤیب)

(ISRAEL WELPHENSON)

۲۳۷، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۲۳، ۲۲۲

۴۱۶، ۴۱۴، ۳۴۷، ۲۶۷-۶۹

(حضرت) اسعد بن زرارہؓ ۱۹۷

(حضرت) اسما بنت ابی بکرہؓ ۲۱۵

اسماء بنت یزید ۵۶۱

(حضرت) اسید بن حضیرہؓ ۵۹۰، ۲۰۵

(حضرت) اشعث بن قیسؓ ۵۰۲

اعشى (جاہلی شاعر) ۴۰۳

اعمش ۱۵۳

(شاه) افرنگ ۳۷۷

(علامہ) اقبال ۶۲۳

اکیدر بن عبد الملک کنڈی نصرانی

۴۸۷، ۴۸۶

الزبتھ مانرو (ELIZABETH MONROE)

۳۸۹

الفرڈ بٹلر (ALFRED J. BUTLER) ۴۶

| | |
|------------------------------|--------------------------------|
| ۳۹۲ | (ب) بالوبیہ |
| ۳۹۲ | بازان |
| ۳۷۷ | بارتھلمی (BARTHELEMY) |
| | (BOSWORTH SMITH) باسورٹھ اسمتھ |
| ۷۶ | |
| ۳۴۴ | باغور (شاہ مدین) |
| ۴۷۵ | (حضرت) بکیر |
| ۱۳۲-۳۴ | بحیری (راہب) |
| ۲۲۹، ۱۶۱، ۱۵۳، ۱۳۶ | (امام) بخاری |
| ۳۲۱، ۳۱۳، ۲۲۸، ۲۲۳، ۲۳۰ | |
| ۵۷۸، ۱۵۰، ۶۱۵، ۵۰۲، ۴۷۹، ۴۱۶ | |
| ۶-۵۱۵۷۹ | |
| | بدھ دیکھے گوتم |
| | (حضرت) بدیل بن ورقاء انحرای |
| ۳۶۲، ۳۶۱ | |
| ۲۹۳، ۲۵۲ | (حضرت) براہ بن عازب |
| ۵۷۱، ۳۲۷ | |
| ۳۴۳ | (ڈاکٹر) برکات احمد |
| ۵۲ | برنیر (فرانسیسی سیاح) |
| ۳۲، ۱۶ | (مولانا) برہان الدین سنہلی |
| ۴۷۷ | بتانی |
| | (حضرت) بشر بن براہ بن معرور |
| ۴۱۶، ۲۲۶ | |
| ۸۸ | بطلمیوس |

| | |
|----------------------------------|---------------------------------------|
| ۲۲۰ | (حضرت) ام سعید خزاعیہ |
| ۴۴۹ | (حضرت) ام ہانی زہرہ |
| ۵۵۲ | (حضرت) امیرہ |
| ۳۱۷، ۱۵۷، ۱۱۳ | امیہ بن خلف |
| ۵۷۸ | امیہ بن صلت (شاعر) |
| ۵۸۲ | انجشہ |
| ۲۵۲، ۱۱۳ | (حضرت) انس بن مالک |
| ۴۱۸، ۳۲۶، ۳۰۷، ۲۵۵، ۲۵۴ | |
| ۵۷۱، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۴۲، ۱۴۱ | |
| ۵۸۱، ۱۵۸، ۱۵۷، ۷۸، ۱۵۷ | |
| ۵۹۶، ۱۵۹، ۱۵۹، ۳، ۱۵۸، ۹، ۱۵۸، ۵ | |
| ۵۹۷-۶۰۱ | |
| ۳۰۷ | (حضرت) انس بن النضر |
| ۳۱۳ | (امام) اوزاعی |
| ۳۴۴ | اوی (شاہ مدین) |
| ۳۱۶ | اباب |
| ۳۷۹، ۴۰ | اہرن |
| ۵۸۷ | اباس (فرزند ربیع بن حارث) |
| | اپیکورس (EPICURUS) (یونانی فلسفی) |
| ۴۹ | |
| | ایڈورڈ گیبٹن |
| | (EDWARD GIBBON) |
| ۳۸۲، ۳۵۲، ۴۵ | |
| ۴۱ | ایشودا توپا |
| ۴۰۰ | ایٹھینیسس (ATHANASIUS) |
| | ایکس آلک ان ازلیقہ (EXARCH OF AFRICA) |
| ۳۸۱ | |

۱۹۷ نعلبہ بن عمرو

۳۲۸، ۱۱۵ (حضرت) ثمامہ بن اثالؓ

۳۲۹

۱۲۸

۵۵

(THILLY) تھیلی

(ج)

۵۷۸ (حضرت) جابر بن سمرہؓ

۳۲۲ (حضرت) جابر بن عبد اللہؓ

۵۳۳، ۵۲۳، ۳۶۹، ۳۲۸-۳۰

۵۹۵، ۵۹۲، ۵۸۹، ۵۸۷، ۵۷۶

۶-۵۱۵۹۹

۳۸۷، ۳۸۶

جارج

(JOHN DAVENPORT) جان ڈیونپورٹ

۲۹۷

۳۸۹

(A.H.M. JONES) جانس

(JOHN THE ALMONER) جان المونر

۳۸۶

۳۱۸ (حضرت) جابر بن سلمہؓ

۳۲۲، ۳۲۱، ۳۳۹ (حضرت) جبرئیلؓ

۵۲۱

۳۰۳ (حضرت) جبرئیل بن مطعمؓ

۳۸۷ (حضرت) جبرئیل بن عبد اللہؓ

۳۸۶ (حضرت) جبرئیل بن عبد اللہؓ

۶۲ (حضرت) جبرئیل بن عبد اللہؓ

۲۵۲ (حضرت) جبرئیل بن عبد اللہؓ

۴۱۳ بلاذری

۱۵۷، ۱۳۳ (حضرت) بلال حبشیؓ

۵۱۷، ۵۱۵، ۵۰۵، ۴۲۹، ۲۶۰

۵۷۳، ۵۵۰

۳۲۵، ۳۲۴ (شاہدین)

۵۵۹ (R.V.C. BODLEY) بوڈلی

۱۱۸ یوزنطی بولدیوس

۴۸ بہرام اول

۳۸۲ بہرام چوہین

۶۲۲، ۵۹۲، ۵۳۵ (حافظ) بہیقی

(پ) (ت) (ٹ)

محظاہر (علامہ) پبئی دیکھے

۵۷۱، ۳۴۶، ۱۳۳ (امام) ترمذی

(علامہ) تقی الدین احمد القرظی

۲۲۵

۱۱۳

(THEODOSIUS THE GREAT) تھیودوسیوس

۴۰۱ GREAT

ٹی والٹر ایم ٹائیلر

T. WALTER WALLBANK AND ALASTAIR

۴۶

M. TAYLOR

۹۰ (حضرت) ثمود علیہ السلام

۲۲۲ (امام) ثعالبی

۳۹۷ (امام) ثعلب (امام لغت)

۵۰۲ حارث بن کعب

۲۰۴ حارث بن عمرو

۴۳۴ (حضرت) حاطب بن ابی بلتعنه

۴۳۷، ۴۳۶

۵۳۵ (امام) حاکم

۶۲۳ حاکم

۲۸۴ (حضرت) حباب بن المنذر

(نواب) حبیب الرحمن خان شروانی

۴۸۲

۳۱۶ حجیر بن ابی اباب

۳۳۵ (حضرت) حذیفہ بن یمان

۳۱۸ (حضرت) حواری بن لیث

۴۹۳ (حضرت) حسان بن ثابت

۵۵۷

۵۶۵، ۴۲۲ (بیدنا حضرت) حسن

۶۰۷، ۵۷۹، ۵۷۸، ۵۷۰

۵۷۹، ۵۶۵ (بیدنا حضرت) حسین

۶۰۷

۳۷۸ (شاہ) حسین

۷۴ (ڈاکٹر) حسین کمال الدین

۵۵۲ (حضرت) حفصہ

۱۵۹ حکم بن عاص

۴۶۷ حکم بن ابی اسام

۴۲۲، ۱۱۳، ۱۱۲ (حضرت) حلیمہ سعدیہ

۶۰۷

(حضرت) جعفر بن ابی طالب ۱۳۲، ۱۲۴

۳۹۰، ۳۸۹، ۱۷۱، ۷۷، ۱۶۹، ۱۶۷

۴۲۶، ۴۲۲، ۴۲۲، ۴۲۰، ۴۱۵، ۴۱۴

۴۲۷

۵۲۳ (حضرت) جعفر صادق

۴۰۳، ۴۰۲ جلندا

۴۸۷، ۲۲۴، ۸۱ (ڈاکٹر) جوادی علی

۴۱ (پندرہ) جوہر لال نہرو

۱۱۳ حج

جو زلیفہ نلا فیوس (پہودی مؤرخ)

۲۲۲، ۱۸۷

۳۸۹ جولین (JULIAN)

۵۵۲ (حضرت) جویریہ بنت حارث

۳۸۹، ۳۸۸ جیٹین اول

۴۰۳، ۴۰۲ جعفر بن جلندا

۶۲۰ جیمس کارکن

۳۹۹ جیمس میکنین

۵۷ (H.G. WELLS) ایچ، جی، واس

۵۰۲ (حضرت) حاتم

۴۱۶ حارث ابی زینب

۴۰۳ حارث بن شمر غسانی

۴۲۱ حارث بن عمیر الازدی

۱۱۴ (حضرت) حارث بن قیس

۶۲۰ شہنشاہ) خاقان اول

(> > >)

۳۷۳ (حضرت) وحیۃ الکلبیؒ

۴۵۸ درید بن الصمہ

۵۱ دیاندر سوسنی

۵۸ دیدروس

(DE LACY O'LBARY) ڈی لسی اولری

۳۸۹۲۳۰۱۱۰۰

۴۰۰ ڈریپر (DRAPPER)

۵۵۷۱۱۳۳ (علامہ) ذہبی

(س)

رابرٹ براٹھیولٹ

۵۶ (ROBERT BRIFFAULT)

۳۰۲ (حضرت) راف بن خدیجہؒ

۳۴۴ رافم (شاہ مدین)

۳۴۴ ربیع (شاہ مدین)

۵۲۵ (حضرت) ربیع بن حارثؒ

۵۸۷۱۵۸۶

۸۵۷۶۸ رستم

۵۶۳۱۵۶۰ (حضرت) رقیہؒ

۷۳ ربی (یہودی عالم)

روح القدس - روح الامین (فرشتہ)

۶۰۶۱۴۱

۳۷ ڈاکٹر) روینگ

آر وی اسی پوڈے دیکھیے پوڈے

۱۶۵۰۱۶۴۱۱۳۷ حمزہ (سیدنا حضرت)

۳۲۰۲۹۰۰۲۸۹۲۳۲۰۲۱۰۰۱۷۸

۵۸۶۱۲۵۱۲۵۰۰۱۲۰۰۳۱۲۰۳۱۱

۵۹۱۷۵۹۰

۱۱۱ حمید بن زبیر

۱۱۶ حنظلیہ ام ابی جہل

۴۰۳ حوذہ بن علی

۳۴۴ حور (شاہ مدین)

۵۵۲۱۳۳۸۱۳۳۰ حسی ابن اخطب

(خ)

خالد بن زید البخاری دیکھیے ابوالیوتؒ

(حضرت) خالد بن ولیدؓ ۳۷۰۰۱۱۸

۵۰۲-۴۱۲۸۷۱۲۴۵۰۴۲۶۱۲۲۵

۱۵۱۱۲۰ (حضرت) جناب بن ارتؒ

۱۷۵-۷۷

۳۱۶ (حضرت) حبیب بن عدیؒ

۴۰۴۱۳۱۷

(ام المؤمنین حضرت) خدیجہ بنت خویلدؓ

۱۴۹۱۱۴۷۱۱۲۶۱۱۳۵-۳۷۰۱۱۶

۵۵۶۰۵۵۴۰۵۵۲۰۵۵۱۰۱۸۲

۶۰۷۷۵۶۵۷۱

۱۴۸۱۱۲۳ خزیمہ بن مدکہ

خسرو اول دیکھیے نیشروان عادل

خسرو دوم دیکھیے کسری پرویز

(علامہ) حضری

۸۱

۵۷۹، ۴۲۶، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۱
 (حضرت) زید بن دثمهؓ ۳۱۷، ۳۱۶
 ۵۹۴ زید بن سعته
 ۳۱۳ زیلی
 ۵۰۲ زید انجیل (زید انجیر)
 ۲۹۶ (حضرت) زینبؓ
 ۵۵۲ (حضرت) زینب بنت جحشؓ
 ۴۱۵ (حضرت) زینب بنت حاتمؓ
 ۵۵۲ (حضرت) زینب بنت خویلمہؓ
 ۴۵۱ (حضرت) زینب بنت الرسولؓ
 ۵۶۳، ۵۶۰
 (حضرت) زینب بنت فاطمہ زہرہؓ
 ۵۶۴، ۵۶۳
 (س)
 ۲۲۶ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام
 ۳۸۸
 ۴۵۱ (حضرت) سارہؓ
 ۳۸۸ (ملکہ) سبا
 ۲۱۸-۲۰ (حضرت) سراقہ بن مالکؓ
 ۵۹۷ (حضرت) سعد بن عمرؓ
 ۱۵۰ (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ
 ۳۰۶، ۲۸۳
 ۴۵۸ سعد بن بکر
 ۳۰۹، ۲۵۹ (حضرت) سعد بن ربیعؓ
 (حضرت) سعد بن عبادہؓ ۳۳۰، ۳۲۸، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱

آر ای ڈی ڈیٹ (R.C. DUTT) ۶۶۱۵۱۴۱
 راؤ جیمس ہوسٹن باکسر
 ۳۸ (REV. JAMES HOUSTON BAXTOR)
 ۵۵۳ (حضرت) ریحانہ بنت زیدؓ
 (س)
 ۱۴۰-۱۳۹ زبیدی
 ۴۳۷، ۴۳۶ (حضرت) زبیرہؓ
 ۲۱۰، ۱۵۰ (حضرت) زبیر بن العوامؓ
 ۴۱۸، ۳۱۲
 ۴۶ زردشت
 ۴۹۳، ۴۸۰، ۴۷۶، ۴۳۲ زرقانی
 ۸۰ (ڈاکٹر) زکی علی لاہوری
 ۱۱۸ زمباور (مستشرق)
 ۱۱۳ زہرہ
 ۵۳۵ (امام) زہری
 ۱۸۱ زہیر بن ابی اُمیہ
 ۱۲۲ زہیر بن ابی سلمہ
 ۳۰۸ (حضرت) زبیر بن سکینہؓ
 ۴۴۳ (حضرت) زیدؓ (والدہ اسامہؓ)
 (حضرت) زیدؓ (نواسہ حضرت فاطمہ زہرہؓ)
 ۵۶۴
 ۴۹۷ (حضرت) زید بن ارقمؓ
 ۲۹۶ (حضرت) زید بن ثابتؓ
 ۳۰۹
 ۲۱۰، ۱۱۴۹ (حضرت) زید بن حارثہؓ

۱۳۶ سوید بن سعید

۱۱۳ سہم

۶۰۳ سہیل بن ربیع

۳۶۲ (۶۰) حضرت سہیل بن عمروؓ

۶۰۳ (۱۲۸۵) (۳۶۲) (۳۶۳)

۳۷۷ (۲۸۲) (۱۳۸) (۶۲) سہیلی

۲۲ (C.V. VAIDYA) سیادی و دیا

۲۳۲ سیڈو

۶۲۳ سیزر

۳۷۷ سیف الدین قلیچ

۳۸۸ (۳۷۱) علامہ سیوطی

(ش)

۹۰ سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام

۲۷۷

۳۹۲ (۳۱۳) (امام) شافعیؒ

۲۷ شاہ پور (حاکم)

۵۰ شاہین مکاراویس

۱۳۶ (۱۳۳) (۱۵) علامہ شبلی نعمانی

۲۸۲ (۲۰۸)

۶۰۲ شہزاد بن اوس

۵۰۵ (۲۲۱) شہرجیل بن عمرو غسانی

۵۷۸ (حضرت) شہریدہ

۲۳۶ شعث بن قیس

۲۹۲ شقران

۵۸۶ (۲۸۹) (۲۲۲) (۱۸۸) شیبہ بن ربیعہ

۶۲ (حضرت) سعد بن معاذؓ (الوجوه)

۳۷۷ (۲۸۸) (۲۸۱) (۲۰۵) (۲۰۳)

۳۲۳ (۳۲۲) (۳۲۹) (۳۲۸) (۳۲۲)

۵۹۰ (۵۸۰) (۳۲۵)

۱۷۵ (۱۵۱) حضرت سعید بن زیدؓ

۱۷۶

۲۷۵ سعید بن السیب

۵۹۲ (۳۱۳) حضرت سیفان ثوریؓ

۶۲۳ سکندر

۳۲۵ سلام بن ابی الحقیق

۲۱۵ (۲۹۷) سلام بن منکم

۳۲۵ (حضرت) سلمان فارسیؓ

۲۰۷ (حضرت) سلمہ بن ابی سلمہؓ

۲۰۲ سلمہ بن الاکوع

۲۲۲ (۲۰۲) سلمی بنت عمرو

۲۰۳ سلیط بن عمرو

قاضی سلیمان نورپوری دیکھیے

محمد سلیمان

۶۰۵ (۸۸) علامہ سید سلیمان ندویؒ

۳۰۲ (حضرت) سمرقہ بن جندبؓ

۲۱۸ سموئیل (یہودی شاعر)

۳۲۳ سموئیل اسبک

۲۲۷ (۲۳۷) (۲۲۲) سمہودی

۵۵۱ (حضرت) سودہ بنت زمعہؓ

۵۵۲

۲۰۳ طعمیہ
 (حضرت) طفیل بن عمرو دوسیؒ ۱۸۲
 ۱۸۳
 (حضرت) طلحہ بن عبداللہؒ ۱۵۰
 ۳۰۷۳۰۰۲۱۰
 (امام) طیالسی دیکھے ابوداؤد
 (حضرت) طیب بن (صاحبزادہ گرامی)
 ۵۶۰
 (علامہ) طیبی ۳۲۶
 (ع)
 بیضا حضرت علیؓ مسیح علیہ السلام
 ۱۷۳۱۷۲۱۰۲۱۰۰۷۱۱۳۹۱۳۷
 ۳۹۸۱۳۹۰۱۳۷۹۱۳۷۸۱۳۷۵
 ۶۲۲۱۶۰۸۱۵۹۸
 بیضا حضرت عادل علیہ السلام ۸۹
 (حضرت) عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ
 ۱۸۱
 عادل زعیرہ ۲۳۴
 العاذرہ (کابین) ۳۲۴
 عاص بن وائل ۱۲۰۱۱۳۹
 (حضرت) عاصم بن ثابتؒ ۳۱۶
 (حضرت) عامر بن الاکوعؒ ۲۵۷
 (حضرت) عامر بن نبیرہ ۲۱۸۱۲۱۵
 ۲۱۹
 (حضرت) عامر بن مالکؒ ۳۱۸

شیخین (امام بخاری و مسلم) ۲۸۲۲۲۷
 شیرویه (قباز) ۳۹۲۱۳۸۶
 شیطان ۲۵۱۳۱۶۱۲۷۰۰۲۰۲۰۱۰۲
 ۵۲۹۱۵۳۱۵۲۶۱۵۰۷۰۳۵۵
 ۶۲۵۱۶۲۲۱۶۱۶
 ۲۷۲ شیاع
 (ص) (ص)
 بیضا حضرت صالح علیہ السلام ۹۰
 (حضرت) صفوان بن اُمیہؒ ۱۱۲
 ۲۵۹۱۲۲۵۱۳۱۷
 (حضرت) صفوان بن محفل سلمیؒ
 ۳۵۲-۵۲
 (حضرت) صفیہ بنت عبدالمطلبؓ
 ۵۵۲۱۳۱۳
 (ڈاکٹر) صلاح الدین المنجد ۳۹۱
 صور (شاہ مدین) ۳۲۴
 (حضرت) صہیبؓ ۲۰۹۱۲۰۷۱۱۵
 ۲۱۰
 (حضرت) ضمام بن ثعلبہؒ ۵۰۱
 (حضرت) ضمیرہؒ ۲۳۲
 (ط)
 (حضرت) طاہرہؒ (صاحبزادہ) ۵۶۰
 (امام) طبرانی ۶۰۲
 طبری (مؤرخ) ۳۸۵
 (امام) طحاوی ۲۰۲

(حضرت) عبدالشکر (والد ماجد) ۱۲۷

۶-۷۱۳۱۱۲۸

عبدالشکر بن ابی ۳۰۰، ۲۹۷، ۲۶۳

۵۹۳، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۱، ۳۲۹

(حضرت) عبدالشکر بن بکر ۲۱۴

عبدالشکر بن ابی اوفی ۵۹۸

عبدالشکر بن اریس ۴۰۲

(حضرت) عبدالشکر بن اریقط ۲۱۲

۲۱۸

(حضرت) عبدالشکر بن جبیر ۳۰۱

(حضرت) عبدالشکر بن جحش ۲۷۳

۳۰۹، ۲۷۶، ۲۷۴

عبدالشکر بن جدهان تیمی ۱۶۴، ۱۱۹، ۱۱۹

(حضرت) عبدالشکر بن جعفر ۲۲۸

۶۰۳، ۵۶۴

(حضرت) عبدالشکر بن حارث ۵۷۸

عبدالشکر بن حمید اسدی ۴۳۷

عبدالشکر بن ذوالبجاد بن ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۷

(حضرت) عبدالشکر (صاحبزاده گرامی)

۵۶۰

عبدالشکر بن ریح مخزومی ۱۶۸، ۱۱۹

(حضرت) عبدالشکر بن رواحہ ۲۹۴

۴۲۲-۲۶، ۴۱۳

عبدالشکر بن سعد ۴۵۰

(حضرت) عبدالشکر بن سلام ۲۶۸

(ام المؤمنین حضرت) عائشہ ۱۴۴

۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۱، ۲۲۷، ۱۹۹، ۱۴۸

۳۵۲، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۱۰، ۲۵۳

۵۴۲-۴۷، ۳۳۲-۳۸، ۳۵۳-۵۶

۵۷۲، ۵۵۵-۵۸، ۵۵۲، ۵۵۱

۵۸۳-۸۵، ۵۸۰، ۵۷۹، ۵۷۵

۶۰-۷، ۶۰-۷، ۵۹۲، ۵۸۷

(حضرت) عباس بن عبدالمطلب بن عبدالمطلب ۶۱

۶۱

عباس محمود العقاد ۵۵۷

عبدالاشتهل ۵۸۹

عبد بن جلد ازوی ۴۰۳

(حضرت) عباس بن عبدالمطلب ۴۳۹-۴۲، ۲۹۶، ۲۰۶، ۱۹۵، ۱۱۹

۵۳۹، ۵۲۵، ۵۲۲، ۴۶۲، ۴۶۱

۵۸۷، ۵۸۶، ۵۸۰، ۵۷۰

عبدالحی بن الکتانی ۱۱۸

(حضرت) عبدالرحمن بن بکر ۵۴۳

(امام) عبدالرزاق ۵۸۵

(حضرت) عبدالرحمن بن عوف ۱۵۰

۲۹۲، ۲۵۹، ۲۱۰

(حضرت) عبدالرحمن بن غزوان ۱۳۳

عبدشمس - عبدالعزیٰ ذکھیہ البواب

عبدشمس ذکھیہ ولید بن مغیرہ

عبدالقدوس انصاری ۳۲۵

۵۸۶، ۲۹-۱۲۸۹، ۲۴۲

۲۵۶ عتاب بن اسید

۲۰۴ عقبه بن ابی وقاص

(حضرت) عقبه بن اسیر (الولعیصیر)

۳۶۹، ۳۶۷، ۳۶۶

عقبه بن ربیعہ (الوالولید)

۲۵۲، ۲۹۰-۱۲۸۹، ۲۴۲، ۱۸۸

۵۸۶

(حضرت) عثمان بن ابی العاص

۵۰۸

(حضرت) عثمان بن ابی طلحہ

۲۸۷، ۲۴۶، ۳۵۳، ۲۰۹، ۲۰۸

(بیدنا حضرت) عثمان بن عفان

۲۸۲، ۲۳۷، ۳۶۰، ۳۵۹، ۲۱۰

(حضرت) عثمان بن مظعون

۱۶۷، ۱۵۹، ۱۵۸

۱۸۸

عداس

عدنان ۲۰۴، ۱۲۸، ۹۷، ۹۶

عدی بن حاتم ۵۹۸، ۵۰۲، ۱۱۳

(حضرت) عروہ بن سعود

۲۴۱

۲۷۲، ۲۶۲

۳۹۱ (ڈاکٹر) عبدالدین ابراہیم

(حضرت) عفرات

(حضرت) عقبہ

عقبہ بن ابی معیط ۱۶۴

۵۷۲

عبداللہ بن شخیر

۳۱۶ (حضرت) عبداللہ بن طارق

۸۲ (حضرت) عبداللہ بن عباس

۱۵۰، ۳۰۲، ۲۲۷، ۲۱۴، ۱۹۳، ۱۵۲

۶۰۲، ۵۸۴، ۵۷۶، ۵۴۲، ۵۲۳

عبداللہ بن عبداللہ بن ابی

۳۵۲، ۳۵۱

(حضرت) عبداللہ بن عمرو

دیکھیے

ابن عمرو

(حضرت) عبداللہ بن عمرو بن عاص

۵۹۹، ۵۸۴

عبداللہ بن مبارک

(حکیم سید) عبدالحی حسنی

۱۷

عبداللہ بن قثم

(حضرت) عبداللہ بن سعود

۶۰۴، ۵۸۴، ۵۸۱، ۲۸۸، ۲۴۳

(مولانا) عبدالماجد دریا آبادی

۷۰

۶۱۴

عبدالطلب بن ہاشم

۲۴۱، ۳۰۹، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۰، ۱۰۶

۶۰۱، ۵۹۴، ۴۶۲، ۲۰۴

(خلیفہ) عبدالملک

عبدمناف بن قصی ۱۲۸، ۹۷

(حضرت) عبیدہ بن حارث

۳۸۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۵۹

۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۳، ۲۲۷

۵۲۵، ۵۰۸، ۲۸۸، ۲۷۸، ۲۶۷

۵۶۲، ۵۵۲، ۵۲۶، ۲۸۷، ۵۳۸

۵۹۸، ۵۹۲، ۵۷۵

(حضرت) عمر بن الخطابؓ

(حضرت) عمرو بن حزمؓ

۲۷۵ عمرو بن حفصؓ

۱۸۵ عمرو بن ربيعؓ

(حضرت) عمرو بن سالم خزاعیؓ

۲۵۵ عمرو بن سلمهؓ

۱۱۸ عمرو بن شعیبؓ

(حضرت) عمرو بن عاصؓ

۳۸۸، ۳۸۷، ۳۷۰، ۳۶۳، ۳۶۸

۳۳۲، ۳۳۱ عمرو بن عبدودؓ

۲۰۹ عمرو بن عوفؓ

۶۸، ۶۷ عمرو بن کلثومؓ

۹۸ عمرو بن لحي الخزاعیؓ

(حضرت) عمرو بن معدیکربؓ

۶۸، ۶۷ عمرو بن هندؓ

(حضرت) عمیر بن ابی وقاصؓ

۲۸۳، ۲۸۲

(حضرت) عمیر بن حاتمؓ

(حضرت) عونؓ (نواسه فاطمه زهراؑ)

۵۶۲

۳۱۳ (حضرت) عقبه بن عامرؓ

۶۲ عقبه بن نافعؓ

۱۳۲ (حضرت) عقیل بن ابی طالبؓ

۲۹۶

(حضرت) عکاشه بن محسنؓ

(حضرت) عکرمه بن ابی جهلؓ

۲۵۰، ۲۲۵

۲۶۷ علاء بن حارثهؓ

۵۶۳ علیؓ (نواسه رسولؐ)

۵۶۲ علیؓ (نواسه فاطمهؑ)

(سیدنا حضرت) علی مرتضیٰؓ

۲۸۷، ۲۲۲، ۲۱۰-۱۳۱، ۱۹۲، ۱۲۹

۳۳۱، ۳۱۹، ۳۰۹، ۳۰۴، ۲۹۰

۲۲۰، ۲۱۰، ۲۰۹، ۳۶۳، ۳۳۲

۲۲۶، ۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۴، ۲۳۳

۵۲۰، ۵۱۹، ۵۰۲، ۲۹۸، ۲۸۵

۵۸۷، ۵۸۶، ۵۶۹، ۵۶۶، ۵۳۹

۶۰۰

۱۳ (مولانا ابوالحسن) علی ندوی

۳۲، ۱۶

۳۳ علی احمد گجراتی ندوی

(حضرت) عمار بن یاسرؓ

(سیدنا حضرت) عمر بن الخطابؓ

۲۱۹، ۲۱۵، ۲۱۰، ۱۷۵-۷۹، ۱۱۲

۳۵۱، ۳۱۹، ۳۱۱، ۲۸۸، ۲۸۳

۵۳ قطب الدین ایبک
 (الملك المنصور) قلاؤن الصالحی ۳۷۷
 (حضرت) قیس بن سعد ۴۴۴
 قیصر ۳۶۷، ۳۶۲، ۲۱۹، ۶۶
 ۵۷۵، ۴۷۸، ۳۷۸

(۵) (گی)

کاراؤی و وکس (CARRA DE VEAUX)

۱۳۴
 ۴۶ کرد علی
 کسری ۳۷۱، ۳۶۲، ۲۱۹، ۴۹

۶۱۹، ۳۷۷
 کسری پرویز (خسرودوم) ۳۷۳
 ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۷۸-۸۴، ۳۷۴

۶۱۹، ۵۷۵، ۳۹۸، ۳۹۷
 ۳۳۸ کعب بن اسد
 ۲۳۳، ۲۲۹ کعب بن اشرف

۳۴۵، ۲۹۸
 (حضرت) کعب بن زبیر ۴۵، ۴۷، ۴۴
 (حضرت) کعب بن زبیر ۳۱۸

کعب بن لوی ۱۲۸
 (حضرت) کعب بن مالک ۴۸۲، ۴۴۵
 ۴۸۸-۹۳، ۴۸۳

کلاب بن مره ۱۲۸
 کلی ۱۲۶، ۱-۱
 کتانه بن خزیمه ۱۲۸

۲۴۴، ۱۳۶ (علامه) عینی

(ع) (ف)

۱۲۸ غالب بن فہر
 (سیدۃ النساء حضرت) فاطمہ زہیرہ

۵۵-۲۴۵-۱۴۳۳، ۴۴، ۳۱۰، ۱۶۴

۶-۷۱۵۸۷۵۷۸۱۵۶-۶۴
 (حضرت) فاطمہ بنت خطاب ۱۷۶، ۱۷۵

۴۴۹ فاطمہ مخزومی
 ۲۹۶ فرعون

۵۰۲ فروہ بن عمرو الجذامی
 ۴۵۳ فضالہ بن عمیر

(حضرت) فضل بن عباس ۵۱۸
 فلپ ہی (P.K. HITTO) ۱۰۰، ۹۹

فوقس (PHOCUS) ۳۸۴، ۳۸۲، ۳۸۱
 فہر بن مالک ۱۲۸، ۹۶

(ق)

(حضرت) قاسم بن (صاحبزادہ گرامی)

۵۶۰
 (حضرت) قبیصہ بنت ذؤیب ۵۵۷

(حضرت) قتادہ بن نعمان ۳۰۶، ۲۴۶
 قرظ بن عمرو ۴۳۲

قسطلانی ۴۷۶
 (شاه) قسطنطین ۴۰۰، ۳۹۹

قضی بن کلاب ۱۱۱-۱۳، ۹۷، ۹۶
 ۲۱۱، ۱۲۸

۲۲۶ مارگو لیتھ
 ۵۴۲، ۳۱۳، ۱۱۸ (امام) مالک
 ۳۰۵ مالک بن سنان
 ۴۶۴، ۴۵۸ مالک بن عوف نصری
 ۱۲۸، ۹۶ مالک بن نضر
 ۴۰۶، ۳۳۸، ۲۹۸ مالک بن عوف
 ۴۷ مانی
 ۲۳۹، ۱۲۰۲ مجدالدین فیروز آبادی
 ۴۷، ۲۶۸ (مولانا) مجیب اللہ ندوی
 ۱۳ محسن احمد باروم
 ۱۸۴، ۹۰ محمد الوزیر
 ۳۲۷، ۲۶۵، ۲۹۸ محمد احمد باشمیل
 ۴۰ (پروفیسر) محمد اقبال
 ۲۹۷، ۲۸۶ محمد اکبر خاں
 ۵۲۳ (حضرت) محمد اباقریظ
 ۹۸ محمد بن اسحاق
 ۴۰۳ (امام) محمد بن طولون دمشقی
 ۱۰۲ محمد بن قیس
 ۴۱۰، ۲۲۹ (حضرت) محمد بن سلمہ
 ۴۸۵
 ۳۳ محمد حسن انصاری
 ۳۴، ۱۵ (سید) محمد احسنی
 ۲۴۰ (ڈاکٹر) محمد حسین ہیکل
 (ڈاکٹر) محمد حمید اللہ حیدر آبادی
 ۳۰۱، ۲۶۰

۵۰۸، ۱۵۰، ۷ کنانہ بن عبدیلیل
 ۱۰۵ کنانی
 ایڈورڈ دیکھے گیتن
 ۱۰۱ (GEORGES ROUX) گیورگس رکس
 ۴۲، ۴۱ گوتم بدھ
 (۱)
 ۱۲۰ البید بن ربیعہ
 ۱۲۸ لوتی بن غالب
 ۶۸، ۶۷ ایلی بنت ہلہل
 لیمارٹن (LAMARTINE) ڈنفرانسیسی ادیب

۸۰، ۷۷ ایل او علی (L.S. O'MALLEY)
 ۶۱۴، ۵۶ لیکلی (LECKY W.H.)

(۲)
 سیدنا و نبینا حضرت محمد رسول اللہ
 صلے اللہ علیہ وسلم پوری کتاب
 سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام ۷۱
 ۳۳۵، ۳۳۴، ۲۸۲، ۱۴۸، ۱۹۰، ۷۷
 ۶۰۸، ۵۵۲، ۴۸۵، ۴۴۰
 سیدنا حضرت یحییٰ علیہ السلام دیکھے
 حضرت عیسیٰ
 (حضرت) مریم البتول علیہا السلام
 ۳۹۰، ۳۷۵
 (حضرت) مار یقبطیہ بنت شمعون
 ۵۶۱، ۵۵۲، ۳۹۱

۲۳۷ مرزبانی
۱۲۸ مروه بن کعب
۲۳۳ مریم جمیلیه
۲۸ مزدک
۸۸۱۲۳۱۵۳۱۱۳ (امام) مسلم

۵۹۰۱۵۷۱۲۷۹
۲۰۳ میلہ بن حبیب
۵۰۱ میلہ کذاب

۱۵۸ (حضرت) مصعب بن عمیرؓ

۲۰۱-۲۲۹۵۱۲۸۲۰۵۱۹۷

۳۱۲

۹۷ (المطلب بن عبدناز)

۹۶ مضر

۱۲۸ مضر بن نزار

۱۸۱ (حضرت) مطعم بن عدیؓ

۵۰۲ (حضرت) معاذ بن جبلؓ

۲۶۷ معاویہ بن ابوسفیان

۵۹۶۱۲۷۲ (حضرت) معاویہ بن حکمؓ

۲۲۲ معاویہ بن قرہ

۱۲۸۱۹۶ مدین عدنان

۶۸ (حضرت) میسرہ بن شعبہؓ

۵۷۱۵۰۳۱۲۷۲۸۵

۲۸۲ (حضرت) مقدادؓ

۳۸۶ مقریزی

۲۹۸ محمد انحضری

۳۳ (مولانا) محمد ریح ندوی

۵۱۱ (مولانا) محمد زکریا کاندھلوی

۱۸ (قاضی) محمد سلیمان منصور پوری

۵۵۷۱۲۹۵۱۲۵۶۱۲۸۱۷۰

۲۳۱۲۲۲ (ڈاکٹر) محمد بنظاوی

۳۳ (پروفیسر) محمد شفیع

۲۲۷۷۲۲۳ (علامہ) محمد طاہر عثمانی

۵۰۰۱۳۹۷۱۳۳۰

۳۰ محمد محمود الصوائف

۳۸۸ محمد فرید وجدی

۳۳ محمد معاذ ندوی

محمد بادشاہ (مصری محققِ فلیکیات)

۱۲۷

(علامہ) محمود شکر علی آلوسی

۱۱۸۱۰۱۰۱

۲۲۱۱۲۷۱۱۲۶

۲۸۶ (جنرل) محمود شیت خطاب

۲۹۵۱۲۲۵

۳۲ (سید) محی الدین

۱۱۳ مخزوم

۲۳۷ مدائنی

۱۲۸ مددک بن ابیاس

۲۸۸ (حضرت) مرارہ بن ربیعؓ

۲۹۱۱۲۸۹

۲۱۶۱۲۱۰۱۲۰۹ مرحب

نوشیروان عادل (خسر و اول) ۶۴

۳۸۳، ۶۵

نوفل بن میغرہ ۳۳۲، ۱۱۳

نواب بھوپال ۳۸۰

(امام) نودی ۲۰۲، ۲۲۵، ۲۲۷

۶۰۳، ۲۲۵

(۵)

(حضرت) واقدین عبدالشہیدی

۲۷۵

واقدی ۲۲۶، ۳۹۰، ۳۷۱، ۲۵۷

۲۹۷، ۲۷۹

(حضرت) وحشی ۵۹۱، ۵۹۰

و دیادھر مہاجن

۵۴ (VIDYADHAR MAHAJAN)

ورقین نوفل ۱۲۶-۲۸

ولفسن دیکھے اسرائیل

ولید بن عقبہ ۵۸۶، ۲۸۹، ۲۲۲

ولید بن میغرہ (عبدشمس) ۱۵۸، ۱۱۹

۱۶۳، ۱۵۹

(امام) شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۳۰

۱۸۹

وہب ۱۲۷

ویکٹر چوپارٹ (VICTOR CHOPART)

۶۶

ویلم میور (SIR WILLIAM MUIR) ۷۶، ۷۵

مقوقس ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸-۸۰

۵۵۲، ۲۳۷، ۳۹۱، ۳۸۷، ۳۸۶

مکرز بن حفص ۳۶۲

منذر بن ساوی ۲۰۳، ۲۰۲

منذری ۵۹۹

موریس (MAURICE) ۳۸۲، ۳۸۱

موسی بن عقبہ ۲۸۲

مہاراجہ سندھیا (گوالیار) ۳۸۰

مہاراجہ گیگاواڑ (پڑودہ) ۳۸۰

(حضرت) میمونہ ۵۵۲، ۵۳۴

(۶)

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ۶۰۷، ۱۰۲

نجاشی ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۲۲، ۱۱۶، ۱۰۴

۲۷۷، ۷۷، ۳۶۷، ۳۶۲، ۱۷۱-۷۴

۳۸۸-۹۱، ۳۸۰

نزار بن سعد ۱۲۸

(امام) نسائی ۵۷۱، ۵۲۰

نضر بن حارث ۲۶۷

نضر بن کنانہ ۱۲۸

نظام حیدرآباد ۳۸۰

نظامی گنجوی ۳۹۱

(حضرت) نعیم بن عبداللہ ۱۷۵

(حضرت) نعیم بن مسعود غطفانی ۳۳۳

۳۳۲

نور عالم ندوی ۳۳

(حضرت) ہند بنت عقبہ رضی اللہ عنہا

۲۵۲، ۲۵۱، ۳۱۱

۸۸، ۸۷

ہیرودٹس

۳۹۱

ہنیری فرعون

(۵)

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام

۳۲۹، ۳۶

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام

۲۲۸، ۲۳۸

سیدنا حضرت یونس علیہ السلام

۶-۸

۲۷۷، ۲۷۷

یاقوت حموی

۲۲۲

یحییٰ بن سعید

۳۷۹، ۴۰

یزداں (آہور مزدا)

۶۱۹، ۳۹۲، ۵۰، ۱۲۰

یزدگرد

۲۶۷

یزید بن ابوسفیان

۲۰۶

یعقوبی

۲۸۶

یوحنا بن رویہ

۳۷

(ڈاکٹر) یوسف حتا

۱۱۸

یوسف القضاوی

۳۲۶

ونگلٹن

۵۷

ولیس

(۸)

سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام

۵۵۲، ۲۸۵

سیدنا حضرت ہود علیہ السلام

۹۶، ۹۱

(حضرت) ہاجرہ

ہاشم بن عبدمناف

۲۲۲، ۲۰۲

(حضرت) ہببار بن اسود

۲۲

(راجہ) ہرش

ہرقل (قیصر روم)

۳۷۳، ۳۷۱، ۳۷۷-۸۶

۲۷۷-۷۹، ۲۲۲، ۲۰۲

۳۸۳

ہرز

ہشام بن عمرو

۲۸۹، ۲۸۸

۲۹۱

(حضرت) ہلال بن اریزہ

ہند (والدہ عمرو)

۵۷-۷۵

ہند بن ابی ہالہ

اقوام و قبائل طبقات اور ملتیں

| | | | |
|------------------------------|--------------------------|-------------------------|-------------------------------|
| ۴۷۷ | صحاب ایکہ | ۹۶ | ابراہیمی عربی خاندان |
| | صحاب دعوت و عزیمت مصلحین | ۶۶، ۵۴، ۵۳ | اچھوت - شودر |
| ۲۹، ۲۸، ۲۶ | | ۳۵۸، ۱۲۳ | احابیش |
| ۴۶۲ | صحاب سمرہ | ۳۷۹، ۵۶، ۵۱ | اجار - رہبان |
| ۴۸۳ | صحاب سنن | ۲۰۰ | ارم |
| ۴۱۰، ۴۰۰، ۴۰۰ | صحاب سیر - اہل سیر | ۳۹۷، ۳۸ | آرا یوسین - اریسین |
| ۴۸۲، ۴۴۴ | صحاب صحاح | ۴۰۲، ۴۰۱ | |
| ۵۱۸، ۱۰۳ | صحاب انقیل | ۶۶، ۵۲ | آربین (قوم) |
| ۴۸۷، ۸۳ (بدو) | اعراب (بدو) | ۲۳۴، ۲۰۴، ۱۹۷ | ازد |
| ۶۰۵، ۵۹۳ - ۹۶، ۵۸۰ | | | ازواج مطہرات - امہات المؤمنین |
| ۱۱۷، ۱۵۷ | آل ساسان - ساسانی | ۵۵۱ - ۵۳، ۵۳۴، ۳۵۴، ۳۵۳ | |
| ۳۹۲، ۳۸۴، ۳۸۲ | | ۵۵۹، ۵۵۵ - ۵۷ | |
| ۴۰۳، ۴۰۲، ۳۷۰ - ۷۲ | امراء عرب | ۷۲، ۳۶ | اسرائیلی - بنو اسرائیل |
| ۵۴۴، ۴۹۹ | امراء عالم | ۳۴۳، ۲۷۰، ۲۶۸، ۲۶۵، ۱۰۰ | |
| ۴۰۳ | امراء عمان | ۳۴۴ | |
| ۴۳، ۳۶، ۲۷ - ۲۹ | انبیاء - رسل | ۴۲۲ | اسلامی افواج - لشکر اسلام |
| ۱۴۶، ۱۳۵، ۹۴، ۹۰، ۷۱ - ۷۳ | | ۴۸۵، ۴۸۴، ۴۳۸ | |
| ۲۶۵، ۲۳۲، ۲۲۵، ۲۰۱، ۱۲۰، ۱۹۰ | | ۷۶، ۷۲ | اسماعیلی - بنو اسماعیل |
| ۳۹۴، ۳۹۳، ۲۷۲، ۲۶۷، ۲۶۶ | | ۵۰۴ | اشتراف و رؤساء نجران |
| ۵۹۷، ۵۸۹، ۵۸۸، ۵۸۴ | | | اشتراف قریش - سرداران قریش |
| ۲۲۳، ۲۰۴ - ۷۱، ۹۶ - ۹۹ | انصار | ۴۶۸، ۴۶۷، ۴۴۹، ۴۴۳ | |
| ۱۵۱، ۵۳، ۲۴۱ - ۴۳، ۲۳۶، ۲۳۴ | | ۵۰۳ | اشعریین |

۲۲۶، ۲۲۳، ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۹۶، ۳۸۸

۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴ - ۸۱

۵۸۸ اہل صفہ - اصحاب صفہ

۲۷۲، ۲۷۱، ۱۸۶، ۱۸۵ اہل طائف

۲۷۲

۲-۳

اہل عمان

۲۱۸

اہل فدک

۲-۱، ۱۲۸، ۱۲۸، ۱۸۰ اہل کتاب

۳۷۳، ۳۲، ۲۶۹، ۲۲۷، ۲۳۲

۳۷۹، ۳۷۶

۲-۱، ۱۸۲ اہل مدینہ - اہل یشرب

۲۶۵، ۲۵۲، ۲۵۲، ۲۴۰ - ۲۷

۶-۱، ۲۹۲

۱۲۰، ۱۱۵، ۱۷، ۱۱۲، ۱۱۱ اہل مکہ

۲۶۵، ۲۲۶، ۱۵۸، ۱۲۶، ۱۲۰، ۱۲۱

۲۲۱، ۲۲۰، ۳۶۹

۵-۲

اہل بخران

۲۱۸

اہل وادی القری

۵-۲، ۵-۳، ۱۹۸ اہل یمن

۶۲، ۵۹، ۴۰ اہل ایران

۳۲۵، ۲۲۲، ۱۲۰، ۱۱۷، ۱۰۵، ۶۶

۳۹۲، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۲، ۳۸۱

۶۱۹، ۴۷۹، ۳۹۳

۶۵، ۶۳ ایرانی سلاطین

۳۸۱، ۳۸۰، ۱۱۷، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۵ باز نبطی

۱۸۹، ۱۸۲، ۱۲۸، ۱۲۶، ۲۵۷ - ۵۹

۳۰۷ - ۹، ۲۹۶ - ۹۸، ۲۹۹، ۲۹۳

۳۲۷، ۳۳۳، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۶

۲۲۲، ۲۱۸، ۲۱۷، ۳۵۱، ۳۳۸

۲۵۳، ۲۵۲، ۲۱۱ - ۲۳۱، ۲۲۸

۲۷۵، ۲۶۸ - ۷۱، ۲۶۲، ۲۶۱

۵۲، ۵۳، ۶۱، ۵۳، ۵۲، ۴۹، ۴۸

۶۰، ۲۱۶ - ۳، ۲۵۹ - ۲۵۸، ۲۵۲

۶۲۸، ۶۲۷، ۶۰۸

۱۳۱ - ۳۶، ۱۹۷ - ۲، ۶۱، ۶۱

۳۳۸، ۳۳۷، ۱۶۳، ۱۲۸، ۱۲۲، ۱۲۰

۳۵۵، ۳۵۱، ۳۲۵، ۳۲۲

۵۵۱

اولاد اطہار

۵۸۹، ۵۳۳، ۵۳۲، ۵۳۱، ۵۳۰، ۵۲۹، ۵۲۸، ۵۲۷، ۵۲۶، ۵۲۵، ۵۲۴، ۵۲۳، ۵۲۲، ۵۲۱، ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۸، ۵۱۷، ۵۱۶، ۵۱۵، ۵۱۴، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۱، ۵۱۰، ۵۰۹، ۵۰۸، ۵۰۷، ۵۰۶، ۵۰۵، ۵۰۴، ۵۰۳، ۵۰۲، ۵۰۱، ۵۰۰، ۴۹۹، ۴۹۸، ۴۹۷، ۴۹۶، ۴۹۵، ۴۹۴، ۴۹۳، ۴۹۲، ۴۹۱، ۴۹۰، ۴۸۹، ۴۸۸، ۴۸۷، ۴۸۶، ۴۸۵، ۴۸۴، ۴۸۳، ۴۸۲، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۷۹، ۴۷۸، ۴۷۷، ۴۷۶، ۴۷۵، ۴۷۴، ۴۷۳، ۴۷۲، ۴۷۱، ۴۷۰، ۴۶۹، ۴۶۸، ۴۶۷، ۴۶۶، ۴۶۵، ۴۶۴، ۴۶۳، ۴۶۲، ۴۶۱، ۴۶۰، ۴۵۹، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۵۶، ۴۵۵، ۴۵۴، ۴۵۳، ۴۵۲، ۴۵۱، ۴۵۰، ۴۴۹، ۴۴۸، ۴۴۷، ۴۴۶، ۴۴۵، ۴۴۴، ۴۴۳، ۴۴۲، ۴۴۱، ۴۴۰، ۴۳۹، ۴۳۸، ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۱، ۴۳۰، ۴۲۹، ۴۲۸، ۴۲۷، ۴۲۶، ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۰، ۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۷، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۱۴، ۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۱، ۴۱۰، ۴۰۹، ۴۰۸، ۴۰۷، ۴۰۶، ۴۰۵، ۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱، ۴۰۰، ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

اہل احد - شہداء احد

۲۳۸ اہل بدر

۳۵۲، ۳۵۰، ۲۸ اہل بیت کرام

۵۷۵، ۵۶۱، ۵۲۹، ۴۸۵، ۴۶۱

۵۸۲

۲۸۲، ۲۸۳ اہل ثروت

۳۷۲، ۱-۶ اہل حبشہ

۲۲۰، ۱۹۸ اہل حجاز

۲۱۸، ۲۱۰، ۲۰۸، ۱۸۲ اہل خبیر

۲۸۷ اہل دومہ

اہل روم - رومی (بنی الاصف)

۶۶، ۶۰، ۵۹، ۴۶، ۳۷

۱۲۰، ۱۱۷، ۱۰۵، ۹۹، ۹۰، ۸۸

١٢٤ بنی زہرہ
 ٣٣٤٢٢٢٢ بنی ساعدہ
 ٢٥٥ بنی سالم
 ٢١٤١٨٥١٣٦١٢٩-٣١ بنی سعد
 ٥٢٢٤٥-١٠٢٦٦
 ٢٤١٣١٨٢٢٢٤ بنی سلیم
 ٢٢١ بنی سلمہ
 ١١٣ بنی سہم
 ٥-١٠٣١٩ بنی عامر
 ٢-٨ بنی عبدالاسد
 ٥٨٩٢٢٠٤٠٥ بنی عبدالاشہل
 ٥٩-
 ٢-٨١٣٨١١١٣ بنی عبدالدار
 ٥-٣١٢٠٣ بنی عبدالقیس
 ٢٤١١٨٠١٤٩١٥٢ بنی عبدالطلب
 ٢١١ بنی عبدالمنات
 ١٤٥١٣٨١٣١ بنی عدی - عدی
 ٣٥٩٢٣٥٢٠٢
 ٣٢٠٢٠-٩ بنی عمرو بن عوف
 ٢٢٠ بنی ظفر
 ٣٣٤٣٣٢ بنی عوف
 ٣٣٠١٣٢٢٢٣٢١ بنی غطفان
 ٢٠٦-٨١٣٣٣-٣٥
 ٢٠-٢١٣٥١ بنی غفار
 ٥-٥١٢٤١ بنی قزارہ

٢٨١٣٩٢١٣٨٦
 ٢٨١ باز تطینتی افواج
 بت پرست - مشرکین (کفار)
 دیکھئے مشرکین
 ٢٣٨ برادران یوسف
 ٦٦٤٥٣٤٥٢ برہمن
 ٥٠٥٤٢٣٤١١١٣ بنی اسد
 ٢-٥ بنی الاشہل
 ١١٩١١١٣ بنی امیہ - اموی
 ٣٣٤ بنی الاوس
 ٢٢-٣٢٠٢٠-٣ بنی بکر بن وائل
 ٦٨٢٦٤ بنی ثعلب
 ٢٠-٣١١٦٢١١٣٤٦٤ بنی تمیم
 ٥-١٠٢٤١
 ٦٤ بنی تیم
 ٣٣٤٣٣٢١٢٢٢ بنی ثعلبہ
 ٣٣٤ بنی جشم
 ٢٩٣٢٢٢٢ بنی جفثہ - آل جفثہ
 ١١٢ بنی حجاج
 ٥-٣١٥-٢١٢٢٢ بنی الحارث
 ٣٣٢٢٢٠ بنی حارثہ
 ٥-١٠٢٠٣١٣٢٨١١٥ بنی حنیفہ
 ٣١٣ بنی دینار
 ٥-٢ بنی زبید
 ٢٢٢ بنی زبناع

۱۱۳ بنی نزل
 ۴۳۲ بنی نقاسه
 ۳۲۳ بنی وائل
 ۱۸۰۰۱۷۹۰۱۷۲۰۱۱۳۰۹۷ بنی ماشم
 ۵۸۶۰۴۴۳۰۲۰۴
 ۲۲۲ بنی پهل
 ۶۲۹۰۵۶ یادری
 ۲۸۶ پاکستانی
 ۱۴۰۰۹۶ خرم
 ۱۱۳ حج
 ۲۲۸۰۳۵۱ جبینہ
 ۵۳۶۰۵۳۵ پیش اسامہ
 ۵۲ پھڑی
 ۶۱۹ چندر بنی
 ۵۳ چندال (اہل حوف)
 ۶۱۹ چینی
 ۴۴۷۰۴۱۸ حلاج
 ۱۰۰ خوارزمین مسیح
 ۴۱۱ سور
 ۶۷ حیرہ
 ۳۳۸۰۳۴۹۰۱۲۳۰۹۷۷ خزامہ
 ۳۶۱
 ۲۰۰۱۹۸۰۱۹۶۰۶۱ خزرج - بنی خزرج
 ۲۳۳۰۳۷۰۲۲۳۰۲۳۳۰۲۰۳۰۶۰۲۰۱
 ۲۷۸۰۳۳۰۲۶۳۰۲۴۸۰۲۴۲۰۲۴۰۰
 ۳۵۵۰۳۵۱۰۳۴۵۰۳۴۲

۱۵۲ بنی فہر
 بنی قحطان قحطان ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰
 بنی قریظہ - قریظہ ۲۲ - ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰
 ۵۵۳۰۴۱۹۰۳۳۸ - ۲۶
 ۱۱۳، ۱۱۲ بنی قصی
 ۲۲۲ - ۲۴ بنی قینقاع - قینقاع
 ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰
 ۳۴۳، ۳۴۲
 ۱۵۲ بنی کعب
 ۴۳۴، ۳۶۲ بنی کنانہ
 ۵۲۵ بنی لیت
 ۲۵۶ بنی مالک
 ۵۰۶، ۳۲۱ بنی محارب - قبیلہ محارب
 ۴۴۹، ۱۵۷، ۱۱۹، ۱۱۸ بنی مخزوم
 ۴۱۷ بنی مرہ
 ۵۵۲، ۳۵۰ - ۳۴۹ بنی المصطلق
 ۲۴۰ بنی معاویہ
 ۲۰۸، ۲۰۷ بنی مغیرہ
 ۲۳۳ بنی نہبان
 ۲۲۲، ۱۳۱ بنی النجار - تیم اللات
 ۲۵۵، ۲۴۲، ۲۳۵
 ۲۳۳، ۲۵۰، ۲۲۲ - ۲۴ بنی نصیر - نصیر
 ۳۳۸، ۳۳۰، ۳۲۳، ۳۱۹، ۲۹۷
 ۶۰۷، ۵۵۳، ۵۵۲، ۴۱۹، ۴۰۶، ۳۴۳

۲۱۶، ۲۱۱ - ۱۳، ۲، ۹، ۳، ۷، ۳، ۶، ۹

۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۶، ۲۱۹، ۲۱۸

۲۸۳ - ۸۵، ۲۷۳، ۲۵۸، ۲۵۴

۷۵۲، ۵۱۱، ۵۱۰، ۵۰۶، ۵۰۳

۵۲۲، ۵۳۵ - ۳۷۱، ۵۳۱ - ۳۳

۵۶۲، ۵۶۱، ۵۵۲، ۵۴۴ - ۲۶

۵۷۸، ۵۷۷، ۵۷۳، ۵۷۰، ۵۶۷

۶۲۷، ۶۰۲، ۵۹۵، ۵۸۴

۲۴۱، ۲۱۲، ۲۱۰، ۲۰۵ صحایب

۵۵۷، ۴۰۷، ۳۱۶، ۳۱۳

۸۷

۴۴

۶۲۰

۹۷، ۹۶، ۸۶، ۸۵ عثمانی ترک

۶۰، ۵۹، ۴۳ - ۵۵ عرب - اهل عرب

۸۳ - ۸۸، ۷۷، ۷۵، ۶۶ - ۶۸، ۶۳

۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۸، ۱۹۹ - ۲۰۸، ۱۹۶

۲۹۹، ۲۹۳، ۲۷۹، ۲۷۴، ۲۵۳، ۲۳۹

۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۲۸ - ۳۷۱، ۳۲۵

۳۹۳، ۳۸۳، ۳۷۵، ۳۷۱، ۳۴۷

۴۵۵، ۴۳۴، ۴۲۳، ۴۱۷، ۳۹۸

۴۷۷ - ۷۹، ۴۷۳، ۴۶۳، ۴۵۶

۵۰۰، ۴۸۶، ۴۸۵، ۴۸۲، ۴۸۱

۶۲، ۵۵۹، ۵۵۵، ۵۵۴، ۵۰۲

۸۹، ۸۸، ۸۵

عرب باندہ

۲۳۵

۳۱۸

۵۲

۸۵

۳۱۸

۲۸۷، ۲۲۵، ۲۲۲

۱۳۹

۴۸۸

۴۹۹

۴۷۶

۵۰۲

۴۹۹، ۳۷۳، ۳۷۱

۵۴۴، ۵۱۰

۴۰۳

۶۱۹

۲۴۲

۱۰۰، ۴۶

۴۰۵

۴۳۷

۴۱۱

۵۸۹

۱۷۸، ۱۷۵، ۱۳۰، ۱۱۸، ۶۲

۲۸۵، ۲۸۱ - ۸۳، ۲۶۸، ۲۶۲، ۲۶۰

۳۲۹، ۳۲۵، ۳۱۹، ۳۱۱، ۲۹۷، ۲۸۸

۳۶۲، ۳۵۹، ۳۵۷، ۳۵۴، ۳۴۷

دینار (قبیلہ)

ذکوان

راجگان

ربیعہ

رعل

روی افواج

زبید

سابقین اولین

سرداران قریش

سلاطین اسلام

سلاطین حمیر

سلاطین عالم

سلاطین عرب

سورج بنی

شارحین حدیث

شامی

شراکاء بیعت رضوان

شراء عرب

شہداء اسلام

شہداء بنی عبدالاشہل

صحابہ کرام رض

۱۸۳ قبیله دوس
 ۵۰۶ قبیله ذی مره
 ۲۵۸ قبیله سعد بن بکر
 ۵۰۲، ۲۳۳ قبیله ط - بنی ط
 ۲۷۹ قبیله عامه
 ۵۰۵ قبیله عذره
 ۳۱۶ قبیله عضل
 ۵۰۶ قبیله غامد
 ۵۶، ۲۹۳، ۲۷۹، ۲۷۸ قبیله عثمان
 ۱۹۵ قبیله غفار
 ۳۱۶ قبیله قاره
 ۱۰۳، ۱۰۲، ۹۵ - ۹۸ قبیله قریش
 ۱۲۲ - ۲۸، ۱۱۹، ۱۱۱ - ۱۶، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۰۶
 ۱۵۲، ۱۵۰، ۱۱۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۳، ۱۱۳، ۱۱۳
 ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۶۲، ۶۸، ۱۶۰، ۱۵۵ - ۵۸
 ۲۰۱، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۸۹، ۱۷۸ - ۸۵
 ۲۲۰، ۲۱۸ - ۲۰۲، ۲۰۹ - ۱۲، ۲۰۷
 ۲۷۷، ۷۶، ۲۷۲، ۲۶۸ - ۷۰، ۲۲۲
 ۲۹۳، ۱۸۹، ۲۸۷، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰
 ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۲، ۲۹۶ - ۳۰۰، ۲۹۲
 ۳۲۸، ۳۳۳ - ۳۸، ۳۳۰، ۳۲۲
 ۳۶۵ - ۷۰، ۳۵۸ - ۶۲، ۳۲۹
 ۲۳۲ - ۳۹، ۲۲۹ - ۳۲، ۱۹۹، ۳۹۰
 ۲۶۸، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۲۷ - ۲۹
 ۶۲۰، ۶۰۶، ۵۸۶، ۵۰۰، ۲۹۹

۲۲۲، ۹۶، ۸۵ عرب عاربه
 ۸۵ عرب متعربه
 ۳۱۸ عصبه
 ۲۲۳ عفره
 ۲۰۰، ۱۰۵، ۱۷۲، ۳۷۷ - ۲۰ عیسائی
 ۲۷۸، ۲۰۱، ۳۹۸، ۳۸۹، ۳۸۸
 ۶۲۹، ۶۱۹، ۵۵۹، ۵۰۲
 ۶۱۹ فراتة مصر
 ۵۲۰ فقهاء
 ۵۵۷ فقهائے صحابہ
 ۱۲۵، ۵۷ فلاسفہ - مفکرین
 ۵۵۲، ۳۸۶، ۳۷۶، ۳۷۲ قبطی
 ۲۸۶ قبیله ازرح
 ۵۰۲ قبیله ازد
 ۵۰۶، ۲۲۲ قبیله بلی
 ۲۲۲ قبیله بلقین
 ۵۰۵، ۲۲۲ قبیله بہراء
 ۵۰۵ قبیله تجیب
 ۲۵۸، ۱۸۶، ۱۸۵ قبیله ثقیف
 ۵۰۰، ۲۷۷، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۶۵
 ۲۷۹، ۲۲۲ قبیله جذام
 ۲۸۶ قبیله جریاء
 ۲۵۸ قبیله چشم
 ۲۷۸، ۲۳۰ - ۳۲ قبیله خزاع
 ۵۰۶ قبیله خولان

مجاهدین ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۱، ۳۸۳
 ۲۸۲، ۲۳۲
 بخوسی - پاریسی ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹
 محبتین ۵۲
 میانی ۳۲۲
 مستشرقین ۵۵۸، ۱۳۳
 مسلمان - مؤمن ۲، ۶، ۱۶، ۷۸، ۱۱۶، ۱۶۲
 ۲۶، ۷۶، ۱۲۶، ۱۶۵، ۲۶۲، ۲۶۱، ۱۲، ۷
 ۳، ۲، ۲۹، ۸، ۲۹، ۵، ۲۹، ۲، ۱۸، ۳
 ۳۲۳، ۳۱۶، ۳۱۲، ۳۰۹، ۳۰۵
 ۳۲۵، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۰، ۳۲۵
 ۳۲۹، ۳۲۷، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹
 ۳۶۳، ۳۵۹، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۰
 ۳۹، ۳۶۷، ۷۰، ۳۶۵، ۳۶۲
 ۲۲، ۲۱۶، ۱۸۰، ۲۱۱، ۲۰۹، ۲۰۶
 ۲۳۳، ۲۳۱، ۲۲۵، ۲۹۰، ۲۲۱، ۲۲۳
 ۲۶۳، ۲۵۷، ۶۱، ۲۵۱، ۲۵۰
 ۲۷۸، ۲۷۵، ۲۷۰، ۷۲، ۲۶۵، ۶۷
 ۲۹۲، ۲۸۹، ۹۱، ۲۸۷، ۲۸۰، ۸۲
 ۵۱، ۵۰۹، ۷۱۵، ۲۰۲، ۲۹۸، ۲۹۶
 ۵۳۷، ۵۳۶، ۵۳۲، ۵۲۲، ۵۱۲
 ۵۲۸، ۵۲۶، ۵۲۵، ۵۲۳، ۵۲۱
 ۵۶۳، ۵۵۵، ۵۷۷، ۵۲۹، ۵۲
 ۵۹۱، ۵۹۰، ۵۸۱، ۸۳، ۵۷۶
 مشرکین - کفار - بت پرست ۲۳، ۲۸، ۸۰، ۱۷۰

۱۳۵
 قبیله کعب بن لوی ۲۵۸، ۳۵۸
 قبیله قضاة ۲۲۸
 قبیله کلاب ۲۵۸
 قبیله کلب ۲۸۷
 قبیله کنده ۵۰۲
 قبیله نخم ۲۷۹، ۲۳۷، ۲۲۲
 قبیله مزینیه ۵۰۲
 قبیله بخران ۵۹۳، ۵۰۲، ۵۰۲
 قبیله خنج ۵۰۶
 قبیله نصر ۲۵۸
 قبیله بزیل ۵۲۵، ۵۲۲
 قبیله بهران ۵۰۲، ۵۰۳
 قبیله بهوازن ۲۶۳، ۲۵۷، ۶۰
 ۲۷۰، ۲۶۷، ۲۶۲
 قوم نمود ۲۸۵، ۲۸۲، ۹۰
 قوم عاد ۲۰۰، ۷۹
 قوم لوط ۹۰
 قوم یهود ۸۹
 قیصر روم ۹۰
 کنانه ۱۲۳
 لاطینی ۸۸، ۸۷
 لازن ۲۳۵
 مالک (قبیله) ۲۳۵
 مؤرخین ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۶۲، ۵۱

۵۳۵، ۲۹۴، ۲۷۱، ۲۴۱، ۲۲۲

۶۲۸، ۶۲۷، ۵۸۶، ۵۳۶

۲۷۹، ۲۲۹، ۱۰۰، ۱۹۹، ۸۷

۲۶، ۱۷، ۱۴، ۱۰، ۲، ۳۷

۵۲۲، ۲۸۷، ۲۷۱، ۲۰۰، ۲، ۲۶۷

۶۱۹، ۵۹۸

۵۲

وش

۵۲

هندو

۵۹

هندوستانی

۵۵۹، ۵۶۷، ۵۵

۹۹، ۸۸، ۸۷، ۸۱

۳۸۱، ۱۰۰

۹۰۷، ۳۷۷، ۳۶

۲۰۳، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۶، ۱۳۳

۲۲۰، ۲۲۰، ۳۸، ۲۲۱، ۲۸

۲۵۹، ۲۵۱، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۲

۲۹۷، ۲۶۵، ۶۹، ۲۶۳، ۲۶۰

۳۳۳، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۱۹، ۲۹۸

۳۲۹، ۳۲۵، ۲۷۷، ۳۲۳، ۳۳۷

۲۱۳، ۱۸۲، ۶۰، ۹۰، ۲، ۲۸۸

۶۱۹، ۵۷۶، ۵۲۵، ۵۲۲، ۲۶۰

۶۲۹

۱۸۶، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۵۸

۲۶۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۰۹، ۲۰۵، ۲۰۱

۲۸۲، ۲۸۰، ۲۷۵، ۲۷۳، ۲۷۰

۳۲۲، ۳۲۳، ۲۹۸، ۲۹۳، ۹۵، ۲۹۱

۳۳۶، ۳۳۳، ۳۲۰، ۳۱۴، ۱۶، ۳۰۶

۳۶۸، ۳۶۴، ۳۲۹، ۳۳۹، ۳۳۸

۲۶۲، ۲۵۸، ۲۲۵، ۲۰۰، ۳۶۹

۵۳۶، ۲۹۸، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۶۶

۲۰۳، ۸۵

۵۵۹، ۷۵

۲۶۱

۶۱۱، ۳۲۰، ۲۹۱

۳۳۰، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۱

۲۲۸، ۳۵۰، ۳۲۹، ۳۲۷، ۳۳۳

۵۲۶، ۲۹۰، ۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲

۵۹۳

۵۷

۲۳۶، ۲۰۷، ۲۰۰، ۱۹۸

۲۷۲، ۲۶۲، ۲۵۷، ۵۹، ۲۲۹

۳۲۹، ۳۲۶، ۳۲۱، ۳۰۷، ۲۵۱

۳۶۹، ۳۵۷، ۳۵۱، ۳۳۷، ۳۳۳

۲۲۱، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۲، ۲۱۸

مصر

مغربی مصنفین

مفسرین

ملاکده - فرشته

مناقضین

مناکول

مهاجرین

کتابیات

۳۵ اسفار عہد عتیق
اسلام ان دی ورلڈ

۸۰ (ISLAM IN THE WORLD)
الاصابة فی تمییز الصحابہ
۲۶۸،۲۰۹
۲۵۶،۲۳۷
اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین

۲۰۳
۲۳۵ الامتاع

۸۸،۷۷۳ اناجیل اربعہ

انجیل ۲۰۲،۱۲۶،۱۲۲،۱۱۷
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال
کا اثر ۳۷۹،۲۳۲،۲۲

انائیکلو پیڈیا آت اسلام ۲۲۵
انائیکلو پیڈیا برٹانیکا

۲۱ (ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA)
۲۹۷،۲۴۵

انائیکلو پیڈیا یازدہمب اضلاق ۳۹۹،۳۰۰
اوتسا ۳۵

الاہرام (جمیدہ) ۷۴
اہل کتاب صحابہ و تابعین ۲۶۸

ایران بچہ ساسانیان ۲۱-۳۹، ۲۷
۲۸۲-۸۶، ۲۸۲، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۶۹-۵۱
۳۹۲

قرآن مجید

(الف)
ابن ہشام دیکھیے سیرۃ ابن ہشام
ابوداؤد " سنن ابی داؤد
اے ہسٹوری آت عباسیہ

۳۸۹ (A HISTORY OF ABYSSINIA)
اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن

(APOLOGY FOR MUHAMMAD AND THE

۲۹۷ (QURAN)

اپینڈکس (APPENDIX-C) ۳۸۷

آثار المدینۃ المتورہ ۳۲۵، ۲۵۴
اخبار مکہ ۱۲۶، ۱۱۲

ادب الکاتب ۲۴۴
الادب المفرد ۵۷۹، ۵۷۸، ۵۷۱، ۵۷۰، ۵۶۹

۶۰۱، ۵۹۹، ۵۸۴، ۵۸۲، ۵۸۱
۶۰۲

ارشاد الساری (شرح بخاری) ۳۷۷
ارکان اربعہ ۶۱۸، ۲۷۸

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۱۵۸
۵۲۵، ۲۶۸، ۲۲۰

اسد الغابۃ ۲۵۶، ۲۸۳، ۲۶۸
اسفار عہد جدید ۳۵

- ۲۹۸ تاریخ التشریح الاسلامی
 ۲۹۵ تاریخ جمیع النبی
 ۶۲۰ تاریخ چین
 ۲۱۴ تاریخ انجمنیں
 ۲۲، ۶۹، ۶۵، ۶۰، ۵۰ تاریخ طبری
 ۲-۲، ۳۹۳، ۳۸۵
 ۲۳۲ تاریخ العرب العام
 ۲۲۲ تاریخ العرب قبل الاسلام
 ۲۸۷، ۲۸۰-۳
 ۱۲۶ تاریخ مکہ
 ۸۷، ۳۶ تلمود
 تاریخ اليهود فی بلاد العرب فی الجاہلیۃ
 و صدر الاسلام ۲۶۸، ۲۳۷، ۲۲۲
 ۲۱۷، ۲۱۳
 ۵۵۸، ۵۵۷ تذکرۃ الصحافہ
 ۲۲۸، ۲۲۷، ۱۱۸ الترتیب الاداریہ
 ۵۹۹ الترغیب والترہیب
 ۲۲۶، ۲۱۴، ۱۳۳ (جامع) ترمذی
 ۵۷۶، ۵۷۱، ۳۲۶
 ۶۰۵، ۵۹۸، ۵۸۸، ۵۷۹
 ۵۳۳، ۲۲۸، ۲۰۰ تفسیر ابن کثیر
 ۲۵۹ تفسیر طبری
 ۱۱۸، ۷۰- تفسیر ماجدی
 ۱۱۷ التعمید
 ۱۲۲، ۱۸۸، ۱۷۱، ۱۳۶ توریث

- (ANCIENT INDIA) اینڈینڈ انڈیا
 ۵۱، ۴۱
 ۱۰۱ (ANCIENT IRAQ) اینڈینڈ عراق
 لے شارٹ ہسٹوری آف دی ورلڈ
 (A SHORT HISTORY OF THE WORLD)
 ۵۸
 ۳۷۷ اینڈینڈ ملک جنرل
 (ب) (پ)
 ۶۹ بائبل
 ۲۶۰، ۲۱۵، ۸۵ البدایۃ والنہایۃ
 ۳۴، ۱۵ البعث الاسلامی (مجلد)
 بلوغ الادب فی معرفۃ احوال العرب
 ۲۴۲، ۲۴۱، ۱۲۶، ۱۱۸، ۱۰۱
 بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ ۲۲۴
 ۲۲۹-۳۱، ۲۲۵
 بیہقی دیکھئے سنن بیہقی
 پاپوہر ہندو ازم دی ریلجین آف دی گیز
 (POPULAR HINDUISM THE RELIGION
 OF THE MASSES)
 ۴۳، ۴۱
 (ت)
 ۲۰۳ تاریخ ابن خلدون
 (HISTORY OF تاریخ اخلاق یورپ
 ۶۱۴ EUROPEAN MORALS)
 ۸۱ تاریخ الام الاسلامیہ
 ۵۰ تاریخ ایران

۱۷۷ دائرۃ المعارف البغستانی

۱۱۸ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ

۳۸۸ دائرۃ المعارف للقرن العشرين

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک ۹۹

۳۵۳، ۶۷، ۱۵۵ دیوان الحکاسہ

دی رومن ورلڈ

۶۶ (THE ROMAN WORLD)

دی لائف آف محمد

۵۵۹، ۷۶ (THE LIFE OF MOHAMMAD)

دی میسینجر۔ دی لائف آف محمد

(THE MESSENGER THE LIFE OF

۵۵۹، ۳۲۶، ۳۲۵ MOHAMMAD)

دی سیکنگ آف ہومینٹیتی

۵۶ (THE MAKING OF HUMANITY)

دی ہسٹوری آف کرسچینٹیتی ان دی

لائٹ آف ماڈرن ٹائمز

(THE HISTORY OF CHRISTIANITY IN

THE LIGHT OF MODERN KNOWLEDGE)

۳۸

دی عرب کنکوئسٹ آف اجیپٹ

۲۶ (THE ARAB CONQUEST OF EGYPT)

ڈسکووری آف انڈیا

۲۵، ۲۱ (DISCOVERY OF INDIA)

ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر

(DECLINE AND FALL OF THE ROMAN

EMPIRE)

۳۸۲، ۲۵

۱۱۲، ۳۲۲، ۳۲۳، ۲۶۶، ۲۰۰، ۱۱۲، ۶

۳۸۵

تھیوفنی لیکٹس

(ج)

۲۸۲ جدید مفتاح التعمیم

۸۳، ۳۳ جزائیہ جزیرۃ العرب

۹-۱۸۹

۵۹۸ جمع الفوائد

جیوش انسائیکلو پیڈیا

۷۳۷، ۱۳۶ (JEWISH ENCYCLOPEDIA)

(ح)

۵۱۱، ۱۸۹، ۱۳۰ حجتہ الشرا بانہ

۲۹۷، ۲۸۶ حدیث دفاع

۳۸۸ حسن المحاضرہ

۵۷۸، ۵۷۴ حلایۃ الاولیاء

دیوان الحکاسہ دیکھئے

۳۹۱ ایحیاء (جریدہ)

(خ)

۱۸۲، ۱۹۰ خاتم النبیین

۶-۸، ۶-۵ خطبات مدراس

۳۷۱ انحصائے الکبریٰ

۱۱۳ انحضری

۲۶ خطہ اشام

(د)

۲۵۵ (ستن) داری

(۷) (۸)

۵۲ سفرنامہ برنیر
 ۷۰ (PSALM) سام
 ۵۷۲، ۵۵۰ سنن ابن ماجہ
 ۶-۵، ۵۸۵
 ۲۳۴، ۲۳۳، ۱۱۸ سنن ابوداؤد
 ۶۰۰، ۵۷۳، ۵۲۵، ۵۲۳، ۴۱۳
 ۶-۵، ۶۰۲
 ۲۵۵، ۲۵۳، ۲۱۵ سنن بیہقی
 ۵۹۴، ۵۸۵، ۵۸۳، ۳۳۷، ۳۲۷
 ۵۹۸
 ۵۷۳، ۵۷۲ سنن نسائی
 ۶۱۴ سیاتی
 ۱۰۱۴، ۱۱۳۷، ۱۱۲۸ سیرت ابن کثیر
 ۲۹۱۹، ۱۹۰۰، ۱۶۳، ۱۵۳، ۱۴۵، ۱۴۴
 ۲۹۱، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۰
 ۳۲۷، ۳۲۵، ۳۱۸، ۲۹۲-۹۶
 ۳۵۲، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۳، ۳۳۲
 ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۰۸، ۴۰۷، ۳۹۲
 ۵۰۳، ۴۶۴، ۴۵۲، ۴۴۳، ۴۴۲
 ۵۸۲، ۵۳۵، ۵۳۳، ۵۲۰، ۵۰۵
 ۵۹۰، ۵۶۴، ۵۵۳، ۵۴۶، ۵۴۳
 ۵۹۲
 سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں ۲۸
 السیرۃ النبویہ (سیرۃ ابن ہشام) ۱۸
 ۱۲۴، ۱۰۷، ۱۰۴، ۹۶، ۹۸، ۶۲
 ۱۳۵-۳۷، ۱۳۰-۳۳، ۱۲۶-۲۸

رحمۃ للعالمین ۲۵۶، ۲۰۸، ۱۷۷، ۱۱۸
 ۵۵۷، ۴۹۵
 الرسول القائد ۴۲۵، ۲۸۶
 روائع من ادب الدعوة فی القرآن والسنة
 ۱۷۲
 روح المعانی ۲۲۸، ۲۲۷
 الروض الالفت ۱۴۰، ۱۲۸
 زاد المعاد ۱۸۱، ۱۳۳، ۱۱۵، ۶۲، ۱۸
 ۲۸۱، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۳، ۲۵۳، ۲۲۰
 ۲۹۷، ۲۹۱، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۲-۸۴
 ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۷، ۳۰۴، ۳۰۱، ۲۹۸
 ۳۶۴، ۳۶۲، ۳۵۸-۶۰، ۳۴۹
 ۴۱۱، ۴۰۴، ۳۷۷، ۳۶۷، ۳۶۶
 ۴۲۱، ۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۵، ۴۱۳
 ۴۲۸، ۴۲۵، ۴۲۱-۳۳، ۴۲۳-۲۸
 ۴۴۴-۴۹، ۴۴۲، ۴۴۰، ۴۳۹
 ۴۶۶، ۴۶۶-۴۵۵، ۴۵۳، ۴۵۱
 ۴۸۵، ۴۷۶، ۴۷۱، ۴۷۰، ۴۶۸
 ۵۱۱، ۵۰۸، ۵۰۳-۶، ۴۹۸
 ۵۶۴، ۵۶۱، ۵۵۲، ۵۲۱، ۵۲۰
 ۵۹۹
 ۶۸
 ۵۱

(۸) سیخ معلقات
 ستیا رتھ پریکاش

(ش)

۵۹۲ شرح السنّة
 ۲۳۵، ۲۴۴ شرح مسلم (للتنوّی)
 ۵۲۵، ۲۹۷
 ۳۲۶ شرح مشکوٰۃ (طیبی)
 ۳۱۳ شرح معانی الآثار
 شرح المواهب اللدنیة (۱۳۱، ۱۳۲)
 ۵۷۲، ۵۷۷، ۳۷۲
 ۶۰۰، ۵۹۹، ۵۷۸، ۵۷۶

(ص)

۲۰۶ صحابه و تابعین
 ۲۳۸، ۲۴۵، ۱۳۶ صحاح (سنّة)
 ۲۶۰، ۲۴۴
 صحیح بخاری
 ۱۴۴، ۹۸، ۶۳، ۴۴
 ۱۹۵، ۱۹۲، ۱۸۴، ۱۶۴، ۱۴۸، ۱۴۷
 ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۷، ۲۰۳
 ۲۵۷، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۴۵، ۲۴۴
 ۳۰۱، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۸۲، ۲۵۹
 ۳۱۸، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۶، ۳۰۳
 ۳۲۹، ۳۲۷، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۱۹
 ۳۶۳-۶۵، ۳۵۶، ۳۳۹
 ۲۰۸-۱۰، ۳۹۶، ۳۹۱، ۳۷۲
 ۴۲۶-۲۸، ۴۲۴، ۴۲۰، ۴۱۹
 ۴۲۹، ۴۲۶، ۴۲۱-۴۲۰، ۴۳۸
 ۴۷۷، ۴۶۲، ۴۵۵، ۴۵۴، ۴۵۰

۱۵۵، ۱۴۸-۵۱، ۱۴۴، ۱۴۰، ۱۳۹
 ۱۶۷، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۱، ۱۵۶-۵۹
 ۱۸۳، ۱۸۱، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۳، ۱۶۸
 ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۳، ۱۹۰-۱۸۸
 ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۲، ۲۱۹، ۲۱۲، ۲۱۰
 ۲۵۵، ۲۵۲، ۲۴۲، ۲۳۷، ۲۳۳
 ۲۷۶، ۲۶۹، ۲۶۴، ۲۶۰-۲۵۸
 ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۷۷
 ۳۱۷، ۲۶۰، ۲۹۶-۳۱۲، ۲۹۴، ۲۹۰
 ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۰، ۳۳۸، ۳۳۸
 ۳۶۳، ۳۶۰، ۳۵۸، ۳۵۶، ۳۴۵
 ۴۰۹، ۴۰۴، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۵
 ۴۲۷، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۱۷، ۴۱۰-۳۵
 ۴۴۵، ۴۴۱، ۴۴۰، ۴۳۰-۳۵
 ۴۶۶، ۴۵۸-۶۴، ۴۵۶، ۴۵۳
 ۵۰۱، ۴۹۶، ۴۸۵-۸۸، ۴۷۳
 ۵۴۸، ۵۴۶، ۵۳۴-۳۷۷، ۵۰۳
 ۵۹۱، ۵۵۰

السيرة الحلیة
 السيرة النبویة (نبی رحمت)
 سیرة النبی
 سیویل ائرشین پاست اینڈ پریزنٹ
 (CIVILIZATION PAST AND PRESENT)
 ۴۶، ۴۵
 سلیکشن فرام دی قرآن

۵۵۰۱۲۲۱۳۲۶۱۳۲۱

۳۱۳

طحاوی

۱۹۱۱۸

الطریق الی المدینۃ

(ع)

۵۵۷

عبرتیہ محمد

۸۸

عرب و ہند کے تعلقات

۳۸۷۱۳۷۱

عربوں کی فتح مصر

۲۰۴

عقد الفرید

۵۴۴

عمدۃ القاری

۳۰۱

عہد نبوی کے میدان جنگ

عربوں کی تکریم اور آجیٹ لاسٹ

تھری ایس آف رومن ڈونونین

(ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND

THE LAST THIRTY YEARS OF ROMAN

۳۹

DOMINION)

عربہ بیفور محمد (عرب محمد سے پہلے)

۱۰۰ (ARABIA BEFORE MOHAMMAD)

۳۸۹۱۲۳۱۲۳۰

(ع)

۳۲۵

غزوة الاحزاب

۳۲۷

غزوة بنی قریظہ

۲۹۸

غزوة قینقاع

(ف) (ق)

فتح الباری

۵۸۸۱۵۸۰۱۵۰۸۱۲۲۲۱۲۰۲

۲۹۰۱۲۸۵۱۲۷۳۱۲۷۱۲۷۰

۵۲۱۲۵۰۲۱۵۰۲۱۲۹۶۱۲۹۳

۵۲۸۱۵۲۹-۲۵۱۵۳۲-۳۶

۵۷۵۷۵۷۲۱۵۶۳۱۵۵۶۱۵۵۰

۵۸۵۱۵۸۲۱۵۸۰-۸۲۱۵۷۶

۵۹۲۱۵۹۳۱۵۹۱۱۵۸۹۱۵۸۷

۶۰۳۱۶۰۲۱۵۹۸-۶۰۰۱۵۹۶

۶۱۲۱۶۰۵

صحیحین

۶۰۱۲۰۷۱۲۹۲۱۲۸۲

۵۷۱۵۶۱۱۵۰۳۱۲۸۵۱۲۸۳

صحیح مسلم

۲۵۲۱۲۵۱۲۴۱۲۳۱۲۲۱۲۱۲۰۲۸۲

۳۶۶۱۳۶۳۱۳۶۱۳۵۱۳۴۱۳۳۱۳۲۰

۲۹۰۱۲۷۷۱۲۷۰۱۲۶۰۲۱۳۹۲۱۳۹۱

۲۶۷۱۲۶۳۱۲۶۲۱۲۵۰۱۲۱۹۱۲۱۰

۵۴۵۱۵۳۳۱۵۲۵۱۵۲۳۱۲۷۹

۵۸۷۱۵۸۲-۸۵۱۵۷۵۱۵۶۱

۶۲۲۱۶۰۲-۲۱۵۹۲-۹۸۱۵۹۲

۵۷۴

صفہ الصفوة

(ط)

طبری

تاریخ طبری

طبقات ابن سعد (کتاب الطبقات الکبریٰ)

۱۵۲۱۵۰۰۳۹۲۱۲۹۶۱۱۵۸-۶۰

| | | | |
|-------------------------|-------------------------------|------------------|----------------------------------|
| ۸۸ | المجسطی | ۴۱۳ | فتوح البلدان |
| ۲۲۶، ۲۲۳، ۲۲۸ | مصحح بحار الأنوار | ۳۲۵ | فرہنگ عمید |
| ۲۷۸، ۳۹۷، ۳۳۰، ۲۲۸، ۲۲۷ | | ۱۲۸ | الفصول |
| ۵۹۵، ۵۰۰ | | ۱۱۸ | فقه الزکاة |
| ۲۶۰ | مجموعہ مباحث علمیہ | ۲۴۴ | فقه اللغة |
| ۲۶۰ | مجموعہ الوثائق الیاسیہ | ۵۶۰ | فیوچر شاک (FUTURE SHOCK) |
| (MOHAMMAD AND | محمد اینڈ محمدانزم | ۱۰۱ | تقدیم عراق |
| ۷۷ | MOHAMMADANISM) | ۲۷۵ | قصیدہ بانٹ سعاد |
| | محمد اینڈ دی رائس آف اسلام | | (ک) (ل) |
| | MUHAMMAD & THE RISE OF | ۱۹ | کاروان مدینہ |
| | ISLAM | ۳۹۳، ۲۳۶، ۶۲ | کامل ابن اثیر |
| ۲۲۶ | محمد اینڈ دی یوہوس | ۱۲۶، ۱۰۱، ۴۴، ۴۳ | کتاب الاضمام |
| ۳۴۳ | (MUHAMMAD & THE JEWS) | ۲۶۰ | کتاب الاموال |
| | محمد کثیت پیغمبر اور سیاستدان | ۵۷۴ | کتاب الزہد |
| | (محمد پرافٹ اینڈ ایسٹس مین) | ۶۸ | کتاب الشعر والشعراء |
| | (MUHAMMAD, PROPHET AND | ۶۰-۱، ۵۹۹، ۵۹۷ | کتاب الشفاء |
| ۴۰۶، ۲۹۸ | STATESMAN) | ۳۴۴، ۲۷۳ | کتاب مقدس |
| ۲۴۴ | المختص | ۲۳۸ | کتب مقدسہ |
| ۶۹ | مزا میر داؤد | ۶۱۷ | کنز العمال |
| | مسلم رول ان انڈیا | ۳۷ | الکنز المصود فی قواعد التلمود |
| ۵۴ | (MUSLIM RULE IN INDIA) | ۳۳۸ | کیمبرج ہسٹوری آف اسلام |
| ۲۹۶، ۱۷۴، ۹۸، ۷۱ | سند نام احمد | ۳۹۷، ۶۴ | لسان العرب |
| ۵۹۴، ۵۸۵، ۵۴۳، ۵۳۸، ۳۹۳ | | | (۳) |
| ۵۹۹، ۲۵۹۸ | | | ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین |
| ۵۷۴ | سند ابی داؤد | ۳۷۹، ۲۲ | |

۶۶۰۵۳ منوٹا ستر

۲۷۶،۲۳۲،۳۷۷ موہب لدینہ

۲۸۰

۵۲ مہا بھارت

۳۲۳ مآثر شہداء و ہیود

۵۲۲،۲۳۳،۱۱۸ مؤطا امام مالک

(۵) (۶)

۴۹،۴۸ نامہ منتشر (ایرانی دستاویز)

۳۷۷-۷۹ نامہ مبارک - فرمان نبوی

۳۹۱،۳۸۷،۳۸۳

۳۸۷ النجوم الزاہرہ

۲۱۳ نصب الرایتہ

۱۳۶ نور النیراس

۴۱۷،۴۰۳ نہایتہ الارب

نیو کیتھولک انسائیکلو پیڈیا

(NEW CATHOLIC ENCYCLOPAEDIA)

۴۰۱۳۷

وقاء الوقاء فی اخبار دار المصطفیٰ

۲۳۷،۲۳۷،۲۲۲

۳۵ وید

(۷) (۸)

ہستور ڈے لائرکی

۸۰ (HISTOIRE DE LA TURQUIE)

ہستوری آف میڈیا ول ہندو انڈیا

(HISTORY OF MEDIAEVAL HINDU

۴۲

INDIA)

مسیح سے قسطنطین تک

۳۹۹ (FROM CHRIST TO CONSTANTINE)

مسیحیت علم جدید کی روشنی میں

(THE HISTORY OF CHRISTIANITY IN

THE LIGHT OF MODERN

۳۸

۴۰۲ شکل الآثار

۶۲۲،۱۱۲،۵۹۲،۳۳۶ مشکوٰۃ المصابیح

۳۶

۱۱۷ مصنف ابن ابی شیبہ

۵۸۵

۱۳۴ مصنف عبد الرزاق

مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی

۳۸۲

۴۷۷،۲۴۷ معجم البلدان

۴۳۷

۴۰۰ معجم الشعراء

۱۲۲ معرکہ مذہب و سائنس

معلقہ زبیر بن ابی سلمہ

۴۴۴،۴۲۶ المغازی

۲۳۹،۲۰۲ المغائم المطاہ فی معالم طابہ

المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام

کتبہ والمدینتہ فی الجاہلیتہ و عہد الرسول

۲۳۶،۲۳۵،۲۳۱،۱۱۲۶

۲۴۰ منزل الوحی

منصب نبوت اور اس کے عالی مقام

۷۳،۳۵،۱۲۸

حالیین

ہسٹورین ہسٹوری آف دی ورلڈ

(HISTORIANS, HISTORY OF THE

۴۶ WORLD)

۳۷۷ (جوبدہ - مصر) الجلال

۴۱ ہندوستانی تمدن

۲۳۲، ۲۳۳ ایہودی فی بلاد العرب

۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰

۳۷ ایہودی تمدن کی روشنی میں

ہسٹوری آف سیریا

(HISTORY OF SYRIA)

۱۰۰۷۹۹

ہسٹوری آف فلاسفی

(HISTORY OF PHILOSOPHY)

۵۵

ہسٹوری آف یورپین مورلس

(HISTORY OF EUROPEAN MORALS)

۵۶

مَقَامَات

۳۸۳، ۳۷۱

آرینیا

۶۳۳، ۳۷۷

اسپین

۳۹۹، ۳۸۶، ۸۸، ۷۸، ۷۷

اسکندریہ

۴۰۰

۴۷

اسیریا

۴۰۶، ۲۶۸

اعظم گڑھ

۳۸۱، ۱۱۵، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲

افریقہ

۶۳۳، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۳

اکسوم (AXUM) (بیشہ کا دارالسلطنت)

۳۸۹

۳۸۹، ۳۷۹

آکسفورڈ

۴۰۰

البریا (ILLYRIA)

ام القریٰ دیکھیے مکتہ المکریمہ

۵۵۹، ۳۲۶

امریکہ

۲۰۸

۵۱۲، ۱۳۱

۵۶

۱۳۶

۳۱۳، ۳۱۲، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳

۶۰۶، ۵۸۹، ۵۸۸، ۵۷۶، ۵۳۳

۴۰۲

۴۵۴

۸۹

۳۷۷

۴۷

۴۸۶

۳۷۸

(الف)

البحر

الابواء

اٹلی

اجیاد

احد

۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰

الاحساء

احص

اختاف

انجیم

آذربائیجان

اذرح

اردن

۲۲۲ بغداد
 ۲۷ بلخ
 ۲۲۲ بلقان
 ۵۳۵۱۲۸۰-۱۲۲۳۱۲۲۲ بلقاع
 ۳۸۰ بھوپال
 ۲۲۳ بیرجاء
 ۵۱۱۱۱۲ بیروت
 (پ) پاکستان
 ۶۳۳ پنجاب
 ۵۴ پونہ
 ۲۲ پیرس
 ۳۰۱۱۸۰ (ت) (ث) تنبوک
 ۲۷۷۱۳۹۱۲۵۳۱۹۰ ترکستان
 ۵۹۳۱۲۸۲-۸۸۱۳۸۲ تنقیم
 ۶۳۳ تیماء
 ۲۰۸ تفتیۃ الوداع
 ۲۱۸۱۲۱۷ (ج) جحفہ
 ۵۲ جردہ
 ۱۱ جوباء
 ۲۸۶ جوف
 ۵۳۶۱۵۳۵ جزائر شرقیہ ہند
 ۶۳۳ جزیرہ العرب
 ۵۸۱۵۴۱۲۳۱۲۲

۴۱۲ اندلس
 ۲۶۲۱۲۵۸ اوطاس
 ۳۸۸ (ETHIOPIA) ایتھوپیا
 ۵۷ ایتھنس
 ۲۸۰۵۰۰۲۶۱۲۰۰۳۹۱۳۵ ایران
 ۲۸۱۲۵۱۲۳۱۶۵۲۶۲۱۵۷
 ۶۳۳۲۹۸۱۳۹۲۱۳۹۱۲۸۶۱۳۸۲ ایشاء
 ۲۸۱۱۱۵۱۸۱۷۳۱۵۷۱۲۱ ایشاء کوچک
 ۶۲۳۱۳۸۳ ایلہ- ایلیا (عقیہ)
 ۲۷۷-۷۹۱۸۲
 ۲۸۶ (ب) بابل
 ۳۶ بادیع عرب
 ۵۵۴ باز نظینہ
 ۵۷ باؤلی بنی عدی
 ۱۳۱ بتراء (بطراء) (PATRA)
 ۹۹ بحرین
 ۶۰۶۱۲۰۳۱۲۰۲۱۸۲ پدر
 ۲۹۱۲۸۸۱۲۸۲۱۲۸۲۱۲۷۹
 ۵۶۳۱۲۳۸۱۳۲۲۱۳۱۱۱۲۹۶
 ۶۰۶۱۵۸۶۱۵۸۰ برک الخاد
 ۲۸۱۷۲ برک خندان
 ۲۸۱ بڑوودہ
 ۳۸۰ بصری
 ۲۲۲۱۲۲۱۲۳۸۳۱۳۳۱۳۲
 ۶۰۷

۵۲۸ سقیفه بنو ساعده

۵۲۷ سخ

۴۷ سندھ

۳۸۰ سندھیا (گوا بیار)

۴۷ سینقان

شام سیریا دیکھے

(ش)

۸۴،۲۶،۲۴،۳۹ شام - سیریا

۱۱۷،۱۱۶،۱۱۴،۱۰۵،۱۰۱،۹۹،۹۰

۲۵۳،۲۲۶،۱۹۵،۱۳۷،۱۳۲

۳۶۷،۳۲۷،۳۲۰،۲۹۸،۲۸۰

۴۷۹،۴۷۷،۴۵۰،۴۲۷،۴۱۸

۶۳۳،۵۹۰،۵۳۵،۵۰۵

۴۲۱،۲۹۹ شرق اردن

۸۲ شط العرب

۶۰،۶۰،۱۸۰ شعب ابی طالب

۴۴ شمالی افریقہ

(ص)

۸۲ صحراء بحرین

۶۰،۶۰،۵۸۸ صفہ

۱۳۳،۱۰۷،۱۰۴ صنعاء

(ظ)

۱۸۹،۱۸۸،۱۸۲،۱۷۵،۱۱۵ طاقت

۲۶۷،۲۶۵،۲۶۳،۲۵۸،۲۷۲

۲۷۲،۲۷۳

۴۷ طبرستان

(۷) (۵)

۱۵۸ دار ارقم

۱۱۳ دارالندوة

۵۳۵ داروم

۳۴،۱۶ دائرہ شاہ علم الشہ

۴۷۷،۱۹ دمشق

۳۹۱ دوسہ

۲۸۷،۳۲۲ دومتہ ابنجدل

۵۴ دہلی

۵۲۰ ذوالحلیفہ

۵۱۲ ذی طوی

(س)

۳۴،۱۶ راعے برلی

۸۹ ریح خانی

۲۰۸،۳۱۶ ریح

۲۹۴ روحاء

۴۳۶ روضۃ الخاخ

۹۹ روما

۱۱۷،۱۰۵،۱۹۰،۱۸۶،۱۶۲،۴۴ روم

۳۸۲،۳۸۱،۳۷۸،۳۷۳

(س)

۲۳۴،۱۹۷ سداب

۴۷ سرخس

۸۸ سسلی

۳۰ سعودیہ عربیہ

۴۷ سفد

(۷)

۴۰۲۰۳۳۷۷۳۲۱۰۸۲ نجر

۵۹۵۷۲۰۶

۹۰

۳۳۱

۵۱۴

۴۰۰

۵۶۰۷۹۷۵۵

۵۴

نجران

نخل

نمره

نیقیه (NICAEA)

نیویارک

نئی دہلی

(۸)

۲۸۴

۳۲۵۷۲۲۴

۲۴۴۷۷۰۷۶۹ وادی بکہ - وادی کک

۴۶۰

۵۱۲

۵۱۲

۲۵۴۷۲۴۵

۱۰۱۷۹۹

۴۲۸۷۴۱۸۷۴۱۷

۱۱۱

۵۱۸

۴۴۰

وادی بدر

وادی بطحان

وادی حنین

وادی شرف

وادی عسفان

وادی عقیق

وادی فرات

وادی القرئی

وادی قیقان

وادی محسر

وادی واقم

(۹)

۴۷

۵۱۷۴۱-۴۳۷۳۵۷۵ ہندوستان

۱۱۶۷۸۸۷۷۶۷۵۷۵۸۷۵۲

ہرات

ہندوستان

۱۱۸۷۱۱۶۷۱۱۵۷۱۰۹-۱۳۷۱۰۷۷۱۰۵

۱۳۹۷۴۱۱۳۶۷۱۳۳۷۱۳۱۷۱۰۲۰-۲۶

۱۶۸۷۱۶۰۷۱۵۸۷۱۵۱۷۱۳۶۷۱۳۴

۱۸۹۷۱۸۶۷۱۸۵۷۱۸۲۷۱۸۱۷۱۷۷۸

۲۰۷۷۲۰۷۱۹۸۷۱۹۴۷۱۹۳۷۱۹۰

۲۲۱۷۲۱۹۷۲۱۴۷۲۱۳۷۲۱۰۷۲۰۹

۲۴۷۷۲۴۶۷۲۴۴۷۲۴۱۷۲۴۰

۲۵۹۷۲۵۸۷۲۵۱۷۲۴۷۲۴۹

۲۶۵۷۲۶۹۷۲۶۸۷۲۶۸۰۷۲۷۴

۳۲۹۷۳۲۴۷۳۱۶۷۳۱۹۷۳۱۹۸

۳۶۵۷۳۶۴۷۳۵۷۳۵۷۳۵۰

۴۱۹۷۴۰۶۷۳۸۹۷۳۶۷۳۶۷۳۶۹

۴۴۳۷۴۴۱۷۴۳۶۷۴۳۶۷۴۳۹۷۴۳۹

۴۵۴۷۴۵۲۷۴۵۱۷۴۵۱۷۴۵۱

۴۹۹۷۴۹۳۷۴۹۲۷۴۹۱۷۴۹۰

۵۸۷۵۱۸۷۵۱۷۵۱۷۵۱۷۵۱۷۵۰۰

۶۰۷۷۶۰۷۶۰۷۶۰۷۶۰

۵۱۹

۵۱۸۷۵۱۴۷۵۱۰۷۵۰۷۴۹۸ منی

۵۱۹

۴۰۳

۴۲۵۷۴۲۳۷۴۲۱

۵۱۵

۲۲۴

۴۷

۴۹۷۴۸

منی

منی

منفوسہ

مونتہ

موقت

مہزور

میڈیا

بینوی

۱۹۸۱۹۷۱۱۲۳۱۱۶۷۱۱۲۱۰۶۱۰۵
 ۳۸۹:۳۸۸۱۲۸۲۲۲۲۲۲۳۲
 ۵۹۰۷۲۰۷۰۲-۲۰۲۵۰۰۳۹۲
 یورپ - مغرب ۵۷-۷۳۰۵۵
 ۵۵۸-۶۰۰۳۸۲۳۸۱۷۶
 ۶۳۱۷۲۳
 ۶۲۰۲۳ یونان

۶۳۳۷۲۳۷۱۹۳۸۹۳۸۲
 ۷۰
 ۲۱۲
 ۲۰۳۳۲۹۳۳۸۱۱۵۱۲
 ۹۰۷۸۵۸۲۸۲۷۲۲۷۷
 یرشرب
 یرموک
 یروشلم
 یرانه
 یرمن

مُتَفَرِّقَات

۳۸۹۳۸۸۸۲۱۸ بحرام
 ۶۲۰۲۲ بحراوقیانوس (بحرظلمات)
 ۸۷۰۲۲ بحیروم
 ۲۷۷۸۲ بحیرقلم
 ۲۲ بحیرالکابل
 ۸۱ بحیرهند
 ۹۰ بحیرةلوط
 ۲۷ دریاغےسندھ
 ۱۰۱۷۸ فرات
 ۵۱۹۱۹۱۲۵ بحرزمزم
 ۳۱۸ برعمونہ
 ۵۲۳ حوضکوتر
 ۵۲۰۷۲ غدیرخم
 ۳۵۰ مرینیع (چشمہ)
 حصون وقلعہ:
 ۲۰۶ حصن السلام

بہار، نہر و دریا، کنواں و قالاب:
 ۵۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳۳
 ۶۰۶۷۵۸۹۷۵۸۸۱۵۷۶
 ۱۱۱ جبل البقیس (اعوت)
 ۱۱۱ جبل احر
 ۵۹۲ جبل تنیم
 ۲۲۰ جبل قدید
 ۲۱۹ جبل قیعقان
 ۱۳۵ حراء
 ۲۷۷ حصی
 ۲۷۷ حشروی
 ۱۷۵۱۶۲۱۵۲۱۵۱۱۲۵ صفا
 ۵۱۳۰۲۵۱۲۲۱۱۷۷
 ۱۱۰ طور سینین
 ۲۸۲ کوہ قات
 ۵۱۳۲۲۱ مروہ

مسجد حرام (حرم کی) ۱۳۸، ۱۱۲-۱۴

۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۶۵، ۱۶۴

۴۴۱، ۴۳۹، ۳۲۱، ۲۷۶، ۲۷۵

۴۴۷، ۴۴۵، ۴۴۲

۱۹۶ مسجد عقیقہ

۲۵۵ مسجد قیام

۳۹۸ مسجد کلیسا

۴۵۴ ذوالمخلصہ (بت خانہ)

۱۰۴ القلیس (گرجا)

۳۹۹ کلیسا اسکندریہ

۴۹۷، ۳۹۸، ۳۸۷، ۳۹

۴۰۰، ۳۹۹ مصری کلیسا

۳۸۶ ملکائی کلیسا

۵۰۴ گرجا

۳۸۸ ہیکل سلیمانی

درس گاہیں، ادارے اور مطابع:

۷۴ انجینئرنگ کالج - ریاض

۴۰ اورینٹل کالج - لاہور

۵۴ پنجاب یونیورسٹی کالج

۲۶۰ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

۴۱ حیدرآباد یونیورسٹی

۱۶، ۱۳ دارالعلوم ندوۃ العلماء

۳۳، ۳۲

۷۴ ریاض یونیورسٹی

۳۳ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۴۰۶ حصن الشق

۴۰۶ حصن نظاۃ

۴۰۶ حصن الوطیح

۴۰۶ حصن الکتیبہ

۴۱۸ قلعہ الابن الفرد

۳۳۲ قلعہ بنی حارثہ

۴۶۵ قلعہ ثقیف

۴۸۷ قلعہ دومتہ الجندل

۴۱۰، ۴۰۹، ۴۰۶ قلعہ قمرص

۴۱۰، ۴۰۶ قلعہ نام

مساجد و عبادت گاہیں:

۴۳ بیت اللہ شریف - کعبہ شریف

۹۶-۹۸، ۷۶، ۷۷، ۷۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲

۱۲۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۰۳-۸، ۱۰۱

۱۷۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۱، ۱۲۸، ۱۲۵

۲۷۲، ۲۷۱، ۲۴۰، ۲۱۴، ۲۰۹، ۱۸۲

۳۶۳-۶۵، ۳۵۷، ۳۱۸، ۲۷۶

۴۴۹، ۴۴۳-۴۷، ۴۲۹، ۳۸۹

۵۰۰، ۴۹۶، ۴۹۵، ۴۵۴، ۴۵۰

۶۰۷، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۰۹

بیت المقدس - مسجد اقصیٰ ۱۸۹-۹۱

۳۸۳، ۲۷۰-۷۲، ۲۲۲

مسجد حرام - مسجد نبوی ۲۵۶، ۲۳۵

۵۰۶، ۴۷۴، ۳۴۱، ۲۵۸، ۲۵۷

۶۰۶، ۵۹۰-۷۵، ۷۴، ۵۴۶

۱۴۱، ۱۳۵، ۱۲۲ حرب الفجار
 ۲۲۲ رومی جنگ
 ۴۶۴ سرسہ ابوعامر الاشعری
 ۴۲۸ سرسہ انجیظ
 ۴۲۸ سرسہ ذات السلاسل
 ۲۴۳ سرسہ عبدالشہین جحش رند
 ۳۱۸ سرسہ عامر بن مالک (بشمیر) (بشمیر)
 ۲۴۳ غزوہ ابواء (بواہ)
 ۳۰۲، ۳۰۱، ۲۹۹، ۱۲۵، ۱۲۵ غزوہ احد
 ۵۸۱، ۵۳۱، ۴۶۱، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۶
 ۶۰۶، ۶۰۱، ۱۰۰
 غزوہ احزاب - غزوہ خندق ۱۲۳
 ۳۲۳، ۳۱۸، ۲۳۹، ۲۰۳، ۱۰۲
 ۳۴۹، ۳۴۴، ۳۳۸، ۳۳۶، ۳۲۸
 غزوہ بدر ۱۸۲، ۴۴۹، ۲۲۲، ۱۱۶
 ۱۴۹، ۳۰۰، ۲۹۱، ۹۴، ۲۸۶
 ۶۰۱، ۴۸۹، ۴۳۶، ۳۰۳
 غزوہ بنی قریظہ ۳۴۴، ۳۳۴
 غزوہ بنی نضیر ۳۰۴
 غزوہ بنی المصطلق - غزوہ مرسیہ
 ۵۹۵، ۴۵۲، ۳۵۰، ۳۰۹
 غزوہ تبوک ۶۸۰، ۴۴۴، ۴۵۲، ۴۵۳
 ۵۵۹، ۴۹۹، ۴۹۵، ۴۹۴، ۴۸۲، ۸۵
 ۶۲۴
 غزوہ حدیبیہ ۴۴۳
 غزوہ حنین - مکرہ ہمازان ۴۵۸، ۴۵۴

۶۱۹ اقوام متحدہ
 ۳۴۴ بائبل سوسائٹی
 ۶۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی
 ۵۵۸ داراحیاء الفرائد العربی
 ۵۵۳ دارالاندلس
 ۱۲، ۱۱ دارالشروق - جدہ
 ۳۴۹ دارالقلم (الکویت)
 ۴۰۶، ۳۶۸، ۲۵۵، ۲۵۵، ۲۵۵ دارالمصنفین - اعظم گڑھ
 دائرۃ المعارف الثمانیہ جیدر آباد
 ۲۶۰
 رابطہ عالم اسلامی - مکہ مکرمہ ۹۹، ۳۰
 بختہ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ
 ۲۶۰
 مجلس تحقیقات و نشریات اسلام یکھنؤ
 ۳۵، ۲۳
 مصطفیٰ البابی اچلی - مصر ۲۶، ۶۲
 ۵۸۴ المطبعۃ السلفیۃ
 ۴۰۳ مؤسسۃ الرسالۃ - مصر
جنگیں سرے اور غزوات:
 جنگ بُعات - یوم بُعات ۲۲۲، ۱۹۹، ۱۲۲
 ۲۶۳، ۲۳۶
 ۳۳۶ جنگ شمیر
 ۴۹۴ جنگ عظیم اول ۱۸-۱۹
 ۴۹۴ جنگ عظیم دوم ۱۹۳۹-۴۵
 ۶۰ جنگ یرموک

| | |
|--------------------|-----------|
| ۴۱۰ | خود |
| ۴۶۵، ۴۶۳ | دستہ |
| ۳۰۲ | دف |
| ۴۶۲، ۳۱۰ | ڈھال |
| ۴۲۸-۲۶۱، ۴۱۰-۴۸۴ | رایہ-پرچم |
| ۴۴۴ | |
| ۴۱۰، ۴۰۷، ۳۳۲، ۳۲۶ | رجز |
| ۵۷۶، ۵۸۵، ۴۵۸، ۳۳۲ | زرہ |
| ۴۳۱، ۴۳۰ | شخون |
| ۱۱۳ | عقاب |
| ۳۲۸، ۳۲۷ | کدال |
| ۴۴۵ | کمان |
| ۲۸۴، ۱۱۳، ۱۱۲ | لواء |
| ۴۶۶ | منجیق |
| ۴۲۳ | موریچ |
| ۴۲۸، ۳۱۸، ۳۱۰، ۳۰۹ | نیزہ |
| ۳۳۴ | یرغال |

وقود قبائل عرب برائے قبول اسلام:

| | |
|-----|---------------|
| ۵۰۲ | وقدازد |
| ۵۰۳ | وقد اشعریین |
| ۵۰۳ | وقد اہل یمن |
| ۵۰۵ | وقد بنی اسد |
| ۵۰۱ | وقد بنی تمیم |
| ۵۰۳ | وقد بنی اکارث |
| ۵۰۱ | وقد بنی حنیفہ |

| | |
|------------------------|-------------------|
| ۶۰۱، ۴۴۳، ۴۶۲-۶۴ | |
| ۴۵، ۴۴، ۳۲۱، ۲۲۶، ۱۷۴ | غزوہ خیبر |
| ۴۱۴-۱۸۰، ۴۱۲، ۴۰۸، ۴۰۶ | |
| ۳۲۲ | غزوہ دومتہ الجندل |
| ۳۲۱ | غزوہ ذات الرقاع |
| ۴۵۴ | غزوہ ذی الخلصہ |
| ۴۰۴ | غزوہ ذی قرد |
| ۳۱۹ | غزوہ الرجیع |
| ۵۳۶ | غزوہ زید بن حارثہ |
| ۴۲۸ | غزوہ سیف البحر |
| ۲۹۸، ۲۹۷ | غزوہ سویق |
| ۴۶۵ | غزوہ طائف |
| ۴۹۷، ۴۸۱، ۴۲۸، ۴۲۱ | غزوہ موتہ |

اسلحے اور متعلقات جنگ:

| | |
|------------------------------|----------------|
| ۳۰۳ | بھالا |
| ۳۵۹، ۲۳۶ | ترکش-نیام-میان |
| ۵۵۹، ۴۶۴ | |
| ۳۰۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۲۰ | تلوار |
| ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۳۱، ۳۲۲، ۳۱۸ | |
| ۴۶۰، ۴۲۰، ۴۲۶، ۴۲۲، ۴۱۷ | |
| ۶۱۵، ۶۱۲، ۶۰۱، ۵۹۵، ۴۷۶، ۴۶۲ | |
| ۳۳۳، ۳۰۹، ۳۰۲-۷، ۱۳۵ | تیر |
| ۴۷۳، ۴۶۵، ۴۶۰، ۴۲۸، ۴۱۲ | |
| ۵۳۵ | جیش اسامہ |
| ۴۹۵، ۲۷۳ | چھاپہ |

| | |
|------------------------------|--------------------------------|
| ۵۱۲، ۵۱-۱۲۷۳، ۳۵۸ | ۶۱۵-۱۱۵۶۲، ۵۱۳، ۴۲۷، ۴۰۲ |
| ۲۷۸ | ۶۲۲ عقیده کفار |
| ۵۵ | ۱۰۵، ۷۶، ۴۲-۱۰۵ |
| ۲۶۵، ۲۰۱ | ۱۲۰، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۹۱، ۱۲۶، ۱۳۲ |
| ۳۷ | ۵۵۹، ۴۰۳، ۳۸۹، ۳۸۸، ۱۹۸ |
| ۵۱۵، ۴۲۹، ۴۰۸، ۲۶۰ | ۶۲۳ |
| ۵۵، ۲۵۱۷ | ۲۹ فلسفه لذتیت |
| ۲۸ | ۴۷ فلسفه مالی |
| ۴۵۰ | ۶-۵، ۲-۵ |
| ۶۳ | ۴۷، ۴۶-۲ |
| ۵۶-۱۵۵۷، ۵۵۶، ۵۵۴ | ۴۶ |
| ۵۱۳ | ۴۸ |
| ۲۷۵ | ۶۳۴، ۶۱۹ |
| ۵۱۳ | ۳۹۹، ۳۹۸ |
| ۵۳۱ | ۴۲ |
| ۳۷ | ۲۸۷، ۱۹۰ |
| ۲۸ | ۵۱۳، ۳۹۹ |
| ۲۸۶، ۲۰۱ | ۴۱-۴۳ |
| ۶۱۹ | ۷۶، ۳۶ |
| ۵۲۴، ۵۲۱، ۵۱۹ | ۲۶۶، ۲۳۳، ۱۰۰ |
| ۵۲، ۱۵۰۹، ۴۹، ۱۲۸، ۴ | ۴۹ |
| ۲۳ | اسلامی، مذهبی و اصطلاحی الفاظ: |
| ۷۴-۸۰، ۷۵، ۷۶، ۴۳، ۲۹، ۲۴ | ۳۹۹ |
| ۱۸۲، ۴۲۶، ۴۲۴، ۴۳۱، ۹۱، ۰۸ | ۶۳، ۶-۲، ۵۷۹، ۳۱۲ |
| ۲۸۶، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۵، ۱۹۹، ۲۰۱ | ۴۸۲ |
| ۳۸۲، ۳۷۹، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۰ | |

۲۸ جوامع الکفر
 ۳۲۱، ۳۰۹، ۳۰۸، ۲۸۹، ۲۸۳ جهاد
 ۲۶۲، ۲۳۵، ۲۳۲، ۲۱۱، ۳۳۲
 ۵۶۳، ۵۴۱، ۲۸۳
 ۵۹ جهل بیط
 ۵۹ جهل سادہ
 ۵۹ جهل مرکب
 ۲۴۵ حائظ
 ۵۰۹، ۲۹۸، ۲۵۶، ۲۰۶، ۲۰۱، ۱۰۱، ۱۰۰ حج
 ۵۷۶، ۵۳۳، ۵۱۸، ۵۱۳، ۵۱۱، ۵۱۰
 ۶۲۰، ۶۱۸
 ۲۴۹ حدود شرعیہ
 ۵۵، ۳۲، ۳۱، ۱۶ حدیث شریف
 ۲۹۳، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۶۶، ۲۳۵
 ۵۲۲، ۵۱۴، ۵۰۷، ۲۶۶، ۲۲۵ حرام
 ۵۸۶، ۵۶۲، ۵۵۸، ۵۵۲
 ۲۰۱ حشر و نشر
 ۵۵۸، ۵۲۸، ۵۲۳، ۲۲۵ حلال
 ۵۱۹، ۳۶۶، ۳۶۵ حلق
 ۲۹۹، ۲۰۵ حمیت جاہلی
 ۳۸۹ خراج
 ۵۴۹، ۵۲۸، ۵۲۷ خلافت
 ۵۱۸، ۲۹، ۲۸، ۱۰، ۱۰، ۱۰، ۱۰، ۱۰، ۱۰ دعاء - تصریح - اہتہال
 ۳۶۷، ۳۳۲، ۲۲۵، ۲۳، ۲۳ دعوت اسلامی
 ۵۰۰، ۲۱۷، ۲۸۹، ۳۷۲، ۳۷۱
 ۲۳۲، ۳۱۹، ۱۱۸، ۱۱۳، ۱۱۳ دیت - خون بہا

۲۷۷، ۲۴۲، ۲۳۰، ۲۱۱، ۳۹۵
 ۵۵۴، ۵۵۱، ۵۴۷، ۵۲۹، ۵۰۲
 ۶۱۵، ۶۰۹ - ۱۱، ۵۹ - ۵۵، ۸۸، ۵۶۲
 ۶۳۳، ۶۳۲، ۶۲۹، ۶۲۳، ۶۱۶
 ۲۷۳، ۲۵۱، ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۷ بیعت
 ۵۹، ۵۴۹، ۵۴۸
 ۲۴۴
 ۵۴۹
 ۵۲۹
 ۲۴۲
 ۳۶۹
 ۵۱۸
 ۵۱۸، ۵۱۷، ۵۱۲، ۲۴۱ تبلیغہ
 ۶۲۷، ۲۹۴
 ۵۱۸
 ۱۸۵
 ۹۲، ۸۸، ۷۷، ۷۲، ۷۲ جاہلیت - جہالت
 ۱۷۲، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۲۲، ۱۱۸، ۱۱۷
 ۲۵۴، ۲۴۸، ۲۳۷، ۳۵۳، ۳۳۱
 ۵۱۵، ۵۱۴، ۵۱۰، ۵۰۹، ۵۰۰، ۴۵۹
 ۵۸۷، ۵۸۶، ۵۷۸، ۵۲۴، ۵۲۲
 ۶۱۵، ۶۱۳، ۶۱۰
 ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۸
 ۲۱۲، ۲۱۱، ۳۰۹، ۲۹۱، ۲۹۰
 ۵۶۱، ۲۹۸، ۲۲۷، ۲۲۴
 ۴۰ جنین

تائیسرے تکلفین
 تجہیز و تکفین
 تحریف
 ترویج
 تعلیمات اسلام
 تکبیر
 تبلیغہ
 تویہ
 تہلیل
 تیرتھ
 جاہلیت - جہالت
 جزیہ
 جنت
 جنین

| | | | |
|-------------------------|-----------------------|-------------------------|----------------------|
| ٢١٢ | صبيحة | ٢٠٢ | ربوبيت |
| ٥٢٢، ٥٠٨ | صدقات | ٢٦٦ | رضاعت |
| ٣٢١ | صلاة نوح | ٥١٣ | رمل |
| ٢٢٩ | صلاة الفتح | ٥١٩، ٥١٨ | رمى جار |
| ٢٤٩ | صليب | ٥٤٢، ٥٥٨، ٢٤٨، ٢٤٤ | روزه |
| ٢٢٦ | ضاغط | ٥٢٥، ٢٢٨ - ٣٠ | رهن |
| ٣٦٢، ٣٦٠، ٣٥٤، ١٦٠، ١١٠ | طواف | ٣٥٤ | روياغي صادق |
| ٢٩٥، ٢٥٣، ٢٢٦، ٢٢٥، ٣٦٥ | | ٥٢٣، ٥٠٨، ١١٨ | زكوة |
| ٥١٣، ٢٩٨ | | ٥٠٤ | زنا |
| ٥١٩ | طواف افاضه طواف زيارت | ٩٩، ٩٨ | سائمه - ساند |
| ٥١٩ | طواف وداع | ٢٩٥، ٢١٩ | سرايا |
| ٥٨٣ | عصبة | ٥٠٥ | سنت |
| ٣٥٩، ٣٥٨، ٣٢٨، ٢٤٥، ١٠١ | عمره | ٢٠١ | سنت الهبي |
| ٢٤٢، ٢١٩، ٣٦٥، ٣٦١ | | ٢٢، ٥١٥، ٥٠٤، ٢٣٠، ٢٢٨ | سود |
| ٢١٩ | عمرة القضاء | ٥٨٤، ٥٨٦، ٥٢٥ | |
| ٣٩ | غناصر اربع | ٦٣١، ٢٦٤، ٢٣٠ | ياست |
| ٥٠٦ | عيد الاضحي | ٢٣٥ | سيرت - سيرت نبوي |
| ٢٩٥ | عزوات نبوي | ٥٠٤ | شراب |
| ٥٥٢ | فتوى | ٥٥٨، ٥٢٩ | شريعيت |
| ٢٤٥، ٢٩٦ | فديہ | ٥١٣ | شعائر |
| ٥٥٨ | فرائض واحكام | ٥٥ | شعر جاہلي - اشار عرب |
| ٦٣ | قطرت | ٥٥٥، ٥٥٥، ٢٩، ٢٨ | شئائل وخصائل |
| ٥١٨، ٥١٣ | قبلہ | ٥١٣ | شوط |
| ٥١٩، ٥٠٦، ٣٦٦، ٣٦٥ | قرباني | ٣٠٩، ٣٠٨، ٢٨٩ - ٩٢ | شہادت |
| ٢٥٩، ٢٩٦ | قصاص | ٢٢٠، ٢٢٤، ٢٢٥، ٢٢٣، ٣١٢ | |
| ٦١٥، ٥١٥، ٣١٣ | قيامت | ٥٨٨، ٥٣١، ٢٤٣ | |

۳۶۸ نجاست
 ۲۶۴۲۶۲۲۶۱ نفاق
 ۲۴۱۳۹۶۳۹۵۲۶۰۱۹۲ نماز
 ۵۱۷۵۱۵۱۵۱۹۲۱۸۵۱۷۲۴ نازک
 ۵۴۱-۲۳۵۲۸۱۵۲۶۵۱۸
 ۵۸۵۱۵۸۱۵۷۱-۷۳۵۵۰
 ۵۵۰۱۸۷۷۱۲۱۲۳۱۳ نمازجازه
 ۲۴۲ نوروز
 ۶۳ نیت
 ۳۵۵۲۰۱۷۷ وحی
 ۵۳۷۵۳۶۵۱۵۱۵۱ وصیت
 ۵۴۳۱۵۴۱۵۴
 ۲۸۵۱۳۶۲ وضو
 ۱۶۸۱۶۷۱۵۸۱۱۶۲۲ هجرت
 ۲۹-۲۰۵-۷۲۰۳۱۹۹۱۹۸
 ۲۲۸۱۲۳۹۲۳۲-۳۶۲۱۹
 ۲۸۹۳۵۳۲۷۲۵۳۲۲۹
 ۲۲۶۲۳۹۲۲۳۶۲۱۳۲۱۲
 ۵۵۱۵۰۸۱۲۹۵۱۷۷۹۲۶۹
 ۲۷۵ بگو
 ۲۲۵ یوم عاشوره
 ۵۱۸ یوم النحر

بت و بت خانے:
 ۱۲۵ اسان
 ۱۲۵ اخلصه

۵۹۱ کلمہ شہادت
 ۵۴۲ لعنت
 ۶۵ لگان ٹیکس
 ۲۱۷۷۱۲۱۲۱۲۳۰۳۰ مال غنیمت
 ۲۷۱۲۶۸۲۶۷۷۲۶۲۱۸
 ۲۷۳
 ۵۰۵ مباہلہ
 ۳۱۲۳۱۱ شلہ
 ۲۳۸ یدراس (بیچدی مدراس)
 ۶۳ مساوات
 ۶۳۱۲۲۳۷۱۳۲۸۲۹ معجزات
 ۲۹ معراج
 ۲۶ معروضی طریقہ
 ۳۲۳۱ مغربی آخذ
 ۲۹ مکارم اخلاق
 ۵۱۷۵۱۶ مناجات
 ۵۳۳۵۱۸۱۵۱۳ مناسک
 ۱۵۲۲۲ منصب نبوت
 ۲۵۹۲۵۸ مؤافاة
 ۲۶۱۲۲۲ مؤذن
 ۲۶۸۲۶۷ مؤلفۃ القلوب
 مہرجان
 میراث
 ۱۱۹ میقات
 ۲۷۳ نان نفقہ
 ۵۱۵
 ۳۶۸ نجات

| | |
|---------------------------|-------------------|
| ۲۲۶۰۱۱۳۰۱۱۲ | حجایہ |
| ۱۱۳۰۱۱۲۰۹۷ | رفادہ |
| ۲۲۷۰۱۱۲ | سدانہ |
| ۲۲۷۰۲۲۶۰۱۱۳۰۱۱۲۰۹۷ | سقایہ |
| ۱۱۳ | قبتہ |
| ۲۸۲۰۱۱۳۰۱۱۲ | لواء |
| ۱۱۳۰۱۱۲۰۹۷ | ندوہ (مجلس شورئی) |
| ایشیاء خور و اجناس پڑھوئے | |
| ویاغات: | |
| ۲۸۵۰۳۲۹۰۲۲۶۰۲۲۵ | آگیا |
| ۵۹۹ | |
| ۳۱۳ | اڈخو (گھاس) |
| ۱۱۰ | انجیر |
| ۱۲۶ | انڈا |
| ۲۶۶۰۲۲۳۰۱۱۸۸ | انگور |
| ۳۶۱۰۳۲۲ | ببول |
| ۲۲۶۰۱۱۶ | تیل |
| ۲۲۶۰۲۲۵۰۱۲۵۰۱۱۸۰۱۱۷ | جو |
| ۵۹۹۰۱۵۲۵۰۳۳۰۳۲۹۰۳۲۷ | |
| ۲۲۰۰۲۱۵۰۱۲۶ | دودھ |
| ۱۱۵ | رطب |
| ۵۹۷۰۱۱۶ | زعفران |
| ۲۱۵۰۲۲۶ | زہر |
| ۲۸۷۰۱۱۰ | زیتون |
| ۲۰۷۰۲۹۷ | ستو |

| | |
|-----------------------|--------------------|
| ۶۱۹۰۷۹۰۲۳۰۲۱۰۲۳۸ | دیوتا۔ دیوی |
| ۱۰۰ | ذوالشراء |
| ۵۰۸ | رتہ |
| ۱۰۲ | سوان |
| ۳۸-۲۰ | سورج دیوتا |
| ۲۳۰۱۹۳۰۱۵۷۰۱۲۵۰۱۰۰ | عربی |
| ۵۰۱۰۲۵۲۳۱۱۰۲۲۱ | |
| ۱۹۳۰۱۸۵۰۱۵۷۰۱۰۰ | لات |
| ۵۲۷۵۰۱۰۲۲۷۰۲۲۵۲۲۴۰۲۲۳ | |
| ۱۲۵ | مطعم الطیر |
| ۲۵۲۰۲۲۱۰۲۲۰۰۱۰۰ | اننا |
| ۱۲۵ | ناملہ |
| ۱۰۲ | نسر |
| ۱۲۵ | تھیک مجاود التریح |
| ۱۰۲ | بود |
| ۳۱۱۰۲۲۱۰۱۸۵۰۱۲۵۰۱۰۰ | ہیل |
| ۱۰۲ | یعوق |
| ۱۰۲ | یعورت |
| ۲۵۲ | ذوالخلصہ (بت خانہ) |
| ۲۵۲ | الکعبۃ الشامیہ |
| ۲۵۲ | الکعبۃ البیانیہ |
| منصب و عہدے: | |
| ۱۱۳ | ازلام |
| ۱۱۳ | اعنہ |
| ۱۱۳ | ایسار |

| | | |
|--------------------|------------|--|
| ۱۱۶ | ٹین | سلطنتیں اور عہد: |
| ۱۱۶ | بواہرات | انگریزی اقتدار ۵۲ |
| ۳۲۲، ۲۴۷، ۲۴۴، ۱۱۷ | چاندی | ایرانی شہنشاہی ۶۳، ۵۸، ۵۷، ۴۶ |
| ۲۶۴ | | ۲۷۸، ۳۸۲، ۶۵ |
| ۲۱۹ | جھلی | یازنطینی سلطنت ۵۷، ۵۱، ۴۶، ۴۴ |
| ۱۱۶ | چمڑہ کھال | ۲، ۱۱۳، ۹۸، ۳۸۶، ۸۹، ۳۸۴، ۳۷۹، ۵۸ |
| ۱۱۶ | ریشم | ۴۸۱ |
| ۵۹۷، ۱۱۶ | زعفران | ۳۸۰ |
| ۲۸۸، ۲۴۷، ۲۴۴، ۱۱۵ | سونہ | دولت ساسانیہ، سلطنت آل ساسان ۴۷ |
| ۵۷۶، ۵۳۸، ۳۸۶، ۳۸۵ | | ۳۹۸، ۳۹۲، ۳۸۴، ۵۷، ۵۵، ۴۹ |
| ۱۱۶ | صندل | روم و اکیبری - رومن شہنشاہی - روی عہد |
| ۱۲۵ | عقیق | ۲، ۲۱، ۳۸، ۱۹، ۱۹، ۸۸، ۶۳، ۴۷ |
| ۱۱۶، ۱۱۵ | کپڑا | ۶۱، ۴۵، ۲، ۴۸، ۱، ۴۷ |
| ۱۱۶ | گرم سالہ | ۴۴ |
| ۱۱۵ | گوند | عہد ابراہیمی ۱-۱ |
| ۱۱۶ | لوبان | عہد جاہلیت ۱۲، ۱۱۸، ۱۱۷، ۳۵، ۲۳ |
| ۱۱۶، ۱۱۵ | ہاتھی دانت | ۲۷۵، ۲۰، ۴۱، ۲۳ |
| ۲۱۹ | ہڈی | عہد خلافت حضرت ابو بکر صدیق ۴۷ |
| ۲۴۸ | پینی دانت | " " حضرت عثمان ۴۳ |
| | | " " حضرت عمر فاروق (عہد فاتحی) |
| | | ۵۲۵، ۴۷۹، ۳۹۶ |
| | | عہد قطب الدین ایبک ۵۳ |
| | | عہد نبوت و رسالت (محمدی) ۲۲۶، ۱۲۵، ۱۱۷ |
| | | سکے، اوزان، پیمانے اور ظروف: |
| ۵۳۸ | اشرفی | |
| ۲۶۴، ۲۴۶، ۱۱۹ | اوقیہ | |
| ۱۱۷ | بغلیہ | |
| ۱۱۷ | بیزنطیہ | |
| ۲۴۶ | دانت | |
| | | معدنی اشیاء و پیداوار: |
| | | آبنوس ۱۱۶ |
| | | اگر بی ۱۱۶ |

۴۵ باز لطفینی سوسائٹی
 ۵۰۳ شعائر اسلام
 ۶۷ عجمی معاشرہ
 ۵۵۸۱۸۴۶۷ عربی ماحول و معاشرہ
 ۲۲۱۲۸۱ عرب تہذیب و تمدن
 ۳۹۹۱۳۹۸ عیسائی معاشرہ
 ۲۲۹ مغربی معاشرہ
 ۵۵۹۱۵۵۸ مغربی تہذیب
 ۲۳۲۱۲۲۱ یہودی معاشرہ

**زیورات، ایشیاء زینت
 و دیگر سامان استعمال:**

۲۲۸ انگلو پٹی
 ۲۲۸ بازوبند
 ۲۲۸ بالی
 ۲۲۸ بندہ
 ۲۲۷ پارہ
 ۲۲۸ پازیب
 ۳۸۵۱۲۲۷۱۱۵ عطر
 ۲۲۷ عنبر
 ۲۲۸ کڑھ
 ۳۲۸۱۲۲۰۲۱۹ گنگن
 ۲۲۷ مشک
 ۲۲۸ ہار
 ۲۲۸ آبخورہ
 ۲۲۸ پیالہ

درہم ۲۲۶۱۱۲۶۱۱۸۱۱۷۱۱۵
 ۵۷۷۱۵۷۳۱۵۲۴
 دینار ۲۸۲۱۲۷۶۱۳۶۱۱۷-۱۹
 ۵۷۶۱۵۷۳۱۵۲۵۱۵۲۴
 DENARIUS (رومی سکہ) ۱۱۷
 رطل ۲۲۶۱۱۱۹
 سوداء دامیہ ۱۱۷
 ثقاق ۲۲۶
 صاع ۵۹۴۱۵۲۵۱۲۲۶۱۱۹
 طباق ۱۸۸
 طبریہ ۱۱۷
 عرق ۲۲۶
 فرق ۲۲۶
 قزنگ (طلائی) ۳۸۶
 قنطار ۲۲۶
 قراط ۲۲۶۱۱۳۶
 شقال ۳۸۶۱۳۸۵۱۱۷-۱۹
 مد ۲۲۶۱۱۱۹
 نوا ۲۲۶
 وسن ۲۲۶۱۲۳۰۲۲۹
 معاشرے، سوسائٹی
 اور تہذیب و شعائر:
 اسلامی معاشرہ ۲۶۲۱۲۶۳۱۲۲۱
 ۵۵۵۱۲۳۵
 ایرانی سوسائٹی ۴۸

| | | | |
|--------------------|------------------------|---------------|-------------------|
| ۲۲۸ | بیج المزابنہ | ۲۰۸۱۲۲۵ | پھاوڑہ |
| ۲۲۸ | بیج المصراۃ | ۵۹۹۱۵۹۸ | تیکبہ |
| ۲۲۸ | بیج نسبیہ | ۲۹۳۱۳۲۹ | تنور |
| ۱۱۶، ۱۱۵ | تجارت - تجارتی کاروبار | ۲۲۸ | ٹوگری |
| ۵-۷۲-۱ | | ۲۰۸ | جھابہ |
| ۲۲۸ | تلقی الرکیان | ۶۰۲ | چھری |
| ۱۱۵ | حجام | ۵۱۲ | چنبہ |
| ۱۶۳، ۱۶۰ | جادوگری | ۲۲۸ | چراغ |
| ۲۲۹ | خشست سازی | ۵۷۲، ۳۳۵، ۳۲۹ | دیپچی |
| ۲۹۷ | دکانداری | ۲۲۵ | رہٹ |
| ۲۲۹ | رنگائی | ۲۲۸ | زنبیل |
| ۲۲۲ | زرگری | ۲۷۹ | غالیچہ |
| ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۹، ۲۰۱ | زراعت | ۲۷۹ | قرش |
| ۳۹۸، ۲۲۲ | | ۲۷۹ | قالین |
| ۲۲۹ | سلائی | ۵۷۶، ۵۱۷ | کجاوہ |
| ۲۹۷ | ناری | ۲۲۸ | کرسی |
| ۲۲۹ | سنگ تراشی | ۲۵۶ | ٹیکا |
| ۱۶۰ | شاعری | ۲۶۰ | شعل |
| ۲۲۹ | کٹائی | ۳۱۱، ۳۱۰ | مشکینہ |
| ۱۶۰ | کہانت | | |
| ۲۲۵ | مخافہ | | |
| ۲۲۵ | مخایرہ | | |
| ۲۲۸ | مخاضرہ | ۲۲۸ | اختکار |
| ۲۲۵ | مزابنہ | ۲۲۹ | بنائی |
| ۲۲۵ | مزارعہ | ۲۲۸ | بیج الحاضر للبادی |
| ۲۲۵ | معاومہ | ۲۲۸ | بیج الحجارفہ |

پختہ، صنعت و حرفت

اور معاملات:

نامہ مبارک بنام ہرقل ۲۴۷۳۸۳
فتوحات و صلحنامے و

عہد نامے:

فتح خیبر ۲۱۵-۱۷۱۴۱-۱۴۰۸
فتح شام ۵۰۵
فتح طائف ۲۶۶
فتح قرظہ ۲۱۹
فتح قلعہ نام ۲۱۰
فتح مصر ۳۸۸
فتح مکہ ۳۶۷۲۳۵۱۲۰۹

۲۲۳۱۲۲۹۱۲۲۸۱۳۹۰۱۳۶۹
۲۷۷۱۲۶۷۱۲۵۷۱۲۵۵۱۲۵۰
۵۹۰۱۵۰۰۱۲۹۹

فتح نصیبر ۲۱۹
صلحنامہ ۶۲۵ (عیسیٰ) ۳۸۷
عہد نامہ صلح حدیبیہ ۳۵۷۶۰
۶۵-۶۲۱۳۶۷۱۳۶۹-۷۱

۲۳۰۱۲۰۲۱۳۹۲
عہد نامہ مدینہ منورہ ۳۳۸۱۳۳۷

بعض اہم اور تاریخ ساز
واقعات:

ابتلاء کعبہ ۲۸۸۱۲۲۵
بغثتِ محمدی ۱۲۰

بیعتِ خلافت حضرت ابو بکر ۵۲۸۱۵۲۸

۲۲۹ معاری

۲۲۸ پنجش

زبان:

اردو ۲۲۱۲۰۱۳۳۱۹۱۵۱۲۰۱۱

۱۱ انڈونیشی

۱۸۱۲۰۱۱ انگریزی

۱۱ ترکی

۳۷۲ حبشی

۳۷۲ رومی

۲۳۸۱۲۳۱ عبرانی

۳۱۰۳۰۱۹۱۸۱۵۱۲۰۱۱ عربی

۳۷۲۰۲۲۲۱۱۷۱۸۵-۸۷۰۳۳

۲۶۲

۳۷۲۰۳۳۰۰۴۲ فارسی

۴۰ فرنج

۳۸۷۱۳۷۲ قطبی

۱۱ ہندی

نامہ ہائے مبارک:

۲۰۲۱۲۰۱۰۳۷۲ مکاتبِ نبوی

۵۰۴ نامہ مبارک بنام اہلِ بخران

۲۲۱ " " " شرجیل

۳۹۱ " " " کسریٰ

۳۸۷ " " " مقوقس

۳۹۰ " " " نجاشی

۵۰۵ واقعه مباحه
 ۱۸۹-۹۱ واقعه معراج
 ۵۵۲، ۵۵۸، ۵۵۶ وفات النبی
 هجرت نبوی - واقعه هجرت
 ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۳۵-۳۷
 ۳۹-۳۳۲، ۳۱۶، ۲۹۹

دیگر متفرقات:

۲۳۸، ۲۳۷ اطم - آطام
 ۲۳۸ اسواق عرب
 ۳۶۹ اکبر
 ۵۰ ایوان کسری
 ۵۰-۱ برص
 ۵۰ بهار کسری
 ۳۶۹ پارس
 ۳۶۹ پیغمبر
 ۲۲۰ شیر کا کسری
 ۳۹۲، ۲۲۰، ۲۱۹، ۱۵۰ تاج کسری
 ۳۸۴، ۲۱۹ تخت قیصر
 ۴۱۲ جیه مبارک
 ۵۰-۱ جذام
 ۵۰-۱، ۱۶۰ جنون
 ۵۱۳، ۱۳۸ حجر اسود
 ۵۳۳ حوض کوثر
 ۵۲۰ نحوه ابو بکر

۴۶۲، ۴۰۵، ۳۶۰ بیعت رضوان
 ۶۱ بیعت عقیقه ثانیه
 ۳۹۲، ۳۸۲ پیشین گوئی علیه روم
 ۵۱۹، ۵۰۹-۱۱، ۱۱۹ حجة الوداع
 ۵۸۶، ۵۷۶، ۵۳۳، ۵۲۱
 ۱۲۰، ۱۳۹ حلف الفضول
 ۵۳۹ خطبة الوداع
 صلح حدیبیه و کجھے فتوحات و صلح
 فتح مصر ۶۳۴
 فتح مکہ
 ۵۰۲ فتنه ارتداد
 ۱۸۰ مقاطعه قریش
 ۳۲۹، ۲۲۹، ۲۲۸ واقعه انک
 ۳۵۳ واقعه ام سلمه
 ۴۷۸ واقعه ایلاء
 ۲۷۲ واقعه تبدیل قبله
 ۴۳۶ واقعه حاطب بن ابی بلتعہ
 ۴۰۴ واقعه رجب
 ۵۶۲، ۵۶۱ واقعه سواد گربن
 ۱۳۰ واقعه شق صدر
 ۵۹۱ واقعه شہادت حمزہ
 ۴۲۸، ۴۰۳، ۳۰۳ واقعه عظیم محلی (عمر بن) (۳)
 ۱۰۸۱-۷۷۱-۳ واقعه فیل
 ۴۵۵، ۳۸۹، ۳۵۸، ۱۲۷
 ۳۹۲ واقعه قتل کسری ۶۲۸

| | | | | |
|---------|-------------------------|---|---|---|
| ۲۲۰،۲۱۹ | گلکن کسری | ۲۱۱ | دارالندوہ - ندوہ | |
| ۲۵۷،۲۵۶ | کھلیان | ۵۲ | ستی | |
| ۱۰۶ | محمود (باختی ابرہہ) | ۲۳،۲۱۹،۷ | ستار آب | |
| ۲۰۱،۲۰۰ | مسیحی دنیا | ۲۵ | سرس (کھیل) | |
| ۲۰۱ | مسیحی مجالس | ۲۴۷ | سوق بنی قنیقاع | |
| ۵۱۱ | موتے مبارک | ۳۹۱ | سیرت کالفرنس دوسرے شمارہ | |
| ۳۷۲ | مہر نبوی | ۲۴۵ | شراج پانی کی نایاں | |
| ۲۶۰ | ناقوس | ۳۸۳ | صلیب مقدس | |
| ۲۶۰ | گھنٹہ | ۲۸۷ | عیش بدر (چھپر) | |
| ۶۶ | (AUGUSTUS) (شاہانہ لقب) | ۲۴۷،۲۴۶،۲۴۵،۲۴۴،۲۴۳،۲۴۲،۲۴۱،۲۴۰،۲۳۹،۲۳۸،۲۳۷،۲۳۶،۲۳۵،۲۳۴،۲۳۳،۲۳۲،۲۳۱،۲۳۰،۲۲۹،۲۲۸،۲۲۷،۲۲۶،۲۲۵،۲۲۴،۲۲۳،۲۲۲،۲۲۱،۲۲۰،۲۱۹،۲۱۸،۲۱۷،۲۱۶،۲۱۵،۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲،۲۱۱،۲۱۰،۲۰۹،۲۰۸،۲۰۷،۲۰۶،۲۰۵،۲۰۴،۲۰۳،۲۰۲،۲۰۱،۲۰۰،۱۹۹،۱۹۸،۱۹۷،۱۹۶،۱۹۵،۱۹۴،۱۹۳،۱۹۲،۱۹۱،۱۹۰،۱۸۹،۱۸۸،۱۸۷،۱۸۶،۱۸۵،۱۸۴،۱۸۳،۱۸۲،۱۸۱،۱۸۰،۱۷۹،۱۷۸،۱۷۷،۱۷۶،۱۷۵،۱۷۴،۱۷۳،۱۷۲،۱۷۱،۱۷۰،۱۶۹،۱۶۸،۱۶۷،۱۶۶،۱۶۵،۱۶۴،۱۶۳،۱۶۲،۱۶۱،۱۶۰،۱۵۹،۱۵۸،۱۵۷،۱۵۶،۱۵۵،۱۵۴،۱۵۳،۱۵۲،۱۵۱،۱۵۰،۱۴۹،۱۴۸،۱۴۷،۱۴۶،۱۴۵،۱۴۴،۱۴۳،۱۴۲،۱۴۱،۱۴۰،۱۳۹،۱۳۸،۱۳۷،۱۳۶،۱۳۵،۱۳۴،۱۳۳،۱۳۲،۱۳۱،۱۳۰،۱۲۹،۱۲۸،۱۲۷،۱۲۶،۱۲۵،۱۲۴،۱۲۳،۱۲۲،۱۲۱،۱۲۰،۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷،۱۱۶،۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳،۱۱۲،۱۱۱،۱۱۰،۱۰۹،۱۰۸،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۵،۱۰۴،۱۰۳،۱۰۲،۱۰۱،۱۰۰،۹۹،۹۸،۹۷،۹۶،۹۵،۹۴،۹۳،۹۲،۹۱،۹۰،۸۹،۸۸،۸۷،۸۶،۸۵،۸۴،۸۳،۸۲،۸۱،۸۰،۷۹،۷۸،۷۷،۷۶،۷۵،۷۴،۷۳،۷۲،۷۱،۷۰،۶۹،۶۸،۶۷،۶۶،۶۵،۶۴،۶۳،۶۲،۶۱،۶۰،۵۹،۵۸،۵۷،۵۶،۵۵،۵۴،۵۳،۵۲،۵۱،۵۰،۴۹،۴۸،۴۷،۴۶،۴۵،۴۴،۴۳،۴۲،۴۱،۴۰،۳۹،۳۸،۳۷،۳۶،۳۵،۳۴،۳۳،۳۲،۳۱،۳۰،۲۹،۲۸،۲۷،۲۶،۲۵،۲۴،۲۳،۲۲،۲۱،۲۰،۱۹،۱۸،۱۷،۱۶،۱۵،۱۴،۱۳،۱۲،۱۱،۱۰،۹،۸،۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱ | ۲۴۷،۲۴۶،۲۴۵،۲۴۴،۲۴۳،۲۴۲،۲۴۱،۲۴۰،۲۳۹،۲۳۸،۲۳۷،۲۳۶،۲۳۵،۲۳۴،۲۳۳،۲۳۲،۲۳۱،۲۳۰،۲۲۹،۲۲۸،۲۲۷،۲۲۶،۲۲۵،۲۲۴،۲۲۳،۲۲۲،۲۲۱،۲۲۰،۲۱۹،۲۱۸،۲۱۷،۲۱۶،۲۱۵،۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲،۲۱۱،۲۱۰،۲۰۹،۲۰۸،۲۰۷،۲۰۶،۲۰۵،۲۰۴،۲۰۳،۲۰۲،۲۰۱،۲۰۰،۱۹۹،۱۹۸،۱۹۷،۱۹۶،۱۹۵،۱۹۴،۱۹۳،۱۹۲،۱۹۱،۱۹۰،۱۸۹،۱۸۸،۱۸۷،۱۸۶،۱۸۵،۱۸۴،۱۸۳،۱۸۲،۱۸۱،۱۸۰،۱۷۹،۱۷۸،۱۷۷،۱۷۶،۱۷۵،۱۷۴،۱۷۳،۱۷۲،۱۷۱،۱۷۰،۱۶۹،۱۶۸،۱۶۷،۱۶۶،۱۶۵،۱۶۴،۱۶۳،۱۶۲،۱۶۱،۱۶۰،۱۵۹،۱۵۸،۱۵۷،۱۵۶،۱۵۵،۱۵۴،۱۵۳،۱۵۲،۱۵۱،۱۵۰،۱۴۹،۱۴۸،۱۴۷،۱۴۶،۱۴۵،۱۴۴،۱۴۳،۱۴۲،۱۴۱،۱۴۰،۱۳۹،۱۳۸،۱۳۷،۱۳۶،۱۳۵،۱۳۴،۱۳۳،۱۳۲،۱۳۱،۱۳۰،۱۲۹،۱۲۸،۱۲۷،۱۲۶،۱۲۵،۱۲۴،۱۲۳،۱۲۲،۱۲۱،۱۲۰،۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷،۱۱۶،۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳،۱۱۲،۱۱۱،۱۱۰،۱۰۹،۱۰۸،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۵،۱۰۴،۱۰۳،۱۰۲،۱۰۱،۱۰۰،۹۹،۹۸،۹۷،۹۶،۹۵،۹۴،۹۳،۹۲،۹۱،۹۰،۸۹،۸۸،۸۷،۸۶،۸۵،۸۴،۸۳،۸۲،۸۱،۸۰،۷۹،۷۸،۷۷،۷۶،۷۵،۷۴،۷۳،۷۲،۷۱،۷۰،۶۹،۶۸،۶۷،۶۶،۶۵،۶۴،۶۳،۶۲،۶۱،۶۰،۵۹،۵۸،۵۷،۵۶،۵۵،۵۴،۵۳،۵۲،۵۱،۵۰،۴۹،۴۸،۴۷،۴۶،۴۵،۴۴،۴۳،۴۲،۴۱،۴۰،۳۹،۳۸،۳۷،۳۶،۳۵،۳۴،۳۳،۳۲،۳۱،۳۰،۲۹،۲۸،۲۷،۲۶،۲۵،۲۴،۲۳،۲۲،۲۱،۲۰،۱۹،۱۸،۱۷،۱۶،۱۵،۱۴،۱۳،۱۲،۱۱،۱۰،۹،۸،۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱ | ۲۴۷،۲۴۶،۲۴۵،۲۴۴،۲۴۳،۲۴۲،۲۴۱،۲۴۰،۲۳۹،۲۳۸،۲۳۷،۲۳۶،۲۳۵،۲۳۴،۲۳۳،۲۳۲،۲۳۱،۲۳۰،۲۲۹،۲۲۸،۲۲۷،۲۲۶،۲۲۵،۲۲۴،۲۲۳،۲۲۲،۲۲۱،۲۲۰،۲۱۹،۲۱۸،۲۱۷،۲۱۶،۲۱۵،۲۱۴،۲۱۳،۲۱۲،۲۱۱،۲۱۰،۲۰۹،۲۰۸،۲۰۷،۲۰۶،۲۰۵،۲۰۴،۲۰۳،۲۰۲،۲۰۱،۲۰۰،۱۹۹،۱۹۸،۱۹۷،۱۹۶،۱۹۵،۱۹۴،۱۹۳،۱۹۲،۱۹۱،۱۹۰،۱۸۹،۱۸۸،۱۸۷،۱۸۶،۱۸۵،۱۸۴،۱۸۳،۱۸۲،۱۸۱،۱۸۰،۱۷۹،۱۷۸،۱۷۷،۱۷۶،۱۷۵،۱۷۴،۱۷۳،۱۷۲،۱۷۱،۱۷۰،۱۶۹،۱۶۸،۱۶۷،۱۶۶،۱۶۵،۱۶۴،۱۶۳،۱۶۲،۱۶۱،۱۶۰،۱۵۹،۱۵۸،۱۵۷،۱۵۶،۱۵۵،۱۵۴،۱۵۳،۱۵۲،۱۵۱،۱۵۰،۱۴۹،۱۴۸،۱۴۷،۱۴۶،۱۴۵،۱۴۴،۱۴۳،۱۴۲،۱۴۱،۱۴۰،۱۳۹،۱۳۸،۱۳۷،۱۳۶،۱۳۵،۱۳۴،۱۳۳،۱۳۲،۱۳۱،۱۳۰،۱۲۹،۱۲۸،۱۲۷،۱۲۶،۱۲۵،۱۲۴،۱۲۳،۱۲۲،۱۲۱،۱۲۰،۱۱۹،۱۱۸،۱۱۷،۱۱۶،۱۱۵،۱۱۴،۱۱۳،۱۱۲،۱۱۱،۱۱۰،۱۰۹،۱۰۸،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۵،۱۰۴،۱۰۳،۱۰۲،۱۰۱،۱۰۰،۹۹،۹۸،۹۷،۹۶،۹۵،۹۴،۹۳،۹۲،۹۱،۹۰،۸۹،۸۸،۸۷،۸۶،۸۵،۸۴،۸۳،۸۲،۸۱،۸۰،۷۹،۷۸،۷۷،۷۶،۷۵،۷۴،۷۳،۷۲،۷۱،۷۰،۶۹،۶۸،۶۷،۶۶،۶۵،۶۴،۶۳،۶۲،۶۱،۶۰،۵۹،۵۸،۵۷،۵۶،۵۵،۵۴،۵۳،۵۲،۵۱،۵۰،۴۹،۴۸،۴۷،۴۶،۴۵،۴۴،۴۳،۴۲،۴۱،۴۰،۳۹،۳۸،۳۷،۳۶،۳۵،۳۴،۳۳،۳۲،۳۱،۳۰،۲۹،۲۸،۲۷،۲۶،۲۵،۲۴،۲۳،۲۲،۲۱،۲۰،۱۹،۱۸،۱۷،۱۶،۱۵،۱۴،۱۳،۱۲،۱۱،۱۰،۹،۸،۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱ |

فہرست نقشہ جات "نبی رحمت"

- ۱۔ نقشہ جزیرہ نمائے عرب
- ۲۔ " جزیرہ نمائے عرب (طبعی)
- ۳۔ " اہم قبائل کے مقامات
- ۴۔ " مکہ مکرمہ (حرم و اطراف حرم)
- ۵۔ " مدینہ منورہ و مضافات
- ۶۔ " غزوہ بدر کا میدان
- ۷۔ " جبل احد
- ۸۔ " باز نظیبنی اور ساسانی شہنشاہین
- ۹۔ " اہم اسلامی غزوات کے مقامات
- ۱۰۔ " راستے و مقامات ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حجۃ الوداع